تفسیر ابن کثیر

عصر حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ

جدید محقق ایڈیشن

از تحقیقات و تعلیقات

الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ
الشیخ المحدث شعیب ارنووط حفظہ اللہ
الشیخ عبد الرزاق مہدی حفظہ اللہ
الشیخ مصطفیٰ السید محمد حفظہ اللہ
الشیخ محمد فضل عجماوی حفظہ اللہ
الشیخ حسن عباس قطب حفظہ اللہ
الشیخ محمد السید رشاد حفظہ اللہ
الشیخ علی احمد الباقی حفظہ اللہ
الشیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

جلد: 1



تالیف
حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ
مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ

اہتمام تخریج وتحقیق
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ




ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز

ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ





ابو امیمہ اویس

QLRF



عصر حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ



تفسیر ابن کثیر

قرآن کریم، احادیث نبویہ اور سلف صالحین
کے اقوال کی روشنی میں



تفہیم کتاب و سنّت کا تحقیقی وطباعتی ادارہ

نام کتاب

تفسیر ابن کثیر

تالیف	امام ابوالفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ
ترجمہ	مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ
اہتمام تخریج و تحقیق	حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ
تاریخ اشاعت	مارچ ۲۰۰۹ء
مطبوعہ	قرطاس پرنٹرز لاہور
ناشر	فقہ الحدیث پبلیکیشنز پاکستان لاہور
ڈسٹری بیوٹر	نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

FIQH-UL-HADITH PUBLICATIONS

Lahore-Pakistan Mob. 0300-4206199

E-mail: editor@fiqhulhadith.com, Website: www.fiqhulhadith.com



از تحقیقات وتعلیقات

الشیخ ناصر الدین البانی
الشیخ المحدث شعیب ارنؤوط
الشیخ عبد الرزاق مہدی
الشیخ مصطفیٰ السید محمد
الشیخ محمد فضل عجماوی
الشیخ حسن عباس قطب
الشیخ محمد السید رشاد
الشیخ علی احمد الباقی
الشیخ زبیر علی زئی
الشیخ مبشر احمد ربانی

عصر حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ

تفسیرِ ابنِ کثیر

جلد اوّل

امام ابو الفداء عماد الدین حافظ ابنِ کثیر

جدید محقق ایڈیشن



ترجمہ
مولانا محمد جونا گڑھی

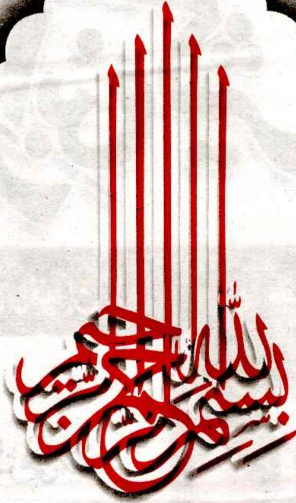
اہتمام تخریج وتحقیق
حافظ عمران ایوب لاہوری

ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-7321865, 0334-4229127
E-mail: nomania2000@hotmail.com
Web: www.nomanibooks.com



ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز
پاکستان - لاہور
0300-4206199
E-mail: editor@fiqhulhadith.com
Website: www.fiqhulhadith.com





شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے



ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی
اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا

(الفرقان / ۳۰)

”اور پیغمبر (شکایت کرتے ہوئے) کہے گا کہ اے میرے پروردگار!
بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔“



فرمان نبوی ہے کہ

اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّهُ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهِ

[صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين (٨٠٤)]

”قرآن پڑھا کرو کیونکہ قرآن روز قیامت اُن لوگوں کی سفارش کرے گا جو اس کی تلاوت کرتے رہے۔“



اِبتدائیہ

قرآن کریم تغییر وتبدل سے محفوظ، ٹھوس حقائق پر مبنی، گزشتہ وآئندہ حالات کی مخبر اور الفاظ ومعانی میں جادوئی اثر رکھنے والی اللہ رب العزت کی سب سے عظیم کتاب ہے۔ اس کی رفعتِ شان کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ یہ خالقِ ارض وسماء کا کلام ہے۔ اُس نے اسے سب سے افضل فرشتے ''جبرئیل امین علیہ السلام'' کے ذریعے سب سے افضل زبان ''عربی'' میں سب سے افضل پیغمبر ''محمد رسول اللہ ﷺ'' پر کم وبیش 23 سال کے عرصے میں نازل فرمایا۔

چونکہ نزولِ قرآن کا مقصد اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا تھا اس لیے اس کے نزول سے لے کر آج تک اس کی تعلیم وتفہیم کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے کچھ اہل علم نے درس وتدریس کی خدمات انجام دیں اور کچھ نے تالیف وتصنیف کی۔ تالیفی خدمات انجام دینے والی نمایاں ہستیوں میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ، امام سیوطی رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام شوکانی رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ کے پہلو بہ پہلو ایک عظیم ہستی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے عربی میں ایک نہایت ہی عمدہ تفسیر 'تفسیر القرآن العظیم' مرتب فرمائی جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے۔

موصوف نے تفسیر قرآن کا بہترین اسلوب اختیار فرمایا اور قرآن کریم، احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ وتابعین اور ائمہ سلف کے اقوال کو پیش نظر رکھا۔ اعداد وشمار کے مطابق اس تفسیر میں احادیث کی تعداد صحیح بخاری کی احادیث سے بھی زیادہ ہے، ائمہ سلف کے اقوال بھی ہزاروں میں ہیں، اکثر وبیشتر مقامات پر مؤلف رحمہ اللہ نے احادیث کی تصحیح وتضعیف کا بھی اہتمام فرمایا ہے۔ مزید برآں قاری کو اس میں فقہا کی آراء، قراءات کا اختلاف اور صرفی ونحوی ابحاث بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایسی خصوصیات ہیں جو تفسیر ابن کثیر کو دیگر تفاسیر سے ممتاز کر دیتی ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کی انہی نمایاں خصوصیات کی بنا پر اسے اہل علم میں بہت پذیرائی ملی حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام ذہبی، امام سیوطی اور امام شوکانی رحمہم اللہ وغیرہ جیسے ائمہ عظام و جبالِ علم نے اسے احسن التفاسیر قرار دیا، اس کے اختصارات کیے گئے، اس کی تخریج وتحقیق کی گئی، اس پر مقدمات تحریر کیے گئے، اس میں موجود اسلوبِ تفسیر پر کتابیں تالیف کی گئیں، کچھ عرصہ قبل افادۂ عام کی غرض سے مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ نے اسے اردو قالب میں ڈھالا اور آج بحمد اللہ راقم الحروف کو بھی خدمتِ قرآن کے جذبہ سے اس تسلسل کا حصہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اس تفسیر کی اہمیت وافادیت میں مزید اضافے اور اسے عوام وخواص، علماء واساتذہ، طلبا وطالبات وغیرہ کی ضرورت کی تکمیل کا بہترین ذریعہ بنانے کے لیے بزرگ علما واساتذہ اور کہنہ مشق محققین کی زیر سرپرستی راقم نے جو کوشش کی ہے اس کے چند نکات درج ذیل ہیں:

- ترجمہ میں بعض قدیم الفاظ کی جدید الفاظ میں تبدیلی۔
- تفسیر میں موجود قرآنی آیات کے مکمل حوالہ جات کا اہتمام۔
- صحاح ستہ اور دیگر اہم کتب حدیث (جیسے مسند احمد، دارمی، مؤطا، ابن خزیمہ، ابن حبان، مستدرك حاكم، طبرانی كبير و اوسط و صغير، مسند حميدی، مسند عبد بن حميد،

مصنف عبد الرزاق ، مصنف ابن ابی شیبہ ، مجمع الزوائد ، دلائل النبوۃ ، شعب الایمان ، ابو یعلی ، دارقطنی ، شرح السنہ ، شرح معانی الآثار ، مشکل الآثار ، مسند ابو عوانہ ، مسند طیالسی ، مسند بزار ، مسند شافعی اور موارد الظمآن وغیرہ) سے احادیث کی تخریج۔

- علاوہ ازیں تخریج کے سلسلہ میں شیخ البانی ؒ کی مختلف کتب جیسے صحیح وضعیف ابوداود ، صحیح وضعیف نسائی ، صحیح وضعیف ترمذی ، صحیح وضعیف ابن ماجہ ، صحیح وضعیف الجامع الصغیر ، السلسلۃ الصحیحۃ والضعیفۃ ، صحیح وضعیف الترغیب والترھیب ، ارواء الغلیل ، احکام الجنائز ، آداب الزفاف ، تمام المنۃ اور صحیح السیرۃ النبویۃ وغیرہ سے استفادہ۔
- اکثر وبیشتر احادیث پر قدیم کبار محققین (جیسے ابن حجرؒ، نوویؒ، شوکانیؒ، حاکمؒ، ذہبیؒ وغیرہ) کی تحقیقات سے استفادہ۔
- اردو زبان میں **پہلی مرتبہ عصر حاضر کی تقریباً تمام عربی و اردو تحقیقات سے استفادہ** کر کے تشنگانِ علم کے لیے علمی و تحقیقی مواد کی جمع و ترتیب۔ اس سلسلے میں بطورِ خاص **علامہ ناصر الدین البانی** رحمہ اللہ ، **شیخ شعیب ارناؤوط ، شیخ مصطفی السید ، شیخ رشاد ، شیخ عجماوی ، شیخ علی احمد ، شیخ حسن عباس ، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی** حفظہم اللہ وغیرہ کی تحقیقی کاوشوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔
- اس تحقیقی کام کے علاوہ جو فنی کام ادارہ **فقہ الحدیث پبلیکیشنز** نے انجام دیا ہے اس میں عمدہ کمپوزنگ، اعلیٰ کتابتِ قرآن، بہترین سرورق اور دو رنگہ طباعت کے جدید اسلوب کا اہتمام قابل ذکر ہے۔

اس کوشش کے بعد بلاشبہ یہ **جدید محقق ایڈیشن** ابن کثیر کے دیگر تمام نسخے خریدنے سے کافی حد تک مستغنی کر دیتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اسے اپنے علمی و تحقیقی ذوق شوق کی تسکین کا بہترین ذریعہ پائیں گے۔

آخر میں مَیں بارگاہِ الٰہی میں انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اظہارِ تشکر پیش کرنے کے بعد اپنے تمام اساتذہ کرام کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی پر خلوص تعلیم وتربیت ہی میرے لیے ہر کامیابی کا زینہ ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں **محترم ضیاء الحق نعمانی بھائی** کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اپنے مفید مشوروں اور قیمتی تجاویز کے دروازے ہمیشہ میرے لیے کھلے رکھے۔ **محترم بھائی عرفان ایوب** کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کمپیوٹر کے کام میں ہر طرح سے میری معاونت کی۔ نیز میں ان تمام احباب ورفقا کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس عظیم خدمتِ قرآن کے سلسلے میں کسی بھی طریقے سے میرا تعاون کیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے اور راقم الحروف کو مزید علمی تحقیقات پیش کرنے کی توفیق سے نوازے۔ (آمین یارب العالمین!)

حافظ عمران ایوب لاھوری حفظہ اللہ

تاریخ: 15 مارچ 2009ء
فون: 0300-4206199
ای میل editor@fiqhulhadith.com
ویب سائٹ: www.fiqhulhadith.com

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
ابتدائیہ	7
مختصر تعارف امام ابن کثیرؒ	16
مقدمہ ابن کثیر	
حمد وثناء کا اکیلا مستحق مالک	17
کامل حجت نبی کریم	18
قرآن میں غور وفکر کی نصیحت	19
غلط تفسیر کرنے والوں کا انجام	19
تفسیر کا صحیح طریقہ	20
حدیث نبوی کی فضیلت	20
قرآن سمجھنے کا بہترین اسلوب اور شانِ صحابہ	21
اسرائیلی روایات کی حیثیت	22
مخصوص اختلافات کو بیان کرنے کا جواز	23
تفسیر بیان کرنے کا آخری طریقہ	23
تفسیر میں رائے کا دخل	24
تفسیر میں اسلاف کا منہج	25
تفسیر کی چار قسمیں	28
مفید مقدمہ؛ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں	28
قرآن کی سات منزلیں	29
آیت کی وجہ تسمیہ	30
کلمہ کا مفہوم	30
تفسیر پارہ 1 سورہ فاتحہ	
سورہ فاتحہ کے نام	31
بسم اللہ کے حوالے سے اختلاف	32
سورۃ فاتحہ کی مزید کچھ تفصیل	32
سورۂ فاتحہ کی فضیلت	34
''أعوذ باللہ'' کی تفسیر اور اس کے احکام	41
تعوذ پڑھنا واجب یا مستحب؟	44
تعوذ پڑھنے کا وقت اور مقام	44
بسم اللہ کے متعلق کچھ تفصیل	47
بسم اللہ اونچی آواز سے یا آہستہ آواز سے؟	48
قراءت کا نبوی اسلوب	49
فصل: بسم اللہ کی فضیلت	50
کچھ اور تفصیل	54
اللہ تعالیٰ کا اپنے تمام صفاتی نام خود تجویز فرمانا	55
الرحمٰن اور الرحیم کی تشریح	58
الحمد للہ پڑھنے کے مختلف انداز	62
اقوالِ سلف کی روشنی میں حمد	63
لفظ رب کی توضیح	65
لفظ عالمین کی توضیح	66
اللہ کے کچھ صفاتی نام	67
حقیقی مالک کون؟	68
اللہ تعالیٰ ہی حقیقی بادشاہ	69
عبادت کی حقیقت	70
اللہ سے دعا مانگنے کا طریقہ	73
صراط مستقیم کا مفہوم	74

انعام کے مستحق وہی جو صراطِ مستقیم پر چلے 76
مغضوب لوگ 77
باریک نکتہ 80
آمین کی فضیلت اور مسائل 81

تفسیر سورہ بقرہ

سورۂ بقرہ کی فضیلت 84
سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے فضائل 87
سات طویل سورتوں کی فضیلت 90
نزول کا مقام اور کچھ مزید معلومات 90
حروف مقطعات کی تفسیر میں اختلاف 91
متقی کون ہیں؟ 98
ہدایت کیا ہے؟ 99
ایمان کی حقیقت 100
اقامتِ صلاۃ اور صدقہ وخیرات 103
تقویٰ میں آسمانی کتابوں پر ایمان بھی شامل 105
ہدایت یافتہ اور کامیاب لوگ 107
بدقسمت لوگ 108
جن کے دلوں پر مہر لگادی گئی 109
نفاق کی حقیقت 112
بیمار دلوں کا حال 114
فسادی کون ہیں؟ 117
فساد کی ایک صورت کفار سے دوستی رکھنا 118
بے وقوف لوگوں کی پہچان 119
منافقین کی ایک اہم صفت 119
جن کی تجارت سودمند نہ ہوئی 122
منافقوں کی مثال 123
مومن، کافر اور منافق کی پہچان 126
احادیث نور کا بیان 127
حقیقی معبود 130
چند اقسامِ شرک 130
اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پانچ احکام 132
صدقِ رسالت کا ثبوت 135
مومنوں کے لیے اجر عظیم اور بشارت 142
اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا 144
جنہوں نے اللہ کے عہد کا پاس نہ رکھا 146
جنہوں نے اللہ کا عہد نبھایا 147
زندگی اور موت کا حقیقی مالک 149
ارض وسماء کی تخلیق 150
خلیفہ بنانے کا مقصد 153
فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب 158
صرف اللہ ہی عالم الغیب 159
تخلیق آدم اور انعامات الٰہی 161
ابلیس کی معرفت 163
آدم علیہ السلام جنت میں اور حواء علیہا السلام کی تخلیق 165
زمین پر انسانی زندگی کی ابتدا 167
آدم وحوا علیہما السلام کی معافی 168
انبیاء کے متبعین اور منکرین کا انجام 170
بنی اسرائیل کو نصیحت 171
کتمانِ حق کے مرتکب یہود کے دوست 174
دوسروں کو نیکی کا حکم اور خود اس سے فرار 174
وعظ ونصیحت کرنے والے متوجہ ہوں 174
نماز وصبر کے ساتھ مدد طلب کرنا 177

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر انعاماتِ الٰہی 180
روزِ قیامت کوئی فدیہ نفع نہ دے گا 181
بنی اسرائیل کو انعامات کی یاددہانی 182
موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا عہد 185
ظالموں کو اللہ کی طرف رجوع کی ہدایت 185
ایمان نہ لانے کا بہانہ اور اس کی سزا 186
بادلوں کا سایہ 188
اصحابِ رسول بنی اسرائیل کے برعکس 190
بنی اسرائیل پر ایک اور انعام 193
اچھی چیز چھوڑ کے گھٹیا کا انتخاب 194
بغاوت ونافرمانی کی سزا 195
انبیاء کے اطاعت گزار صرف مومن لوگ 196
یہود کی معرفت 197
صابی کون ہیں؟ 197
عہد شکن قوم یہودی 198
یہود کا بندروں کی صورت میں مسخ 199
امت محمدیہ کے لیے نصیحت 202
گائے ذبح کرنے کا واقعہ 202
بنی اسرائیل کے بہانے 204
پتھر دل لوگ 207
یہودیوں کا کردار 211
امی اور ویل کا مفہوم 212
جہنم میں جانے والے 215
باطل معبودوں سے بچنے کا حکم 216
اوس وخزرج اور دیگر قبائل کو دعوتِ اتحاد 218
خواہش پرست اسرائیلی 220
غلف کا مفہوم 222
انکار کا سبب 223
حسد کی قباحت 223
خود پسند یہودی موردِ عتاب 224
صدائے بازگشت 225
دعوتِ مباہلہ 226
جبرئیل علیہ السلام کے دشمن کفر میں مبتلا 228
سلیمان علیہ السلام اور جادو 234
جادو کی قسمیں 244
کفار کی مشابہت سے اجتناب 250
احکام کے نسخ کا مقصد 252
کثرت سوال ایک مذموم فعل 255
قومی عصبیت باعث شقاوت 258
شیطان صفت یہودی 259
اللہ کی مساجد سے روکنے والے 261
کعبہ صرف ایک سمت 263
اللہ تعالیٰ ہی قادرِ مطلق 267
ہر چیز خود دیکھنے کا مطالبہ محض حماقت 270
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محض واعظ وناصح 271
دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم 273
تلاوت کے حق کا مفہوم 273
تنبیہ 275
امامِ توحید 275
مقام ابراہیم جائے نماز مقرر 279
حکم کے برابر عہد 282
مدینہ افضل یا مکہ؟ 285

سناٹے کی آغوش میں زندگی 287
کعبہ کی تعمیر 290
بعثتِ محمد دعائے ابراہیم کا نتیجہ 297
مشرکین کی تردید 299
جن اعمال پر زندگی انہی پر موت 301
عبادت کا اکیلا حقدار اللہ عزوجل 301
اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب 303
صحابہ معیارِ ہدایت 305
مشرکوں سے بیزاری 305

تفسیر پارہ 2

قبلہ کی تبدیلی 307
مسلمانوں کی گواہی وجوبِ جنت کا ذریعہ 310
بندوں پر اللہ کی رحمت وشفقت 312
قبلہ ابراہیمی نبی ﷺ کی خواہش 313
قبلہ رخ نماز سے متعلقہ مسائل 314
نماز کے دوران نظر کا مقام 315
انکارِ حق اور اطاعتِ باطل ظلم 315
کتمانِ حق کے مرتکب یہودی علما 316
سچا قبلہ 317
اعتراضاتِ یہود قابل اعتناء نہیں 318
ذکرِ الٰہی شکر کے مترادف 319
صبر اور نماز مدد مانگنے کے ذرائع 320
شہداء کو مردہ نہ کہو 321
مومن پر آزمائش ضرور آتی ہے 322
صبر کرنے والوں کی پہچان 323
مصیبت وتکلیف کی دعا 323
صفا ومروہ کے طواف کا طریقہ 324
طواف کے دوران سعی 326
کتمانِ حق جرم عظیم 327
کتمانِ حق کے مرتکب ملعون 327
عبادت کا اکیلا حقدار 329
مضبوط اور روشن دلائل 329
اللہ سے محبت کی بجائے اوروں سے محبت 331
حلال روزی کی ترغیب وفوائد 333
خطواتِ شیطان کا مفہوم 334
ضلالت وجہالت کا مفہوم 334
رزقِ حلال اور رزقِ حرام کی پہچان 335
کتمانِ حق کے مرتکب کا انجام 339
ناحق یتیموں کا مال کھانے والوں کا انجام 339
نیکی کیا ہے؟ 340
افضل صدقہ 341
ذوی القربیٰ معنی 342
یتامی کا مفہوم 342
مساکین کی تعریف 342
ابن سبیل کون؟ 343
سوال کرنے والے 343
فی الرقاب کا مفہوم 343
اقامتِ صلاۃ اور ادائے زکوٰۃ 343
عہد توڑنا منافقت 344
قصاص کی توضیح 345
کافر کے بدلے مسلمان کا قتل 346
وصیت کے احکام 348

وصیت کے متعلق فرمانِ نبوی 349
خیرا کا مفہوم 350
معروف کا مفہوم 350
فرضیتِ روزہ کا مقصد 352
نماز کی تبدیلیاں 353
روزوں کی تبدیلیاں 354
بوڑھے، حاملہ اور مرضعہ کے لیے رخصت 355
نزول قرآن کے سبب رمضان کی فضیلت 356
قرآن کریم کی فضیلت 357
مریض اور مسافر کے لیے رخصت 357
چند روزے کے مسائل 359
دعا کا طریقہ اور قبولیت کی شرائط 361
رمضان میں کھانا اور جماع 366
رمضان میں سحر و افطار 367
اعتکاف کے مسائل 373
دوسرے کا مال غصب کرنے کی حرمت 375
چاند سے ماہ و سال کا تعین 376
جہاد کے احکام و شرائط 377
حرمت والے مہینے اور بیعت رضوان 382
مالی جہاد کی ترغیب 383
حج و عمرہ کے مسائل 385
محرم کے راستے میں رکاوٹ 386
حج تمتع کے مسائل 390
حج تمتع کن کے لیے؟ 392
احرام اور زادِ راہ 393
اشھر کی تشریح 394
حج کے دوران تجارت 398
عرفہ، مزدلفہ میں داخل ہونے 399
واپس لوٹنے کی جگہ 403
حج مکمل ہونے کے بعد ذکرِ الٰہی 404
ایام تشریق میں ذکرِ الٰہی 407
دوغلے لوگ منافقین 409
مومن کی تعریف 411
کامیابی اطاعت میں ہی 412
مومنوں کیلئے نبی ﷺ کی شفاعت 413
بنی اسرائیل کی سرکشی 415
پہلی امتوں پر امتِ محمدیہ کی فضیلت 416
مشکل کے بعد آسانی 418
صدقہ کے مستحق لوگ 420
فرضیتِ جہاد 420
حرام مہینے اور حضرمی کا قتل 422
حرمتِ شراب اور اس کے اسباب 425
عفو کی وضاحت 426
یتیم کے مال کے متعلق احکام 427
یہودی عیسائی عورتوں سے نکاح 428
نکاح کے لیے ملحوظ اُمور 430
ایام ماہواری اور ہم بستری 431
قسم اور اس کا کفارہ 441
ایلاء کا مفہوم اور مدت 444
طلاق اور عدت کے مسائل 446
قروء کی تفسیر 447
حقوق زوجین 449

شرعی طلاق اور شرعی خلع 450
خلع یافتہ عورت کی عدت 454
خلع یافتہ عورت سے رجوع 455
طلاق بائنہ اور نکاح حلالہ 456
شرعی طلاق کی معرفت 459
مطلقہ کے لواحقین کو نصیحت 460
مدتِ رضاعت دو سال 462
رضاعت کے مسائل 462
متوفی عنہا زوجہا کی عدت 465
پیغام نکاح بھیجنے کا طریقہ 468
حق مہر کے مسائل 470
حق مہر کی مزید تفصیل 471
بطورِ خاص درمیانی نماز کی حفاظت 473
بیوگان کے مسائل 481
جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ 483
قرض حسنہ کا مفہوم 485
بنی اسرائیل پر ایک اور انعام 487
بنی اسرائیل حیلے و بہانے کرنے والی قوم 488
تابوت سکینہ طالوت و جالوت کی جنگ 489
طالوت کے لشکر کی آزمائش 490
داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کا قتل 491

تفسیر پارہ 3

انبیاء کے مراتب کا بیان 493
انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب 494
فضائل آیت الکرسی 495
جبراً اسلام میں داخلہ نہیں 502
اندھیروں سے نور کی طرف 505
ابراہیم علیہ السلام اور نمرود 506
موت کے بعد زندگی 508
معمہ حیات وموت 509
انفاق فی سبیل اللہ کا فائدہ 511
خیرات کرنے والوں کے لیے ہدایات 513
ہمیشہ کا فائدہ 514
بڑھاپے میں عذاب کی مثال 515
ردّی اور حرام مال کا صدقہ قبول نہیں 516
اعلانیہ اور چھپا کر خرچ کرنا 520
صدقات کے حقدار 522
تجارت اور سود ایک چیز نہیں 526
سود کا خاتمہ اور صدقات میں اضافہ 530
سود اور قرض کے چند مسائل 532
لین دین کے معاملات لکھنا اور گواہ 537
گروی کے مسائل 542
انسان کے ضمیر سے خطاب 543
سورہ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت 547

تفسیر سورہ آل عمران

اسم اعظم کا بیان 551
اللہ ہی حقیقی خالق 551
متشابہ آیات 552
علم میں رسوخ والے 557
کفار جہنم کا ایندھن 559
حق و باطل کا پہلا معرکہ 560
دنیوی و اُخروی جمال کا موازنہ 563

متقی بندوں کے اوصاف 566
اللہ وحدہ لاشریک اپنی وحدت کا خود شاہد 568
بنی اسرائیل انبیاء کی قاتل قوم 571
جھوٹے دعوے 572
اللہ ہی مالک الملک 573
کفار سے دوستی کی ممانعت 574
اللہ تعالیٰ سے ڈر ہی بہتر 575
اللہ کی محبت کے لیے نبی کی اتباع 576
پہلے نبی آدم علیہ السلام 577
مریم علیہا السلام کا تذکرہ 578
زکریا علیہ السلام کا بیان 580
دعا کی قبولیت اور یحییٰ علیہ السلام 582
تین افضل خواتین 584
عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ 586
عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات 588
صولی پر کون چڑھا؟ 589
عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی جانب 591
عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح 595
یہود و نصاریٰ سے خطاب 601
ابراہیم علیہ السلام اور یہود و نصاریٰ 603
یہود کا حسد 605
بددیانت یہود 606
جھوٹی قسمیں کھانے والوں کا انجام 608
ملعون یہودیوں کا ایک اور بدترین فعل 611
نبوت کا مقصد 612
انبیاء سے عہد و میثاق 613
اسلامی اصول اور بدلے کا دن 615
توبہ اور قبولیت 617
جب توبہ قبول نہیں ہوگی 618

تفسیر پارہ ۴

محبوب ترین چیز کا صدقہ 620
بارگاہ رسالت میں یہودی وفد 621
بیت اللہ اور حج کے احکام 623
کفار کا انجام 628
کفار کی اطاعت کا نقصان 628
اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن حکیم 629
برائی سے روکنے والی جماعت 633
بہترین امت 636
خود اپنے نفسوں پر ظلم 644
کفار کو ہم راز نہ بناؤ 645
غزوہ احد 648
غزوہ بدر 651
سود خوری کی ممانعت اور غصہ سے بچنے کی تلقین 654
استغفار اور کلمہ لا الہ الا اللہ 660
عزیمت کا راستہ جنت کا راستہ 662
غزوۂ احد میں نبی ﷺ کی وفات کی افواہ 663
کفار کے ارادے اور غزوہ احد 666

مختصر حالاتِ زندگی
امام ابوالفداء عماد الدین حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ

نام ونسب: امام ابوالفداء حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع البصروی الدمشقی رحمہ اللہ۔

مقام وتاریخ پیدائش: آپؒ شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں واقع مِجدَل بستی میں 701ھ (بمطابق 1302ء) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپؒ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد ایک مسجد میں خطیب تھے۔ وہ آپ کے بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ تب آپ کے بھائی عبدالوہاب (ایک جید عالم دین وفقیہ) نے آپ کی تربیت اور پرورش کا بیڑا اٹھایا۔ کچھ عرصہ بعد آپ اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق چلے گئے اور پھر وہیں مقیم ہوکر تعلیم وتعلم اور بعدازاں درس وتدریس کے کام میں مصروف رہے اور ساتھ ہی ساتھ تالیف وتصنیف کا کام بھی انجام دیتے رہے۔

اساتذہ: آپؒ کے ابتدائی اساتذہ میں آپ کے بڑے بھائی بھی شامل ہیں، آپ نے ان سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر وقت کے جید علما سے کسب فیض کیا۔ آپ کے چند اہم اساتذہ یہ ہیں:

ابن الفرکاح	ابن عساکر	عیسیٰ بن مطعم	محمد بن زراد
عفیف الدین آمدی	امام ذہبی	امام مزی	امام ابن تیمیہ

تلامذہ: آپؒ ساری زندگی درس وتدریس کے کام میں مصروف رہے، جس بنا پر آپ کے شاگردوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہے، مگر مؤرخین نے آپ کے زیادہ تلامذہ کا ذکر نہیں کیا، چند ایک کے اسماء یہ ہیں:

ابن سند لخمی	ابن یونانیه بعلی	بدر الدین زرکشی	ابن الجزری
ابن الحریری	سعد النواوی	علی ردماوی	مسعود انطاکی

تالیفات: آپؒ نے مختلف علوم وفنون میں 34 کے قریب کتب تالیف فرمائیں، چند اہم یہ ہیں:

تفسیر ابن کثیر	البداية والنهاية	اختصار علوم الحديث	طبقات الشافعيه
الاجتهاد فی طلب الجهاد	رسالة فی فضائل القرآن	اختصار السيرة النبوية	مناقب الشافعی

وفات: آپؒ دمشق میں 26 شعبان 774ھ میں بروز جمعرات تقریباً 74 برس کی عمر پا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو اپنے عظیم شیخ ومعلم امام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

[جزاه الله خيرا وأحسن الجزاء]

مقدمہ ابن کثیر

حمد وثناء کا اکیلا مستحق مالک: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنی کتاب کو اپنی حمد کے ساتھ شروع کیا اور فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور فرمایا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ (الكهف / ١) الخ یعنی سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں، جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی جو ہمیشہ دین کو قائم رکھنے والا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے اللہ کا پیغمبر لوگوں کو ڈرائے۔اور جو لوگ ایمان لا کر اچھے عمل کرتے ہیں انہیں ان کے بہترین اور لازوال انعامات کی خوشخبریاں سنائے۔اور جو لوگ اپنے بے علم باپ دادا کی سنی سنائی باتوں کی بنا پر اللہ کی اولاد مانتے ہیں انہیں بھی ڈرائے۔ کیونکہ یہ بہت بڑی دلیری اور محض جھوٹ بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے۔اے نبی ﷺ! تم ان کے لیے اپنی جان کو روگ نہ لگاؤ۔

جس طرح اس پروردگار نے اپنی کتاب کو اپنی حمد سے شروع کیا اسی طرح اس نے اپنی مخلوق کے ذکر کو بھی اپنی حمد سے ہی شروع کیا۔ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الانعام / ١) یعنی سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمان وزمین کو اور اندھیرے واجالے کو پیدا کیا لیکن کفار اس کے باوجود بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔اسی طرح مخلوق کے خاتمہ کا ذکر بھی اپنی حمد وثناء پر ہی کیا۔اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الزمر / ٧٥) یعنی تو دیکھے گا کہ فرشتے عرش الٰہی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے اور اپنے رب کی حمد وثناء تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہوں گے۔ فیصلے حق کے ساتھ ہو چکے ہوں گے اور کہہ دیا گیا ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص / ٧٠) یعنی وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔سب تعریفیں اول وآخر اسی کے لیے ہیں۔اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹا کر لائے جاؤ گے اور ارشاد ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَهُ مَا فِى السَّمٰوَاتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (السبـاء / ١) یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی آسمان وزمین کی کل چیزیں ہیں، آخرت میں بھی حمد اسی کے لیے ہے۔وہی حکمتوں والا سب خبریں رکھنے والا ہے۔لہٰذا اول، آخر اسی کی تعریف ہے یعنی جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا وہی ان سب کی تعریفوں کا مستحق ہے جیسے کہ نمازی ﴿سَمِعَ اللّٰهُ﴾ الخ کے بعد کہتا

ہے ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْأَ الْأَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ﴾
اے اللہ! ہمارے رب تیرے ہی لیے سب تعریفیں ہیں آسمان وزمین بھر جانے کے برابر اور ان کے بعد بھی جس چیز کو تو بھر دینا چاہے۔ اسی لیے جنتی لوگ بھی حمد وثناء کا الہام کیے جائیں گے اور ان کے سانس کے ساتھ ہی بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی تسبیح ادا ہوتی رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور اسکی قدرت کاملہ اس کی زبردست سلطنت' اس کی مسلسل رحمتیں اور اس کے دائمی احسان ان کے پیش نظر ہوں گے۔ اسی کو قرآن پاک نے بیان فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ○ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (یونس/ ۹'۱۰) یعنی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان نعمتوں والی جنتوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں ان کی آواز ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ﴾ گونجتی ہوگی اور آپس میں سلام کا تحفہ ہوگا۔ اور گویا سب کی پکار یہی ہوگی کہ سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔

کامل حجت نبی کریم ﷺ: ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء/ ۱۶۵) یعنی اللہ ہی کے لیے تعریف ہے۔ جس نے اپنے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کے آ جانے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے۔ ان رسولوں کا سلسلہ نبی امی عربی مکی مدنی ﷺ پر ختم کیا جو سب سے زیادہ واضح راہ کی راہنمائی کرنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک جتنے جنات اور انسان ہیں ان سب کی طرف آپ کی رسالت ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الاعراف/ ۱۵۸) الخ اے نبی ﷺ! کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جو آسمان وزمین دونوں کا مالک ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پس اے لوگو! تم سب ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے اس رسول ﷺ پر جو نبی ہیں' امی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لوگو! انہیں کی پیروی میں تمہاری ہدایت مضمر ہے ارشاد ربانی ہے: ﴿لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾ (الانعام/ ۱۹) تا کہ میں تمہیں بھی ڈراؤں اور انہیں بھی جنہیں یہ اللہ کا کلام پہنچے۔ یعنی عربی' عجمی' کالے گورے' جس انسان کو بھی یہ قرآن پہنچے۔ آنحضرت ﷺ اس کے لیے ڈرانے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ﴾ (ھود/ ۱۷) یعنی اس کے ساتھ کفر کرنے والا جہنمی ہے۔ پس جو کوئی قرآن کے ساتھ کفر کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہوتا ہے۔
﴿فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ○﴾

(القلم/ ٤٤) یعنی ان جھٹلانے والوں کو میرے حوالے کر دو۔ میں انہیں اس طرح بتدریج پکڑوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری پیغمبری آفاقی ہے۔ ہر سرخ وسیاہ کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا گیا ہوں۔ [1] مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی کل جن وانس کی طرف۔ [2] پس آنحضرت ﷺ تمام انسانوں اور جنات کی طرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ سب کو اللہ الکریم کی وحی اور عزت والے قرآن کو آپ پہنچانے والے ہیں جس پاک کتاب کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہے۔

قرآن میں غور وفکر کی نصیحت: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پاک کلام کو سمجھنے کی تاکید بھی اسی میں کر دی ہے فرمایا کہ تم قرآن پاک میں تدبر اور غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے [3] اور دوسری جگہ فرمایا اس مبارک کتاب کو ہم نے تیری طرف اتارا تاکہ لوگ اس میں غور وحوض کریں اور عقلمند لوگ نصیحت پکڑیں [4] اور جگہ فرمایا یہ لوگ قرآن سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟ [5]

غلط تفسیر کرنے والوں کا انجام: علماء پر واجب ہے کہ کلام اللہ کا مطلب واضح کر دیں اور اس کی صحیح تفسیر کریں اور اسے باقاعدہ اپنا محور علم بنائیں اسے سیکھیں اور سکھائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں (اس کے احکامات) نہ چھپائیں لیکن ان لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے۔ ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے [6] اور جگہ فرمایا: ''جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑے مول کے بدلے بیچتے پھریں۔ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ بات چیت نہیں کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے'' [7] پس جو لوگ ہم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے تھے اور انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا۔ پروردگار نے ان کی مذمت کی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسا نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے۔ بلکہ انہیں چاہیے کہ احکام الٰہی کی تعمیل میں دل وجان سے لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھنے، سکھانے، سمجھنے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں۔

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب المساجد و مواضع الصلوة (٥٢١) مسند احمد (١٤٨/٥) مجمع الزوائد (٢٦١/٨)]

[2] [مسند احمد (١٤٥/٥)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [سورة النسآء: آیت ٨٢]

[4] [سورة ص: آیت ٢٩]

[5] [سورة محمد: آیت ٢٤]

[6] [سورة ال عمران: آیت ١٨٧]

[7] [سورة ال عمران: آیت ٧٧]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا ایمان والوں کے لیے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور جو ان کی طرف حق اترا ہے اس سے کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی۔ لیکن کچھ زمانہ گزرتے ہی ان کے دل سخت ہو گئے اور اکثر لوگ نافرمان ہو گئے جان لو کہ مردہ زمین کو جلانا اللہ ہی کا کام ہے۔ ہم نے تمہاری سمجھ بوجھ کے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں‘[1] ان دونوں آیتوں کے ترجمہ میں غور کرو۔ کس لطافت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح ایمان اور ہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث سخت ہو گئے ہوں نرم پڑ جایا کرتے ہیں۔ اللہ بزرگ و برتر اور جواد وسخی سے قبولیت کی امید پر، ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے۔ آمین۔

تفسیر کا صحیح طریقہ: سنو! تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو۔ اس لیے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے۔ اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے اس لیے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے بلکہ حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے سمجھائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کر سکو۔ خبردار! تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بننا[2] ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے ”ہم نے تو تم پر اسی لیے یہ کتاب نازل فرمائی ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا تصفیہ کر دیا کرو۔ یہ کتاب ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔“[3] ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ”ہم نے اس ذکر کو تمہاری طرف اس لیے نازل کیا کہ تم اسے لوگوں کو حرف بحرف پہنچا دو تاکہ وہ اس پر غور وفکر کر سکیں۔“[4]

حدیثِ نبوی کی فضیلت: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مجھ کو یہ قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے[5] اس سے مراد سنت ہے۔ یہ یاد رہے کہ حدیثیں بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن پاک بذریعہ وحی اترا اسی طرح حدیث رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہے مگر قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ نے اس حقیقت کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر اولاً خود قرآن مجید سے پھر حدیث سے کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو دریافت کیا کہ حکم (فیصلہ) کس طرح کرو گے؟ جواب دیا۔ ”کتاب اللہ سے“ فرمایا ”اگر اس میں نہ پاؤ تو؟“ کہا ”سنت رسول اللہ سے“ کہا ”اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو“ تو کہا ”اب اجتہاد کروں گا۔“ حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

---

[1] [سورۃ الحدید: آیت ١٦۔١٧] [2] [سورۃ النسآء: آیت ١٠٥]

[3] [سورۃ النحل: آیت ٦٤] [4] [سورۃ النحل: آیت ٤٤]

[5] [صحیح: ابو داؤد: کتاب السنة: باب في لزوم السنة (٤٦٠٤) مسند احمد (١٣٢/٤) حاکم (١٠٩/١)۔ اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے نبی ﷺ کو پسند ہے''۔[1]
یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور سنن میں بھی اور اس کی سند بھی بہت عمدہ ہے یعنی اپنی جگہ اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔
قرآن سمجھنے کا بہترین اسلوب اور شانِ صحابہ: اس بنا پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن وحدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لیے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے ان کا علم انہی کو ہوسکتا ہے۔ وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے۔ علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ صحیح علم اور نیک عمل بھی انہیں حاصل تھا۔ بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے۔ بلاشبہ چاروں خلفاء جو راشد اور ہدایت یافتہ تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ علیٰ ہذا القیاس۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ میں اگر جانتا کہ کتاب اللہ کے علم سے متعلق کوئی مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا۔''[2] آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہ پڑھتا۔'' حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہم نے جن سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا جب تک ہم دس آیتوں کا علم وعمل حضور ﷺ سے نہ سیکھ لیتے آگے نہ بڑھتے۔''

غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی سیکھا۔ انہی میں سے ایک حبر البحر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور ترجمان القرآن ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا: ﴿اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ﴾[3] اللہ انہیں دین کی سمجھ عطا فرما

---

[1] **[ضعیف:** ابو داؤد: کتاب الاقضیة: باب اجتهاد الرای فی القضاء (۳۵۹۲) ترمذی: کتاب الاحکام: باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی (۱۳۲۷، ۱۳۲۸) دارمی (۱۷۰) طبقات ابن سعد (۳۴۸) بیهقی (۱۰/۱۱۴) الاحکام لابن حزم (۶/۳۵۔۳۶) مسند احمد (۵/۲۳۰، ۲۴۲) شیخ البانیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام جوزقانیؒ نے اس روایت کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور اسے باطل کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں حارث بن عمر و راوی ہے اس کی حدیث صحیح نہیں۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت نبی ﷺ سے منصوص نہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] **[صحیح:** الطبری (۱/۸۰) بخاری: کتاب فضائل القرآن باب القراء من اصحاب رسول الله (۵۰۰۲) مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل عبدالله بن مسعود وامه (۲۴۶۳) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو متناً صحیح کہا ہے۔]

[3] **[صحیح:** مسند احمد (۱/۲۲۶۔۳۱۴) ابن حبان (۷۰۵۵)] یہ روایت صحیح بخاری (۱۴۳) میں ان لفظوں ﴿ **اللهم فقهه فی الدین** ﴾ کے ساتھ، صحیح مسلم (۲۴۷۷) میں ان لفظوں ﴿ **اللهم فقهه** ﴾ کے ساتھ، ترمذی (۳۸۲۴) میں ان لفظوں ﴿ **اللهم علمه الحکمة** ﴾ کے ساتھ اور ابن ماجه (۱۶۶) میں ان لفظوں ﴿ **اللهم علمه الحکمة وتاویل القرآن** ﴾ کے ساتھ موجود ہے۔]

اور قرآن کی تفسیر کا علم بھی نصیب کر۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''قرآن کے بہترین ترجمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں''۔ [1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر خیال کیجیے کہ ان کا انتقال سن ۳۲ھ میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے تو اس مدت میں آپ نے علم میں کس قدر ترقی کی ہوگی۔ حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امیر حج مقرر ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور اس عمدگی سے تفسیر کی کہ اگر ترک ودیلم کے کفار بھی سن لیتے تو یقیناً مسلمان ہو جاتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں سورۂ نور کی تفسیر بیان فرمائی تھی [2] یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر اپنی تفسیر میں انہی دونوں بزرگوں سے اکثر تفسیر نقل کیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب سے یہ بزرگ جو روایت لیا کرتے ہیں اسے بھی بیان کر دیتے ہیں۔

اسرائیلی روایات کی حیثیت: بنی اسرائیل سے روایت لینا مباح ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔'' بنی اسرائیل سے بھی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔ [3] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یہود ونصاریٰ کی کتابوں کی پائی تھیں' ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایتیں صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لیے لائی جاتی ہیں۔ خود ان سے مسائل ثابت نہیں کیے جا سکتے۔

روایات بنی اسرائیل تین قسم کی ہیں ایک تو وہ کہ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے۔ یعنی قرآن پاک کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق اسرائیل کی کتاب میں بھی کوئی روایت مل جائے۔ اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔ دوسرے وہ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو یعنی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو۔ اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ تیسرے وہ کہ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب۔ اس لیے کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی ایسی روایت ہے جس کی تصدیق سے ہم اسے صحیح کہہ سکیں نہ کوئی ایسی روایت جو اس کے مخالف ہو اور اس بنا پر ہم اسے جھوٹ یا غلط کہہ سکیں۔ لہٰذا یہ تیسری قسم کی روایتیں وہ ہیں جن سے ہم خاموش ہیں نہ انہیں غلط کہیں نہ صحیح سمجھیں۔ البتہ انہیں ذکر کرنا جائز ہے۔ اور یہ روایتیں ہیں بھی ایسی جن سے ہمارے دین کا کوئی فائدہ نہیں۔ علاوہ ازیں ایسی باتوں کی وجہ سے خود اہل کتاب میں بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔

اور انہیں کی وجہ سے ان روایتوں کو لینے والے مفسرین میں بھی اختلاف پائے جاتے ہیں مثلاً اصحاب کہف کے نام' ان کے کتے کا رنگ' ان کی گنتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ حضرت

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۹۰)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۸۱)]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب أحادیث الانبیآء: باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (۳٤٦۱) ترمذی: کتاب العلم: باب ما جآء فی الحدیث عن بنی اسرائیل (۲٦٦۹) مسند احمد (۲/ ۲۰۲)]

ابراہیم علیہ السلام نے جن پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور پھر اللہ کے حکم سے وہ جی اٹھے وہ پرندے کون کون سے تھے؟ اور جس مقتول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لگایا تھا اور اس سے اللہ نے اسے زندہ کر دیا تھا۔ وہ ٹکڑا کون سا تھا اور کس جگہ کا تھا؟ وہ کون سا درخت تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں اللہ کا کلام سنا تھا؟ وغیرہ وغیرہ پس یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمیں ان کا جاننا نہ جاننا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا نہ اس کی تہہ میں ہمیں کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی۔

مخصوص اختلافات کو بیان کرنے کا جواز: البتہ ایسے اختلاف کو نقل کرنا جائز ہے جیسے کہ خود قرآن پاک نے اصحاب کہف کی گنتی کا اختلاف نقل فرمایا ہے: ﴿سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ (الکھف / ۲۲) الخ یعنی یہ لوگ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور ان کا کتا چوتھا تھا اور کہیں گے پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں وہ یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا۔ اے نبی ﷺ تم کہہ دو کہ ان کی گنتی میرا رب ہی بخوبی جانتا ہے تم ان سے اس بارے میں صرف سرسری گفتگو کرو۔ اور اس بارے میں ان سے نہ پوچھو۔ اس آیت نے بتادیا کہ ہمیں ایسے مقام میں کیا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تین قول بیان فرمائے ہیں۔ دو کو تو ضعیف قرار دیا۔ اور تیسرے پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی باطل ہوتا تو ان دونوں کی طرح اسے بھی رد کر دیا جاتا پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی تعداد کا علم جب تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا پھر تم اس کی چھان بین میں کیوں لگو؟ کیوں نہ کہہ دو کہ ان کی گنتی کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ان کی صحیح تعداد پر مطلع فرمایا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ وہ اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہیں پھر ان کے پیچھے پڑنے اور ان سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟

اسی طرح ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی اختلاف کو نقل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ تمام اختلافی اقوال بیان کر دیئے جائیں۔ ''صحیح، غیر صحیح'' پر تنبیہ کر دی جائے اور اس اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بیکار کام میں پڑ کر کوئی شخص کار آمد شغل سے محروم نہ ہو جائے۔ جو شخص اختلاف نقل کرتے ہوئے تمام اقوال بیان نہ کرے تو یہ بھی اس کا قصور ہے۔ ممکن ہے ٹھیک قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا اسی طرح جو شخص اختلاف نقل کر کے فیصلہ کیے بغیر چھوڑ دے وہ بھی تقصیر کرے گا۔ اگر غیر صحیح کو جان بوجھ کر صحیح کہہ دے تو پھر وہ جھوٹا ہے اور اگر جہالت سے ایسا کیا تب بھی خطا کار ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی ایسی باریک بات میں جس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو بہت سارے اختلافی اقوال نقل کر دے یا ایسے اختلافات کرنے بیٹھ جائے جن کے الفاظ مختلف ہوں گے مگر نتیجہ کے اعتبار سے یا تو اختلاف بالکل ہی اٹھ جاتا ہو یا یونہی معمولی سا رہ جاتا ہو۔ وہ بھی اپنے عزیز وقت کو بیکار کرے گا اور بے مقصد کام کرے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو جھوٹے کپڑے پہن لے۔ بھلائی اور سیدھی بات کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے۔

فصل: تفسیر بیان کرنے کا آخری طریقہ: جب کسی آیت کی تفسیر قرآن حدیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم تینوں

میں نہ ملے تو اکثر ائمہ دین نے کہا ہے کہ ''ایسے موقع پر تابعین کی تفسیر سے مدد لی جائے۔'' جیسے مجاہد بن جبر رحمہ اللہ جو تفسیر میں اللہ کی ایک نشانی تھے فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن پاک سیکھا اور سمجھا۔ [1] ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر سمجھ سمجھ کر پڑھا۔ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''خود میں نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کو دیکھا کہ کتاب، قلم، دوات لے کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا کرتے اور تفسیر قرآن دریافت کر کے اس میں تحریر فرماتے۔ [2] قرآن کریم کی تفسیر اسی طرح نقل فرمائی۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا فرمان تھا کہ ''مجاہد جب کسی آیت کی تفسیر کر دیں تو پھر اس کی ٹٹول کرنا بے سود ہے۔ بس ان کی تفسیر کافی ہے'' [3] حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی طرح حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت عکرمہ رحمہ اللہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ تھے اور حضرت عطاء بن ابورباح حضرت حسن بصری حضرت مسروق بن اجدع، حضرت سعید بن میبّب، حضرت ابوالعالیہ، حضرت ربیع بن انس، حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک بن مزاحم وغیرہ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد والوں کی تفسیر معتبر مانی جائے گی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان بزرگوں کے اقوال جب ذکر کیے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو بے علم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ایک چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کی، کسی نے اس کی نظیر سے کسی نے اس چیز کو ہی بیان کر دیا۔ پس ان صورتوں میں گو الفاظ میں اختلاف ہو لیکن معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ عقل مند کو چاہیے کہ ایسی جگہ لغزش نہ کھائے۔ ﴿وَاللّٰهُ الْهَادِيْ﴾

شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تابعین کے اقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت ہو جائیں گے؟ شعبہ رحمہ اللہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان سے اختلاف کرنے والے پر ان کے اقوال حجت نہیں لیکن ان کے اجماعی اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں اختلاف کے وقت نہ ان کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے نہ غیروں پر۔ ایسی صورت میں لغت قرآن، حدیث، عام لغت عرب اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تفسیر میں رائے کا دخل: ہاں صرف اپنی رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے یا نہ جاننے کے باوجود کچھ کہہ دے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔'' [4] ابن جریر،

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۹۰)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۹۰)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۹۱)]
[4] **[ضعیف]** ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ما جآء فی الذی یفسر القرآن برایہ (۲۹۵۰، ۲۹۵۱، ۲۹۵۲) نسائی فی السنن الکبری (۸۰۸۵) دارمی (۱/۷۶) ابو یعلی (۲۳۳۸] اس روایت کی سند میں عبد الاعلی راوی ہے جسے امام احمدؒ اور دیگر اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [السلسلۃ الضعیفۃ (۱۷۸۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

ترمذی، ابوداؤد میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہیں حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ خطا کرے گا''[1] (ابن جریر) ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ امام ترمذی نے اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی سہیل پر بعض اہل علم نے کلام بھی کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ ''جو اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات بھی کہہ دے تب بھی وہ خطا کار ہوگا۔'' اس لیے کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا اور وہ چال چلا جس چال کے چلنے کا اسے حکم نہ تھا۔ پس اگرچہ اس کے منہ سے ٹھیک بات نکل جائے پھر بھی وہ خطا کار ہوگا اس لیے کہ کام کو کام کے طریقے پر اس نے نہیں کیا۔

اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو پھر فیصلے کرنے بیٹھ جائے اسے جہنمی کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے شخص کی صحیح بات پر مواخذہ کم ہو لیکن ہے خطا کار۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاذب یعنی جھوٹا فرمایا ہے۔ گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو اور جس کی نسبت وہ زنا کا الزام لگا رہا ہے۔ وہ واقعی زانی ہو لیکن چونکہ اسے اس خبر کو بلا شہادت پھیلانا حلال نہ تھا مگر اس نے پھیلائی تو جھوٹا ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔

تفسیر میں اسلاف کا منہج: یہی وجہ تھی کہ سلف کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور کون سا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔''[2] آپ سے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا﴾[3] کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین اٹھائے گی جب کہ میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں ﴿فَاكِهَةً﴾ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن اَبّ وہ کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں اے عمر اس تکلف میں کیوں پڑو؟[4] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔

آپ کے قمیص کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے آپ نے اس آیت ﴿وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا﴾ کی تلاوت کی اور کہا کہ اَبّ کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟ مطلب

---

[1] [**ضعیف:** ابو داؤد: کتاب العلم: باب الکلام فی کتاب اللہ بلا علم (٣٦٥٢) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایه (٢٩٥٢) نسائی فی السنن الکبریٰ (٨٠٨٦) بغوی فی شرح السنة (٩/١) تفسیر ابن جریر للطبری (٨٠) الکامل لابن عدی (٤٥٠/٣) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں سہیل بن ابی حزم راوی ہے جسے امام ابوحاتمؒ نے غیر قوی کہا ہے، میزان الاعتدال میں ہے کہ ابن معینؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور تقریب میں حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [**مرسل:** تفسیر ابن جریر الطبری (٧٨/١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو مرسل کہا ہے۔]

[3] [سورۃ عبس: آیت ٣١]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢٢٩/٢٤)]

یہ ہے کہ اَبَّ کے معنی تو معلوم ہیں یعنی چارہ زمین کی پیداوار لیکن اس کی کیفیت کا کھلا ہوا علم نہیں۔ خود اسی آیت میں موجود ﴿فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَّعِنَبًا﴾ (عبس / ٢٧) یعنی ہم نے زمین میں اناج اور انگور اگا دیئے۔

ابن جریر میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کچھ بیان نہ فرمایا حالانکہ اگر اس کی تفسیر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو فوراً جواب دے دیتے۔ [1]

دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن میں ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر ہے یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اور پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ [2] خیال فرمایئے کہ اتنے بڑے مفسر قرآن نے قرآن کی تفسیر میں کس قدر احتیاط برتی کہ جس بات کا علم نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو فرمانے لگے کہ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے کہ تم یہاں سے ضرور چلے جاؤ یا فرمایا یہاں بیٹھے رہو۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے قرآن کی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ہم قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا اسی کو قرآن کی تفسیر میں بیان فرماتے۔ [3] ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو۔ قرآن کی تفسیر اس سے پوچھو جو کہتا ہے کہ مجھ سے قرآن کی کوئی آیت مخفی نہیں یعنی حضرت عکرمہ رحمہ اللہ یزید بن ابو یزید کہتے ہیں ہم حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے حلال وحرام کے مسائل پوچھتے تھے۔ آپ ان میں سب سے زیادہ عالم نظر آتے۔ لیکن جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو ایسے خاموش ہو جاتے گویا سنا ہی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے مدینہ کے بڑے بڑے فقیہوں کو دیکھا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ جیسے حضرت سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، سعید بن مسیب، نافع رحمہم اللہ وغیرہ۔ حضرت ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد عروہ رحمہ اللہ کو کبھی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا۔

عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ''جو لوگ قرآن کی آیتوں کو جانتے تھے کہ کس بارے میں نازل ہوئیں وہ تو اس دنیا کو خالی کر گئے اب تم ٹھیک ٹھاک اور سیدھے سادے رہو۔'' [4]

حضرت مسلم بن یسار رحمہ اللہ اپنے والد سے بیان فرماتے ہیں

''جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کہنی ہے۔'' حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ہمارے سب ساتھی قرآن کی تفسیر کو بڑی چیز جانتے تھے اور اس

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٨٦)]
[2] تفسیر ابن جریر الطبری (٢٣/٦٠٢)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٨٦)]
[4] [تفسیر ابن الطبری (١/٨٦)]

میں سخت احتیاط کرتے تھے'' شعبی فرماتے ہیں ''گو میں نے قرآن کریم کی ایک ایک آیت کا علم حاصل کرلیا ہے تاہم میں یہ کہتے ہوئے جھجکتا ہوں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے۔'' حضرت مسروق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''تفسیر میں بے حد احتیاط کرو تفسیر تو اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے'' [1] ان تمام اور ان جیسے دیگر آثار صحیحہ کا جو ائمہ سلف سے منقول ہیں یہ مطلب ہے کہ یہ علماء کرام ہرگز ہرگز بغیر علم کے قرآن کے معنی و مطلب بتانے میں لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ ہاں لغت کی رو سے یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی لیے خود ان بزرگوں کے پاکیزہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر میں بکثرت مروی ہیں۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ جب یہ بزرگ اس طرح کانپتے رہتے تھے اور تفسیر بیان نہیں فرماتے تھے پھر ان سے تفسیر منقول کیوں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ چپ وہاں رہتے تھے جہاں نہیں جانتے تھے اور کہتے اس جگہ تھے جہاں کا علم ہوتا اور یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں۔ بے علمی کے وقت چپ رہنا اور علم کو بیان کرنا۔ قرآن فرماتا ہے: ﴿لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾ (آل عمران / ۱۸۷) یعنی اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو اور چھپاؤ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جاننے کے باوجود اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔ [2] ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی ان ہی آیتوں کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبرائیل علیہ السلام سمجھا جاتے [3] لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے اور اس کے راوی جعفر جو محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی کے لڑکے ہیں۔ ان کی بابت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ ابو الفتح ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی اس کا صحیح مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ایسی آیتوں کے مطلب حضور ﷺ کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام معلوم کرا دیئے جاتے تھے۔ امام ابو جعفر رحمہ اللہ نے اس روایت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں ان کا ماحصل بھی یہی ہے اور یہی معنی درست بیٹھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم علماء کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جو عرب کے لوگ اپنی لغت سے سمجھ سکتے ہیں۔ ایسی بھی ہیں کہ جن کے معنی اس طرح واضح ہیں کہ کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸٦/۱)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب العلم : باب کراهیة منع العلم (۳٦۵۸) ابن ماجه : المقدمه : باب من سئل عن علم فکتمه (۲٦۱، ۲٦٦) ترمذی : کتاب العلم : باب ما جآء فی کتمان العلم (۲٦٤۹) حاکم (۱/۱۰۱) ابن حبان (۹۵) مسند احمد (۲/۲٦۳)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق الرغیب (۱/۷۳)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ تاہم حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (۱/۱۱۷)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۰، ۹۱) ابو یعلی (٤۵۲۸) مجمع الزوائد (٦/۳۰۳) کشف الاستار للبزار (۲۱۸۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

تفسیر کی چار قسمیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔ایک تو کلام عرب سے معلوم ہو جاتی ہے دوسری وہ جس کی جہالت میں کوئی معذور نہیں۔تیسری وہ جسے ذی علم لوگ جان سکتے ہیں۔چوتھی وہ جسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔[1] ایک مرفوع حدیث بھی اس بارے میں مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''قرآن کا نزول چار طریق پر ہوا ہے۔حلال حرام کی آیتیں جن سے اگر کوئی ناواقف رہے تو اس کا کوئی عذر قیامت کے دن کام نہ آئے گا اور وہ تفسیر جسے عرب بیان کریں اور وہ تفسیر جو ذی علم جان سکے۔اور وہ متشابہ آیتیں جن کا حقیقی علم بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کو حاصل نہیں۔جو لوگ اس کے جاننے کا دعویٰ کریں وہ جھوٹے ہیں۔''[2] اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہیں وہ متروک الحدیث ہیں۔ہوسکتا ہے انہوں نے موقوف روایت یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو۔واللہ اعلم۔

مفید مقدمہ؛ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ برآۃ، سورۂ رعد، سورۂ نحل، سورۂ حج، سورۂ نور، سورۂ احزاب، سورۂ محمد، سورۂ فتح، سورۂ حجرات، سورۂ رحمٰن، سورۂ حدید، سورۂ مجادلہ، سورۂ حشر، سورۂ ممتحنہ، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ تغابن، سورۂ طلاق، سورۂ تحریم، سورۂ زلزال اور سورۂ نصر یہ سب سورتیں تو مدینہ شریف میں نازل ہوئیں[3] اور باقی تمام سورتیں مکہ شریف میں نازل ہوئیں۔قرآن کریم کی تمام آیتیں چھ ہزار ہیں۔اس سے اوپر اختلاف ہے۔بعض تو اس سے زیادہ نہیں بتاتے مگر بعض دوسو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔بعض دوسو چودہ آیتیں۔بعض دوسوانیس، بعض دوسو پچیس، بعض دوسو چھبیس ابوعمر دانی نے کتاب البیان میں یہ سب تفصیل سے لکھا ہے۔

قرآن شریف کے کلمات کی نسبت حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔حروف کی گنتی کی نسبت حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کل قرآن شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں۔فضل بن عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل حروف تین لاکھ تئیس ہزار پندرہ ہیں۔حجاج نے اپنے زمانے میں قاریوں، حافظوں اور کاتبوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ قرآن کریم کے حروف کے گنتی کر کے مجھے بتاؤ، تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔

پھر حجاج بن یوسف نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورۂ کہف میں ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ کی ''ف'' پر ٹھیک آدھا قرآن ہوتا ہے۔

اور سورۂ برآت کی سو آیتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے اور دوسری تہائی سورۂ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک آیت کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک اور اگر

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۷۵)]

[2] [**ضعیف:** تفسیر ابن جریر الطبری (۷۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ محمد بن سائب کلبی راوی کی وجہ سے اس روایت کی سند شدید ضعیف ہے۔]

[3] [الاتقان للسیوطی (۱/۲۸)]

منزلوں کا شمار کیا جائے یعنی سات حصے قرآن کریم کے کیے جائیں تو پہلی منزل ﴿صَدَّ﴾ کی ''د'' پر ختم ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ﴾ (النساء/٥٥) اور دوسری منزل ﴿حَبِطَتْ﴾ کی ''ت'' پر ختم ہوتی ہے جو سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۷ ﴿أُولَئِكَ حَبِطَتْ﴾ میں ہے اور تیسری منزل ﴿أُكُلُهَا﴾ کے آخری ''ا'' پر جو سورۂ رعد آیت ۳۵ میں ہے اور چوتھی منزل ﴿جَعَلْنَا﴾ کے ''ا'' پر جو سورۂ حج کی آیت ٦٧ ﴿جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ میں ہے اور پانچویں منزل ﴿مُؤْمِنَةٍ﴾ کی ''ۃ'' پر جو سورۂ احزاب میں آیت ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ﴾ (الاحزاب/٣٦) میں ہے اور چھٹی منزل ﴿السَّوْءِ﴾ کی ''و'' پر جو سورۂ فتح کی آیت ﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ (الفتح/٦) میں ہے اور ساتویں منزل قرآن پاک کے خاتمہ پر ہے۔

ابو محمد سلام حمانی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورۂ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے اور آدھا سورۂ کہف کے لفظ ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ پر اور تین چوتھائی سورۂ زمر کے خاتمہ پر اور پورا پورے قرآن پر۔ شیخ ابو عمرو دانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب البیان میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔[1]

قرآن کی سات منزلیں: رہے قرآن شریف کے پڑھنے کے اعتبار سے حصے اور اجزاء تو مشہور تیس پارے ہیں اور ایک حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کریم کو سات منزلیں کر کے پڑھنے کا بیان ہے۔ مسند احمد، سنن ابی داود اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ قرآن کے وظیفے کس طرح کرتے ہیں تو فرمایا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل، پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل، پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل، پھر ان کے بعد کے گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل، پھر ان کے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل اور مفصل کی یعنی سورۂ ق سے لے کر آخر تک کی ایک منزل۔[2]

فصل: سورت کی لفظی بحث کے بیان میں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اس کے معنی علیحدگی و بلندی کے ہیں چنانچہ نابغہ کے ایک عربی شعر میں سورۃ کا لفظ اسی معنی میں آیا ہے تو اس معنی کا تعلق قرآن کی سورتوں کے ساتھ اس طرح ہوگا کہ گویا قرآن کا پڑھنے والا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتا رہتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت اور اونچائی کے معنی میں ہے اسی لیے شہر پناہ کو عربی میں سور کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ برتن میں جو حصہ باقی رہ جائے اسے عربی میں اسارہ کہتے ہیں، اور سورۃ کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے چونکہ سورہ بھی قرآن کا ایک حصہ اور ایک

---

[1] [تفسیر القرطبی (١/٦٤)]

[2] [ضعیف: مسند احمد (٤/٩) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلوة: باب فی کم یستحب یختم القرآن (١٣٤٥) ابو داؤد: کتاب شهر رمضان: باب تحزیب القرآن (١٣٩٣) طبرانی کبیر (١/٢٢٠)، (٥٩٩) ابن ابی شیبة (١/٤٢٧)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

ٹکڑا ہوتی ہے ہمزہ کی تخفیف کر دی گئی پھر ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۃ کے معنی تمام وکمال کے ہیں۔پوری اونٹنی کوعربی زبان میں ﴿سورۃ﴾ کہتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح قلعہ کوعربی میں اس لیے سـور کہتے ہیں کہ محلوں اور گھروں کا احاطہ کر لیتا ہے اور انہیں جمع کر لیتا ہے۔اسی طرح چونکہ آیتوں کو سورت جمع کر لیتی ہے اور ان کا احاطہ کر لیتی ہے اس کو بھی سورۃ کہتے ہیں۔سورت کی جمع سُوَرٌ آتی ہے اور کبھی سُوْرَاتٌ اور سُوَارَاتٌ بھی آتی ہے۔

آیت کی وجہ تسمیہ: آیت کو آیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آیت کے لفظی معنی علامت اور نشان کے ہیں چونکہ آیت پر کلام ختم ہوتا ہے اور اول آخر سے جدا ہو جاتا ہے اس لیے اسے آیت کہتے ہیں۔قرآن میں بھی آیت علامت اور نشان کے معنی میں ہے۔ارشاد ہے: ﴿اِنَّ آيَةَ مُلْكِهٖ﴾ (البقرہ / ۲۴۸) یعنی اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور علامت۔اسی طرح نابغہ کے شعروں میں بھی آیت اسی معنی میں ہے اور آیت کے معنی جماعت اور گروہ کے بھی آتے ہیں۔عرب کے شعروں میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے۔چونکہ آیت بھی حروف کی ایک جماعت اور ایک گروہ ہے اس رعایت سے اسے بھی آیت کہتے ہیں اور آیت کے معنی عجیب کے بھی ہیں۔چونکہ یہ عجیب چیز ہے' معجزہ ہے تمام انسان اس جیسی بات نہیں کہہ سکتے۔اس لیے بھی اسے آیت کہتے ہیں۔سیبویہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ "اَيَيَةٌ" تھا جیسے "اَكَمَةٌ" اور "شَجَرَةٌ" پہلی "ی" عربی قاعدہ کے مطابق الف بن گئی۔کسائی کا قول ہے کہ آیت کی اصل "آيِيَةٌ" تھی جیسے "آمِـنَـةٌ" ے الف ہو گئی اور التباس کی وجہ سے گر گئی۔فراء کہتے ہیں کہ یہ اصل میں "اَيَّيَةٌ" تھا پھر یا کو تشدید کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا "آيَةٌ" ہو گیا آیت کی جمع "آیٌ' آیَایٌ" اور "آيَاتٌ" آتی ہے۔

کلمہ کا مفہوم: کلمہ کہتے ہیں ایک لفظ کو۔کبھی تو اس کے دو ہی حرف ہوتے ہیں جیسے "مَا" اور "لَا" وغیرہ اور "لَهٗ" وغیرہ کبھی زیادہ بھی ہوتے ہیں زیادہ سے زیادہ دس حرف ایک کلمہ میں ہوتے ہیں جیسے ﴿لَـيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ اور ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا﴾ اور ﴿فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ﴾ اور ایک ہی کلمہ کی ایک آیت ہوتی ہے جیسے ﴿وَالْفَجْرِ﴾ اور ﴿وَالضُّحٰى﴾ اور ﴿وَالْعَصْرِ﴾ اور اسی طرح ﴿الٓمّٓ﴾ اور ﴿طٰهٰ﴾ اور ﴿يٰسٓ﴾ اور ﴿حٰمٓ﴾ کوفیوں کے قول ہیں' اور ﴿حٰـمٓ ○ عٓسٓقٓ﴾ ان کے نزدیک دو کلمے ہیں اور ان کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں نہیں بلکہ سورتوں کے شروع ہیں۔ابوعمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں سوائے ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ کے جو سورۂ رحمٰن میں ہے اور کوئی نہیں۔

فصل: قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں البتہ عجمی نام ضرور ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام' لوط علیہ السلام اور اس اختلاف کے جواب میں کہ کیا قرآن میں اس کے سوا بھی عجمی زبان کے الفاظ ہیں؟ تو باقلانی اور طبری نے تو صاف انکار کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ عجمیت کے مطابق جو ہے وہ حقیقت میں عربی ہی ہے لیکن موافقت ہے۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر

سورہ فاتحہ کے نام: اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ ہے، فاتحہ کہتے ہیں شروع کرنے والی کو۔ چونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہی سورت لکھی گئی ہے اس لیے اسے سورۂ فاتحہ کہتے ہیں اور اس لیے بھی کہ نمازوں میں قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے اس کا نام امُّ الکتاب بھی ہے۔ جمہور یہی کہتے ہیں۔ حسن رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کا نام ام الکتاب ہے۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ محکم آیتوں کو ام الکتاب کہتے ہیں۔ ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ پوری سورت تک یہی سورت اُمُّ الْقُرْاٰن ہے اور اُمُّ الْکِتَاب ہے اور سَبْعَ مَثَانِی ہے اور قرآن عظیم ہے۔[1] اس سورت کا نام سورۃ الحمد اور سورۃ الصلوۃ بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے صلوٰۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا جب بندہ کہتا ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پوری حدیث تک۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نام صلوٰۃ بھی ہے اس لیے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھنا شرط ہے۔ اس سورت کا نام سورۃ الشفاء بھی ہے دارمی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سورت فاتحہ ہر زہر کی شفا ہے اور اس کا نام سورۃ الرقیہ بھی ہے۔[3]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے جب سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر اس سورت کو پڑھ کر دم کیا وہ اچھا ہو گیا۔ تب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت؟''[4] ابن

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ الحجر (٤٧٠٤)] بخاری کے لفظ یہ ہیں ﴿ام القرآن هی السبع المثانی والقرآن العظیم﴾ مزید دیکھئے: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الحجر (٣١٢٤)] ترمذی میں ﴿رب العالمین﴾ اور ﴿القرآن العظیم﴾ کے لفظ نہیں۔ ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب فاتحۃ الکتاب (١٤٥٧)] اور ابوداود میں ﴿القرآن العظیم﴾ کے لفظ نہیں ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعتہ (٣٩٥) ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ: باب القرآءۃ خلف الامام (٨٣٧) ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب من ترک القرأۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب (٨٢١) نسائی: کتاب الافتتاح: باب ترک القراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی فاتحۃ الکتاب (٩١٠) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ فاتحہ الکتاب (٢٩٥٣) بیھقی فی شعب الایمان (٢٣٦١)، (٤٤٥/٢_٤٤٦) مالک فی النداء للصلاۃ (١٨٩) مسند احمد (٧٢٨٩)، ٨٧٢٣، ٩٩٣٤)]

[3] [صحیح بالشواھد: البیھقی فی شعب الایمان (٢٣٧٠) السیوطی فی الدرر المنثور (٢٢/١-٢٣) امام سیوطی ؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ امام بیہقیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ منقطع ہے مگر اس کے شواہد موجود ہیں۔]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاجارۃ: باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب (٢٢٧٦) صحیح مسلم: کتاب السلام: باب جواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ (٢٢٠١) مسند احمد (١٠٩٩٨، ١١٤١٥) ابوداود: کتاب البیوع: باب فی کسب الحجام (٣٤١٨) و کتاب الطب: باب کیف الرقی (٣٩٠٠) ترمذی: کتاب الطب: باب ما جاء فی اخذ الأجر علی التعویذ (٢٠٦٥) نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ من الکبری: باب ما یقول علی الملدوغ (١٠٨٦٧) ابن ماجہ (٢١٥٦)]

عباس رضی اللہ عنہما اسے اساس القران کہتے تھے یعنی قرآن کی جڑ اور بنیاد۔ اور اس سورت کی بنیاد آیت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ہے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس کا نام واقیہ ہے۔ یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں اس کا نام کافیہ بھی ہے۔ اس لیے کہ یہ اپنے علاوہ سب کی کفایت کرتی ہے۔ اور دوسری سورت اس سورت سے کفایت نہیں کرتی۔ بعض مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ ام القرآن بدل ہے اس کے غیر کا مگر اس کا غیر اس کا بدل نہیں۔ [1] اسے سورۃ الصلوۃ اور سورۃ الکنز بھی کہا گیا ہے۔ زمخشری رحمہ اللہ کی تفسیر کشاف دیکھئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ رحمہ اللہ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مجاہد رحمہ اللہ عطاء بن یسار رحمہ اللہ اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں لیکن پہلا قول ہی زیادہ ٹھیک ہے اس لیے کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ [2] یعنی ہم نے تمہیں سبع مثانی سات آیتیں دہرائی جانے والی دی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ کا ایک قول قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نصف تو مکہ شریف میں نازل ہوا' اور آخری نصف حصہ مدینہ شریف میں نازل ہوا لیکن یہ قول بالکل غریب ہے۔

ان آیتوں کی نسبت اتفاق ہے کہ سات ہیں لیکن عمرو بن عبید نے آٹھ اور حسین جعفی رحمہ اللہ نے چھ بھی کہی ہیں' اور یہ دونوں قول شاذ ہیں۔

بسم اللہ کے حوالے سے اختلاف: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس سورت کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے تمام کوفی قاری اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اور پچھلے بہت سارے بزرگ تو اسے سورۂ فاتحہ کے اوّل کی ایک پوری اور مستقل آیت کہتے ہیں بعض اسے اس کا جزو مانتے ہیں اور بعض سرے سے اس آیت کو اس کے شروع میں مانتے ہی نہیں۔ جیسے کہ مدینہ شریف کے قاریوں اور فقیہوں کے یہ تینوں قول ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

سورۃ فاتحہ کی مزید کچھ تفصیل: اس سورت کے کلمات پچیس ہیں اور حروف ایک سو تیرہ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب التفسیر کے شروع میں صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ام الکتاب اس سورت کا نام اس لیے ہے کہ قرآن شریف کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے [3] اور نماز کی قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام قرآن شریف کے مضامین اجمالی طور سے اس میں ہیں اس لیے اس کا نام ام الکتاب ہے عرب کی عادت ہے کہ ہر ایک جامع کام اور کام کی جڑ کو جس کی شاخیں اور اجزاء اسی کے تابع ہوں اُمّ کہتے ہیں۔ دیکھئے ام الراس وہ اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کی جامع ہے۔ اور لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ام کہتے ہیں۔ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ مکہ شریف کو ام القریٰ کہنے کی بھی یہی وجہ

---

[1] [دارقطنی (۳۲۲/۱) حاکم (۲۳۸/۱)]

[2] [سورۃ الحجر: آیت ۸۷]

[3] [بخاری : کتاب التفسیر : باب ما جآء فی فاتحۃ الکتاب (قبل الحدیث / ٤٤٧٤)]

ہے کہ یہ سب سے پہلے اور سب کا جامع ہے زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے [1] چونکہ اس سے نماز کی قرات شروع ہوتی ہے اور قرآن شریف کو لکھتے وقت بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی کو پہلے لکھا۔ اس لیے اسے فاتحہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک صحیح نام سبع مثانی بھی ہے اس لیے کہ یہ بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہے ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے اور مثانی کے معنی اور بھی ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیان ہوں گے واللہ اعلم۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام القرآن کے بارے میں فرمایا یہ ام القرآن ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے۔ [2] ایک اور حدیث میں ہے یہی ام القرآن ہے یہی فاتحۃ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے [3] تفسیر مردویہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی سات آیتیں ہیں۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ بھی ان میں سے ایک آیت ہے اسی کا نام سبع مثانی ہے یہی قرآن عظیم ہے یہی ام الکتاب ہے۔ [4] یہی فاتحۃ الکتاب ہے دار قطنی میں بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث ہے اور بقول امام دار قطنی رحمہ اللہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی میں ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سبع مثانی کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ ہے اور بسم اللہ الخ اس کی ساتویں آیت ہے اور بسم اللہ کی بحث میں یہ بیان پورا آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ کو اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کے شروع میں کیوں نہیں لکھا؟ تو کہا اگر میں لکھتا تو پھر ہر سورت کے پہلے اس کو لکھتا۔ ابوبکر بن ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے۔ اور چونکہ تمام مسلمانوں کو حفظ ہے اس لیے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دلائل النبوۃ میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی۔ باقلانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ تو سب سے پہلے نازل ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ [5] سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (علق / ۱) نازل

---

[1] [تفسیر الطبری (۱/۱۰۷)]

[2] [صحیح: مسند احمد: (۲/۴۴۸)، (۹۴۹۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری: کتاب التفسیر (۴۷۰۴) میں ان لفظوں ﴿ ام القرآن هي السبع المثاني والقرآن العظيم ﴾ میں موجود ہے۔]

[3] [صحیح: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۴)، (۱/۴۷) مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف: دار قطنی (۱/۳۱۲) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ اس میں اسحق بن عبدالواحد موصلی راوی ہے جس کے متعلق امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں اسے نہیں جانتا، ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے کمزور کہا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ اس میں بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔ [میزان الاعتدال (۱/۱۹۵) تهذیب (۱/۲۱۲)]

[5] [سورہ المدثر: آیت ۱]

ہوئی اور یہی صحیح ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ان شاءاللہ۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت: مسند احمد میں حضرت ابوسعید بن معلٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا' اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اب تک کس کام میں تھے؟ میں نے کہا حضور میں نماز میں تھا آپ نے فرمایا'' کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟ ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ (الانفال / ٢٤) اے ایمان والو! اللہ کے رسول جب تمہیں پکاریں تم جواب دو۔ اچھا سنو! میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے بتادوں گا کہ قرآن پاک میں سب سے بڑی سورت کون سی ہے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا سورت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری شریف' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ ہے۔ [1]

واقدی نے یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان کیا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی وہ نماز میں مشغول تھے فارغ ہو کر آپ ﷺ سے ملے فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا۔ اس وقت مسجد سے باہر نکل رہے تھے کہ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تجھے ایسی سورۃ بتاؤں کہ توراۃ انجیل اور قرآن میں اس کے مثل نہیں۔ اب میں نے اس امید پر چال نرم کر دی اور پوچھا حضور وہ سورت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کے شروع میں تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ پوری سورت تک۔ آپ نے فرمایا یہی وہ سورت ہے' سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے [2] اس حدیث کے آخری راوی ابوسعید ہیں۔

اس بنا پر ابن اثیر رحمہ اللہ اور ان کے ساتھ والے یہاں دھوکا کھا گئے ہیں اور وہ انہیں ابوسعید بن معلٰی سمجھ بیٹھے ہیں درحقیقت یہ ابوسعید دوسرے ہیں یہ مولا خزاعی ہیں اور تابعین میں سے ہیں اور وہ ابوسعید انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی حدیث متصل اور صحیح ہے اور یہ حدیث بظاہر منقطع معلوم ہوتی ہے اگر ابوسعید رحمہ اللہ تابعی کا حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہ ہو اور اگر سننا ثابت ہو تو یہ حدیث شرط مسلم پر ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٣/٢١١) صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ماجآء فی فاتحة الکتاب (٤٤٧٤، ٤٦٧٤) ابو داؤد: کتاب الوتر: باب فاتحة الکتاب (١٤٥٨) ابن ماجه: کتاب الادب: باب ثواب القرآن (٣٧٨٥) صحیح ابن حبان (٧٧٧) نسائی: کتاب الافتتاح: باب قول الله تعالی: ولقد اتینك سبعا من المثانی والقرآن العظیم (٩١٢) صحیح ابن خزیمة (٨٦٢) مسند ابو یعلی (٦٨٣٧) طبرانی (٧٦٨، ٧٦٩) بیهقی (٦٤/٧)]

[2] [صحیح: موطا امام مالك (٨٣/١) مستدرك حاکم (٥٧٧/١) التمهید لابن عبد البر (٢١٧/٢٠) نسائی فی تفسیره (٢٢٥) جامع ترمذی (٢٨٧٥) سنن دارمی (٣٢٠/٢) مسند احمد (٤١٢/٢) امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

اس حدیث کے اور بھی بہت سے طرق ہیں۔ مثلاً مسند احمد میں ہے [1] کہ حضور ﷺ نے جب انہیں پکارا تو یہ نماز میں تھے۔ التفات کیا مگر جواب نہ دیا۔ آپ نے پھر پکارا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے نماز مختصر کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے سلام علیک عرض کیا آپ نے جواب دے کر فرمایا ابی تم نے مجھے جواب کیوں نہ دیا؟ کہا حضور میں نماز میں تھا۔ آپ نے وہی آیت پڑھ کر فرمایا ''کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟'' کہا حضور غلطی ہوئی اب ایسا نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں کہ توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی سورت نہ ہو۔ میں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہاں سے جانے سے پہلے ہی میں تمہیں بتا دوں گا پھر حضور میرا ہاتھ تھامے ہوئے اور باتیں کرتے رہے اور میں نے اپنی چال دھیمی کر دی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بات رہ جائے اور آپ باہر چلے جائیں۔ آخر جب دروازے کے قریب پہنچ گئے تو میں نے آپ کو وعدہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے ''ام القرآن'' پڑھ کر سنائی۔ آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نہیں یہ سبع مثانی ہے۔ [1] ترمذی میں مزید یہ بھی ہے کہ یہی وہ بڑا قرآن ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔ [2] یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے۔ [3] مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ [4]

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت استنجے سے فارغ ہوئے ہی تھے میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی جواب نہ دیا۔ آپ گھر میں تشریف لے گئے اور میں غم ورنج کی حالت میں مسجد میں چلا گیا تھوڑی دیر بعد طہارت کر کے تشریف لائے اور تین مرتبہ ہی میرے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا اے جابر بن عبداللہ سنو تمام قرآن میں بہترین

---

[1] [صحیح :مسند احمد (۴۱۳/۲) مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح :ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجآء فی فضل فاتحة الکتاب (۲۸۷۵) نسائی فی تفسیرہ (۲۲۵) دارمی (۳۲۰/۲) صحیح ابن خزیمة (۳۷/۲) ابو یعلی (۳۶۷/۱۱) طحاوی فی مشکل الآثار (۴۶۷/۱۔ ۴۶۸) مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح :السلسلة الصحیحة (۱۴۹۹) النسائی فی فضائل القرآن من الکبری (۸۰۱۱) وفی الیوم واللیلة (۷۲۳) صحیح ابن حبان (الموارد ۔ ۱۷۱۳) مستدرك حاکم (۵۶۰/۱) بیهقی فی الشعب (۲۳۵۸) السیوطی فی الدر (۵/۱)]

[4] [صحیح :ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الحجر (۳۱۲۵) نسائی : کتاب الافتتاح : باب فضل فاتحة الکتاب (۹۱۳) مسند احمد (۳۵۷/۲) صحیح ابن خزیمة (۵۰۰، ۵۰۱) مستدرك حاکم (۵۵۷/۱)] امام حاکم ؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔]

سورت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ آخر تک ہے۔ [1] اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں ابن عقیل جو اس کا راوی ہے اس کی حدیث بڑے بڑے ائمہ روایت کرتے ہیں اور ان عبداللہ بن جابر سے مراد ''عبدی صحابی'' ہیں ابن الجوزی کا بھی یہی قول ہے واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ عبداللہ بن جابر انصاری بیاضی ہیں یہ حدیث اور اس جیسی اور احادیث سے استدلال کر کے اسحاق بن راہویہ ابوبکر بن عربی ابن الحفار رحمہ اللہ علیہ وغیرہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ بعض آیتیں اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں یہی ایک دوسری جماعت کا بھی خیال ہے کہ کلام اللہ کل کا کل فضیلت میں برابر ہے۔ ایک کو ایک پر فضیلت دینے سے یہ قباحت ہوتی ہے کہ دوسری آیتیں اور سورتیں اس سے کم درجہ کی نظر آئیں گی حالانکہ کلام اللہ سارے کا سارا فضیلت والا ہے۔ قرطبی نے اشعری اور ابوبکر باقلانی اور ابوحاتم بن حیان بستی اور یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ علیہ سے یہی نقل کیا ہے امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہ مذہب منقول ہے۔ (لیکن صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

سورۂ فاتحہ کے فضائل کی مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں صحیح بخاری شریف فضائل القرآن میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں ایک جگہ اترے ہوئے تھے ناگہاں ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ کھایا ہے ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ جھاڑ پھونک بھی جانتا ہے اس نے وہاں جا کر کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ اللہ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لیے دودھ بھی بہت سارا بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے پوچھا ''کیا تمہیں جھاڑ پھونک کا علم تھا؟ اس نے کہا میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے ہم نے کہا اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھیڑو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آ کر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورت ہے؟ فرمایا اس مال کے حصے کر لو میرا بھی ایک حصہ لگانا۔ صحیح مسلم شریف اور ابوداود میں یہ حدیث ہے۔ [2] مسلم کی بعض روایتوں میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

---

[1] [حسن بالشواهد: مسند احمد (٤/١٧٧) بيهقى فى شعب الايمان (٢١٥٣) الهيثمى فى مجمع الزوائد (٥/٣١٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں عبداللہ بن محمد بن عقیل راوی سیئ الحفظ ہے، تاہم اس کی حدیث حسن ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے شواہد کے ساتھ حسن کہا ہے۔]

[2] [صحيح: صحيح بخارى : كتاب الاجارة : باب ما يعطى فى الرقية على احيآء العرب بفاتحة الكتاب (٢٢٧٦) و كتاب الطب : باب النفث فى الرقية (٥٧٤٩) صحيح مسلم : كتاب السلام : باب جواز اخذ الاجرة على الرقية بالقرآن والاذكار (٢٢٠١) ترمذى : كتاب الطب : باب ما جآء فى اخذ الاجر على التعويذ (٢٠٦٣) ابن ماجه : كتاب التجارات : باب اجر الرقى (٢١٥٦) ابو داؤد : كتاب الطب : باب كيف الرقىٰ (٣٩٠٠) و كتاب البيوع : باب كسب الاطباء (٣٤١٨)]

مسلم اور نسائی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا۔ آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضور ﷺ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے "خوش ہو جائیے دو نور آپ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔" سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ایک ایک حرف ان میں سے نور ہے۔[1] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے پوری نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جب امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا پھر بھی چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف کر دیا ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ﴾ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ﴾ میرے بندے نے میری ثناء بیان کی پھر بندہ کہتا ہے ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ﴾ یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے ﴿فَوَّضَ اِلَيَّ عَبْدِيْ﴾ یعنی میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دوں گا۔ پھر بندہ ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تک پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لیے ہے۔[2] نسائی میں بھی یہ روایت ہے بعض روایات کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔[3] ابوزرعہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث مطول موجود ہے۔[4] اس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں ابن جریر کی ایک روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے لیے ہے اور جو باقی ہے وہ میرے بندے کے لیے ہے۔[5] یہ حدیث غریب ہے۔

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صلوة المسافرین : باب فضل الفاتحة خواتیم سورة البقرة (۸۰٦) نسائی : کتاب الافتتاح : باب فضل فاتحه الکتاب (۹۱۳) مستدرك حاکم (۵۵۸/۱) صحیح ابن حبان (۷۷۸)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلوة : باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة (۳۹۵)]

[3] [حسن : ترمذی : ابواب تفسیر القرآن : باب ومن سورة فاتحة الکتاب (۲۹۵۳)] شیخ البانی ؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

[4] [مسند احمد (۲۸۲/۲)]

[5] [حسن : تفسیر ابن جریر الطبری (۲۲٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔]

اب اس حدیث کے فائدوں پر نظر ڈالیے:

اول: اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ یعنی نماز کا اطلاق ہے اور مراد اس سے قراۃ ہے جیسے کہ قرآن میں اور جگہ پر ہے ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ (الاسراء/ ۱۱۰) الخ یعنی اپنی نماز یعنی قراۃ کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست آواز سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں صراحت سے مروی ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد قراۃ ہے [1] اور اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں بھی قراۃ کو صلوٰۃ کہا ہے۔ اس سے نماز میں قراۃ کی جو عظمت ہے وہ معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قراۃ نماز کا اعلیٰ رکن ہے اس لیے کہ عبادت کا مطلق نام لیا گیا اور اس کے ایک جزو یعنی قراۃ کا ذکر کیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کے برخلاف ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ قراۃ کا اطلاق کیا گیا اور مراد نماز لی گئی۔ فرمان ہے ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ (الاسراء/ ۷۸) الخ یعنی صبح کے قرآن پر فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں۔ [2] یہاں مراد قرآن سے نماز ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ [3] ان آیات واحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قراۃ کا پڑھنا ضروری ہے اور علماء کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔

دوم: اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی ضروری ہے؟ یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے وہی کافی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی وغیرہ تو کہتے ہیں کہ اسی کا پڑھنا متعین نہیں۔ بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا ان کی دلیل آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ سورۃ المزمل ہے یعنی قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھ لو اور صحیحین کی حدیث ہے۔ جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو نماز جلدی جلدی پڑھ رہا تھا فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر جو قرآن میں سے تجھے آسان نظر آئے پڑھ [4] وہ کہتے ہیں کہ حضور کا اس شخص کو یہ فرمانا اور سورۂ فاتحہ کی تعیین نہ کرنا بتا رہا ہے۔ جو کچھ قرآن سے پڑھ لے کافی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ان کے علاوہ اور سب ائمہ کرام کا یہی قول ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ان کے سب کے سب شاگرد رحمہم اللہ وغیرہ اور جمہور علماء کرام رحمہ اللہ کا یہی فرمان ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ ان پر درود ورحمت بھیجے بیان فرمائی ہے کہ جو شخص نماز پڑھے خواہ کوئی نماز ہو اور اس میں ام القرآن نہ پڑھے وہ نماز

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها (٤٧٢٢) صحیح مسلم : کتاب الصلوة باب التوسط فی القراءة فی الصلوة الجهرية (٤٤٦)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب فضل صلاة الفجر فی جماعة (٦٤٨) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب فضل صلاة الجماعة (٦٤٩)]

[3] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الأذان (٦٤٩) صحیح مسلم : کتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة علیهما (٦٣٢)]

[4] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب وجوب القراءة للامام والماموم (٧٥٧) صحیح مسلم: کتاب الصلوة : باب وجوب القراءة فی کل رکعة (٣٩٧) ابو داؤد (٨٥٦)]

ناقص ہے پوری نہیں ① اسی طرح ان بزرگوں کی یہ دلیل بھی ہے جو صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ ② صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نماز نہیں ہوتی جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے ③ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ ہمیں یہاں پر مناظرانہ پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بہت لمبی بحثیں ہیں۔ ہم نے تو مختصراً ان بزرگوں کی دلیلیں بیان کر دیں (صحیح اور مطابق حدیث دوسرا قول ہی ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

اب یہ بھی سن لیجئے کہ امام شافعی وغیرہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا تو یہ مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ہر ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے اور لوگ کہتے ہیں اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ حسن رحمہ اللہ اور اکثر بصرہ کے لوگ کہتے ہیں کہ نمازوں میں سے کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں نماز کا ذکر مطلق ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے ساتھی امام ثوری رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ قرآن میں ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ کا لفظ ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص فرض وغیرہ نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ ④ البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے۔ اور ان سب باتوں کی تفصیل کا موقعہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ (صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

سوم: مقتدی پر سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کے مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر واجب ہے اسی طرح مقتدی پر بھی واجب ہے اس کی دلیل وہ عام حدیثیں ہیں جو ابھی ابھی دوسرے فائدے کے بیان میں گزر چکیں۔ دوسرا یہ کہ سرے سے مقتدی کے ذمہ قراۃ واجب ہی نہیں۔ نہ یہ سورت نہ کچھ اور نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں۔ ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

① [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ: باب وجوب قراۃ فاتحہ فی کل رکعۃ (۳۹۵)]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب وجوب القراءۃ للامام والماموم (۷۵۶) صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ: باب وجوب قرائۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ (۳۹۴) نسائی: کتاب الافتتاح: باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلاۃ (۹۱۷، ۹۰۹) ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ: باب القراءۃ خلف الامام (۸۳۷) ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب (۸۲۲) ترمذی: کتاب الصلوۃ: باب ما جآء انہ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (۲۴۷)]

③ [صحیح: صحیح ابن حبان (۱۷۸۹) مسند احمد (۲/۴۵۷) صحیح ابن خزیمہ (۴۹۰)]

④ [ضعیف: ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ: باب القراءۃ خلف الامام (۸۳۹) ابوداود (۸۱۸)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے، اس میں ابوسفیان سعدی طرف بن شہاب ہے جس کے متعلق امام ابن عبدالبرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے ضعف پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ [الزوائد (۲۹۱/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قراۃ اس کی قرات ہے [1] لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور یہ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے مروی ہے گو اس مرفوع حدیث کی اور سندیں بھی ہیں لیکن کوئی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستگی سے قراۃ پڑھے ان میں تو مقتدی پر قراۃ واجب ہے۔ لیکن جن نمازوں میں اونچی قراۃ پڑھی جاتی ہے ان میں واجب نہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم والی حدیث ہے جس میں ہے کہ امام اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اس کی تکبیر سن کر تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تم چپ رہو۔ [2] سنن میں بھی یہ حدیث ہے امام مسلم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔ (صحیح اور مطابق حدیث اول قول ہے ابوداود، ترمذی، نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو فرمایا کہ تم سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو۔ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ [3] مترجم) ہماری غرض ان مسائل کو یہاں پر بیان کرنے سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ احکام کا جس قدر تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں۔ مسند بزار میں حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم بستر پر لیٹو اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں آ جاؤ گے۔ [4]

---

[1] [ضعیف : ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاة : باب اذا قرا الامام فانصتوا (۸۵۰) مسند احمد (۳/۳۳۹) سنن دارقطنی (۱/۳۲۳) بیهقی (۲/۱۶۰)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ [التلخیص الحبیر (۱/۴۲۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں جابر جعفی راوی ضعیف رافضی ہے۔ تاہم شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ ارواء الغلیل (۸۵۰)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلوة : باب التشهد فی الصلوة (۴۰۴) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلوة: باب اذا قرأ الامام فانصتوا (۸۴۶) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب الامام یصلی من قعود (۶۰۴) نسائی : کتاب الافتتاح : باب تاویل قوله عزوجل واذا قریء القرآن (۹۴۴)]

[3] [صحیح بالشواهد : ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب من ترك القرأة فی صلوته بفاتحة الكتاب (۸۲۴) نسائی : کتاب الافتتاح : باب قراءة ام القرآن خلف الامام فیما جهر به الامام (۹۱۹) امام ابوداودؒ نے فرمایا ہے کہ یہ زیادتی ﴿ واذا قرأ فانصتوا ﴾ محفوظ نہیں۔ مزید دیکھئے: ارواء الغلیل للشیخ الالبانی (۲/۱۲۱) السلسلة الضعیفة (تحت الحدیث / ۶۰۰۷) ضعیف ابوداود (۵۰۶)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[4] [ضعیف : البزار فی کشف الاستار (۳۱۰۹) الهیثمی فی مجمع الزوائد (۱۰/۱۲۰)، (۱۷۰۳۰)] اس کی سند میں غسان بن عبید راوی ہے جس کے متعلق امام ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی احادیث پر ضعف واضح ہے۔ امام احمدؒ، امام ابن معینؒ اور امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [دیکھئے: میزان الاعتدال (۳/۳۳۴) السلسلة الضعیفة (۵۰۶۲) ضعیف الجامع الصغیر (۷۲۲) ضعیف الترغیب والترهیب (۳۴۷)]

"أعوذ باللہ" کی تفسیر اور اس کے احکام

قرآن پاک میں ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ (الاعراف/۱۹۹) الخ یعنی درگزر کرنے کی عادت رکھو بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو۔ اور جگہ فرمایا: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ﴾ (المومنون:۹۶) الخ برائی کو بھلائی سے ٹال دو ہم ان کے بیانات کو خوب جانتے ہیں کہا کرو کہ الٰہی شیطان کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے ہم تیری مدد کے ذریعہ پناہ چاہتے ہیں اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ......﴾ (حم سجدہ ۳۷) الخ یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔ یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب والوں کا ہے۔ جب شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ چاہو۔ یہ تین آیتیں ہیں اور اس معنی کی کوئی اور آیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے۔ اس کی دشمنی کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک و احسان کرو۔ تا کہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے۔ اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے اپنے ذریعہ پناہ لینی سکھائی۔ کیونکہ یہ پلید دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا۔ اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی میں ہی مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت باوا آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے اے بنی آدم دیکھو کہیں شیطان تمہیں بھی بہکا نہ دے۔ جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنی جماعت کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جائیں اور جگہ فرمایا کیا تم اس شیطان سے اور اس کی ذریات سے دوستی کرتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ وہ تو تمہارا دشمن ہے۔ یاد رکھو ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے یہی ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تو اب خیال کر لیجیے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمارے لیے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے کہ: اللہ جل جلالہ کی عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے۔ [1] اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ (النحل/۹۸) جب قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو۔ شیطان راندے ہوئے سے۔ ایمان دار، توکل والوں پر اس کا کوئی زور نہیں۔ اس کا زور تو انہی پر ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور اس کو اللہ کے ساتھ شریک کریں۔

قاریوں کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ قرآن پڑھ چکنے کے بعد "اَعُوْذُ" پڑھنی چاہیے۔ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو قرآن کے طرز بیان پر عمل۔ دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ۔ ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ نے اور ابن فلوفا نے حمزہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العبادۃ الکامل میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن اسناد غریب ہے رازی نے اپنی تفسیر

---

[1] [سورۃ ص: آیت ۸۲ ـ ۸۳]

میں اسے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ داود ظاہری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے لیکن ابن العربی رحمہ اللہ اسے غریب کہتے ہیں ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول وآخر دونوں مرتبہ "اَعُوْذُ" پڑھے تا کہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے "اَعُوْذُ" پڑھنا چاہیے تا کہ وسوسے دور ہو جائیں تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنی "جب پڑھے" تو یعنی "جب پڑھنا چاہے تو" ہو جائیں گے جیسے کہ آیت ﴿اِذَا قُمْتُمْ﴾ (المائدہ/٦) الخ یعنی جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوؤ (تو وضو کر لیا کرو) کے معنی جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو کے ہیں۔ احادیث کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ﴾ پڑھ کر تین مرتبہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پڑھتے۔ پھر فرماتے: ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ﴾ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ [1]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے ہمز کے معنی گلا گھوٹنے کے اور نفخ کے معنی تکبر اور نفث کے معنی شعر گوئی کے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی معنی بیان کیے گئے ہیں اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا﴾ تین مرتبہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا﴾ اور تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ پڑھتے پھر یہ پڑھتے ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ﴾ [2] ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے۔ [3] مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ

---

[1] [صحیح بالشواھد: ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب من رائ الاستفتاح بسبحانك اللھم وبحمدك (٧٧٥) نسائی: کتاب الافتتاح: باب نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلوۃ وبین القراۃ (٩٠٠-٩٠١) ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا: باب افتتاح الصلوۃ (٨٠٤) ترمذی: کتاب الصلوۃ: باب ما یقول عند افتتاح الصلوۃ (٢٤٢) مسند احمد (١١٤٨٩) شرح معانی الآثار (١٩٧/١) صحیح ابن خزیمۃ (٤٦٧) ابو یعلی فی مسندہ (١١٠٨) المزی فی تھذیب الکمال (٧١/٢١) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [ضعفہ الالبانی: شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود (١٣٠) ضعیف ابن ماجہ (١٧٣) ارواء الغلیل (٥٤/٢)] مزید دیکھئے: ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء (٧٦٤) ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ: باب الاستعاذۃ فی الصلوۃ (٨٠٧) مسند احمد (٨٥/٤) صحیح ابن خزیمہ (٤٦٨) صحیح ابن حبان (١٧٧٩) طبرانی کبیر (١٥٦٨/٦)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے حسن کہا ہے۔]

[3] [صحیح ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ: باب الاستعاذۃ فی الصلوۃ (٨٠٨)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجہ] مزید دیکھئے: مسند احمد (٣٨٣٠) ابن ابی شیبہ (١٨٥/١٠) ابو یعلی (٤٩٩٤/٨) بیھقی (٢٦/٢) صحیح ابن خزیمۃ (٤٧٢)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

﴿وَبِحَمْدِهٖ﴾ کہتے پھر "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" آخر تک پڑھتے۔ ① مسند ابویعلی میں ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے دو شخص لڑنے جھگڑنے لگے۔ غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے نسائی نے اپنی کتاب "عمل اليوم والليله" میں بھی اسے روایت کیا ہے ② مسند احمد ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس کی ایک روایت میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔ ③ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ زیادتی والی روایت مرسل ہے اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کرتے ہیں ان کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں بلکہ معاذ رضی اللہ عنہ ان سے بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ شاید عبدالرحمٰن نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سنا ہو وہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور اسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی میں بھی مختلف سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔ ④ استعاذہ کے متعلق اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں یہاں سب کو جمع کرنے سے طول ہوگا ان کے بیان کے لیے اذکار و وظائف کی اور فضائل واعمال کے بیان کی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر حضور کے پاس آئے تو پہلے اعوذ پڑھنے کا کہا۔ تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا ﴿اَعُوْذُ﴾ پڑھیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ کہیے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر کہا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (العلق / ١) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے پہلی سورت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی یہی ہے۔ ⑤

---

① [اسنادہ ضعیف مسند احمد (٥/٢٥٣)، (٢٢٢٧٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں یعلی بن عطاء کا شیخ اور شریک قاضی راوی مجہول ہے۔ امام ہیثمیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اس میں مجہول راوی ہے۔ [مجمع الزوائد (٢/٢٦٥)]

② [حسن النسائی فی عمل الیوم واللیلة (٣٩٣) وفی السنن الکبری (١٠٢٢٣)]

③ [ضعفه الالبانی ضعیف الترغیب والترغیب (١٦٤٦) ضعیف ابوداود (١٠٢٤)] مزید دیکھئے: ابو داؤد : کتاب الادب : باب ما یقال عند الغضب (٤٧٨٠) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ما یقول عند الغضب (٣٤٥٢) نسائی فی السنن الکبری (١٠٢٢١) وابن السنی فی الیوم واللیلة (٤٥٤) الضیاء فی المختارة (١٢٣٧)]

④ [صحیح صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب صفة ابلیس وجنوده (٣٢٨٢) صحیح مسلم: کتاب البر و الصلة : باب فضل من یملك نفسه عند الغضب (٢٦١٠) ابو داؤد : کتاب الادب : باب ما یقال عندالغضب (٤٧٨١)]

⑤ [ضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٧)] اس میں بشر بن عمارہ راوی ہے جسے امام ابوحاتمؒ نے غیر قوی، امام بخاریؒ نے منکر، امام نسائیؒ نے ضعیف، امام ابن حبانؒ نے کثیر الخطاء اور امام دارقطنیؒ نے متروک کہا ہے۔ نیز ضحاک اور ابن عباسؓ کے درمیان انقطاع بھی ہے۔]

لیکن یہ اثر غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف اور انقطاع ہے ہم نے اسے صرف اس لیے بیان کیا ہے کہ معلوم رہے۔ واللہ اعلم۔

تعوذ پڑھنا واجب یا مستحب؟: مسئلہ: جمہور علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو۔ عطاء بن ابورباح رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے۔ خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں۔ امام رازی نے یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے حضرت عطاء رحمہ اللہ کے قول کی دلیل آیت کے ظاہری الفاظ ہیں کیونکہ اس میں "فَاسْتَعِذْ" امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر دوام کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے وجوب کا طریقہ یہ بھی ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا حضور پر واجب تھا آپ کی امت پر واجب نہیں امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں۔ "اَعُوْذُ" نہ پڑھے اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں اعوذ پڑھ لے۔

تعوذ پڑھنے کا وقت اور مقام: مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ الاملاء میں لکھتے ہیں کہ اعوذ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں اور ام میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوشیدہ پڑھنا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رکعت کے سوا اور رکعتوں میں اعوذ پڑھنے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ایک مستحب ہونے کا اور دوسرا مستحب نہ ہونے کا اور ترجیح دوسرے قول کو ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ صرف "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" کہہ لینا امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو کافی ہے لیکن بعض کہتے ہیں۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" پڑھے ثوری رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے بعض کہتے ہیں "اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھے تا کہ آیت کے پورے الفاظ پر عمل ہو جائے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر عمل ہو جائے جو پہلے گذر چکی۔ لیکن جو صحیح حدیثیں پہلے گذر چکیں وہی اتباع میں اولیٰ ہیں۔ واللہ اعلم۔ نماز میں اعوذ کا پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو تلاوت کے لیے ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کے لیے ہے۔ تو مقتدی کو بھی پڑھ لینا چاہیے اگرچہ وہ قرات نہیں پڑھے گا اور عید کی نماز میں بھی پہلی تکبیر کے بعد پڑھ لینا چاہیے جمہور کا مذہب ہے کہ عید کی تکبیریں کل کہہ کر پھر اعوذ پڑھے پھر قرات پڑھے۔ اعوذ میں عجیب وغریب فوائد ہیں۔ واہی تباہی باتوں سے منہ میں جو ناپاکی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرتوں کا اقرار کرنا ہے اور اس باطنی کھلے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور عاجزی کا اقرار ہے کیونکہ انسانی دشمن کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ احسان اور سلوک سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے جیسے کہ قرآن پاک کی

ان تین آیتوں میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں اور جگہ ارشاد الٰہی ہے ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (۱) الخ یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں رب کی وکالت (ذمہ داری) کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں اپنے پاک فرشتے بھیجے اور انہیں نیچا دکھایا۔ یہ یاد رکھنے کے قابل امر ہے کہ جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے وہ شہید ہے لیکن جو اس باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ سے مارا جائے وہ راندہ درگاہ ہے جس پر کفار غالب آ جائیں وہ اجر پاتا ہے لیکن جس پر شیطان غالب آ جائے وہ ہلاک و برباد ہوتا ہے چونکہ شیطان انسان کو دیکھتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ سکتا اس لیے قرآنی تعلیم ہوئی کہ تم اس کے شر سے اس اللہ کی یاد کے ذریعہ پناہ چاہو جو اسے دیکھتا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔

فصل: اعوذ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرنا ہے "عیاذہ" کے معنی برائی کے دفع کرنے کے ہیں اور "لیاذہ" کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں متنبی کا شعر ہے

یَا مَنْ اَلُوْذُبِهٖ فِیْ مَا اُؤَمِّلُهٗ وَمَنْ اَعُوْذُ بِهٖ مِمَّنْ اُحَاذِرُهٗ
لَا یَجْبُرُ النَّاسُ عَظْمًا اَنْتَ کَاسِرُهٗ وَلَا یُهِیْضُوْنَ عَظْمًا اَنْتَ جَابِرُهٗ

اے وہ پاک ذات جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اے وہ پروردگار کہ تمام برائیوں سے میں اس کی مدد کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں جسے وہ توڑے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے وہ جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اعوذ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں اس سے رک جاؤں اور جن کاموں سے مجھ کو منع کیا گیا ہے ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ بدافعال سرزد ہو جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اسی لیے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک واحسان وغیرہ بتائی ہے اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتائی کہ ہم اس ذات پاک کے ذریعہ پناہ طلب کریں۔ اس لیے کہ نہ تو اسے رشوت دی جا سکے نہ وہ بھلائی اور سلوک کے ذریعہ اپنی شرارت سے باز آئے اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تینوں پہلی آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ (۲) الخ اور سورۂ "مومنون" میں ہے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ﴾ (۳) الخ اور سورۂ حم سجدہ میں ہے ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ﴾ (۴) الخ ان تینوں آیتوں کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ لفظ شیطان شَطَنَ سے بنا ہے اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے اس لیے اسے شیطان کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شَاطَ سے مشتق ہے اس لیے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے اور شَاطَ کے معنی یہی ہیں بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں لیکن اول زیادہ صحیح ہے عرب شاعروں کے شعر بھی اس کی تصدیق میں کہے گئے ہیں امیہ بن

---

(۱) [سورة بنی اسرائیل: آیت ٦٥]
(۲) [سورہ الاعراف : آیت ١٩٩]
(۳) [سورة المومنون : آیت ٩٧-٩٨]
(۴) [سورہ فصلت : آیت ٣٤-٣٦]

ابوصلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ شَطَنَ سے مشتق ہے جو دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے سیبویہ کا قول ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرے تو عرب کہتے ہیں "تَشَيْطَنَ فُلَانٌ" یہ نہیں کہتے کہ "تَشَيَّطَ فُلَانٌ" اس سے ثابت ہوتا ہے یہ لفظ شَاطَ سے نہیں بلکہ شَطَنَ سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہیں جو جن وانس وحیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ (۱) الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین جن وانس کیے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے کی بناوٹی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اے ابوذر جنات اور انسان کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ پناہ طلب کرو میں نے کہا کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں (۲) صحیح مسلم شریف میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے میں نے کہا حضور سرخ۔ زرد کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کالا کتا شیطان ہے۔ (۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ ناز وخرام سے چلتا ہے حضرت عمر اسے مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اکڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لیے کسی شیطان کو پکڑ لائے میرے نفس میں تکبر آنے لگا۔ چنانچہ میں نے اس سے اتر پڑنا ہی مناسب سمجھا۔ (۴) رجیم فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ مرجوم ہے یعنی ہر بھلائی سے دور ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ﴾ (الملك/٥) الخ ہم نے دنیا کے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لیے رجم بنایا ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ (الصافات/٦) الخ یعنی ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ وہ اعلیٰ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے، اور بھگانے کے لیے ہر طرف سے مارے جاتے ہیں، اور ان کے لیے تو لازمی عذاب ہے جو ان کے لیے ہے، جو ان میں سے کوئی بات اچک کر بھاگتا ہے اس کے پیچھے ایک چمکیلا شعلہ لگ جاتا

---

(۱) [سورۃ الانعام : آیت ۱۱۲]

(۲) [ضعف الالبانی اسنادہ :ضعیف نسائی (٤٢٤)] مزید دیکھئے: بزار فی کشف الاستار (١٦٠) تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٧٧٤، ١٣٧٧٥، ١٣٧٧٣) مسند احمد (١٧٨/٥، ١٧٩) نسائی : کتاب الاستاذة : باب الاستعاذة من شر شیاطین الانس (٥٥٠٩) بیهقی فی شعب الایمان (٣٥٧٦)] اس کی سند میں ابوعمر دمشقی اور عبید بن خشخاش راوی ضعیف ہیں۔]

(۳) [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الصلوة : باب قدر ما یستر المصلی (٥١٠) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلوة : باب ما یقطع الصلوة (٩٥٢) ترمذی : کتاب الصلوة : باب ما جآء انه لا یقطع الصلوة (٣٣٨) ابو داؤد : کتاب الصلوة باب ما یقطع الصلوة ومالا یقطعها (٧٠٢) نسائی :کتاب القبلة : باب ذکر ما یقطع الصلاة ومالا یقطع (٧٥١) صحیح ابن حبان (٢٣٨٥)]

(۴) [تفسیر ابن جریر الطبری (١١١/١)]

ہے اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ (الحجر/۱۶) الخ یعنی ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لیے زینت دی اور اسے ہر راندے ہوئے شیطان سے ہم نے محفوظ کر لیا مگر جو کسی بات کو چرا لے جائے اس کے پیچھے چمکتا ہوا شعلہ لگتا ہے۔ اسی طرح کی اور آیتیں بھی ہیں رجیم کے ایک معنی راجم کے بھی کیے گئے ہیں چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں سے اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے اس لیے اسے رجیم یعنی راجم کہتے ہیں۔

اب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر پڑھیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں○

بسم اللہ کے متعلق کچھ تفصیل: صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ کی کتاب کو اسی کے ساتھ شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سورۂ نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں خود مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا ہر سورت کی آیت کا جزو ہے؟ یا صرف سورۂ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لیے لکھی گئی ہے؟ اور خود آیت نہیں ہے؟ علماء سلف اور خلف کا ان آراء میں اختلاف چلا آتا ہے اور اپنی جگہ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔

سنن ابی داود میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک آپ پر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ نازل نہیں ہوتی تھی۔[1] یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے[2] ایک مرسل حدیث میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ کو سورۂ فاتحہ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کیا[3] لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[4] حضرت علی، حضرت ابن عباس،

---

[1] [**صحیح**: شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۴۸۶۴)] مزید دیکھیے: ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب من جهر بها (۷۸۸) بزار (۲۱۸۷) مستدرك حاكم (۲۳۱/۱) طحاوى فى مشكل الاثار (۱۳۷۶) عبد الرزاق (۲۶۱۷) حميدى (۵۲۸) ابو نعيم فى اخبار اصبهان (۲/۲۵۵)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [مستدرك حاكم (۲۳۱/۱)]

[3] [**ضعیف**: ابن خزيمه (۴۹۳) دارقطنى (۳۰۷/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عمر بن ہارون راوی ہے، امام ابن معین رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے اور دیگر متعدد اہل علم نے اسے متروک اور ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس روایت کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[4] [دارقطنى (۳۱۲/۱، ۳۱۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس روایت کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔]

حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم حضرت عطا' حضرت طاؤس' حضرت سعید بن جبیر' حضرت مکحول اور حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ الخ ہر سورت کے آغاز میں ایک مستقل آیت ہے سوائے سورۂ برات کے۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مبارک' امام شافعی' امام احمد کے ایک قول میں' اور اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے البتہ امام مالک امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں۔ کہ بسم اللہ الخ نہ تو سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ﴾ الخ سورۂ فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن کسی اور سورۃ کی نہیں۔ ایک قول ان کا یہ بھی ہے کہ ہر سورت کے اول کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داود رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے اوّل میں ایک مستقل آیت ہے سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے بھی یہی روایت ہے اور ابوبکر رازی رحمۃ اللہ نے ابوحسن کرخی رحمۃ اللہ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے۔ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے بڑے پایہ کے ساتھی تھے۔ یہ تو تھی بحث ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ﴾ کے سورۂ فاتحہ کی آیت ہونے یا نہ ہونے کی۔ (صحیح مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کہیں قرآن پاک میں یہ آیت شریفہ ہے وہاں مستقل آیت ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

بسم اللہ اونچی آواز سے یا آہستہ آواز سے؟: اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اسے بآواز بلند پڑھنا چاہیے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں وہ بھی اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے اول سے ہے۔ ان میں اختلاف ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ کا تو مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہیے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی' تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی اور مسلمانوں کے مقدم و موخر امامین کی جماعتوں کا یہی مذہب ہے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابن عمر' ابن عباس' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا۔ اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی غریب سند سے امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے۔

تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیر' حضرت عکرمہ' حضرت ابوقلابہ' حضرت زہری' حضرت علی بن حسن ان کے لڑکے محمد' سعید بن میسب' عطاء' طاؤس' مجاہد' سالم' محمد بن کعب قرظی' عبید' ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم' ابووائل ابن سیرین محمد بن منکدر علی بن عبداللہ بن عباس ان کے صاحبزادے محمد نافع ابن عمر کے مولیٰ زید بن اسلم' عمر بن عبدالعزیز' ازرق بن قیس' حبیب بن ابی ثابت' ابوشعثاء' مکحول' عبداللہ بن معقل بن مقرن اور بروایت بیہقی' عبداللہ بن صفوان' محمد بن حنفیہ اور بروایت ابن عبدالبر عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہم سب کے سب ان نمازوں میں جن میں قرات اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۂ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے

ہی پڑھنی چاہیے۔ علاوہ ازیں سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور قرات میں اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں۔ [1] اس حدیث کو دارقطنی خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔ [2] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ [3] امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

قراءت کا نبوی اسلوب: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قرات کس طرح تھی۔ فرمایا کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ لمبا کر کے پڑھتے تھے پھر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر سنائی بسم اللہ پر مد کیا الرحمٰن پر مد کیا الرحیم پر مد کیا۔ [4] مسند احمد، سنن ابی داؤد، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ کی قرات الگ الگ ہوتی تھی جیسے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ دارقطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ [5] امام شافعی رحمہ اللہ امام

---

[1] **[صحیح :** نسائی: كتاب الافتتاح باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم (٩٠٦) بیهقی (٤٦/٢) ابن الجارود (١٨٤) ابن خزيمه (٤٩٩) حاكم (٢٣٢/١) دارقطنی (٣٠٥/١) ابن حبان (١٧٩٧) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] **[ضعیف :** ترمذی : كتاب الصلوة : باب من رای الجهر بسم الله الرحمن الرحيم (٢٤٥) المزی فی التحفة (٢٦٥/٥) دارقطنی (٣٠٤/١) بیهقی (٤٧/٢) العقیلی (٨٠/١) ابن عدی (٣٠٥/١)] شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[3] **[ضعیف جدا :** مستدرك حاكم (٢٠٨/١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس کے مطابق یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عبداللہ بن عمرو بن حسان راوی ہے جسے امام دارقطنیؒ نے کذاب کہا ہے، امام ابن مدینیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا، امام عقیلیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی احادیث مقلوب ہیں، امام ابوحاتمؒ نے اسے ضعیف الحدیث کہا ہے۔ [دیکھئے: ميزان الاعتدال (٤٦٨/٢) الجرح (١١٩/٥)] امام زیلعیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت نہ تو صریح ہے اور نہ ہی صحیح۔ حافظ زبیر علی زئی نے اسے باطل کہا ہے۔]

[4] **[صحیح :** صحيح بخاری : كتاب فضائل القرآن : باب مدالقراءة (٥٠٤٦) ابن حبان (٦٣١٧)]

[5] **[صحیح :** ابو داؤد : كتاب الحروف والقراءت (٤٠٠١) ترمذی : كتاب القراءت : باب فی فاتحة الكتاب (٢٩٢٧) دارقطنی (٣١٢/١) حاكم (٢٣٢/٢) مسند احمد (٣٠٢/٦)] امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور امام دارقطنیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

حاکم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جومہاجر اصحاب رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر وہ جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ [1] غالباً اتنی ہی احادیث وآثار اس مذہب کی حجت کے لیے کافی ہیں۔ باقی رہے اس کے خلاف آثار، روایات، ان کی سندیں، ان کی تعلیل، ان کا ضعف اور ان کی تقاریر وغیرہ ان کا دوسرے مقام پر ذکر اور ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کو زور سے نہ پڑھنا چاہیے۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے، تابعین رحمہ اللہ علیہم اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہ ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ سرے سے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ پڑھے ہی نہیں نہ تو آہستہ نہ بلند۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے اور قرات کو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے ہی شروع کیا کرتے تھے۔ [2] صحیحین میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔ [3] مسلم میں ہے کہ بسم اللہ الخ نہیں پڑھتے تھے نہ تو قرات کے شروع میں نہ اس قرات کے آخر میں۔ [4]

سنن میں حضرت مغفل رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ [5] یہ ہے دلیل ان ائمہ کی بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی۔ یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (بسم اللہ کا مطلق نہ پڑھنا تو ٹھیک نہیں۔ بلند و پست پڑھنے کی احادیث میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ دونوں جائز ہیں۔ گو پست پڑھنے کی احادیث قدرے زوردار ہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

فصل: بسم اللہ کی فضیلت: تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] [حسن: مسند شافعی (۱/ ۸۰) حاکم (۱/۲۳۳)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[2] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الصلوۃ : باب یجمع صفة الصلوة وما یفتتح به (٤٩٨) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلوة : باب افتتاح القراء ة (٨١٢) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب من لم یر الجهر بسم الله الرحمن الرحیم (٧٨٣) صحیح ابن حبان (١٧٦٨) مسند احمد (٣٨/٦)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب ما یقول بعد التکبیر (٧٤٣) صحیح مسلم : کتاب الصلوة: باب حجة من قال لا یجهر بالبسملة (٣٩٩) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب من لم یر الجهر بسم الله الرحمن الرحیم (٧٨٢)]

[4] [صحیح: صحیح مسلم (٣٩٩)]

[5] [ضعیف: ترمذی : کتاب الصلوة : باب ما جاء فی ترك الجهر بسم الله الرحمن الرحیم (٢٤٤) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلوة : باب افتتاح القراء ة (٨١٥) نسائی : کتاب الافتتاح : باب ترك الجهر بسم الله الرحمن الرحیم (٩٠٩) مسند احمد (٨٥/٤) طحاوی فی شرح معانی الآثار (٢٠٢/١) بیهقی (٥٠/٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ترمذی (٣٩)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابن فضل کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تاہم مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

بسم اللہ کی نسبت سوال کیا آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں' اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔ [1] ابن مردویہ میں بھی اس طرح کی روایت ہے۔ اور یہ روایت بھی ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا تو اس نے کہا لکھئے بسم اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا بسم اللہ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا: ''ب'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا ''بہا'' یعنی بلندی ہے اور ''س'' سے مراد اس کی سنا یعنی نور اور روشنی ہے اور ''م'' سے مراد اس کی مملکت یعنی بادشاہی ہے اور ﴿اللہ﴾ کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو اور ﴿رحمن﴾ کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والے کو ﴿رَحِیْمٌ﴾ کہتے ہیں' آخرت میں کرم و رحم کرنے والے کو۔ [2] ابن جریر میں بھی یہی روایت ہے [3] لیکن سند کی رو سے یہ بے حد غریب ہے۔ ممکن ہے کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں میں سے ہو۔ مرفوع حدیث نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو کسی اور نبی پر سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے نہیں اتری۔ وہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اتری بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں ساکن ہو گئیں۔ سمندر ٹھہر گیا جانوروں نے کان لگا لیے۔ شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہوگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم کے انیس داروغوں سے جو بچنا چاہے۔ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے' اس کے بھی انیس حروف ہیں ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ بن جائے گا۔ اسے ابن عطیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی کی ہے۔ جس

---

[1] [موضوع و باطل: العقیلی فی الضعفاء (۲/۱٦۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۲) الخطیب فی تاریخه (۷/۳۱۳) الحاکم فی مستدرکه (۱/۵۵۲) بیهقی فی الشعب (۲۱۲۳)] امام ذہبیؒ نے اس روایت کو جھوٹی خبر قرار دیا ہے۔ [میزان الاعتدال (۲/۱۸۲)] امام عقیلیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں سلام بن وہب راوی ہے جس کی کسی دوسرے نے متابعت نہیں کی۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ ابو اسحاق حوینی نے اسے باطل کہا ہے۔ [النافلة فی الاحادیث الضعیفة والباطلة (ص : ٥٤)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے موضوع ہی کہا ہے۔]

[2] [موضوع و باطل: تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۱۲۱) الکامل لابن عدی (۱/۳۰۳)] امام ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث باطل الاسناد ہے، اسے صرف اسماعیل نے ہی روایت کیا ہے اور اسماعیل ثقہ راویوں سے باطل روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ امام ابن جوزیؒ نے اس روایت کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور اسے موضوع کہا ہے۔ [۱۸٦] اس میں اسماعیل بن عیاش راوی ضعیف اور اسماعیل بن یحییٰ متہم بالوضع ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے موضوع کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے فرمایا ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف و باطل ہے۔]

[3] [موضوع و باطل: تفسیر ابن جریر الطبری (۱٤۰، ۱٤۱) الکامل ابن عدی (۱/۳۰۳)] اس کی سند میں عبد الکریم ابو امیہ راوی ضعیف ہے جیسا کہ تقریب میں ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

میں آپ نے فرمایا میں نے تیس سے اوپر اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے یہ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب ایک شخص نے ﴿رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ﴾ پڑھا تھا[1] اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں اتنے ہی فرشتے اترے اسی طرح بسم اللہ میں بھی انیس حروف ہیں اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے‘ ان کا بیان ہے کہ حضور کی اونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو‘ آپ ﷺ نے فرمایا یہ نہ کہو اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں بسم اللہ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔[2] نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے نقل کیا ہے اور صحابی کا نام اسامہ بن عمیر بتایا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ بسم اللہ کہہ کہ بسم اللہ کی برکت سے شیطان ذلیل ہو گا۔[3] اسی لیے ہر کام اور ہر بات کے شروع میں بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنی چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکتا ہوتا ہے۔[4]

بیت الخلاء (پاخانہ) میں جانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔[5]

حدیث میں یہ بھی ہے کہ وضو کے وقت بھی پڑھ لے۔ مسند احمد اور سنن میں ابو ہریرہ‘ سعید بن زید اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہوتا“[6] یہ حدیث

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب الاذان (٧٩٩) مسند احمد (٣٤٠/٤)]

[2] [حسن بالشواهد: مسند احمد (٥٩/٥) ابو داؤد: كتاب الادب (٤٩٨٤) شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح الترغيب (٣١٢٩)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

[3] [صحيح بالشواهد: النسائی فی عمل اليوم والليلة (٥٥٩)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح الترغيب (٣١٧٨)] حافظ زبیر علی زئی نے فرمایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن یہ شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔]

[4] [ضعيف جدا: ابن السبكي في الطبقات الشافعيه (٦/١) الخطيب في الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع (١٢٨/٢)] اس کی سند میں احمد بن محمد بن عمران ضعیف ہے۔ شیخ البانی ؒ نے اس روایت کو سخت ضعیف کہا ہے۔ [ارواء الغليل (١) ضعيف الجامع الصغير (٤٢٤٥) تمام المنة (ص: ٣٣٣) ضعيف ابن ماجه (١٨٩٤) ضعيف ابوداود (٤٨٤٠) ضعيف الترغيب (٩٥٨)] حافظ زبیر علی زئی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

[5] [صحيح: ترمذی: كتاب الطهارة: باب ما ذكر من التسمية عند دخول الخلاء (٦٠٦) ابن ماجه: كتاب الطهارة: باب ما يقول الرجل اذا دخل الخلاء (٢٩٧) ابن السنی (ص: ٨)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغليل (٥٠)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[6] [حسن: ابن ماجه: كتاب الطهارة: باب ما جاء في التسمية في الوضوء (٣٩٩) ابو داؤد: كتاب الطهارة باب في التسمية على الوضوء (١٠١) مستدرك حاكم (١٤٦/١) دارقطني (٧٩/١)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح الترغيب (٢٠٤) صحيح الجامع الصغير (٧٥١٤) صحيح ابوداود (٩٠) ارواء الغليل (٨١) المشكاة (٤٠٤)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت شاہد کے ساتھ حسن ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

حسن ہے بعض علماء تو وضو کے وقت آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا واجب بتاتے ہیں۔ بعض مطلق وجوب کے قائل ہیں۔

جانور کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ بعض نے یاد آنے کے وقت اور بعض نے مطلقاً اسے واجب کہا ہے اس کا تفصیلی بیان عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ ”جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بسم اللہ پڑھ لے اور اللہ کوئی اولاد بخشے تو اس کے اپنے اور اس کی اولاد کے سانسوں کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔“ لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے، میں نے تو یہ کہیں کسی معتبر کتاب میں نہیں پائی۔ کھاتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا (جو آپ کی پرورش میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اگلے خاوند سے تھے) کہ بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھایا کرو۔“ [1] بعض علماء اس وقت بھی بسم اللہ کا کہنا واجب بتلاتے ہیں۔

بیوی سے ملنے (جماع) کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا﴾ یعنی اے اللہ ہمیں اور جو ہمیں تو دے اسے شیطان سے بچا۔“ فرماتے ہیں کہ اگر اس جماع سے حمل ٹھہر جائے تو اس بچہ کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ [2]

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کی ”ب“ کا تعلق کس سے ہے نحویوں کے اس میں دو قول ہیں اور دونوں ہی تقریباً ہم خیال ہیں۔ بعض اسم کہتے ہیں اور بعض فعل، ہر ایک کی دلیل قرآن سے ملتی ہے جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتاتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اِبْتِدَائِیْ﴾ یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن میں ہے ﴿اِرْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا﴾ [3] الخ اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے اور جو لوگ فعل مقدر بتاتے ہیں چاہے وہ امر ہو یا خبر۔ جیسے کہ ﴿اِبْدَا بِسْمِ اللّٰهِ﴾ اور ﴿اِبْتَدَأْتُ بِسْمِ اللّٰهِ﴾ ان کی دلیل آیت ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ﴾ [4] الخ ہے۔ دراصل دونوں ہی صحیح ہیں، اس لیے کہ فعل کے لیے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو مطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : كتاب الاطعمة : باب التسمية على الطعام (٥٣٧٦) صحيح مسلم : كتاب الاشربة : باب آداب الطعام (٢٠٢٢) مسند احمد (٤/٢٦)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : كتاب الوضوء : باب التسمية علىٰ كل حال (١٤١) و كتاب الدعوات : باب ما يقول اذا اتى اهله (٦٣٨٨) و كتاب النكاح : باب ما يقول اذا تى اهله (٥١٦٥) و كتاب بدء الخلق : باب صفة ابليس وجنوده (٣٢٧١) صحيح مسلم : كتاب النكاح : باب ما يستحب ان يقوله عند الجماع (١٤٣٤) ترمذی : كتاب النكاح : باب ما يقول اذا دخل على اهله (١٠٩٢) ابو داؤد : كتاب النكاح : باب فی جامع النكاح (٢١٦١) ابن ماجه : كتاب النكاح : باب ما يقول الرجل اذا دخلت عليه اهله (١٩١٩)]

[3] [سورہ ھود: آیت ٤١]

[4] [سورہ العلق: آیت ١]

ہے۔ کھڑا ہونا ہو‘ بیٹھنا ہو‘ کھانا‘ پینا ہو‘ قرآن کا پڑھنا ہو‘ وضو اور نماز وغیرہ ہو‘ ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لیے‘ امداد چاہنے کے لیے اور قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مشروع ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں روایت ہے ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آئے تو فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہیے ﴿اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ پھر کہا کہیے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ مقصود یہ تھا کہ اٹھنا‘ بیٹھنا‘ پڑھنا سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔“ (۱)

کچھ اور تفصیل: اسم یعنی نام ہی مسمی یعنی نام والا ہے یا کچھ اور اس میں اہل علم کے تین قول ہیں ایک تو یہ کہ اسم ہی مسمی ہے۔ ابوعبیدہ کا اور سیبویہ کا بھی یہی قول ہے۔ باقلانی اور ابن فورک کی رائے بھی یہی ہے۔ ابن خطیب رازی اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں۔ حشویہ اور کرامیہ اور اشعریہ تو کہتے ہیں اسم نفس مسمی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسمی کا غیر ہے اور نفس تسمیہ ہے۔ ہمارے نزدیک اسم مسمی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسم سے مراد لفظ ہے جو آوازوں کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے تو بالبداہت ثابت ہے کہ یہ مسمی کا غیر ہے اور اگر اسم سے مراد ذات مسمی ہے تو یہ وضاحت کو ظاہر کرتا ہے جو محض بیکار ہے۔ ثابت ہوا کہ اس بیکار بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد جو لوگ اسم اور مسمی کے فرق پر اپنے دلائل لائے ہیں‘ ان کا کہنا ہے محض اسم ہوتا ہے مسمی ہوتا ہی نہیں۔ جیسے معدوم کا لفظ۔ کبھی ایک مسمی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مترادف۔ کبھی اسم ایک ہوتا ہے اور مسمی کئی ایک ہوتے ہیں جیسے مشترک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اور چیز ہے اور مسمی اور چیز ہے۔ یعنی نام الگ ہے۔ اور نام والا الگ ہے۔ اور دلیل سنیے کہتے ہیں اسم تو لفظ ہے دوسرا عرض ہے۔ مسمی کبھی ممکن یا واجب ذات ہوتی ہے۔ اور سنیے اگر اسم ہی کو مسمی مانا جائے تو چاہیے کہ آگ کا نام لیتے ہی حرارت محسوس ہو اور برف کا نام لیتے ہی ٹھنڈک پہنچے۔ جبکہ کوئی عقل منداس کی تصدیق نہیں کرتا۔

اور دلیل سنیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ کے بہت سے بہترین نام ہیں‘ تم ان ناموں سے اسے پکارو۔ (۲)
حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں (۳) تو خیال کیجیے کہ نام کس قدر بکثرت ہیں حالانکہ مسمی ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے اسی طرح ”اَسْمَاء“ کو اللہ کی طرف اس آیت میں مضاف کرنا‘ اور جگہ فرمانا: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ (۴) وغیرہ یہ اضافت بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ اسم اور ہو اور مسمی اور کیونکہ اضافت کا مقتضا مغائرت کا ہے۔ اسی طرح یہ حکم دیا کہ ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (۵) یعنی اللہ تعالیٰ کو اس

---

(۱) [**ضعیف ومنقطع:** تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۷۔ ۱۳۸)] اس میں بشر بن عمارہ راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف و منقطع کہا ہے۔]

(۲) [سورۃ الاعراف: آیت ۱۸۰]

(۳) [**صحیح:** صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب فی اسماء اللہ تعالی (۲۶۷۷)]

(۴) [سورہ الواقعہ: آیت ۷۴] (۵) [سورہ الاعراف: آیت ۱۸۰]

کے ناموں کے ساتھ پکارو۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نام اور ہے اور نام والا اور۔

اب ان کے دلائل بھی سنیے جو اسم اور مسمی کو ایک ہی بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن / ۷۸) الخ جلال واکرام والے تیرے رب کا بابرکت نام ہے۔ تو نام کو برکتوں والا فرمایا حالانکہ خود اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اس مقدس ذات کی وجہ سے اس کا نام بھی عظمتوں والا ہے ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ زینب پر طلاق ہے تو طلاق اس کی بیوی جس کا نام زینب ہے ہو جاتی ہے۔ اگر نام اور نام والے میں فرق ہوتا تو نام پر طلاق پڑتی ' نام والے پر کیسے پڑتی ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس ذات پر طلاق ہے جس کا نام زینب ہے۔ تسمیہ کا اسم سے الگ ہونا اس دلیل کی بنا پر ہے کہ تسمیہ کہتے ہیں کسی کا نام مقرر کرنے کو اور ظاہر ہے یہ اور چیز ہے اور نام والا اور چیز ہے۔ رازی کا قول یہی ہے یہ سب کچھ تو لفظ ''باسم'' کے متعلق تھا اب لفظ ''اللہ'' کے متعلق سنیے۔ اللہ خاص نام ہے رب تبارک وتعالیٰ کا۔ کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے اس لیے کہ تمام عمدہ صفتوں کے ساتھ ہی موصوف ہوتا ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ہے ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ﴾ (الحشر/ ۲۲) الخ یعنی وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے' جو رحم کرنے والا مہربان ہے۔ وہی اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' جو بادشاہ ہے پاک ہے' سلامتی والا ہے' امن دینے والا ہے' محافظ ہے' غلبہ والا ہے' زبردست ہے' بڑائی والا ہے' وہ ہر شرک سے اور شرک کی چیز سے پاک ہے۔ وہی اللہ پیدا کرنے والا' مادہ کو بنانے والا' صورت بخشنے والا ہے۔ اس کے لیے بہترین پاکیزہ نام ہیں' آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ وہ عزتوں اور حکمتوں والا ہے۔ ان آیتوں میں تمام نام صفاتی ہیں' اور لفظ اللہ ہی کی صفت ہیں یعنی اصلی نام اللہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ ہی کے لیے ہیں پاکیزہ اور عمدہ عمدہ نام۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے تمام صفاتی نام خود تجویز فرمانا: پس تم اس کو ان ہی ناموں سے پکارو۔ اور فرماتا ہے۔ اللہ کو پکارو۔ یا رحمٰن کو پکارو۔ جس نام سے پکارو۔ اسی کے پیارے پیارے اور اچھے اچھے نام ہیں۔ [1] بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم ایک سو' جو انہیں یاد کر لے جنتی ہے۔ [2]

ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے [3] اور دونوں کی روایتوں میں الفاظ کی

---

[1] [سورة بنی اسرائیل: آیت ۱۱۰]

[2] **[صحیح**: صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب ان الله مائة اسم الا واحدة (۷۳۹۲) صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب فی اسماء الله تعالی (۲۶۷۷)]

[3] **[ضعیف**: ترمذی : کتاب الدعوات (۳۵۰۷) ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب اسماء الله عزو جل (۳۸۶۱) بغوی (۱۲۵۷) حاکم (۱/۱۲) بیهقی (۲۷/۱۰) حاکم (۱۶/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی (۶۹۶)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

کچھ تبدیلی کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں۔ ایک ہزار قرآن شریف اور صحیح حدیث میں ہیں اور ایک ہزار توراۃ میں اور ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں ہیں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں۔

اللہ ہی وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے اس کا باب کیا ہے بلکہ ایک بہت بڑی نحویوں کی جماعت کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے جن میں سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ امام خطابی رحمہ اللہ امام الحرمین رحمہ اللہ امام غزالی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ الف لام اس میں لازم ہے۔ امام خطابی نے اس کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ یا اللہ تو کہہ سکتے ہیں مگر یا الرحمٰن کہتے کسی کو نہیں سنا اگر لفظ اللہ میں الف لام اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ یا داخل نہ ہو سکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا کا لفظ لام والے اسم پر داخل ہونا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر روبہ بن عجاج کا ایک شعر دلیل لاتے ہیں جس میں مصدر تَأَلُّهُ کا بیان ہے جس کا ماضی مضارع "اَلِـهَ يَأْلَهُ اَلْهَةً" اور "تَأَلُّهًا" ہے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ "وَيَذَرَكَ وَاَلْهَتَكَ" پڑھتے تھے۔ مراد اس سے عبادت ہے۔ یعنی اس کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں۔ بعض نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ﴾ ① اور آیت میں ہے ﴿وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰـهٌ﴾ ② یعنی وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے۔ سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں کہ اصل میں یہ "اِلٰهٌ" تھا جیسے "فِعَالٌ" پھر ہمزہ کے بدلے الف ولام لایا گیا جیسے "النَّاس" کہ اس کی اصل "اُنَاسٌ" ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس لفظ کی اصل "لاهٌ" ہے الف لام حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے۔ سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے۔ عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ کسائی اور فرا کہتے ہیں کہ اس کی اصل اَلْاِلٰـه تھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کیا جیسے کہ ﴿لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ﴾ ③ میں "لٰكِنْ اَنَا" کا "لٰكِنَّا" ہوا ہے۔ چنانچہ حسن کی قرات میں "لٰكِنْ اَنَا" ہی ہے اور اس کا اشتقاق وَلِهَ سے ہے اور اس کے معنی "تَحَيَّرَ" ہیں "وَلْهٌ" عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔ عربی میں "رَجُلٌ وَالِهٌ" اور "اِمْرَاَةٌ وَلْهٰى" اور "مَوْلُوْهَةٌ" اس وقت کہتے ہیں جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ میں اور اسکی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران و پریشان ہو جاتی ہے اس لیے اس پاک ذات کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر اصل میں یہ لفظ "وِلاهٌ" تھا۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے کہ "وِشَاحٌ" اور "وِسَادَةٌ" میں اشاح اور اسادہ کہتے ہیں۔

---

① [سورۃ الانعام : آیت ۳] ② [سورۃ الزخرف : آیت ۸۴]

③ [سورۃ الکھف : آیت ۳۸]

رازی کہتے ہیں کہ یہ لفظ "اَلِهْتُ اِلٰی فُلَانَ" سے مشتق ہے جو کہ معنی میں "سَکَنْتُ" کے ہے یعنی میں نے فلاں سے سکون اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر سے ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لیے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے' اس کے سوا اور کوئی نہیں اسی وجہ سے اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ① الخ یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لَاهَ يَلُوْهُ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی چھپ جانے اور حجاب کرنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلِهَ الْفَصِيْلُ سے ہے چونکہ بندے اسی کی طرف تضرع اور زاری سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں' اس لیے اسے اللہ کہا گیا ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب "اَلِهَ الرَّجُلُ يَاْلَهُ" اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچالے چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے' اس لیے اس کو اللہ کہتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ ② یعنی وہی بچاتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی نہیں بچایا جاتا۔ (وَهُوَ مُنْعِمٌ) حقیقی منعم وہی ہے فرماتا ہے تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں' وہی ③ ﴿مُطْعِمْ﴾ ہے فرمایا ہے وہ کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا ④ وہی موجد ہے فرماتا ہے ہر چیز کا وجود اللہ کی طرف سے ہے۔ ⑤ رازی رحمہ اللہ کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ اللہ مشتق نہیں ہے۔ خلیل' سیبویہ اکثر اصولیوں اور فقہاء کا یہی قول ہے' اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔

پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور بہت سی اس کی صفتیں آتی ہیں جیسے رحمٰن' رحیم' مالک' قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں۔ قرآن میں ایک جگہ ﴿عَزِيْزِ الْحَمِيْدِ اللّٰهِ﴾ ⑥ الخ جو آتا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کی یہ بھی ہے "هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا" ⑦ یعنی کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟ لیکن یہ غور طلب ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے لیکن رازی رحمہ اللہ نے اس قول کو ضعیف کہا ہے اور فی الواقع ضعیف ہے بھی۔ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مخلوق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو معرفت الٰہی کے کنارے پر پہنچ گئے دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں جو حیرت کے اندھیروں میں اور جہالت کی پرخار وادیوں میں پڑے ہیں وہ تو عقل کو رو بیٹھے اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں جو نورانیت کے وسیع باغوں میں جا ٹھہرے جو کبریائی اور جلال کی وسعت کا اندازہ کر چکے ہیں وہ بھی یہاں تک پہنچ کر حیران و ششدر رہ گئے ہیں۔

---

① [سورۃ الرعد : آیت ۲۸] ② [سورۃ المومنون : آیت ۸۸] ③ [سورۃ النمل: آیت ۵۳]

④ [سورۃ الانعام : آیت ۱٤] ⑤ [سورۃ النسآء : آیت ۷۸] ⑥ [ابراھیم: آیت ۱-۲]

⑦ [سورۃ مریم : آیت ٦٥]

غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجز اور سرگشتہ وحیران ہے۔ ان معانی کی بناء پر اس پاک ذات کا نام اللہ ہے۔ ساری مخلوق اس کی محتاج' اس کے سامنے جھکنے والی اور اس کی تلاش کرنے والی ہے۔ اس حقیقت کی وجہ سے اسے اللہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ خلیل کا قول ہے عرب کے محاورے میں ہر اونچی اور بلند چیز کو ''لاہ'' کہتے ہیں۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تب بھی وہ کہتے ہیں ''لَاهَتِ الشَّمْسُ'' چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلند وبالا ہے اس کو بھی اللہ کہتے ہیں۔ اور اِلٰہَ کے معنی عبادت کرنے اور تَأَلَّہَ کے معنی حکم برداری اور قربانی کرنے کے ہیں اور رب عالم کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں اس لیے اسے اللہ کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات میں ہے ''وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ'' اس کی اصل اَلْاِلٰـهُ ہے پس صرف کلمہ کی جگہ پر جو ہمزہ ہے وہ حذف کی گئی۔ پھر نفس کلمہ کا لام زائد لام سے جو تعریف کے لیے لایا گیا ہے مل گیا اور پھر ایک کو دوسرے میں مدغم کردیا گیا تو ایک لام مشدد رہ گیا اور تعظیماً اللہ کہا گیا۔ یہ تو تفسیر لفظ ''اللہ'' کی تھی۔

الرحمٰن اور الرحیم کی تشریح: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ دونوں میں مبالغہ ہے الرحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی ان معنوں سے متفق ہیں گویا اس پر اتفاق ہے۔ بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے ان معنوں پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی پہلے گذر چکا ہے کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن مشتق نہیں ہے اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ ملتا۔ حالانکہ قرآن میں ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب/ ٤٣) آیا ہے۔ مبرد کہتے ہیں رحمٰن عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابواسحاق زجاج معانی القرآن میں کہتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے اور رحمٰن عبرانی ہے دونوں کو جمع کردیا گیا ہے۔ لیکن ابواسحاق فرماتے ہیں ''اس قول کو دل نہیں مانتا۔'' قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس لفظ کے مشتق ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اس کے توڑنے والے کو کاٹ دوں گا۔'' [1]

اب اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں اور جیسے ''نَدْمَانٌ'' اور ''نَدِيْمٌ'' ابوعبید کا بھی یہی خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ''فَعْلَانٌ فَعِيْلٌ'' کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے جیسے غَضْبَانٌ اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں۔ جو بہت ہی غصہ والا ہو اور فعیل

[1] [صحیح :ابو داؤد : کتاب الزکاۃ : باب فی صلۃ الرحم (١٦٩٤) ترمذی : کتاب البر و الصلۃ : باب ما جآء فی قطعیۃ الرحم (١٩٠٧) ابن ابی شیبہ (٥٣٥/٨) حاکم (١٥٧/٤) مسند احمد (١٩٤/١) حمیدی (٦٥) الادب المفرد (٥٣) عبدالرزاق (٢٠٢٣٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الترغیب (٢٥٢٨) السلسلۃ الصحیحۃ (١٩/٢) صحیح الجامع الصغیر (٤٣١٤)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

صرف فاعل اور صرف مفعول کے لیے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔ ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ ''رحمٰن عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رحیم باعتبار مومنوں کے ہے فرمایا ہے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب / ٤٣) مومنوں کے ساتھ رحیم ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''یہ دونوں نام رحمت و رحم والے ہیں' ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت و رحم ہے۔'' [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں لفظ اَرَقُّ ہے اس کے معنی خطابی وغیرہ اَرْفَقُ کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ رفیق یعنی شفیق اور مہربانی والا ہے وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے وہ نرمی اور آسانی کرنے والے پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی کرنے والے پر عطا نہیں فرماتا۔'' [2] ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے وہ غضبناک ہو۔'' ترمذی کی حدیث میں ہے ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔'' [3] بعض شاعروں کا قول ہے کہ

اللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ
وَبَنِيْ آدَمَ حِيْنَ يُسْئَلُ يَغْضَبُ

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزرمی فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ [4] دیکھئے قرآن کریم کی دو آیتوں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [5] اور ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [6] میں استویٰ کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا تاکہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ رحم فرمایا: ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ [7] پس معلوم ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ بہ نسبت رحیم کے بہت زیادہ ہے۔ لیکن حدیث کی ایک دعا میں ﴿يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

---

[1] [تفسیر قرطبی (۱/۱۰۵)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب البر و الصلة (۲۵۹۳) ابو داود : کتاب الادب : باب فی الرفق (۴۸۰۷) ابن ماجه (۳۶۸۸)]

[3] [حسنه الالبانی : شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ترمذی (۲٦۸٦) السلسلة الصحیحة (۳٦۵٤) صحیح الأدب المفرد (۲۵٦) تحقیق شرح العقیدة الطحاویة (۵۱۹)] مزید دیکھئے: ترمذی : کتاب الدعوات : (۳۳۷۳) ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب فضل الدعاء (۳۸۲۷) مسند ابو یعلی (٦٦۵۵) مستدرك حاکم (۱/۴۹۱) مسند احمد (٤۷۷/۵) الادب المفرد (٦۵۸) بغوی فی شرح السنة (۵/۱۸۸) مسند بزار (۲/۲۳۲) الکامل لابن عدی (۷/۲۷۵۰)] شیخ ابو اسحاق حوینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ [الفتاوی الحدیثیة (۱/۱۹۳)] حافظ زبیر علی زئی نے فرمایا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو صالح خوزی لین الحدیث راوی ہے۔]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۱۲۷)]

[5] [سورہ الفرقان : آیت ۵۹]

[6] [سورہ طه : آیت ۵]

[7] [سورہ الاحزاب : آیت ٤۳]

﴿وَرَحِيمَهُمَا﴾ ① بھی آیا ہے۔ رحمٰن یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس کے سوا کسی دوسرے کا نام نہیں۔ جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے چاہو اسے پکارو اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے ﴿وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا﴾ ② الخ یعنی ان سے پوچھ لو کہ تجھ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے کیا انہوں نے رحمٰن کے سوا کسی کو معبود کہا تھا کہ ان کی عبادت کی جائے جب مسیلمہ کذاب نے بڑھ چڑھ کر دعوے شروع کیے اور اپنا نام رحمٰن الیمامہ رکھا تھا تو پروردگار نے اسے بے انتہا رسوا اور برباد کیا' وہ جھوٹ اور کذب کی علامت مشہور ہو گیا۔ آج اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہر دیہاتی اور شہری ہر کچے پکے گھر والا اسے بخوبی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں رحمٰن سے زیادہ مبالغہ ہے اس لیے کہ اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کی گئی ہے اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا جس نام میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں' سب سے پہلے اس کی صفت رحمٰن بیان کی گئی ہے اور یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے جیسے فرمادیا کہ اللہ کو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے چاہو پکارو اس کے لیے اسماء حسنیٰ بہت سارے ہیں۔ مسیلمہ نے بدترین جرات کی لیکن برباد ہوا اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی قدر کسی کے دل میں نہ آئی۔

رحیم کے وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے۔ فرماتا ہے ﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ﴾ ③ الخ اس آیت میں اپنے نبی کو رحیم کہا' اسی طرح اپنے بعض ایسے ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے یاد کیا ہے جیسے آیت ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ ④ الخ میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسروں پر بھی ہم معنی ہونے کا اطلاق ہو سکتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہو سکتا جیسے اللہ اور رحمٰن' خالق اور رازق وغیرہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا نام اللہ پھر اس کی صفت رحمٰن سے کی۔ اس لیے کہ رحیم کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ قاعدہ ہے کہ اول سب سے زیادہ بزرگ نام لیا جاتا ہے' اس لیے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام لیا گیا پھر اس سے کم۔ پھر اس سے کم۔ اگر کہا جائے کہ جب رحمٰن میں رحیم

① [موضوع: شیخ البانیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔ [ضعيف الترغيب (١١٤٣) السلسلة الضعيفة (٥٢٨٧)] علامہ عبدالحی لکھنوی نے اسے موضوعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ [الآثار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة (ص: ٨٦)] امام شوکانیؒ، امام سیوطیؒ، امام ابن جوزیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور علامہ ابواسحٰق حوینی نے بھی اسے موضوع کہا ہے۔ [الفوائد المجموعة (ص: ٥٢) اللآلى المصنوعة (١٥٨/١) الموضوعات (٢٠٤/١) تذكرة الموضوعات (ص: ٥٣) النافلة فى الاحاديث الضعيفة والباطلة (ص: ٥٤)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت حکم بن عبداللہ الدیلی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

② [سوره الزخرف : آيت ٤٥] ③ [سوره التوبه : آيت ١٢٨]

④ [سوره الدهر : آيت ٢]

سے زیادہ مبالغہ موجود ہے پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عطا خراسانی کا یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے رحمٰن کا نام بھی غیروں کا رکھ لیا تھا اس لیے رحیم کا لفظ بھی ساتھ لگایا گیا تا کہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔ رحمٰن ورحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا نام ہے۔ ابن جریر نے تا ہم اس قول کی تصدیق کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب رحمٰن سے واقف ہی نہ تھے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ (الاسراء/ ۱۱۰) الخ نازل فرما کر ان کی تردید کی۔ حدیبیہ والے سال جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ لکھو تو کفار نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ [1] بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن یمامہ کو جانتے ہیں کسی اور رحمٰن کو نہیں جانتے۔ اسی طرح قرآن پاک میں ہے ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾ (الفرقان / ۶۰) الخ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے سامنے سجدہ کرو تو حیران زدہ ہو کر جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے؟ جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں۔ درحقیقت یہ بدکار لوگ صرف عناد' تکبر' سرکشی اور دشمنی کی بنا پر رحمٰن سے انکار کرتے تھے نہ کہ وہ اس نام سے ناآشنا تھے۔ اس لیے کہ جاہلیت کے زمانے کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن موجود ہے جو انہی کے شاعروں کے شعر ہیں۔ سلامہ اور دوسرے شعراء کے اشعار میں ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن جریر میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ رحمٰن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب سے ہے۔ وہ اللہ رفیق اور رقیق ہے' جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے اسی طرح اس کے تمام نام ہیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں رحمٰن کا نام دوسروں کے لیے منع ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے لوگ اس نام پر کوئی حق نہیں رکھتے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں ہے کہ ہر آیت پر حضور ﷺ ٹھہرا کرتے تھے۔ [2] پہلے گذر چکی ہے اور ایک جماعت اسی طرح بسم اللہ الخ کو آیت قرار دے کر آیت الحمد کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زیر دیتے ہیں۔ جمہور کا بھی یہی قول ہے کوفی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم کے زیر سے پڑھتے ہیں' ہمزہ کی حرکت زبر میم کو دیتے ہیں۔ جیسے ﴿الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (البقرہ / ۲۵۵) ابن عطیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قرات کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر ختم ہوئی۔ اب آگے سنیے۔

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الشروط : باب الشروط فی الجهاد والمصالحة (۲۷۳۱' ۲۷۳۲)]

[2] [صحیح: ابو داؤد : کتاب الحروف القراءات : (۴۰۰۱) ترمذی : کتاب القراءات : باب فی فاتحة الكتاب (۲۹۲۷)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغليل (۳۴۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے مگر مسند احمد (۲۷۰۰۳) کی صحیح روایت اس سے بے نیاز کرتی ہے۔]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ۝

الحمدللہ پڑھنے کے مختلف انداز: ساتوں قاری ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کو دال پر پیش سے پڑھتے ہیں اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کو مبتدا خبر مانتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اور روبہ بن عجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ دال پر زبر کے ساتھ ہے اور فعل یہاں مقدر ہے۔ ابن ابی عبلہ رحمہ اللہ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کی دال کو اور اللہ کے پہلے لام دونوں کو پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس لام کو پہلے کے تابع کرتے ہیں اگرچہ اس کی شہادت عربی زبان میں ملتی ہے' لیکن شاذ ہے۔ حسن رحمہ اللہ اور زید بن علی رحمہ اللہ ان دونوں حرفوں کو زیر سے پڑھتے ہیں اور لام کے تابع دال کو کرتے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں' خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو اس وجہ سے کہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن بھی نہیں سکتے' اس مالک کے سوا اور کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا اسی کی طرف سے ہیں۔ اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب' ہمیں عطا فرمائے۔ اسی نے اپنے فرائض پورے کرنے کے لیے تمام جسمانی نعمتیں' ہمیں بخشیں۔ پھر بے شمار دنیوی نعمتیں اور زندگی کی تمام ضروریات ہمارے کسی حق کے بغیر ہمیں بن مانگے بخشیں۔ اس کی لازوال نعمتیں' اس کے تیار کردہ پاکیزہ مقام جنت کو ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ بھی اس نے ہمیں سکھا دیا پس ہم تو کہتے ہیں کہ اول آخر اسی مالک کی پاک ذات ہر طرح کی تعریف اور حمد و شکر کے لائق ہے۔ [1]

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ یہ ثنا کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا خود آپ کی ہے اور اسی ضمن میں گویا یہ فرما دیا ہے کہ تم کہو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ بعض نے کہا کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہنا اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفتوں سے اس کی ثنا کرنا ہے۔ اور ﴿اَلشُّكْرُ لِلّٰهِ﴾ کہنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ [2] لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ عربی زبان کو جاننے والے علماء کا اتفاق ہے کہ شکر کی جگہ حمد کا لفظ اور حمد کی جگہ شکر کا لفظ بولتے ہیں۔ جعفر صادق رحمہ اللہ ابن عطا صوفی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے ابن جریر کے قول کو معتبر کرنے کے لیے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شُكْرًا﴾ کہے تو جائز ہے۔ دراصل علامہ ابن جریر کے اس دعویٰ میں اختلاف ہے' پچھلے علماء میں مشہور ہے کہ ﴿حمد﴾ کہتے ہیں زبانی تعریف بیان کرنے کو خواہ جس کی حمد کی جاتی ہو اس کی لازم صفتوں پر ہو یا متعدی صفتوں پر اور شکر صرف متعدی صفتوں پر ہوتا ہے اور وہ دل زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار بھی اس پر دلیل ہیں۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حمد کا لفظ عام ہے یا شکر کا اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عموم اس حیثیت سے خصوص ہے کہ 'حمد' کا لفظ جس پر واقع ہو وہ عام طور پر شکر کے معنوں میں آتا ہے۔ اس لیے کہ وہ لازم اور متعدی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۱۲۵)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۱۳۷)]

دونوں اوصاف پر آتا ہے شہ سواری اور کرم دونوں پر ﴿حَمِدْتُهُ﴾ کہہ سکتے ہیں لیکن اس حیثیت سے وہ صرف زبان سے ادا ہوسکتا ہے یہ لفظ خاص اور 'شکر' کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول، فعل اور نیت تینوں پر بولا جاتا ہے اور صرف متعدی صفتوں پر بولے جانے کے اعتبار سے 'شکر' کا لفظ خاص ہے۔ شہ سواری کے حصول پر "شَكَرْتُهُ" نہیں کہہ سکتے البتہ ((شَكَرْتُهُ عَلٰى كَرَمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ اِلَيَّ)) کہہ سکتے ہیں۔ یہ تھا خلاصہ متاخرین کے قول کا واللہ اعلم۔

ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری کہتے ہیں "حمد" مقابل ہے "ذم" کے۔ لہٰذا یوں کہتے ہیں "حَمِدْتُ الرَّجُلَ اَحْمَدُهٗ حَمْدًا وَّمَحْمَدَةً فَهُوَ حَمِيْدٌ وَّمَحْمُوْدٌ" تحمید میں حمد سے زیادہ مبالغہ ہے۔ حمد شکر سے عام ہے۔ کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو شکر کہتے ہیں۔ عربی زبان میں "شَكَرْتُهٗ" اور "شَكَرْتُ لَهٗ" دونوں طرح کہتے ہیں۔ لیکن لام کے ساتھ کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے اس لیے کہ زندہ مردہ بلکہ جمادات پر بھی مدح کا لفظ بول سکتے ہیں۔ کھانے اور مکان کی اور ایسی اور چیزوں کی بھی مدح کی جاتی ہے احسان سے پہلے، احسان کے بعد، لازم صفتوں پر، متعدی صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے تو اس کا عام ہونا ثابت ہوا۔ واللہ اعلم۔

اقوالِ سلف کی روشنی میں حمد: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور بعض روایتوں میں ہے کہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا کیا مطلب؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمالیا ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا کہنا اللہ کو بھلا لگتا ہے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ کلمہ شکر ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ [2] اس کلمہ میں شکر کے علاوہ اس کی نعمتوں، ہدایتوں اور احسان وغیرہ کا اقرار بھی ہے۔ کعب احبار رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث میں بھی ایسا ہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ کہہ لوگے تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرلو گے اب اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا [3] اسود بن سریع ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو سناؤں فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد

---

[1] [**ضعیف** : تفسیر ابن ابی حاتم (۱۵/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں حجاج بن ارطاۃ راوی مدلس ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۱) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳/۱)]

[3] [**ضعیف** :تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۲)] اس کی سند میں عیسی بن ابراہیم راوی ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابن معینؒ نے فرمایا ہے کہ یہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ امام ابوحاتمؒ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے، اسی طرح امام نسائیؒ نے اسے متروک بھی کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے متروک کہا ہے۔ [میزان الاعتدال (۳۰۸/۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔]

بہت پسند ہے۔ [1] (مسند احمد ونسائی)

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ذکر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے اور افضل دعا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ہے۔ [2] امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دی اور وہ اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے تو دی ہوئی نعمت لے لی ہوئی سے افضل ہوگی۔ [3]

فرماتے ہیں اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ تمام دنیا دے دے اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہوگا۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا دے دینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کی توفیق دینا ہے اس لیے کہ دنیا تو فانی ہے اور اس کلمہ کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ [4] جیسے کہ قرآن پاک میں ہے ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ﴾ [5] الخ یعنی مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے اور نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ثواب والے اور نیک امید والے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا "يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ" تو فرشتے گھبرا گئے کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے عرض کی کہ تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے اسے کس طرح لکھیں، پروردگار نے باوجود جاننے کے ان سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ اس نے یہ کلمہ کہا ہے، فرمایا تم یونہی اسے لکھ لو میں آپ

---

[1] [حسنه الالبانی: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح الادب المفرد (ص: ٣٢٧)] دیکھئے: نسائی فی السنن الكبرى (٧٧٤٥) مسند احمد (٤٣٥/٣) طحاوی فی شرح معانی الآثار (٢٩٨/٤) طبرانی کبیر (٨٤٤/١) ابن عدی (١٧٦٣/٥) ابو نعیم فی المعرفة (٨٩٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے شواہد کی وجہ سے حسن کا درجہ دیا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے اور صحیح مسلم (٢٧٦٠) میں ہے کہ اللہ سے زیادہ کوئی بھی مدح پسند نہیں کرتا۔ اور یہی روایت کافی ہے۔]

[2] [حسن: ترمذی: کتاب الدعوات: باب ما جآء ان دعوة المسلم مستجابه (٣٣٨٣) ابن ماجه: كتاب الادب: باب فضل الحامدين (٣٨٠٠) مستدرك حاكم (٤٩٨/١) نسائی فی السنن الكبرى (١٠٦٦٧) حاكم (٤٩٨/١) ابن عبد البر فی التمهيد (٤٢/٦)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذیؒ اور شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (١٤٩٧)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [حسن: ابن ماجه: كتاب الادب: باب فضل الحامدين (٣٨٠٥) الطبرانی فی الاوسط (١٣٧٩)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [الزوائد (١٩٢/٣)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ [كما فی السلسلة الضعيفة (٢٤/٥)]

[4] [موضوع: ابن عساكر (٢٧٦/١٥)] شیخ البانیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (٢٦٧/٢)، (٨٧٥، ٨٧٦)] کیونکہ اس کی سند میں ابو مفضل محمد بن عبداللہ راوی متروک ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے موضوع کہا ہے۔]

[5] [سورہ الكهف: آیت ٤٦]

حدیث کے راوی محمد بن عیسیٰ ہلالی ضعیف ہیں۔ سعید بن میسیب رحمہ اللہ سے بھی یہ قول مروی ہے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں اٹھارہ ہزار عالم ہیں، دنیا کی ساری کی ساری مخلوق ان میں سے ایک عالم ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں ساری دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ زجاج کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اس لیے کہ یہ تمام عالمین پر مشتمل لفظ ہے۔ جیسے فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمانوں زمینوں اور دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب۔ [1] عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے اس لیے کہ عالم یعنی مخلوق اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے۔[2] جیسے کہ ابن معتز شاعر کا قول ہے:

فَیَا عَجَبًا کَیْفَ یُعْصَی الْاِلٰہُ — اَمْ کَیْفَ یَجْحَدُہُ الْجَاحِدُ

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ — تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدُ

یعنی تعجب ہے کس طرح اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور کس طرح اُس سے انکار کیا جاتا ہے حالانکہ ہر چیز میں نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

اَلْحَمْدُ الخ کے بعد اب "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کی تفسیر پڑھیے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ۝

اللہ کے کچھ صفاتی نام: اس کی تفسیر پہلے پوری گذر چکی ہے اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کے وصف کے بعد ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ کا وصف ترہیب یعنی ڈراوے کے بعد ترغیب یعنی امید ہے۔ جیسے فرمایا ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْ﴾ (الحجر/ ۴۹) الخ میرے بندوں کو خبر دو کہ میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں اور میرے عذاب بھی دردناک عذاب ہیں۔ [3] اور فرمایا تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور مہربان اور بخشش بھی کرنے والا ہے۔ [4] رب کے لفظ میں ڈراوا ہے اور رحمٰن اور رحیم کے لفظ میں امید ہے۔ صحیح مسلم شریف میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایماندار اللہ کے غضب وغصہ سے اور اس کے سخت عذاب سے پورا واقف ہوتا (تو اس وقت) اس کے دل سے جنت کی طمع ہٹ جاتی اور اگر کافر

---

[1] [سورۃ الشعرآء : آیت ۲۳۔۲۴] [2] [تفسیر قرطبی (۱/ ۱۳۹)]

[3] [تفسیر قرطبی (۱/ ۱۳۹)] [4] [سورۃ الانعام : آیت ۱۶۵]

[5] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب الرجاء مع الخوف (٦٤٦٩) صحیح مسلم : کتاب التوبۃ : باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالی (۲۷۵۵) ترمذی (۳۵٤۲) مسند احمد (۲/ ۳۳٤)]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی رحمتوں کو پوری طرح جان لیتا تو کبھی ناامید نہ ہوتا۔ ۵

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ۝

حقیقی مالک کون؟ بعض قاریوں نے "مَلِكِ" پڑھا ہے اور باقی سب نے۔ "مَالِكِ" اور دونوں قراتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قراتوں میں سے ہیں اور مالك کے لام کے زیر اور اس کے سکون کے ساتھ۔ اور "مَلِيْكِ" اور مَلِكِي بھی پڑھا گیا ہے پہلے کی دونوں قراتیں معانی کی رو سے ترجیح والی ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور اچھی بھی۔ زمخشری نے مَلِكِ کو ترجیح دی ہے اس لیے کہ حرمین والوں کی یہ قرات ہے۔ اور قرآن میں بھی ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (غافر/۱۶) اور ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ ۱ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے "مَلِكِ" پڑھا اس بنا پر کہ فَعِلٌ اور فَاعِلٌ اور مَفْعُوْلٌ آتا ہے لیکن یہ شاذ اور بے حد غریب ہے۔ ابوبکر بن داود رحمہ اللہ نے اس بارے میں ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے مالک پڑھتے تھے۔ ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مروان نے "مَلِكِ" پڑھا۔ میں کہتا ہوں مروان کو اپنی اس قرات کی صحت کا علم تھا جو راوی حدیث ابن شہاب رحمہ اللہ کو علم نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ نے کئی سندوں سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مَالِكِ پڑھتے تھے۔ مَالِكِ کا لفظ مِلْكٌ سے ماخوذ ہے جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ﴾ (مریم/ ۴۰) الخ یعنی زمین اور اس کے اوپر کی تمام مخلوق کے مالک ہم ہی ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوٹا کر لائے جائیں گے۔ اور فرمایا ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ﴾ (الناس/ ۱-۲) یعنی کہہ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب اور لوگوں کے مالک کی۔ اور مَلِكَ کا لفظ مُلْكٌ سے ماخوذ ہے جیسے فرمایا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (غافر/ ۱۶) الخ یعنی آج ملک کس کا ہے صرف اللہ واحد غلبہ والے کا۔ اور فرمایا: ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ الخ اسی کا فرمان حق ہے اور اسی کا سب ملک ہے۔ اور فرمایا آج ملک رحمٰن ہی کا ہے اور آج کا دن کافروں پر بہت سخت ہے۔ ۲ اس فرمان میں قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے' اس لیے کہ پہلے اپنا وصف ﴿رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ہونا بیان کر چکا ہے دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویدار بھی نہ ہوگا۔ بلکہ بغیر اس حقیقی مالک کی اجازت کے زبان تک نہ ہلا سکے گا۔ جیسے فرمایا جس دن روح القدس اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی کلام نہ کر سکے گا۔ یہاں تک کہ رحمٰن اسے اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔ ۳ دوسری جگہ ارشاد ہے سب

---

۱ [سورہ الانعام : آیت ۷۳] ۲ [سورۃ الفرقان : آیت ۲۶]

۳ [سورۃ النبآء : آیت ۳۸] ۴ [سورۃ طٰہٰ : آیت ۱۰۸]

قبضہ میں لے لے گا اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں گئے زمین کے بادشاہ کہاں ہیں تکبر والے۔'' [3] قرآن عظیم میں ہے کس کی ہے آج بادشاہی؟ فقط اللہ اکیلے غلبہ والے کی [4] اور کسی کو مَـلِكَ کہہ دینا یہ صرف مجازاً ہے جیسے کہ قرآن میں طالوت کو مَـلِكَ کہا گیا اور ﴿وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ﴾ (الکهف/۷۹) کالفظ آیا۔ اور بخاری مسلم میں مَـلُوْكٌ کالفظ آیا ہے [5] اور قرآن کی آیت میں ﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ (المائدة/۲۰) یعنی تم میں انبیاء کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا' آیا ہے۔ دین کے معنی بدلے جزا اور حساب کے ہیں۔ جیسے قرآن پاک میں ہے اس دن اللہ تعالیٰ انہیں

---

(1) [سورة هود : آيت ۱۰۵]

(2) [صحيح : صحيح بخارى : كتاب الادب : باب ابغض الاسماء الى الله (۶۲۰۵) صحيح مسلم : كتاب الاداب : باب تحريم التسمى بملك الاملاك (۲۱۴۳) ترمذى (۲۸۳۷) ابو داؤد (۴۹۶۱)]

(3) [صحيح : صحيح بخارى : كتاب التفسير (۴۸۱۲) صحيح مسلم : كتاب صفات المنافقين (۲۷۸۷) ابن ماجه : مقدمه (۱۹۲) دارمى (۳۲۵/۲)]

(4) [سورة المومن : آيت ۱۶]

(5) [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الامارة : باب فضل الغزو فى البحر (۱۹۱۲)]

(6) [سورة النور : آيت ۲۵]

(7) [سورة الصافات : آيت ۵۳]

پستی کو طریق معبد اس راستے کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اسی طرح "بَعِیرٌ مُّعَبَّدٌ" اس اونٹ کو کہتے ہیں جو بہت دبا اور جھکا ہوا ہو اور شریعت میں عبادت نام ہے محبت، خشوع، خضوع اور خوف کے مجموعے کا۔ لفظ "اِیَّاكَ" کو جو مفعول ہے پہلے لائے اور پھر اسی کو دہرایا تا کہ اس کی اہمیت ہو جائے اور عبادت اور طلب مدد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہو جائے تو اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کریں گے۔ اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے اور نہ کریں گے۔ کامل اطاعت اور پورے دین کا حاصل صرف یہی دو چیزیں ہیں۔

بعض سلف کا فرمان ہے کہ سارے قرآن کا راز سورۂ فاتحہ میں ہے اور پوری سورت کا راز اس آیت ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ میں ہے آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملہ

---

① [ضعیف: ترمذی: کتاب صفة القیامة (٢٤٥٩) ابن ماجه: کتاب الزهد (٤٢٦٠) مسند احمد (١٢٤/٤) مستدرك حاکم (٥٧/١) طیالسی (١١٢٢) بیهقی فی الکبری (٣٦٩/٣) وفی شعب الایمان (١٠٥٤٦) ابو نعیم فی الحلیة (٢٦٧/١)] امام حاکم ؒ نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں ابوبکر بن ابی مریم راوی ضعیف ہے۔ امام ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ایسا راوی ہے جس کی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔ ابن طاہر مقدسیؒ نے بھی اس راوی کو ضعیف کہا ہے۔ [ذخیرة الحفاظ (٤٤١٩)] امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ جبکہ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی (٤٣٦) السلسلة الضعیفة (٥٣١٩) ضعیف الترغیب (١٩٥٩) ضعیف ابن ماجه (٩٣٠) ضعیف الجامع (٤٣٠٥)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

② [سورة الحاقة: آیت ١٨]

میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کے کمال کا انکار ہے اور اللہ عزوجل کی طرف اپنے تمام کاموں کی سپردگی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (هود/۱۲۳) الخ یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو تمہارا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ فرمایا ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ﴾ (الملك/۲۹) الخ کہہ دے کہ وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور اسی پر ہم نے توکل کیا فرمایا ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾ (المزمل/۹) یعنی مشرق مغرب کا رب وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز سمجھ۔ یہی مضمون اس آیۃ کریمہ میں ہے اس سے پہلے کی آیات میں تو خطاب نہ تھا لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا گیا ہے جو نہایت لطافت اور مناسبت رکھتا ہے اس لیے کہ جب بندے نے اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کی تو قرب الٰہی میں حاضر ہو گیا اور اللہ جل جلالہ کے حضور میں پہنچ گیا' اب اس مالک کو خطاب کر کے اپنی ذلت اور مسکینی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ الٰہ ہم تو تیرے ذلیل غلام ہیں اور اپنے تمام کاموں میں تیرے ہی محتاج ہیں۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سے پہلے کے تمام جملوں میں خبر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین صفات پر اپنی ثناء آپ کی تھی اور بندوں کو اپنی ''ثنا'' انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرنے کا ارشاد فرمایا تھا اسی لیے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو اس سورت کو پڑھنا جانتا ہو اور پھر نہ پڑھے۔ جیسے کہ بخاری مسلم کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ [1] صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف بانٹ لیا ہے اس کا آدھا حصہ میرا اور آدھا حصہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ جب بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ جب کہتا ہے ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب وہ کہتا ہے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب وہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ پھر وہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مجھ سے مانگے اس کے لیے ہے۔ [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ سے ڈرتے ہیں اور تیری اسی ذات سے امید رکھتے ہیں تیرے سوا کسی اور کی نہ ہم عبادت کریں' نہ ڈریں' نہ امید رکھیں۔ اور ﴿اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ سے یہ مراد

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب وجوب القراۃ للامام والماموم (۷۵٦) صحیح مسلم : کتاب الصلوۃ : باب وجوب قراءۃ فاتحۃ فی کل رکعۃ (۳۹٤)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلوۃ : باب وجوب قراءۃ فاتحۃ فی کل رکعۃ (۳۹۵)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۹)]

ہے کہ ہم تیری تمام اطاعت اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ [۳] قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اسی سے مدد مانگو [۱] ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کو پہلے لانا اس لیے ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے اور مدد کرنا یہ عبادت کا وسیلہ اور اہتمام اور اس پر پختگی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ اہمیت والی چیز کو مقدم کیا جاتا ہے اور اس سے کمتر کو اس کے بعد لایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کے صیغہ کو لانے کی یعنی ہم کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ جمع کے لیے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے اور اگر تعظیم کے لیے ہے تو اس مقام پر نہایت نامناسب ہے کیونکہ یہاں تو مسکینی اور عاجزی ظاہر کرنا مقصود ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گویا ایک بندہ تمام بندوں کی طرف سے خبر دے رہا ہے بالخصوص جبکہ وہ جماعت میں کھڑا ہو یا امام بنا ہوا ہو۔ پس گویا وہ اپنی اور اپنے سب مومن بھائیوں کی طرف سے اقرار کر رہا ہے کہ وہ سب اس کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور یہ ان کی طرف سے بھلائی کے لیے آگے بڑھا ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کے لیے ہے گویا کہ بندہ جب عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسی کو کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیری عزت ہمارے دربار میں بہت زیادہ ہے تو اب ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہا یعنی اپنے تئیں عزت سے یاد کر۔ ہاں اگر عبادت سے الگ ہو تو اس وقت ہم نہ کہے چاہے ہزاروں لاکھوں میں ہو کیونکہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج اور اس کے دربار کے فقیر ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں جو تواضع اور عاجزی ہے وہ "اِيَّاكَ عَبَدْنَا" میں نہیں اس لیے کہ اس میں اپنے نفس کی بڑائی اور اپنی عبادت کی اہلیت پائی جاتی ہے حالانکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبادت اور جیسی چاہیے ویسی ثنا وصفت بیان کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔

کسی شاعر کا قول ہے (ترجمہ) کہ مجھے اس کا غلام کہہ کر ہی پکارو کیونکہ میرا سب سے اچھا نام یہی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبد یعنی غلام ان ہی جگہوں پر لیا جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے جیسے قرآن نازل کرنا، نماز میں کھڑے ہونا، معراج کرانا وغیرہ۔ فرمایا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ﴾ (الکھف / ۱) الخ فرمایا ﴿وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ (الجن / ۱۹) الخ فرمایا ﴿سُبْحَانَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ (الاسراء / ۱) ساتھ ہی قرآن پاک نے یہ تعلیم دی کہ اے نبی جس وقت تمہارا دل مخالفین کے جھٹلانے کی وجہ سے تنگ ہو تو تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ﴾ (الحجر / ۹۷) الخ یعنی ہم جانتے ہیں کہ مخالفین کی باتیں تیرا دل دکھاتی ہیں تو ایسے وقت اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کر اور سجدہ کر اور موت کے وقت تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ۔ رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عبودیت کا مقام رسالت کے مقام سے افضل ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق کی طرف ہوتا اور رسالت کا تعلق حق سے خلق کی طرف ہوتا ہے اور اس دلیل سے بھی کہ عبد کی کل اصلاح کے کاموں کا متولی

---

[۱] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱ / ۲۰)]

خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہوتا ہے اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا والی ہوتا ہے لیکن یہ قول غلط ہے اور اس کی یہ دونوں دلیلیں بھی بودی اور لاحاصل ہیں۔ افسوس رازی رحمہ اللہ نے نہ تو اس کو ضعیف کہا نہ اسے رد کیا۔ بعض صوفیوں کا قول ہے کہ عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے یا عذاب دفع کرنے کے لیے وہ کہتے ہیں یہ کوئی فائدے کی بات نہیں اس لیے کہ اس وقت مقصود خود اپنی مراد کا حاصل کرنا ٹھہرا۔ اس کی تکالیف کے لیے آمادگی کرنا یہ بھی ضعیف ہے۔ اعلیٰ مرتبہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کی جو تمام کامل صفتوں سے موصوف ہے محض اس کی ذات کے لیے عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو۔ اسی لیے نمازی کی نیت نہ نماز پڑھنے کی ہوتی ہے اگر وہ ثواب پانے اور عذاب سے بچنے کے لیے ہو تو باطل ہے۔ دوسرا اگروہ ان کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا کچھ اس کے خلاف نہیں کہ ثواب کی طلب اور عذاب کا بچاؤ مطلوب نہ ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا حضور ﷺ میں نہ تو آپ جیسا پڑھنا جانتا ہوں نہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جیسا میں تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے نجات چاہتا ہوں حضور ﷺ نے فرمایا اسی کے قریب قریب ہم بھی پڑھتے ہیں۔ [1]

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ۝

اللہ سے دعا مانگنے کا طریقہ: جمہور نے تو ﴿صِرَاطَ﴾ پڑھا ہے۔ بعض نے "سِرَاطَ" کہا ہے اور زے کی بھی ایک قراۃ ہے۔ فراء کہتے ہیں بنی عذرہ اور بنی کلب کی قراۃ یہی ہے چونکہ پہلے ثنا و صفت بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اپنی حاجت طلب کرے۔ جیسے کہ پہلے حدیث میں گذر چکا ہے کہ اس کا آدھا حصہ میرے لیے ہے اور آدھا میرے بندے کے لیے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ خیال کیجیے کہ اس میں کس قدر لطافت اور عمدگی ہے کہ پہلے پروردگار عالم کی تعریف و توصیف کی' پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حاجت طلب کی۔ یہ وہ لطیف انداز ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پالینے کے لیے تیر بہدف ہے' اس کامل طریقہ کو پسند فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ہدایت کی۔

کبھی سوال اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ (القصص / ٢٤) پروردگار جو بھلائیاں تو میری طرف نازل فرمائے میں ان کا محتاج ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں کہا ﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي

---

[1] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب تخفیف الصلوۃ (٧٩٢) ابن ماجہ : کتاب الدعاء : باب الجوامع من الدعاء (٣٨٤٧) مسند احمد (٤٧٤/٣) ابن حبان (الموارد ـ ٥١٤)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (٧١٠) صحیح ابن ماجہ (٧٤٢)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

كُنْتُ مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانبياء/۸۷) الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں میں سے ہوں کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل صرف تعریف اور بزرگی بیان کر کے چپ ہو جاتا ہے جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ مجھے اپنی حاجت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تیری مہربانیوں بھری بخشش مجھے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و دہش تیری پاک عادتوں میں داخل ہے لیکن تیری پاکیزگی بیان کر دینا' تیری حمد و ثنا کرنا ہی مجھے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہدایت کے معنی یہاں پر ارشاد اور توفیق کے ہیں۔

کبھی تو ہدایت بنفسہ متعدی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے تو معنی "اَلْهِمْنَا وَفِّقْنَا اُرْزُقْنَا" اور "اَعْطِنَا" یعنی ہمیں عطا فرمائے ہوں گے اور جگہ ہے۔ ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد/۱۰) یعنی ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی اور برائی دونوں کے۔ اور کبھی ہدایت "الٰی" کے ساتھ متعدی ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (النحل/۱۲۱) اور فرمایا ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ (الصافات/۲۳) یہاں "ہدایت" ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح فرمان ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ﴾ (الشوری/۵۲) الخ یعنی تو البتہ سیدھی راہ دکھاتا ہے اور کبھی ہدایت لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے جنتیوں کا قول قرآن کریم میں ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ (الاعراف/۴۳) یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی یعنی توفیق دی اور ہدایت والا بنایا۔

صراط مستقیم کا مفہوم: صراط مستقیم کے معنی پڑھیے۔ امام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اس سے واضح اور صاف راستہ ہے جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ عرب کی لغت میں اور شاعروں کے شعر میں یہ معنی صاف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں۔ صراط کا استعمال بطور استعارہ کے قول اور فعل پر بھی آتا ہے اور پھر اس کا وصف استقامت اور ٹیڑھ پن کے ساتھ بھی آتا ہے۔ سلف اور متاخرین مفسرین سے اس کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک ہی ہے اور وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور تابعداری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔ [1] (ابن ابی حاتم) اور اسی طرح ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے فضائل قرآن کے بارے میں پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی' حکمتوں والا ذکر اور سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم یہی اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے۔ [2] (مسند احمد ترمذی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اور مرفوع حدیث کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ سے بھی یہی روایت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾

---

[1] [ضعيف جدا : تفسير ابن جرير الطبرى (۱۷۴) تفسير ابن ابى حاتم (۲۰/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابن ابی حارث اعور راوی مجہول ہے۔]

[2] [ضعيف جدا : ترمذى : كتاب فضائل القران : باب ما جآء فى فضل القرآن (۲۹۰۶) دارمى (۴۳۵/۲) مسند احمد (۹۱/۱)] شيخ البانیؒ نے اسے ضعيف كها هے۔ [المشكاة (۲۱۳۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند بھی سابقہ حدیث کی طرح سخت ضعیف ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

کہیے یعنی ہمیں ہدایت والے راستہ کا الہام کر اور اس دین قیم کی سمجھ دے جس میں کوئی کجی نہیں۔ آپ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے سوا اور دین مقبول نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی کہ صراط مستقیم کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں، ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے ہیں، اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں، صراط مستقیم کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہے، جو کہتا ہے اے لوگو! تم سب کے سب اسی سیدھی راہ پر چلے جاؤ، ٹیڑھی ترچھی ادھر ادھر کی راہوں کو نہ دیکھو نہ ان پر جاؤ۔ اور اس راستے سے گزرنے والا کوئی شخص جب ان دروازوں میں سے کسی ایک کو کھولنا چاہتا ہے تو ایک پکارنے والا کہتا ہے خبردار اسے نہ کھولنا۔ اگر کھولا تو اس راہ لگ جائے گا، اور صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے، اور دیواریں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں، اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے، اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا زندہ ضمیر ہے، جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ کے ہوتا ہے۔ [1] یہ حدیث ابن ابی حاتم ابن جریر ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور اس کی اسناد حسن صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد حق ہے۔ ان کا قول سب سے زیادہ مقبول ہے اور مذکورہ اقوال کا کوئی مخالف نہیں۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے آپ کے دونوں خلیفہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ حسن رحمہ اللہ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں دراصل یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلفاء صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا تابعدار حق کا تابع ہے اور حق کا تابع اسلام کا تابع ہے اور اسلام کا تابع قرآن کا مطیع ہے اور قرآن اللہ کی کتاب اس کی طرف سے مضبوط رسی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ لہٰذا صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ فالحمد للہ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صراط مستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔ امام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سب سے اولیٰ یہ ہے کہ ہم کو توفیق دی جائے اس کی جو اللہ کی مرضی کی ہو اور جس پر چلنے کی وجہ سے اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو اور ان پر انعام کیا ہو، صراط مستقیم یہی ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کو اس کی توفیق مل جائے، جس کی توفیق اللہ کے نیک بندوں کو تھی جن پر اللہ تعالیٰ کا

---

[1] [صحیح: ترمذی: کتاب الامثال: باب ما جآء فی مثل الله لعباده (٢٨٥٩) مسند احمد (١٨٢/٤) نسائی فی السنن الکبری (١١٢٣٣)] حاکم (٧٣/١) تفسیر ابن ابی حاتم (٢١/١) تفسیر ابن جریر الطبری (١٧٦/١) طحاوی فی مشکل الآثار (٤٢٣/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ظلال الجنة (١٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس سے صحیح کہا ہے۔]

انعام ہوا تھا جو نبی، صدیق، شہید اور صالح لوگ تھے انہوں نے اسلام کی اور رسولوں کی تصدیق کی، کتاب اللہ کو مضبوط تھامے رکھا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالائے۔ اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک گئے اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے چاروں خلیفوں رضی اللہ عنہم اور تمام نیک بندوں کی راہ کی توفیق مل جائے گی تو یہی صراط مستقیم ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو اللہ کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے پھر نماز اور غیر نماز میں ہدایت مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے ہدایت پر ثابت قدمی اور رسوخ اور بینائی اور ہمیشہ کی طلب ہے اس لیے کہ بندہ ہر ساعت اور ہر حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محتاج ہے وہ خود اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں بلکہ دن رات اپنے اللہ کا محتاج ہے اسی لیے اللہ نے اسے سکھایا کہ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا رہے اور ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ بھلا اور نیک بخت انسان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے در کا بھکاری بنالے وہ اللہ ہر پکارنے والے کی پکار کے قبول کرنے کا کفیل ہے۔ بالخصوص بے قرار محتاج اور اس کے سامنے اپنی حاجت دن رات پیش کرنے والے کی ہر پکار کو قبول کرنے کا ضامن ہے۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا آمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ [1] الخ اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی اس کتاب پر، جو اس نے اپنے رسول کی طرف نازل فرمائی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئیں، سب پر ایمان لاؤ۔

اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا اور ہدایت والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا ایسا ہی ہے جیسے یہاں ہدایت والوں کو ہدایت طلب کرنے کا حکم دینا۔ مراد دونوں جگہ ثابت قدمی اور استمرار ہے اور ایسے اعمال پر ہمیشگی کرنا جو اس مقصد کے حاصل کرنے میں مدد پہنچائیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ حاصل شدہ چیز کا حاصل کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور دیکھئے اللہ رب العزت نے اپنے ایمان دار بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کہیں ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [2] یعنی اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما تو بہت بڑا دینے والا اور عطا کرنے والا ہے۔ یہ بھی وارد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز مغرب کی تیسری رکعت سورۂ فاتحہ کے بعد اس آیت کو پوشیدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ پس ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ الٰہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور اس سے ہمیں نہ ہٹا۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی ○

انعام کے مستحق وہی جو صراطِ مستقیم پر چلے: اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر اللہ کریم فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ یہ آیت صراط مستقیم کی تفسیر ہے

[1] [سورة النسآء : آیت ۱۳۶] [2] [سورة آل عمران : آیت ۸]

اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے اور عطف بیان بھی ہوسکتی ہے واللہ اعلم۔ اور جن پر اللہ کا انعام ہوا ان کا بیان سورۂ نساء میں آ چکا ہے فرمان ہے ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ (النساء/٦٩) الخ یعنی اللہ اور اس رسول ﷺ کے کہے پر عمل کرنے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہے جو نبی، صدیق، شہید، صالح لوگ ہیں، یہ بہترین ساتھی اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ربانی ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ تو مجھے ان فرشتوں، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت و عبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ الخ کی طرح ہے۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن ہیں۔ وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں مسلمان۔ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ معقول اور قابل تسلیم ہے واللہ اعلم۔

جمہور کی قرات میں "غَيْرِ" رے کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زمخشری کہتے ہیں رے کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قرات یہی ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ سے بھی یہی روایت کی گئی ہے۔ ﴿عَلَيْهِمْ﴾ میں جو ضمیر ہے وہ اس کا ذوالحال ہے اور ﴿اَنْعَمْتَ﴾ عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ اللہ جل شانہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ رسول ﷺ کے اطاعت گزار اس کے حکموں پر عمل کرنے والے اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک رہنے والے تھے۔

مغضوب لوگ: ان کی راہ سے بچا، جن پر غضب وغصہ کیا گیا، جن کے ارادے فاسد ہو گئے، حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ گئے اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچا لے جو سرے سے علم نہیں رکھتے مارے مارے پھرتے ہیں راہ سے بھٹکے ہوئے حیران و سرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کیے جاتے "لا" کو دوبارہ لا کر کلام کی تاکید کرنا اس لیے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں، ایک یہود کا دوسرا انصاریٰ کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ "غَيْرِ" کا لفظ یہاں پر استثناء کے لیے ہے تو استثناء منقطع ہوسکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے استثناء ہونا تو درست ہوتا ہے مگر یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے یہ بہت اچھی ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ﴾ سے مراد "غَيْرِ صِرَاطِ الْمَغْضُوْبِ" ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر سے کفایت کی گئی اور مضاف بیان نہ کیا گیا اس لیے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آ چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ میں "لا" زائد ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَالضَّآلِّيْنَ" اور اس کی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَغَيْرِ الضَّآلِّيْنَ" پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا۔ تو ہمارے قول کی تائید ہوئی کہ لا نفی کی تاکید کے لیے ہی لایا گیا ہے تا کہ یہ وہم ہی نہ ہو کہ یہ ﴿اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ پر عطف ہے اور اس لیے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تا کہ ہر شخص ان دونوں سے بھی بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں علم نہیں اور نصاریٰ کے ہاں عمل نہیں اسی لیے یہودیوں پر غضب ہوا اور نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اس لیے کہ علم کے باوجود عمل کو چھوڑنا غضب کا سبب ہے اور نصرانی گو ایک چیز کا قصد تو کرتے ہیں مگر اس کے باوجود صحیح راستہ کو نہیں پا سکتے اس لیے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے اور اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ [1] اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ [2] یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند اور لوگوں کو گرفتار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا میری خبر گیری کرنے والا غائب ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں آپ مجھ پر احسان کیجیے اور مجھے رہائی دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تیری خیر خبر لینے والا کون ہے؟ اس نے کہا عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگتا پھرتا ہے؟ پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے ان سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی۔ وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت نے تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے چالتے ہیں۔ اس بات نے مجھے یقین دلا دیا کہ آپ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا عدی "لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے آپ کی سادگی اور بے تکلفی نے ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ جس سے آپ

---

[1] [سورة المائدة : آیت ٦٠] [2] [سورة المائدة : آیت ۷۷]

بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے ﴿مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد یہود ہیں اور ﴿الضَّالِّينَ﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ [1] ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔ [2] اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنو قین کے ایک شخص نے وادی القریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا آپ نے جواب میں یہی فرمایا۔ [3] بعض روایتوں میں ان کا نام عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہے واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابن مسعود اور بہت سے صحابیوں رضی اللہ عنہم سے بھی یہ تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں بلکہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں مفسرین میں اس بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گذری۔ دوسری سورۂ بقرہ کی یہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ﴾ (البقرۃ/ ۹۰) الخ اس آیت میں ہے کہ ان پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ اور سورۂ مائدہ کی آیت ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ﴾ (المائدہ/ ٦٠) الخ میں بھی ہے کہ ان پر غضب الٰہی نازل ہوا اور جگہ فرمان الٰہی ہے ﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (المائدہ/ ۷۸) الخ یعنی بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی۔ داود علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ ان کی نافرمانی اور حد سے گذر جانے کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے یقیناً ان کے کام بہت برے تھے اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جو کہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں تب تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک غضب الٰہی کا ایک حصہ نہ پالو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لیے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر اسے کیسے قبول کر لیں؟ پھر نصرانیوں سے ملے انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مزہ نہ چکھ لو تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آسکتے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے۔ بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اس لیے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا۔ انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل

---

[1] [حسن: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الفاتحۃ (۲۹۵۳) مسند احمد (۳۷۸/٤) صحیح ابن حبان (۷۲۰٦) طبرانی کبیر (۲۳۷/۱۷) المزی فی تهذیب الکمال (۱۱۰/۱٤) بیهقی فی الدلائل (۳۳۹/٥)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۳۲٦۳)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔]

[2] [حسن: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۹٥، ۲۰۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔]

[3] [حسن بالشواهد: تفسیر عبدالرزاق (۳۷/۱) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۹۸) مسند احمد (٥/ ۳۲، ۳۳)] امام ہیثمی ؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (۳۱۱/٦)]

تھے انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الٰہی نے ان کی رہبری کی اور یہ حضور ﷺ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی اس کی تصدیق کی رضی اللہ عنہ۔

مسئلہ: ضاد اور ظاء کی قرات میں بہت باریک فرق ہے اور ہر ایک کے بس کا نہیں۔ اس لیے علمائے کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ فرق معاف ہے، ضاد کا صحیح مخرج تو یہ ہے کہ زبان کا اول کنارہ اور اس کے پاس کی داڑھیں اور ظآء کا مخرج زبان کا ایک طرف اور سامنے والے اوپر کے دو دانت کے کنارے۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں حرف مجہورہ اور رخوہ اور مطبقہ ہیں پس اس شخص کو جسے ان دونوں میں تمیز کرنی مشکل معلوم ہوا سے معاف ہے کہ ضاد کو ظآء کی طرح پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میں ضاد کو سب سے زیادہ صحیح پڑھنے والا ہوں [1] لیکن یہ حدیث بالکل بے اصل اور لاپتہ ہے۔

فصل: یہ مبارک سورت نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے ان سات آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد، اس کی بزرگی، اس کی ثنا وصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند وبالا صفتوں کا بیان ہے ساتھ ہی قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو ارشاد ہے کہ وہ اس مالک سے سوال کریں اس کی طرف تضرع وزاری کریں اپنی مسکینی اور بے کسی اور بے بسی کا اقرار کریں اور اس کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں اور اس کی توحید الوہیت کا اقرار کریں۔ اسے شریک، نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں۔ صراط مستقیم اور اس پر ثابت قدمی اس سے طلب کریں تا کہ یہی ہدایت انہیں قیامت والے دن پل صراط سے بھی پار اتارے اور نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں کے پڑوس میں جنت الفردوس میں جگہ دلائے۔ ساتھ ہی اس سورت میں نیک اعمال کی ترغیب ہے تا کہ قیامت کے دن نیکوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے ڈراوا پیدا ہے تا کہ قیامت کے دن بھی یہ باطل پرست یہود ونصاریٰ کی جماعت سے دور ہی رہیں۔

باریک نکتہ: اس باریک نکتہ پر بھی غور کیجیے کہ انعام کی اسناد تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی اور "أَنْعَمْتَ" کہا گیا لیکن غضب کی اسناد اللہ کی طرف نہیں کی گئی یہاں فاعل حذف کر دیا اور ﴿مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ کہا گیا اس میں پروردگار عالم کی جناب میں ادب کیا گیا ہے در اصل حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ (الفتح / ٦) اور اسی طرح ضلالت کی اسناد بھی ان کی طرف کی گئی جو گمراہ ہیں حالانکہ اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ﴾ (الاسراء / ٩٧) الخ یعنی اللہ جسے راہ دکھائے وہ راہ یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اس کا رہنما کوئی نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾ (الاعراف / ١٨٦) الخ یعنی جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں وہ تو اپنی سرکشی میں بہکے رہتے ہیں۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ راہ دکھانے والا گمراہ کرنے والا صرف سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔

---

[1] [لا اصل له : كشف الخفاء (١/٢٠٠) المقاصد الحسنه (ص : ١٨٥)] شیخ حوتؒ نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی صحیح ہے مگر اس کی کوئی اصل نہیں۔ [أسنى المطالب (ص : ٢٩)] ملا علی قاریؒ نے بھی اسے بے اصل کہا ہے۔ [الاسرار المرفوعة (ص : ١١٦)] امام زرکشیؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ ابن کثیرؒ نے اسے بے اصل کہا ہے البتہ اس کا معنی صحیح ہے۔ [التذكرة في الاحاديث المشتهرة (ص : ١٦٠)] امام شوکانیؒ نے بھی اسے بے اصل کہا ہے۔ [الفوائد المجموعة (ص : ٣٢٧)] مزید دیکھئے: تذكرة الموضوعات (ص : ٨٧) النخبة البهية (ص : ٤٠) المصنوع (ص : ٦١)]

قدریہ فرقہ جوادھرادھر کی متشابہ آیتوں کو دلیل بنا کر کہتا ہے کہ بندے خود مختار ہیں وہ خود جو پسند کرتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ صریح اور صاف صاف آیتیں ان کے رد میں موجود ہیں لیکن باطل پرست فرقوں کا یہی قاعدہ ہے کہ صراحت کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگا کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے۔ کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کے پیچھے لگتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے تم ان کو چھوڑ دو۔ [۱] حضور ﷺ کا اشارہ اس فرمان میں اس آیت شریف کی طرف ہے ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ (آل عمران/ ۷) الخ یعنی جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ متشابہ کے پیچھے لگتے ہیں فتنوں اور تاویل کو ڈھونڈنے کے لیے۔ پس الحمد للہ بدعتی لوگوں کے لیے قرآن پاک میں صحیح دلیل کوئی نہیں۔ قرآن کریم تو حق و باطل ہدایت وضلالت میں فرق کرنے کے لیے آیا ہے اس میں تناقض اور اختلاف نہیں۔ یہ تو اللہ حکیم وحمید کا نازل کردہ ہے۔

فصل: آمین کی فضیلت اور مسائل: سورۂ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین مثل یاسین کے ہے اور اَمین بھی کہا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ تو قبول فرما۔ آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد، ابوداود اور ترمذی میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہہ کر ﴿آمین﴾ کہتے تھے اور آواز دراز کرتے تھے۔ [۲] ابوداؤد میں ہے آواز بلند کرتے تھے۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمین پہلی صف والے لوگ جو آپ کے قریب ہوتے سن لیتے۔ ابوداود اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے۔ [۳] ابن ماجہ میں یہ بھی ہے کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ دار قطنی میں بھی یہ حدیث ہے [۴] اور دار قطنی بتاتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ

---

[۱] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب منه آیات محکمات (٤٥٤٧) صحیح مسلم : کتاب العلم : باب النهی عن متشابه القرآن (٢٦٦٥)]

[۲] [صحیح :ترمذی : کتاب الصلوة : باب ما جاء فی التامین (٢٤٨) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب التامین وراء الامام (٩٣٣) مسند احمد (٣١٨/٤) دراقطنی (٣٣٤/١، ٤٣٥) نسائی فی السنن الکبری (٩١٤) دارمی (١٢٥٠)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام دار قطنیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [المشکاۃ (٨٤٥)]

[۳] [ضعیف :ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب التامین وراء الامام (٩٣٤) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلوة : باب الجهر بامین (٨٥٣) ابن ابی حاتم فی العلل (٢٠١/١)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں ابن ابی لیلیٰ راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابوحاتمؒ نے اسے سیئ الحفظ کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [کما فی السلسلة الصحیحة (٨٣٢/١)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[۴] [حسن :دارقطنی (٣٣٥/١) بیهقی (٥٨/٢) حاکم (٢٢٣/١) ابن حبان (١٨٠٦)]
اس کو دار قطنی نے حسن حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

[۵] [ضعیف و منقطع :ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب التامین وراء الامام (٩٣٧) ابن خزیمة (٥٧٣/١) مسند احمد (١٢/٦، ١٥)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود (١٩٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے منقطع کہا ہے۔ البتہ حافظ زبیر علی زئی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

سے کہتے تھے۔ مجھ سے پہلے آمین نہ کہا کیجیے (ابوداود) ⑤ حسن بصری رحمہ اللہ اور جعفر صادق رحمہ اللہ سے آمین کہنا مروی ہے۔ جیسے کہ ﴿آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ (المائدہ/ ٢) قرآن میں ہے۔

ہمارے اصحاب وغیرہ کہتے ہیں جو نماز میں نہ ہو اسے بھی آمین کہنا چاہیے۔ ہاں جو نماز میں ہو اس پر تاکید زیادہ ہے۔ نمازی خواہ اکیلا ہو، خواہ مقتدی ہو، خواہ امام ہو، ہر حالت میں آمین کہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ① مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں۔ اور ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے مل جاتی ہے تو اس کے تمام پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ② مطلب یہ ہے کہ اس کی آمین کا اور فرشتوں کی آمین کا وقت ایک ہی ہو جائے یا موافقت سے مراد قبولیت میں موافق ہونا ہے یا اخلاص میں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو آمین کہو اللہ قبول فرمائے گا۔ ③

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آمین کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا اے اللہ تو قبول کر۔ ④
جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کے معنی ''اسی طرح ہو'' ہیں۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ ہماری امیدوں کو نہ توڑ۔ اکثر علماء فرماتے ہیں اس کے معنی ''اے اللہ تو ہماری دعا قبول فرما'' کے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ جعفر صادق رحمہ اللہ ہلال بن سیاف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ ⑤ امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب کا مذہب ہے کہ امام آمین نہ کہے مقتدی آمین کہیں کیونکہ موطا مالک کی حدیث میں ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ ⑥ اسی طرح ان کی دلیل کی تائید میں صحیح مسلم والی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

① [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب جهر الماموم بالتامين (٧٨٢) و کتاب التفسير : باب غير المغضوب عليهم ولا الضالين (٤٤٧٥) صحيح مسلم : كتاب الصلة : باب التسميع والتحميد والتامين (٤١٠) نسائی : کتاب الافتتاح : باب جهر الامام بامين (٩٢٧) ترمذی : کتاب الصلوة : باب ما جآء فی فضل التامين (٢٥٠) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب التامين وراء الامام (٩٣٥)]

② [صحیح: صحيح مسلم (٤١٠، ٧٥)]

③ [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الصلوة : باب التشهد فی الصلوة (٤٠٤) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب التشهد (٩٧٢) نسائی (٨٢٩)]

④ [ضعیف: تفسير كشاف (١٧/١) الدرالمنثور (٤٤/١، ٤٥)] جویبر اور ضحاک کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

⑤ [عبدالرزاق (٢٦٥١)]

⑥ [صحیح: موطا (٨٧/١) کتاب الصلوة : باب ما جآء فی التامين خلف الامام (٤٥) بخاری (٧٩٦) مسلم (٤٠٩)]

⑦ [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الصلوة : باب التشهد فی الصلوة (٤٠٤)]

جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ [۷] لیکن بخاری و مسلم کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھ کر آمین کہتے تھے۔

جہری نمازوں میں مقتدی اونچی آواز سے آمین کہے یا نہ کہے' اس میں ہمارے ساتھیوں کا اختلاف ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام آمین کہنی بھول گیا ہو تو مقتدی بآواز بلند آمین کہیں۔ اگر امام نے خود اونچی آواز سے آمین کہی ہو تو نیا قول یہ ہے کہ مقتدی بآواز بلند نہ کہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے اس لیے کہ نماز کے اوراذکار کی طرح یہ بھی ایک ذکر ہے تو نہ وہ صرف بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں نہ یہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ لیکن پہلا قول یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا بھی دوسری روایت کے اعتبار سے یہی مذہب ہے اور اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ ہمارے یہاں پر ایک تیسرا قول بھی ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی بآواز بلند آمین نہ کہیں اس لیے کہ وہ امام کی قرات سنتے ہیں اور اگر بڑی ہو تو اونچی آواز سے آمین کہیں تاکہ مسجد کے کونے کونے میں آمین پہنچ جائے۔ واللہ اعلم۔ (صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جن نمازوں میں اونچی آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے ان میں اونچی آواز سے آمین کہنی چاہیے۔ خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو' خواہ منفرد۔ مترجم)

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہماری تین چیزوں پر یہودیوں کو اتنا بڑا حسد ہے کہ کسی اور چیز پر نہیں۔ ایک تو جمعہ پر کہ اللہ نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور یہ بہک گئے' دوسرے قبلہ' تیسرے ہمارا امام کے پیچھے آمین کہنا۔ [۱] ابن ماجہ کی حدیث میں یوں ہے کہ یہودیوں کو سلام پر اور آمین پر جتنی چڑ ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں۔ [۲] اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جس قدر حسد یہودی آمین پر کرتے ہیں اس قدر حسد اور امر پر نہیں کرتے تم بھی آمین بکثرت کہا کرو۔ [۳] اس کی اسناد میں طلحہ بن عمرو راوی ضعیف ہیں۔ ابن مردویہ میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے اپنے مومن بندوں پر۔ [۴] حضرت

---

[۱] [صحیح بالشواهد: مسند احمد (۱۳۵/۶) التعليق الرغيب (۹۷۸/۱) السلسلة الصحيحه (۶۹۱) صحيح ابن ماجه (۸۵۶) صحيح ابن خزيمه (۱۵۸۵)]

[۲] [صحیح: ابن ماجه (۸۵۶)] حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الزوائد (۲۹۷/۱)]

[۳] [ضعیف جدا: ابن ماجه: كتاب اقامة الصلوة: باب الجهر بامين (۸۵۷)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں موجود طلحہ بن عمرو راوی اہل علم کے اتفاق کے ساتھ ضعیف ہے۔ [الزوائد (۲۹۸/۱)] شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سخت ضعیف ہے۔ [ضعيف الترغيب (۲۷۰)]

[۴] [ضعیف: الطبرانی فی الدعاء (۲۱۹) الدر المنثور (۴۴/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (۱۴۸۷)] اس کی سند میں مؤمل بن عبدالرحمٰن ثقفی اور اسماعیل بن یعلی ثقفی دونوں راوی ضعیف ہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ نماز میں آمین کہنی اور دعا پر آمین کہنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے عطا کی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی۔ ہاں اتنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ تم اپنی دعاؤں کو آمین پر ختم کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے حق میں قبول فرمایا کرے گا۔ [1]

اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم کے ان الفاظ کو دیکھئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ﴾ [2] الخ ہے یعنی الٰہی تو نے فرعون اور فرعونیوں کو دنیا کی زینت اور مال دنیا زندگانی میں عطا فرمایا ہے جس سے وہ تیری راہ سے دوسروں کو بہکا رہے ہیں اللہ ان کے مال برباد کر اور ان کے دل سخت کر جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں یہ ایمان نہ لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ (یونس / ۸۹) الخ یعنی تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ تم مضبوط رہو اور بے علموں کی راہ نہ جاؤ۔ دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کرتے تھے اور حضرت ہارون صرف آمین کہتے تھے لیکن قرآن نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔ اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی دعا پر آمین کہے وہ گویا خود وہ دعا کر رہا ہے۔ اس استدلال کو سامنے رکھ کر وہ قیاس کرتے ہیں کہ مقتدی قرات نہ کرے اس لیے کہ اس کا سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا پڑھنے کے قائم مقام ہے اور اس حدیث کو بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہے (مسند احمد) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آمین میں مجھ سے سبقت نہ کیا کیجئے اس کھینچا تانی سے مقتدی پر جہری نمازوں میں ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کا نہ پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ اس کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہہ کر آمین کہتا ہے آسمانوں والوں کی آمین زمین والوں کی آمین سے مل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے تمام پہلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ آمین نہ کہنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ایک قوم کے ساتھ مل کر غزوہ کرے غالب آئے مال غنیمت جمع کرے اب قرعہ ڈال کر حصہ لینے لگے تو اس شخص کے نام قرعہ نکلے ہی نہیں اور کوئی حصہ نہ ملے وہ کہے ''یہ کیوں؟'' تو جواب ملے تیرے آمین نہ کہنے کی وجہ سے۔ [3]

سورہ بقرہ کی تفسیر

سورۂ بقرہ کی فضیلت: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۂ بقرہ قرآن

---

[1] **[ضعیف :** ابن خزیمہ (۱۵۸۶) ابن عدی فی الضعفاء (۳/ ۲٤۰)] شیخ البانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ [ضعیف الترغیب (۲٦۷)] اس میں زربی بن عبداللہ ضعیف ہے۔[میزان الاعتدال (٦۹/۱)]

[2] [سورۃ یونس : آیت ۸۸]

[3] **[ضعیف :** ابو یعلی فی مسندہ (٦٤۱۱)، (۲۹٦/۱۱)] اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔[الجرح والتعدیل (۱٦۱/۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

کی کوہان ہے اور اس کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسّی اسّی (۸۰) فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے نازل ہوئی اور اس سورت میں شامل کی گئی۔'' سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت طلبی کے لیے پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے۔''اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو۔'' [1] (مسند احمد) اس حدیث کی سند میں ایک جگہ عَنْ رَّجُلٍ ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے مراد کون ہیں؟ لیکن مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں اس کا نام ابوعثمان آیا ہے۔ [2] یہ حدیث اسی طرح ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ [3] ترمذی کی ایک ضعیف سند والی حدیث ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن پاک کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیت ''آیت الکرسی'' ہے۔ [4] مسند احمد' صحیح مسلم' ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہوسکتا۔ [5] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے

---

[1] [ضعیف :مسند احمد (۲۶/۵)، (۱۹۷۸۹) طبرانی کبیر (۲۲۰/۲۰)، (۲۳۰/۲۰، ۲۳۱) النسائی فی عمل الیوم واللیلة (۱۰۷۵) طیالسی (۹۳۱)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔[مجمع الزوائد (۳۱۱/۶)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الترغیب (۸۷۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ابوعثمان اور اس کے والد غیر معروف ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف :مسند احمد (۲۶/۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف :ابو داؤد : کتاب الجنائز : باب القراءة عند المیت (۳۱۲۱) ابن ماجه : کتاب الجنائز : باب ما جآء فیما یقال عند المریض اذا حضر (۱۴۴۸) النسائی فی الکبری فی کتاب عمل الیوم واللیلة (۱۰۱۹۳)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۶۸۸)] اس کی سند میں ابوعثمان راوی ہے جسے امام ذہبیؒ، امام ابن مدینیؒ اور دیگر اہل علم نے مجہول کہا ہے۔ امام دار قطنیؒ نے اس روایت کو ضعیف الاسناد، مجہول المتن کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں۔[کما فی التلخیص الحبیر] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[4] [ضعیف :ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ما جاء فی فضل سورة البقرة واية الکرسی (۲۸۷۸) عبد الرزاق (۶۰۱۹) حمیدی (۹۹۴) مستدرك حاکم (۵۶۰/۱)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں سعید بن خالد خزاعی مدنی راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۲۱/۷)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (۱۳۴۸) ضعیف الجامع الصغیر (۴۷۲۵) ضعیف ترمذی (۵۳۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

[5] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب صلوة المسافرین : باب استحباب الصلوة النافلة فی بیته (۷۸۰) ترمذی : کتاب فضائل القرآن (۲۸۷۷) مسند احمد (۳۷۸/۲)]

[6] [ضعیف :ابو عبید فی فضائل القرآن (۳۴/۹)] اس کی سند میں ابن لهیعہ راوی ضعیف ہے، تاہم سابقہ صحیح مسلم کی حدیث سے اس کی تائید ہوجاتی ہے۔]

شیطان بھاگ جاتا ہے۔⑥ اس حدیث کے ایک راوی کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تو ثقہ بتاتے ہیں لیکن امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ ان کی حدیث کو منکر کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔ اسے نسائی رحمہ اللہ نے "عمل الیوم واللیلہ" میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔①

ابن مردویہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے لیکن سورۂ بقرہ نہ پڑھے۔ سنو! جس گھر میں یہ مبارک سورت پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے، سب گھروں میں بدترین اور ذلیل ترین گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے امام نسائی رحمہ اللہ نے "عمل الیوم واللیلہ" میں بھی اسے وارد کیا ہے② مسند دارمی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی اونچائی ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی سورۂ بقرہ ہے۔ ہر چیز کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اور قرآن کا خلاصہ مفصل سورتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیت الکرسی اور دو آیتیں اس کے بعد کی اور تین آیتیں سب سے آخر کی، یہ سب دس آیتیں رات کے وقت پڑھ لے اس گھر میں شیطان اس رات نہیں جا سکتا اور اسے اور اس کے گھر والوں کو اس دن شیطان یا کوئی اور بری چیز ستا نہیں سکتی۔ یہ آیتیں مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کا دیوانہ پن بھی دور ہو جاتا ہے۔③ حضور ﷺ فرماتے ہیں "جس طرح ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے، قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے جو شخص رات کے وقت اسے اپنے گھر میں پڑھے تین راتوں تک شیطان اس گھر میں نہیں جا سکتا اور دن کو اگر گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔"④ (طبرانی۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر ایک جگہ بھیجا اور اس کی سرداری آپ نے انہیں دی جنہوں نے فرمایا تھا کہ مجھے سورۂ بقرہ یاد ہے، اس وقت ایک شریف شخص نے کہا میں بھی اسے یاد کر لیتا لیکن ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔

---

① [صحیح : النسائی فی السنن الکبری (۱۰۸۰۰) مستدرك حاكم (۲/ ۲۶۰) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۲۶/٤)]

② [ضعیف : النسائی فی الیوم واللیلة (۹۶۹)] امام ہیثمیؒ کے بیان کے مطابق اس کی سند صحیح نہیں کیونکہ اس میں ابن اسحاق راوی کی تدلیس موجود ہے۔[مجمع الزوائد (۳۱۲/٦)]

③ [ضعیف : دارمی (۲/ ٤٤٨) طبرانی (۸٦٤٤) بیهقی (۲۳۷٦)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں عاصم بن بھدلہ راوی ہے، اس میں کچھ ضعف ہے۔[مجمع الزوائد (۱۵۹/۷)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابو اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

④ [ضعیف : ابویعلی (۷۵۵٤) ابن حبان (۷۸۰) طبرانی کبیر (۵۸٦٤) العقیلی (۲/ ٦/۲) ابو نعیم فی اخبار اصفهان (۱/ ۱۰۱) بیهقی فی شعب الایمان (۲۳۷۸)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں سعید بن خالد مدنی راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۱/٦ ۳۱)] شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (۱۹۳۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

حضور ﷺ نے فرمایا قرآن سیکھو قرآن پڑھو جو شخص اسے سیکھتا ہے پڑھتا ہے پھر اس پر عمل بھی کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اسے سیکھ کر سو جانے والے کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک تو بھرا ہوا ہے لیکن اوپر سے منہ بند کر دیا گیا ہے۔ [1] (امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں اور مرسل روایت بھی ہے) واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی ان کا گھوڑا جوان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا اس نے اچھلنا کودنا اور بدکنا شروع کیا۔ آپ نے قرات چھوڑ دی گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا۔ آپ نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ گھوڑے نے بھی پھر بدکنا شروع کیا۔ آپ نے پھر پڑھنا موقوف کیا۔ گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا چونکہ ان کے صاحبزادے یحیی گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے اس لیے ڈر معلوم ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آ جائے قرآن کا پڑھنا بند کر کے اسے اٹھا لیا۔ آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کرنے لگے آپ سنتے جاتے اور فرماتے جاتے ہیں پھر ''اسید پڑھتے چلے جاؤ'' حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ تیسری مرتبہ کے بعد تو یحییٰ کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے جو تمہاری آواز کو سن کر قریب آ گئے تھے اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا کسی سے نہ چھپتے۔ [2] یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے قریب قریب واقعہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ گذشتہ رات ہم نے دیکھا ساری رات حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا گھر نور کا بقعہ بنا رہا اور چمکدار روشن چراغوں سے جگمگاتا رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورۂ بقرہ پڑھی ہوگی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ''سچ ہے رات کو میں سورۂ بقرہ کی تلاوت میں مشغول تھا۔'' [3] اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے فضائل: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ''سورۂ بقرہ سیکھو اس کو حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے۔ جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے۔'' پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد فرمایا۔ ''سورۂ

---

[1] [**ضعیف**: ترمذی: کتاب فضائل القرآن: باب ما جآء فی فضل سورة البقرة واية الكرسی (۲۸۷۶) ابن ماجه: کتاب السنة: باب فی فضل من تعلم القرآن وعلمه (۲۱۷)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابن ماجه (۳۹) ضعیف ترمذی (۵٤۱) ضعیف الجامع الصغير (۲٤۵۲) المشكاة (۳۵)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[2] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن: باب نزول السكينة والملائكة عند قراءة القرآن (۵۰۱۸) صحیح مسلم: کتاب صلوة المسافرين: باب نزول السكينة لقراءة القرآن (۷۹٦)]

[3] [**ضعیف**: ابو عبيده فی فضائل القرآن (۳٤/۱۲)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

بقرہ اور سورۂ آل عمران سیکھو یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی' قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو دیکھے گا کہ ایک نوجوان نورانی چہرے والا شخص اس کے پاس کھڑا ہوا کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟ یہ کہے گا نہیں تو وہ جواب دے گا کہ میں قرآن ہوں جس نے دن کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا تھا اور راتوں کو بستر سے دور بیدار رکھا تھا۔ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں۔'' اب اس کے رہنے کے لیے سلطنت اس کے داہنے ہاتھ میں دی جائے گی اور ہمیشہ کے فائدے اس کے بائیں ہاتھ میں' اس کے سر پر وقار وعزت کا تاج رکھا جائے گا' اس کے ماں باپ کو دو ایسے عمدہ قیمتی حلے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت کے سامنے ہیچ ہو گی' وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ آخر اس رحم وکرم اور اس انعام واکرام کی کیا وجہ ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے تم پر یہ نعمت انعام کی گئی۔ پھر اسے کہا جائے گا پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا' چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور درجے چڑھتا جائے گا خواہ ترتیل سے پڑھے یا بے ترتیل۔'' [1]

ابن ماجہ میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ مروی ہے [2] اس کی اسناد حسن' اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر بن مہاجر سے امام مسلم رحمہ اللہ بھی روایت لیتے ہیں اور امام ابن معین رحمہ اللہ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ نسائی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں امام احمد رحمہ اللہ اسے منکر الحدیث بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو دیکھا کہ وہ عجب عجب حدیثیں لاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی بعض احادیث سے اختلاف کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن ان سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ ابن عدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کی ایسی روایتیں بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قوی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی اس روایت کے بعض مضمون دوسری سندوں سے بھی آئے ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ قرآن پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دو نورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا یہ دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ بقرہ پڑھا کرو۔ اس کا پڑھنا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے۔ اس کی

---

[1] [ضعیف بمسند احمد (۳۴۸/۵ ' ۳۶۱) ابن ابی شیبة (۴۹۲/۱۰) دارمی (۴۵۰/۲) حاکم (۵۶۰/۱)] امام بیہقیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امام عقیلیؒ فرماتے ہیں اس مسئلے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف مگر محتمل التحسین ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[2] [حسن ابن ماجه : كتاب الادب : باب ثواب قراءة القرآن (۳۷۸۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف یحتمل التحسین کہا ہے۔[ابن ماجه بتحقيق الالبانى] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحيح بصحيح مسلم : كتاب صلوة المسافرين : باب فضل قراءة القرآن سورة البقرة (۸۰۴) مصنف عبدالرزاق (۵۹۹۱) مسند احمد (۲۴۹/۵) صحيح ابن حبان (۱۱۶)]

طاقت باطل والوں کو نہیں۔“ (۳) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے۔ قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو قیامت کے دن بلوایا جائے گا۔ آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی‘ بادل کی طرح یا سائے اور سائبان کی طرح یا پر کھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح۔ یہ دونوں پروردگار سے ڈٹ کر سفارش کریں گی۔“ (۱) مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان میں اللہ کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے‘ وہ قبول فرماتا ہے۔ اب اس شخص نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ مجھے بتایئے وہ نام کون سا ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا اگر میں بتا دوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے بھائی کو خواب میں دکھلایا گیا کہ گویا لوگ ایک بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر دو سرسبز درخت ہیں اور ان میں سے آوازیں آ رہی ہیں کہ کیا تم میں کوئی سورۂ بقرہ کا پڑھنے والا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی سورۂ آل عمران کا پڑھنے والا ہے؟ جب کوئی کہتا ہے کہ ”ہاں“ تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں سمیت اس کی طرف جھک جاتے ہیں اور یہ اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قرآن پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا پھر قصاص میں وہ بھی مارا گیا۔ پس قرآن کریم ایک ایک سورت ہو ہو کر الگ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اس کے پاس سورہ آل عمران اور سورۂ بقرہ رہ گئیں۔ ایک جمعہ کے بعد سورۂ آل عمران چلی گئی پھر ایک جمعہ گذرا تو آواز آئی کہ میری باتیں نہیں بدلا کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا (۲) چنانچہ یہ مبارک سورت یعنی سورۂ بقرہ بھی اس سے الگ ہو گئی مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اس کی طرف سے بلاؤں اور عذاب کی آڑ بنی رہیں اور اس کی قبر میں اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور سب سے آخر اس کے گناہوں کی زیادتی کے سبب ان کی سفارش نہ چلی۔ یزید ابن اسود جرشی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر میں نفاق سے بری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا ساری رات نفاق سے بری رہتا ہے خود حضرت یزید رحمہ اللہ اپنے معمولی وظیفہ قرآن کے علاوہ ان دونوں سورتوں کو صبح شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص ان دونوں سورتوں کو رات بھر پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فرماں برداروں میں شمار ہو گا۔ اس کی سند منقطع ہے‘ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔ (۳)

---

(۱) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب صلوة المسافرین: باب فضل قراة القرآن وسورة البقرة (۸۰۵) ترمذی: کتاب فضائل القرآن: باب ما جاء فی سورة ال عمران (۲۸۸۳)]

(۲) [سورة ق: آیت ۲۹]

(۳) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب صلوة المسافرین: باب استحباب تطویل القراءة فی صلوة اللیل (۷۷۲)]

سات طویل سورتوں کی فضیلت: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھ کو سات لمبی سورتیں تورات کی جگہ دی گئی ہیں اور انجیل کی جگہ مجھ کو دو سو آیتوں والی سورتیں ملی ہیں۔ اور زبور کے قائم مقام مجھ کو دو سو سے کم آیتوں والی سورتیں دی گئی ہیں اور پھر مجھے فضیلت میں خصوصاً سورۂ ق سے لے کر آخر تک کی سورتیں ملی ہیں (۱) یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی سعید بن ابوبشیر کے بارہ میں کچھ کلام ہے۔ ابوعبید نے اسے دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک اور حدیث میں ہے جو شخص ان سات سورتوں کو حاصل کر لے وہ بہت بڑا عالم ہے یہ روایت بھی غریب ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے (۲) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر انہیں بنایا' جنہیں سورۂ بقرہ یاد تھی حالانکہ وہ ان سب میں چھوٹی عمر کے تھے۔ (۳) حضرت سعید بن جبیر تو ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ (الحجر / ۸۷) کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی سات سورتیں ہیں۔ سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء' سورۂ مائدہ' سورۂ انعام' سورۂ اعراف اور سورۂ یونس۔ حضرت مجاہد' مکحول' عطیہ بن قیس' ابومحمد فارسی' شداد بن اوس' یحییٰ بن حارث' ذماری رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔

فصل: نزول کا مقام اور کچھ مزید معلومات: سورۂ بقرہ ساری کی ساری مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے اور شروع شروع جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے البتہ اس کی ایک آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ (البقرہ / ۲۸۱) الخ یہ سب سے آخر نازل شدہ بتائی جاتی ہے یعنی قرآن کریم میں سب سے آخر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ نازل بعد میں ہوئی ہو لیکن اسی میں ہے۔ اور اسی طرح سود کی حرمت کی آیتیں بھی آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان سورۂ بقرہ کو فسطاط القرآن یعنی قرآن کا خیمہ کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اس میں ایک ہزار خبریں ہیں اور ایک ہزار حکم ہیں اور ایک ہزار کاموں سے ممانعت ہے۔ اس کی آیتیں دو سو ستاسی ہیں۔ اس کے کلمات چھ ہزار دو سو اکیس ہیں۔ اس کے حروف ساڑھے پچیس ہزار ہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ (۴) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت خارجہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین رحمہم اللہ سے بھی بلا اختلاف یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث

---

(۱) [**ضعیف**: ابو عبید فی الفضائل (۳۴/۱) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۶) طیالسی (۱۰۱۲)] اس کی سند میں سعید بن بشیر راوی ضعیف ہے۔ [میزان (۱۲۸/۲)] حافظ زبیر علی زئی نے اسی وجہ سے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ تاہم شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس کی تحقیق کے مطابق یہ روایت حسن ہے۔]

(۲) [**حسن**: مسند احمد (۷۲/۶ ' ۷۳)، (۲۳۹۲۲) مستدرك حاكم (۵٦٤/۱)، (۲۰۷۰) بغوی فی شرح السنة (٤٦٨/٤) الخطيب فی تاريخ بغداد (۱۰۸/۱۰)]

(۳) [**حسن**: ترمذی: كتاب فضائل القرآن: باب ما جآء فی فضل سورة البقره واية الكرسی (۲۸۷٦) ابن ماجه: كتاب السنة: باب فی فضل من تعلم القرآن وعمله (۲۱۷)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام ابن خزیمہؒ، امام ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(۴) [الدار المنثور للسيوطی (۴۷/۱)]

میں ہے کہ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ النساء وغیرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے۔ وہ سورت جس میں آل عمران کا بیان ہے اور اسی طرح قرآن کی سب سورتوں کے نام لیا کرو۔ (۱) لیکن یہ حدیث غریب ہے بلکہ اس کا فرمان رسول ﷺ ہونا ہی صحیح نہیں۔ اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابوسلمہ خواص ضعیف ہیں۔ ان کی روایت سے سند نہیں لی جا سکتی۔ اس کے برخلاف بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں طرف۔ اور فرمایا اسی جگہ سے کنکر پھینکے تھے رسول اللہ ﷺ نے جن پر سورۂ بقرہ اتری ہے (۲) گو اس حدیث سے صاف ثابت ہو گیا کہ سورۂ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے لیکن مزید سنیے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں "یا اصحاب سورۂ بقرہ" کہہ کر پکارا۔ غالباً یہ غزوۂ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں اے درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے والو اور اے سورۂ بقرہ (۳) والو کہہ کر پکارا تھا تا کہ ان میں خوشی اور دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس کے ساتھ لڑنے کے وقت بھی جب قبیلہ بنو حنیفہ کی چیرہ دستیوں نے پریشان کر دیا اور قدم ڈگمگا گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی طرح لوگوں کو پکارا "یا اصحاب سورۂ بقرہ" اے سورۂ بقرہ والو! اس آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے اور جم کر لڑے یہاں تک کہ ان مرتدوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو فتح دی (۴) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے سب صحابہ سے خوش ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
الٓمّٓ ۝۱

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے ○

حروف مقطعات کی تفسیر میں اختلاف: ﴿الٓمّٓ﴾ جیسے حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے اول میں آئے

(۱) [باطل و منکر: بیهقی فی شعب الایمان (۲۵۸۲) طبرانی اوسط (مجمع البحرین ـ ۳٤٥٠)] اس میں عیسیٰ بن میمون راوی ہے، اسے امام بیہقیؒ نے منکر الحدیث اور امام ہیثمیؒ نے متروک کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۵۷/۷)] امام ابن جوزیؒ اور امام سیوطیؒ نے اس روایت کو ضعیف و موضوع روایات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ [الموضوعات (۲۵۰/۱) اللآلی المصنوعة (۲۳۹/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے منکر کہا ہے۔]

(۲) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب رمی الحمار من بطن الوادی (۱۷٤۷) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب رمی جمرة العقبة من بطن الوادی (۱۲۹٦)]

(۳) [ضعیف: طبرانی کبیر (۱۳۳/۱۷)] امام ہیثمیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس میں علی بن قتیبہ راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۳۲۷/۵)، (۹٦۷۳)]

(۴) [ضعیف: مجمع الزوائد (۱۸۰/٦) عبد الرزاق (۹٤٦٥/۵) ابن ابی شیبة (۵۰۲/۱۲)]

ہیں۔ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور کسی کو معلوم نہیں۔اس لیے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔قرطبی رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی نقل کیا ہے۔عامر، شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں ابوحاتم بن حبان رحمہ اللہ کو بھی اسی سے اتفاق ہے بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔سیبویہ رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اوراس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ﴿الٓـمّٓ السجدة﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ (الدھر/ ١) پڑھتے تھے۔[1] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿الٓمّٓ﴾ اور ﴿حٰمٓ﴾ اور ﴿الٓمّٓصٓ﴾ اور ﴿صٓ﴾ یہ سب سورتوں کی ابتداء ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ﴿الٓمّٓ﴾ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے اور شاید اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں اس لیے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے قرآن کا نام ﴿الٓمّٓصٓ﴾ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورہ ﴿الٓمّٓصٓ﴾ پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۂ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔واللہ اعلم۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔حضرت شعبی، سالم بن عبداللہ، اسماعیل بن عبدالرحمٰن، سدی کبیر رحمہم اللہ یہی کہتے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿الٓـمّٓ﴾ اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے۔اور روایت میں ہے کہ۔ ﴿حٰمٓ﴾ ﴿طٰسٓ﴾ اور ﴿الٓمّٓ﴾ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم دونوں سے یہ مروی ہے۔ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قسم ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی ﴿اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ ہیں یعنی میں ہی ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی یہ مروی ہے۔

ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تین حرف الف اور لام اور میم انتیس حرفوں میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ان میں سے ہر ہر حرف اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعجب کرنے پر کہا گیا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام

---

[1] [صحیح] صحیح بخاری : کتاب الجمعة : باب ما یقراء فی صلوة الفجر یوم الجمعة (۸۹۱) صحیح مسلم : کتاب الجمعة : باب ما یقراء یوم الجمعة (۸۷۹)]

سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد ﴿آلاء﴾ یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجد یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے' لام سے تیس سال اور میم سے چالیس سال۔ [1] (ابن ابی حاتم)

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان سب مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے یعنی ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو۔ ہوسکتا ہے یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نام بھی ہوں' سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی ہوں اور ان میں سے ہر ہر حرف سے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ بھی' اور اس کی صفتوں کی طرف بھی اور مدت وغیرہ کی طرف بھی ہو۔ ایک ایک لفظ کئی کئی معنی میں آتا ہے۔ جیسے لفظ ﴿اُمَّةٌ﴾ کہ اس کے ایک معنی ہیں دین جیسے قرآن میں آیا ہے ﴿اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا عَلٰى اُمَّةٍ﴾ (الزخرف/۲۲) ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔ دوسرے معنی ہیں اللہ کا اطاعت گزار بندہ۔ جیسے فرمایا ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ (النحل/۱۲۰) الخ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ تیسرے معنی ہیں جماعت' جیسے فرمایا ﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً﴾ (القصص/۲۳) الخ یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ (النحل/۳۶) یعنی ہم نے ہر جماعت میں رسول یقیناً بھیجا۔ چوتھے معنی ہیں مدت اور زمانہ۔ فرمان ہے ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (یوسف/۴۵) یعنی ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔ پس جس طرح یہاں ایک لفظ کے کئی معنی ہوئے اسی طرح ممکن ہے کہ ان حروف مقطعہ کے بھی کئی معنی ہوں۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ کے اس فرمان پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابوالعالیہ رحمہ اللہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک لفظ' ایک ساتھ' ایک ہی جگہ ان سب معنی میں ہے اور لفظ امت وغیرہ جو کئی کئی معنی میں آتے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں۔ ان کے معنی ہر جگہ جدا جدا تو ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ ایک ہی معنی ہوتے ہیں جو عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں ایک ہی جگہ سب کے سب معنی مراد نہیں ہوتے اور سب کو ایک ہی جگہ محمول کرنے کے مسئلہ میں علماء اصول کا بڑا اختلاف ہے اور ہمارے تفسیری موضوع سے اس کا بیان خارج ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرے یہ کہ امت وغیرہ الفاظ کے معنی بہت سارے ہیں اور یہ الفاظ اسی لیے بنائے گئے ہیں کہ بندش کلام اور نشست الفاظ سے ایک معنی ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں لیکن ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے جو دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو نہ تو مقدر ماننے سے نہ ضمیر دینے سے نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ کسی اور اعتبار سے ایسی بات علمی طور پر تو نہیں سمجھی جا سکتی البتہ اگر منقول ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں اختلاف ہے اجماع نہیں ہے اس لیے یہ فیصلہ قابل غور ہے۔ اب بعض اشعار عرب کے جو اس بات کی دلیل میں پیش کیے جاتے ہیں ایک کلمہ کو بیان کرنے کے لیے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں یہ ٹھیک ہے لیکن ان

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۴۹) ، (۲۸/۱)]

شعروں میں خود عبارت ایسی ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حرف کے بولتے ہی پورا کلمہ سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن یہاں ایسا بھی نہیں واللہ اعلم۔

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کرے [1] مطلب یہ ہے کہ اُقْتُلْ پورا نہ کہے بلکہ صرف "اُقْ" کہے۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: سورتوں کے شروع میں جو حروف ہیں مثلاً ﴿قٓ، صٓ، حٰمٓ، طٰسٓمّٓ، الٓرٰ﴾ وغیرہ یہ سب حروف ہجا ہیں۔ بعض عربی دان کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جو اٹھائیس ہیں ان میں سے چند ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا اب ت ث لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتداء کے چند حروف ذکر کر دیئے اور باقی کو چھوڑ دیا۔ [2] سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حروف آئے ہیں ﴿ال مر ص ر ك ه ی ع ط س ح ق ن﴾ ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے: ﴿نَصٌّ حَكِيْمٌ قَاطِعٌ لَّهٗ سِرٌّ﴾، تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف اٹھائیس ہیں اس لیے یہ پورے آدھے ہوئے بقیہ جن حروف کا ذکر نہیں کیا گیا ان کے مقابلہ میں یہ حروف ان سے زیادہ فضیلت والے ہیں اور یہ صناعت تصریف ہے ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حروف تھے اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آ گئیں یعنی مہموسہ مجہورہ وغیرہ۔ سبحان اللہ ہر چیز میں اس مالک کی حکمت نظر آتی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ کا کلام لغو، بیہودہ، بے کار، بے معنی الفاظ سے پاک ہے جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کے کچھ معنی ہی نہیں وہ بالکل خطا پر ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔

اگر نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنی کچھ ثابت ہوں، تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ معنی بیان نہیں کیے ہم بھی نہ کریں گے اور ایمان لائیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس بارہ میں ہمیں کچھ نہیں ملا۔

اور علماء کا بھی اس میں بے حد اختلاف ہے۔ اگر کسی پر کسی قول کی دلیل کھل جائے تو خیر وہ اسے مان لے ورنہ بہتر یہ ہے کہ ان حروف کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لائے اور یہ جانے کہ اس کے معنی ضرور ہیں جو اللہ ہی کو معلوم ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوئے۔ دوسری حکمت ان حروف کے لانے میں یہ بھی ہے کہ ان سے سورتوں کی ابتداء معلوم ہو جائے لیکن یہ وجہ ضعیف ہے اس لیے کہ اس کے بغیر ہی سورتوں کی جدائی معلوم ہو جاتی ہے جن

---

[1] [ضعیف :ابن ماجہ : کتاب الدیات : باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما (٢٦٢٠) العقیلی (٣٨٢/٤) ابو یعلی (٥٩٠٠) بیهقی (٢٢/٨)] حافظ بوصیری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (٣٣٤/٢)] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے اس روایت کو باطل و موضوع قرار دیا۔ [التلخیص الحبیر (١٨٧٠)] امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے غیر محفوظ کہا ہے۔ [الموضوعات (١٠٣/٣) ابن عدی (٢٦٠/٧)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢٠٨/١)]

سورتوں میں ایسے حروف ہی نہیں کیا ان کی ابتداء انتہاء معلوم نہیں؟ پھر سورتوں سے پہلے ﴿بسم اللہ﴾ الخ کا پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے موجود ہونا کیا ایک سورت کو دوسری سے جدا نہیں کرتا؟ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کی حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ مشرکین کتاب اللہ کو سنتے ہی نہ تھے اس لیے انہیں سنانے کے لیے ایسے حرف لائے گئے تاکہ جب ان کا دھیان کان لگ جائے تو باقاعدہ تلاوت شروع ہو لیکن یہ وجہ بھی بودی ہے اس لیے اگر ایسا ہوتا تو تمام سورتوں کی ابتداء انہی حروف سے کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اکثر سورتیں اس سے خالی ہیں پھر جب کبھی مشرکین سے کلام شروع ہو یہی حروف چاہئیں۔ نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں ہی یہ حروف ہوں۔ پھر اس پر بھی غور کر لیجیے کہ یہ سورت یعنی سورۂ بقرہ اور اس کے بعد کی سورت یعنی سورۂ آل عمران یہ تو مدینہ شریف میں نازل ہوتی ہیں اور مشرکین مکہ ان کے اترنے کے وقت وہاں تھے ہی نہیں پھر ان میں یہ حروف کیوں آئے؟ ہاں یہاں پر ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان حروف کے لانے میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جس سے تمام مخلوق عاجز ہے باوجود یہ کہ یہ حروف بھی روزمرہ کے استعمالی حروف سے ترکیب دیئے گئے ہیں لیکن مخلوق کے کلام سے بالکل نرالے ہیں۔ مبرد رحمہ اللہ اور محققین کی ایک جماعت اور فراء اور قطرب رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے زمخشری رحمہ اللہ نے تفسیر کشاف میں اس قول کو نقل کر کے اس کی بہت کچھ تائید کی ہے۔ شیخ امام علامہ ابوالعباس حضرت ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ مجتہد ابوالحجاج مزی رحمہ اللہ نے بھی یہی حکمت بیان کی ہے۔ زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے نہیں آئے۔

ہاں ان حروف کو مکرر لانے کی یہ وجہ ہے کہ بار بار مشرکین کو عاجز اور لاجواب کیا جائے اور انہیں ڈانٹا اور دھمکایا جائے جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک حرف آیا جیسے ﴿صٓ﴾ ﴿نٓ﴾ ﴿قٓ﴾ کہیں دو حروف آئے ہیں جیسے ﴿حٰمٓ﴾ کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے ﴿الٓمّٓ﴾ کہیں چار آئے ہیں جیسے ﴿الٓمّٓرٰ﴾ اور ﴿الٓمّٓصٓ﴾ اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ اور ﴿حٰمٓ عٓسٓقٓ﴾ اس لیے کہ کلمات عرب کے کل کے کل اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حرف کے پانچ حرف سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی اور بڑائی بیان ہو چنانچہ ایسا ہی انتیس سورتوں میں یہ واقع ہوا ہے سنیے فرمان ہے: ﴿الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ یہاں بھی ان حروف کے بعد ذکر ہے کہ اس قرآن کے اللہ جل شانہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جگہ فرمایا: ﴿الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (ال عمران ۲-۳) وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور دائم و قائم ہے جس نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب تھوڑی تھوڑی نازل فرمائی ہے جو پہلے کی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے

یہاں بھی ان حروف کے بعد قرآن کریم کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ اور جگہ فرمایا ﴿الٓمّٓصٓ كِتَابٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ (اعراف / ۱) الخ یعنی یہ کتاب تیری طرف اتاری گئی ہے تو اپنا دل تنگ نہ رکھ اور جگہ فرمایا ﴿الٓرٰ كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ﴾ (ابراھیم / ۱-۲) الخ یہ کتاب ہم نے تیری طرف نازل کی تا کہ تو لوگوں کو اپنے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر اجالے میں لائے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (السجدہ ۲'۱) اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فرماتا ہے ﴿حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (حم السجدہ / ۲'۱) بخششوں اور مہربانیوں والے اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے ﴿حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ﴾ (الشوری / ۳-۲-۱) الخ یعنی اسی طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے اسی طرح اور ایسی سورتوں کے شروع کو بہ غور دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف کے بعد کلام پاک کی عظمت وعزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لیے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف سے مدت معلوم کرائی گئی ہے اور فتنوں لڑائیوں اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے اوقات بتائے گئے ہیں لیکن یہ قول بھی بالکل ضعیف معلوم ہوتا ہے اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اول تو وہ ضعیف ہے دوسرے اس حدیث سے اس قول کی پختگی کا ایک طرف اس کا باطل ہونا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے نقل کی ہے جو تاریخ کے مصنف ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ابو یاسر بن اخطب یہودی اپنے چند ساتھیوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ اس وقت سورۂ بقرہ کی شروع آیت ﴿الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ الخ تلاوت فرما رہے تھے وہ اسے سن کر اپنے بھائی حیی بن اخطب کے پاس آیا اور کہا میں نے آج حضور ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ پوچھتا ہے تو نے خود سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ حیی ان سب یہودیوں کو لے کر پھر حضور ﷺ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے حضور ﷺ کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اس نے کہا سنیے۔ آپ سے پہلے جتنے نبی آئے کسی کو بھی نہیں بتایا گیا تھا۔ کہ اس کا ملک اور مذہب کب تک رہے گا لیکن آپ کو بتا دیا گیا پھر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا سنو! الف کا عدد ہوا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس' کل اکہتر ہوئے۔ کیا تم اس نبی کی تابعداری کرنا چاہتے ہو جس کے ملک اور امت کی مدت کل اکہتر سال ہو؟ پھر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ﴿الٓمّٓصٓ﴾ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور بڑی لمبی ہے۔ الف کا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس' صاد کے نوے یہ سب ایک سو اکسٹھ سال ہوئے۔ کہا اور کوئی بھی ایسی آیت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ﴿الٓرٰ﴾ کہنے لگا یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے۔ الف کا ایک' لام کے تیس اور رے کے دوسو۔ جملہ دوسو اکتیس برس ہوئے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی ایسی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ﴿الٓمّٓرٰ﴾ ہے کہا یہ تو بہت ہی بھاری ہے الف کا ایک' لام کے تیس' میم

کے چالیس، رے کے دوسو، سب مل کر دوسو اکہتر ہو گئے۔ اب تو کام مشکل ہو گیا اور بات خلط ملط ہو گئی۔ لوگو اٹھو۔

ابویاسر نے اپنے بھائی سے اور دوسرے علماء یہود سے کہا۔ ''کیا عجب کہ ان سب حروف مجموعہ کی مدت حضرت محمد ﷺ کو ملی ہوا کہتر ایک، سوایک، ایک سو اکتیس ایک، دوسو اکتیس ایک، دوسو اکہتر ایک، یہ سب مل کر سات سو چار برس ہوئے۔ انہوں نے کہا اب کام خلط ملط ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں ﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾ (ال عمران / ۷) الخ یعنی وہی اللہ جس نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں مشابہت والی بھی ہیں۔ [1]

اس حدیث کا دارومدار محمد بن سائب کلبی پر ہے اور جس حدیث کا یہ اکیلا راوی ہو محدثین اس سے حجت نہیں پکڑتے، اور پھر اس طرح اگر مان لیا جائے، اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا ان کے عدد بہت ہو جائیں گے اور جو حروف ان میں سے کئی کئی بار آئے ہیں اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی کئی بار لگایا جائے تو بہت ہی بڑی گنتی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝

اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ﴿ذٰلِكَ﴾ معنی میں ﴿هٰذَا﴾ کے ہیں۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سدی، مقاتل بن حیان، زید بن اسلم اور ابن جریج رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوعبیدہ رحمہ اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ﴿ذٰلِكَ﴾ اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لیے جس کے معنی ہیں ''وہ'' لیکن کبھی نزدیک کے لیے بھی لاتے ہیں اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ''یہ'' یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ زمخشری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے اشارہ الٓمّٓ کی طرف ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے ﴿لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِكَ﴾ (البقرہ / ٦٨) یعنی نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچہ ہے بلکہ اس کے درمیانی عمر کی جوان ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ﴿ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ﴾ (ممتحنہ / ١٠) یہ ہی ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ (الانعام: / ١٠٢) یہ ہی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گذر چکے۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا۔ بعض نے توراۃ کی طرف کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس قول

---

[1] [ضعیف جدا: التاریخ الكبير للبخاری (٢٠٨/٢) تفسير ابن جرير الطبری (٢٤٦)، (٢١٦/١)] اس میں محمد بن سائب کلبی راوی متروک ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے کلبی راوی کی وجہ سے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

"کِتَابُ" سے مراد قرآن کریم ہے جن لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ﴾ کا اشارہ توراۃ اور انجیل کی طرف ہے۔ انہوں نے انتہائی بھول بھلیوں کا راستہ اختیار کیا' بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلا وجہ وہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں۔ ﴿رَيْبَ﴾ کے معنی ہیں شک وشبہ۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی معنی مروی ہیں۔ [1] ابو درداء' ابن عباس رضی اللہ عنہم' مجاہد' سعید بن جبیر' ابو مالک' نافع جو ابن عمر کے مولا ہیں' عطا' ابو العالیہ' ربیع بن انس' مقاتل بن حیان' سدی' قتادہ' اسماعیل بن ابو خالد رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مفسرین میں اس میں اختلاف نہیں۔ [2] ﴿رَيْبَ﴾ کا لفظ عرب شاعروں کے شعروں میں تہمت کے معنی میں بھی آیا ہے اور حاجت کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس قرآن کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ جیسے سورۂ سجدہ میں ہے ﴿الٓمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (السجدہ / ۱'۲) یعنی بے شک یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے پالنے والے اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے گو یہ خبر ہے مگر معنی میں نہی کے ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔

بعض قاری ﴿لَا رَيْبَ﴾ پر وقف کرتے ہیں اور ﴿فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں لیکن ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ پر ٹھہرنا بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مضمون اسی طرح سورۂ سجدہ کی آیت میں گزر چکا ہے اور اس میں بہ نسبت ﴿فِيْهِ هُدًى﴾ کے زیادہ مبالغہ ہے۔ ﴿هُدًى﴾ نحوی اعتبار سے صفت ہو کر مرفوع ہو سکتا ہے اور حال کی بنا پر منصوب ہو سکتا ہے۔ اس جگہ ہدایت کو متقیوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا جیسے دوسری جگہ فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ﴾ (فصلت / ٤٤) الخ یعنی یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے ایمان والوں کے لیے اور بے ایمانوں کے کان بوجھل ہیں اور آنکھیں اندھی ہیں یہ بہت دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں' اور فرمایا ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاسراء / ۸۲) الخ یعنی یہ قرآن ایمان داروں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالم لوگ تو اپنے خسارے میں ہی بڑھتے جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں ان سب کا مطلب یہ ہے کہ گو قرآن کریم خود ہدایت اور محض ہدایت ہے اور سب کے لیے ہے لیکن اس ہدایت سے نفع اٹھانے والے صرف نیک بخت لوگ ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (یونس / ۵۷) الخ لوگو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور سینے کی بیماریوں کی شفاء آ چکی جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ابن عباس' ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہدایت سے مراد نور ہے۔

متقی کون ہیں؟: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: متقی وہ ہیں جو ایمان لا کر شرک سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائیں۔ ایک اور روایت میں ہے متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کی امید رکھ کر اس کی طرف سے جو نازل ہوا اسے سچا جانتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۲۲۸)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۱)]

''متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔'' حضرت اعمش حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ سے سوال کرتے ہیں۔ ''متقی کون ہے؟'' آپ یہی جواب دیتے ہیں پھر میں نے کہا ''ذرا حضرت کلبی سے بھی تو دریافت کرلو'' وہ کہتے ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچیں۔ اس پر دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جس کا وصف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے بعد بیان فرمایا کہ ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ (البقرہ/۳) الخ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سب اوصاف متقیوں میں جمع ہوتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بندہ حقیقی متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہوجائے۔ [1] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن غریب کہتے ہیں ابن ابی حاتم میں ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جبکہ لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لیے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ ابوعفیف نے پوچھا حضرت متقی کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا جو لوگ شرک اور بت پرستی سے بچیں اور اللہ کی خالص عبادت کریں وہ اسی عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کیا ہے؟ ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہوجانے کے آتے ہیں ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل وعلا کی مہربانی کے کوئی قدرت نہیں رکھتا فرمان ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ (القصص/۵۶) یعنی اے نبی جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے ﴿لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰهُمْ﴾ (البقرہ/۲۷۲) تجھ پر ان کی ہدایت لازم نہیں۔ فرماتا ہے ﴿مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ﴾ (اعراف/۱۸۶) جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا ﴿مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ﴾ (الکہف/۱۷) الخ یعنی جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز نہ اس کا ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کردینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (الشوری/۵۲) یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد/۷) یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لیے کوئی ہادی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ﴾ (حم السجدہ/۱۷) الخ یعنی ہم نے ثمودیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دے کر پسند کرلیا۔ فرماتا ہے ﴿وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ﴾ (البلد/۱۰) ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی

---

[1] [**ضعیف**: ترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق (۲۴۵۱) ابن ماجه: کتاب الزهد (۴۲۱۵) عبد بن حمید (۴۸۴) بخاری فی التاریخ (۱۵۸/۱/۳) ابن ابی حاتم فی التفسیر (۶۰) طبرانی کبیر (۴۴۶/۱۷) حاکم (۳۱۹/۴)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [غـایة المرام (۱۷۸)] کیونکہ اس کی سند میں عبداللہ بن یزید دمشقی راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ تاہم مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصلی معنی بری چیزوں سے بچنے کے ہیں۔ اصل میں یہ ''وقوی'' ہے وقایت سے ماخوذ ہے نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹے دار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے ہو ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے ابن معتز شاعر کا قول ہے:

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِيْرَهَا وَكَبِيْرَهَا ذَاكَ التُّقٰى
وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ اَرْضِ الشَّوْكِ يَحْذِرُ مَا يَرٰى
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

یعنی چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو یہی تقویٰ ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان۔ چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو۔ دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کا پورا ہونا چاہتا ہے اور اللہ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ سے تقویٰ ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے وہ اللہ کا ڈر ہے۔ اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے اسے بجا لائے اور اگر قسم دے دے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔ [1]

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

ایمان کی حقیقت: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایمان کسی چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ایمان کہتے ہیں عمل کو'' ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ یہاں ایمان لانے سے مراد ڈرنا ہے۔ [2] ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ سب اقوال مل جائیں۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ زبان سے' دل سے' عمل سے' غیب پر ایمان لانا اور اللہ سے ڈرنا۔ ایمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' ایمان لانا شامل ہے' اور اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ بھی کرنا لازم ہے۔ میں کہتا ہوں لغت میں ایمان کہتے ہیں: صرف سچا مان لینے کو' قرآن میں بھی ایمان اس معنی میں استعمال

---

[1] [**ضعیف** : ابن ماجه : كتاب النكاح : باب افضل النسآء (١٨٥٧)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔ [الزوائد (٢/٧٠)] شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (٤٤٢١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[2] [تفسير ابن جرير الطبرى (١/٢٣٥)]

ہوا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبہ/٦١) یعنی اللہ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ﴾ (یوسف/١٧) یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اس طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ جیسے فرمایا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (انشقاق/٢٥) ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ اعتقاد قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ [1] اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعی، امام احمد اور امام ابوعبیدہ رحمہم اللہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا۔ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور حدیثیں بھی آئی ہیں۔ جو ہم نے بخاری شریف کی شرح میں نقل کر دی ہیں۔ فالحمد للہ۔

بعض نے ایمان کے معنی اللہ سے ڈر خوف کے بھی کیے ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ (الملك/١٢) جو لوگ اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ (ق/٣٣) الخ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرے اور جھکنے والا دل لے کر آئے۔ حقیقت میں اللہ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر/٢٨) جو بندے ذی علم ہیں صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایماندار ہونا ظاہر کریں لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال اور جگہ اس طرح بیان ہوا ہے ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ﴾ (المنافقون/١) الخ یعنی منافق جب تیرے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ ہماری تہ دل سے شہادت ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں درآں حالیکہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ غیب کا لفظ جو یہاں ہے اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔

ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت پر، جنت و دوزخ پر، ملاقات اللہ پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر، ایمان لانا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر اصحاب سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت، دوزخ وغیرہ۔ وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو کچھ آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے۔ عطا بن ابورباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ پر ایمان لانے والا، غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن ابوخالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں مراد ہیں۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۵)]

ہیں اس لیے کہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب پر مشتمل ہے اور ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہی تھا لیکن اللہ کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپ نے ﴿الٓمٓ﴾ سے لے کر ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک آیتیں پڑھیں۔ [1] (ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ۔ مستدرک حاکم) [2] امام حاکم رحمہ اللہ اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں۔ مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے۔ ابو جمعہ صحابی رضی اللہ عنہ سے ابن محیریز رحمہ اللہ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ فرمایا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناتا ہوں' ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کیا' ہمارے ساتھ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ پر اسلام لائے' آپ کے ساتھ جہاد کیا' آپ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے' مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ [3] تفسیر ابن مردویہ میں ہے۔ صالح بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو جمعہ انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے۔ رجاء بن حیوہ رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں چھوڑنے کو ساتھ چلے' جب الگ ہونے لگے تو فرمایا تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہیے۔ سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے' ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ضرور سناؤ۔ کہا سنو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' ہم دس آدمی تھے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے' ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی۔ آپ نے فرمایا تم ایسا کیوں نہ کرتے؟ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے' وحی الٰہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا افضل ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے دو گتوں کے درمیان یہ کتاب پائیں گے' اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے' یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہوں گے۔ [4] اس حدیث میں ''وَجَادَہٗ'' کی قبولیت کی دلیل ہے جس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ میں نے مسئلہ کو بخاری شریف میں خوب واضح کر دیا ہے بعد والوں کی تعریف اسی بنا پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا اسی حیثیت کی وجہ سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔

---

[1] [سنن سعید بن منصور (۲/۵٤٤)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳٤) مستدرك حاکم (۲/۲٦۰)]

[3] [**صحیح** : مسند احمد (٤/۱۰٦) مسند ابو یعلی (۱۵۵۹) دارمی (۲۷٤۷) طبرانی کبیر (۳۵۳۸) بخاری فی خلق افعال العباد (ص : ۵۰) ابن ابی عاصم (۲۱۳٦)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد (۱۰/٦۹)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [فتح الباری (۷/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (۷/۹۰۷)]

[4] [**ضعیف** : طبرانی کبیر (۳۵٤۰) مجمع الزوائد (۱۰/٦۵)] اس میں عبداللہ بن صالح ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے پوچھا' تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہے' انہوں نے کہا' فرشتے۔ فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں' لوگوں نے پھر کہا' انبیاء' فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ کہا پھر ہم' فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے ؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے۔ [1] اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابوحاتم رازی رحمہ اللہ انہیں منکر الحدیث بتاتے ہیں لیکن اسی کے مثل ایک اور حدیث ضعیف سند سے۔ مسند ابویعلیٰ تفسیر ابن مردویہ مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے اور حاکم اسے صحیح بتاتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مرفوعاً مروی ہے۔ [2] واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے' ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی کی دو رکعتیں' ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف ادا کیں۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ [3] یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں ○

اقامت صلاۃ کی فرضیت اور صدقہ وخیرات کی فضیلت: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرائض نماز بجالانا۔ [4] رکوع' سجدہ' تلاوت' خشوع اور توجہ کو قائم رکھنا نماز کو قائم رکھنا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں وقتوں کا خیال رکھنا' وضو اچھی طرح کرنا' رکوع' سجدہ پوری طرح کرنا' اقامت صلوٰۃ ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں وقت کی نگہبانی کرنا۔ مکمل طہارت کرنا' رکوع'

---

[1] [ضعیف : بزار (۳۸۳۹) مستدرك حاكم (۸۵/۲) مسند ابویعلی (۱٦۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اسماعیل بن عیاش راوی ہے جس کی غیر شامیوں سے روایت ضعیف ہوتی ہے (اور یہ روایت غیر شامیوں سے ہے) اور دوسرے اس میں مغیرہ راوی ہے جسے امام ابن ابی حاتمؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ [ابن ابی حاتم (۲۲۷/۸)]

[2] [ضعیف : مسند بزار (۲۸٤۰) مجمع الزوائد للهیثمی (٦٥/۱۰)] یہ روایت سعید بن بشیر راوی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف جدا : تفسیر ابن ابی حاتم (۷۳) ، (۳٦/۱) طبرانی کبیر (۲۰۷/۲٤) اسد الغابة لابن الأثیر (۹٤٤/۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں اسحاق بن ادریس راوی ہے جس کے متعلق امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے اسے متروک کہا ہے اور امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲٤۱/۱)]

[5] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳۷/۱)]

سجدہ پورا کرنا، تلاوت اچھی طرح کرنا۔ التحیات اور درود پڑھنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ ⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ① ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ ② خرچ میں قربانی دینا جو قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے دی جاتی ہے۔ اپنی استعداد کے مطابق بھی شامل ہے جو زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیتیں جو سورۂ برات میں ہیں ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔ ③

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا۔ اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے زکوٰۃ کو اہل وعیال میں خرچ اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہے ان سب کو دینا بھی شامل ہے اس لیے کہ پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا اور عام تعریف کی ہے لہٰذا ہر طرح کا خرچ شامل ہوگا۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لیے نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید، اس کی ثنا، اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے، اس پر توکل کرنے، اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل وعیال اور غلام ہیں، پھر دور والے اجنبی۔ لہٰذا تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا۔ نماز قائم رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ ④ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر اس پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لیے ہونے لگا جو رکوع سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط اور صفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ نماز کو صلوٰۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دوسری طرف آتی ہے انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ ہلتی ہیں اس لیے اسے صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کہا ہے یہ ماخوذ ہے صلی سے، جس کے معنی ہیں جھک جانا اور لازم ہو جانا۔ جیسے قرآن میں ﴿لَا يَصْلٰهَا﴾ ⑤ الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بدبخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ

---

① [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۲۴۳)] ② [أیضا]

③ [أیضا]

④ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب دعاؤ کم ایمانکم (۸) صحیح مسلم : کتاب الایمان: باب بیان ارکان الاسلام (۱٦)]

⑤ [سورۃ اللیل : آیت ۱۵]

جب لکڑی کو درست کرنے کے لیے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تَصْلِیَه کہتے ہیں چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لیے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت / ٤٥) الخ یعنی نماز ہر بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث ان شاءاللہ اور جگہ آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

اور جولوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ○

تقویٰ میں آسمانی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان بھی شامل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تجھ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا وہ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں ایسا نہیں کہ وہ کسی کو مانیں اور کسی سے انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث وقیامت وجنت ودوزخ، حساب ومیزان سب کو مانتے ہیں۔ [1] قیامت چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لیے اسے آخرت کہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی انہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایماندار خواہ عرب مومن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ۔ مجاہد، ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ دونوں ہیں تو ایک مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں واؤ عطف کو ہوگا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہوگا جیسے ﴿سَبِّحِ اسْمَ﴾ (اعلیٰ / ۱) الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے اور شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مومنوں کی اور ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ الخ سے مراد اہل کتاب مومنوں کی صفتیں ہیں سدی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ﴾ (آل عمران / ۱۹۹) الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس وحی پر جو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس وحی پر جو اس سے پہلے ان کی طرف اتاری گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ﴾ (القصص / ۵۲) الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے اور جب ان کو (یہ قرآن) پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔ انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا۔

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۳۹)]

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا' ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ [1] امام جریر رحمہ اللہ کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورت کے شروع میں مومنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں ہیں کافر اور منافق۔ اسی طرح مومنوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عربی مومن اور کتابی مومن۔ میں کہتا ہوں ظاہراً یہ ہے کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورۂ بقرہ کی اول چار آیتیں مومنوں کے اوصاف کے بیان میں ہیں اور دو آیتیں اس کے بعد کی کافروں کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیتیں منافقوں سے متعلق ہیں پس یہ چاروں آیتیں ہر مومن کے حق میں عام ہیں۔ عربی ہو یا عجمی' کتابی ہو یا غیر کتابی' انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔

غیب پر ایمان لانا' نماز قائم کرنا' اور زکوٰۃ دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور اگلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں اتری ہیں۔ ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر پچھلی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں اسی طرح پچھلی تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں۔ اسی لیے ایمان والوں کو حکم الٰہی ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾ (النساء/١٣٦) الخ یعنی ایمان والو اللہ پر' اس کے رسول ﷺ پر اور جو کتاب اس پر اتری ہے اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ اور فرمایا ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ (العنكبوت/٤٦) الخ یعنی اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ برتو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ارشاد ہے اے اہل کتاب جو ہم نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ وہ اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ [2] اور جگہ فرمایا: اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک توراۃ' انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے قائم نہ رکھو۔ [3] دوسری جگہ تمام ایمان والوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ﴾ (سورة بقره/٢٨٥) الخ یعنی ہمارے رسول ﷺ ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر' ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب العلم: باب تعلیم الرجل امته واهله (٩٧) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب وجوب الایمان برسالة بینا محمد ﷺ (١٥٤)]

[2] [سورة النسآء: آیت ٧٤] [3] [سورة المائده: آیت ٦٨]

[4] [سورة النسآء: آیت ١٥٢]

تفریق نہیں کرتے۔ ۴ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں کل ایمان والوں کا اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمان والوں کی ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ ان کا ایمان اپنے ہاں کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضور ﷺ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی تفصیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اس لیے ان کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اس امت کے لوگ بھی اگلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان اجمالی طور پر ہوتا ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بات کریں تو تم نہ اسے سچ کہو نہ جھوٹ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ① بعض موقعہ پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے زیادہ پورا، زیادہ کمال والا زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے چاہے وہ اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کے سبب دوہرا اجر پائیں لیکن یہ لوگ کمال ایمان کے سبب اجر میں ان سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں ○

ہدایت یافتہ اور کامیاب لوگ: یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا، نماز قائم رکھنا، اللہ کے دیئے ہوئے میں سے دینا۔ حضور ﷺ پر جو اترا اس پر ایمان لانا، آپ سے پہلے جو کتابیں اتریں ان کو ماننا، دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے کے لیے نیک اعمال کرنا۔ برائیوں اور حرام کاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے نور ملا، اور بیان و بصیرت حاصل ہوا اور انہی لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہدایت کی تفسیر ''نور'' اور ''استقامت'' سے کی ہے اور ''فلاح'' کی تفسیر اپنی چاہت کو پا لینے اور برائیوں سے بچ جانے کی کی ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور، دلیل، ثابت قدمی، سچائی اور توفیق میں حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے ان پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات، ثواب اور دائمی جنت پانے کے مستحق ہیں اور عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے ﴿أُولَٰٓئِكَ﴾ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گذر چکا۔ اس اعتبار سے ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ (البقرہ / ٤) الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا بن کر مرفوع ہوگا اور اس کی خبر ﴿أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ہوگی لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ سے مراد عرب ایمان دار ہیں اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایمان

---

① [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا (٤٤٨٥)]

دار ہیں۔ پھر دونوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیتیں عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے واللہ اعلم۔ مجاہد ابوالعالیہ ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ حضور قرآن پاک کی بعض آیتیں تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیتیں کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتا دوں۔ پھر آپ نے ﴿الٓمّٓ﴾ سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھ کر فرمایا یہ تو جنتی ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوش ہو کر فرمایا "الحمدللہ ہمیں امید ہے کہ انہی میں سے ہوں۔" پھر ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ سے ﴿عَظِیْمٌ﴾ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم ایسے نہیں آپ نے فرمایا ہاں۔ [1] (ابن ابی حاتم)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

جن کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ۝

بدقسمت لوگ: یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے اور چھپا لینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے کہ انہیں نہ آپ کا ڈرانا سودمند ہے اور نہ ہی نہ ڈرانا۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہیں کریں گے جو آپ پر نازل ہوئی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ کَلِمَةُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ کُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ (یونس / ۹۶) یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیتیں دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا ﴿وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ﴾ (البقرہ / ۱۴۵) الخ یعنی ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل لے آؤ تاہم وہ تمہارے قبلہ کو نہیں مانیں گے۔ یعنی ان بدنصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہو گی۔ ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبی ان پر افسوس نہ کر، تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے۔ ماننے والے نصیب ور ہیں وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی۔ تیرا فرض ادا ہو گیا ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تو صرف ڈرا دینے والا ہے۔ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں لیکن پروردگار نے فرمایا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ نہیں۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے جس کے حصے میں آئی ہے وہ آپ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں وہ ہرگز ہرگز اطاعت کی طرف نہ جھکیں گے۔ [2] پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں انہیں ڈرانے

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۸۶)، (۱/۴۰)] اس کی سند میں ابن لھیعہ راوی ضعیف ہے اور عثمان بن صالح مصری کے متعلق امام ذہبیؒ نے امام ابوحاتمؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ یہ کذاب ہے۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۲۵۳) بیهقی فی الاسماء والصفات (۱۶۴) طبرانی (۱۲/۱۳۰۲۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔]

کا فائدہ نہیں۔اس لیے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد موجود ہے تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی ﷺ کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کا اقرار کر چکے تو بھلا وہ اے نبی! تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ (ابراھیم/۲۸) الخ لیکن جو معنی ہم نے پہلے بیان کیے ہیں وہ زیادہ واضح ہیں اور دوسری آیتوں کے مطابق ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث پر جو ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے دوبارہ نظر ڈال جایئے ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پہلے جملہ کی تاکید ہے یعنی ڈرانا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، دونوں حالتوں میں ان کا کفر نہ ٹوٹے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ خبر ہو اس لیے کہ تقدیر کلام ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ہے اور ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ﴾ جملہ معترضہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ؑ

ع ا

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان ہی کے لیے بڑا عذاب ہے ۝

جن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی: حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں 'ختم' سے مراد 'طبع' ہے یعنی مہر لگا دی [1] حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کے ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔ [2]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں میں بستے جاتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ [3] دل اور کان کے لیے محاورہ میں مہر آتی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن میں ﴿رَانَ﴾ کا لفظ ہے، ﴿طَبَعَ﴾ کا لفظ ہے اور ﴿اَقْفَالُ﴾ کا لفظ ہے۔ رَانَ، طَبَعَ سے کم ہے اور طبع اقفال سے کم ہے، اقفال سب سے زیادہ ہے۔ [4]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندہ کے گناہ کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہو گئی پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہو گئی یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو گئیں اور اب مٹھی بالکل بند ہو گئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر کسی طرح حق اثر نہیں کرتا۔ اسے زین بھی کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ تکبر کی وجہ ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان کیا جا رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/٤٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

[2] [ایضا] [3] [ایضا] [4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۲۵۹)]

سننے سے بہرا بن گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مطلب ٹھیک نہیں ہوسکتا اس لیے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

زمخشری رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے۔ اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بے معنی اور فضول ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر اللہ قدوس مہر لگا دے لیکن افسوس اس نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصف / ٥) یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور فرمایا ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ﴾ (الانعام / ١١٠) الخ ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا کہ وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں۔ جو صاف بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے۔ ان کے حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے جو یہ سراسر عدل و انصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ اگر زمخشری رحمہ اللہ بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر لگانا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کے بدلے ہے۔ فرمایا ہے ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (النساء / ١٥٥) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر مہر لگا دی۔ [1] حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔ دعا میں ہے ﴿يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ﴾ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔ [2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ایک تنکا جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے' اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے۔ پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ

---

[1] [تفسیر قرطبی (١/١٨٧)]

[2] [صحیح: ابن ماجه : مقدمه : باب فيما انكرت الجهمية (١٩٩) مسند احمد (٤/١٨٢) النسائی فی السنن الکبری (٤/٤١٤) ابن ابی عاصم فی السنة (٢١٩) ابن حبان (الموارد ـ ٩٤٣) مستدرك حاكم (١/٥٢٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحه (٢٠٩١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح: صحيح بخاری : كتاب الرقاق : باب رفع الامانة (٦٤٩٧) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب رفع الامانة والايمان من بعض القلوب (١٤٤)]

اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے الخ۔ [۳] امام ابن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ وہی ہے جو حدیث میں آ چکا ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اگر وہ باز آ جائے توبہ کر لے اور رک جائے تو وہ نکتہ مٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ جائے تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے، یہی وہ رَانَ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (المطففين/ ١٤) یعنی یقیناً ان کے دلوں پر رَانَ ہے، اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے [۱] (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر الٰہی لگ جاتی ہے جسے 'ختم' اور 'طبع' کہا جاتا ہے۔ اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ختم اللہ الخ میں ہے، وہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے نہ اس میں کچھ جا سکتا ہے نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے۔ اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے ہٹے اور ٹوٹے نہ ہدایت آئے، نہ کفر جائے، ﴿سَمْعِهِمْ﴾ پر پورا وقف ہے اور ﴿عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ الگ پورا جملہ ہے۔ ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوۃ یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ [۲] قرآن میں ہے ﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ (شوری/ ٢٤) اور جگہ ہے ﴿وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً﴾ (الجاثية/ ٢٣) ان آیتوں میں دل اور کان پر ختم کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا بعض نے یہاں ﴿غِشَاوَةً﴾ زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل ﴿جَعَلَ﴾ مقصود ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ﴾ [۳] میں۔ شروع سورت کی چار آیتوں میں مومنین کے اوصاف بیان ہوئے پھر ان دو آیتوں میں کفار کا حال بیان ہوا۔ اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن حقیقت میں کافر ہیں چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جاتی ہیں۔ اس لیے ان کا بیان ذرا تفصیل سے کیا گیا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں انہی کے بارے میں سورۂ برات اتری اور انہی کا ذکر سورۂ نور وغیرہ

---

[۱] [حسن : ترمذی : كتاب تفسير القرآن : باب و من سورة ويل المطففين (٣٣٣٤) ابن ماجه : كتاب الزهد: باب ذكر الذنوب (٤٢٤٤) حاكم (٢/٥١٧) طبری (٣٠٤) ابن حبان (٩٣٠) نسائی فی اليوم والليلة (٤١٨) وفی الكبری (١١٦٥٨)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح الترغيب (١٤١ ٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[۲] [تفسير ابن جرير الطبری (١/٢٦٦)]

[۳] [سورة الواقعه : آيت ٢٢]

میں بھی کیا گیا تا کہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان کی مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

بعض لوگ کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے ○ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں ○

نفاق کی حقیقت: دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی ظاہر کرنے اور برائی کے پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ امام ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف' اس کا باطن ظاہر کے خلاف اس کا آنا جانے کے خلاف اور اس کی موجودگی عدم موجودگی کے خلاف ہوا کرتی ہے۔''[1] نفاق مکہ شریف میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کے الٹ تھا یعنی بعض لوگ ایسے تھے جو زبردستی سے بہ ظاہر کافروں کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے اور وہاں پر اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانہ کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر دی اور دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے۔ ان میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سچے دین کو قبول کیا تب تک بھی منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضور ﷺ نے ان یہودیوں اور عرب کے بعض قبائل سے صلح کر لی تھی۔

غرض اس جماعت کے قیام کی ابتداء یوں ہوئی کہ مدینہ شریف کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے' بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ' بنو قینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے باقی دو کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہوئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا۔ شوکت وشان اسلام ظاہر ہوئی' مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تب یہ ناپاک گروہ قائم ہوا چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے سے لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا بڑا مانتے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ کر چکے تھے کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف پھر گیا اور اس کی سرداری یونہی رہ گئی۔[2] یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی' اسلام کی روز افزوں ترقی میں لڑائی اور کامیابی نے اسے مخبوط الحواس بنا دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا اس نے بظاہر اسلام قبول کر لینے اور باطن میں کافر رہنے کی ٹھانی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی سب کو یہی ہدایت کی' اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی۔ ان

---

[1] [تفسير ابن جرير الطبرى (١/ ٢٧٠)]

[2] [صحيح : بخارى : كتاب التفسير : باب ولتسمعن من الذين (٤٥٦٦) صحيح مسلم : كتاب الجهاد : باب فى دعآء النبى ﷺ (١٧٩٨)]

منافقین میں بحمداللہ مکی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل وعیال' مال ومتاع کو نام حق پر قربان کر کے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دے کر آئے تھے۔﴿فَرَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں" یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جوان کے طریقے پر تھے۔ [1] قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیتوں میں بیان ہے۔" ابوالعالیہ' حضرت حسن' قتادہ' سدی رحمۃ اللہ علیہم نے یہی بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بد خصلتوں کا یہاں بیان فرمایا۔ تاکہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں۔ جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بہت برا اور نہایت خوفناک امر ہے جس طرح اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگر ان کے دل میں ایمان نہیں ہوتا اسی طرح سورۂ منافقوں میں بھی کہا گیا ہے کہ ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ (منافقون / ١) الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لیے ان لوگوں کے شاندار اور تاکیدی الفاظ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلا دیا۔ اور سورۂ منافقوں میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (منافقون / ١) یعنی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔

اور یہاں بھی فرمایا ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی دراصل وہ ایماندار نہیں وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ کے ہاں چل جانے والی کاریگری خیال کرتے ہیں۔ جیسے کہ بعض مومنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ﴾ (المجادله / ١٨) الخ یعنی قیامت کے دن جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کی وضاحت میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (النساء ١٤٢) یعنی منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں کو دھوکہ میں رکھنے والا ہے۔ بعض قاریوں نے "یَخْدَعُوْنَ" پڑھا ہے اور بعض "یُخٰدِعُوْنَ" مگر دونوں قراتوں کے معنی کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ ابن جریر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف اظہار کرتے ہیں وہ تو صرف بچاؤ کے لیے ہوتا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خطرہ سے بچنا چاہتا ہے۔ عربی زبان میں "مُخَادِع" کہا جاتا ہے چونکہ منافق بھی قتل' قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لیے یہ چال چلتے تھے اور

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٢٦٩)]

اپنے باطن کے خلاف اظہار کرتے تھے اس لیے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔

ان کا یہ فعل چاہے کسی کو دنیا میں دھوکا دے بھی دے لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اسی میں اپنی بھلائی اور کامیابی جانتے ہیں اور دراصل یہ سب ان کے لیے انتہائی برا عذاب اور غضب الٰہی ہوگا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں ہوگی پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہوگا۔ وہ جس کام کے انجام کو اچھا جانتے ہیں وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہوگا۔ ان کے کفر، شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان سے ناراض ہوگا لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔ ابن جریج رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ﴿لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا اظہار کر کے وہ اپنی جان اور مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں، یہ کلمہ ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ (۱) حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ، دل میں کچھ، عمل کچھ، عقیدہ کچھ، صبح کچھ اور شام کچھ، کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر ہو جاتی ہے کبھی ادھر۔ (۲)

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ○

بیمار دلوں کا حال: بیماری سے مراد یہاں شک وشبہ ہے۔ (۳) حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد عکرمہ، حسن بصری، ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔ (۴) حضرت عکرمہ رحمہ اللہ اور طاؤس نے اس کی تفسیر ریا سے کی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر نفاق بھی مروی ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ تعالیٰ نے اور اضافہ کر دیا۔ (۵) جیسے قرآن میں اس کا ذکر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ (التوبة/ ۱۲۴۔۱۲۵) یعنی ایمان والوں کے ایمان کو تقویت پہنچاتی اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی ان کی بدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے، یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مشابہ ہے۔ یہ تفسیر ہی درست ہے، ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان بھی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ (محمد/ ۱۷) یعنی ہدایت والوں کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے ﴿يَكْذِبُوْنَ﴾ کو "يُكَذِّبُوْنَ" بھی قاریوں نے پڑھا ہے یہ دونوں خصلتیں ان میں تھیں جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض منافقوں کو اچھی

(۱) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۴۶)]
(۲) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۴۷)]
(۳) [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۲۸۰)]
(۴) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۴۸)]
(۵) [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۲۸۰)]

طرح جاننے کے باوجود بھی قتل نہ کرنے کی وجہ وہی ہے جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں' [1] مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا ہے ان کی نظریں تو صرف ظاہر داری پر ہوں گی جب ان میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ حضور (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو خوف ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ٹھیک اسی طرح آنحضرت ﷺ مولفة القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل کیے جاتے تھے۔ مال عطا فرمایا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں جیسے محمد بن جہم' قاضی اسماعیل اور ابہری رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بقول ابن ماجشون رحمہ اللہ ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لیے تھا کہ آپ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم صرف اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کو تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا منافقین کو قتل کرنے سے رکنے کا سبب ان کا اپنی زبان سے اسلام کو ظاہر کرنا تھا کہ آپ ﷺ کو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے الٹ ہے لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کی تردید کرتا تھا جس کی تائید میں بخاری و مسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ﴿لَآ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہُ﴾ کہیں جب وہ اسے کہہ دیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال کی امان پا لیں گے اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے [2] مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ شریف کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے۔ اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہوگا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہوگا لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے گو یہ لوگ یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں گے لیکن آخرت میں عین پل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے بآواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن انہیں جواب ملے گا کہ تھے تو سہی مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار میں ہی رہ گئے اور اپنی من مانی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب المناقب : باب ما ينهى من دعوى الجاهلية (٣٥١٨) صحيح مسلم : كتاب البر والصلة : باب نصر الاخ ظالما او مظلوما (٢٥٨٤)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الايمان : باب فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلو سبيلهم (٢٥) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لااله الا الله (٢١-٢٢) ترمذی : کتاب الايمان : باب ما جآء امرت ان اقاتل الناس (٢٦٠٦) ابو داؤد : كتاب الجهاد : باب كل ما يقاتل المشركون (٢٦٤٠) ابن ماجه (٣٩٢٧) نسائی (٣٩٨٦)]

[3] [سورة الحديد : آیت ١٤]

خواہشوں کے چکر میں پڑ گئے یہاں تک کہ حکم الٰہی آ پہنچا۔ ③

غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے پڑے لپٹے رہیں گے لیکن بالآخران سے الگ کر دیئے جائیں گے اوران کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آ چکا ہے۔ ① بعض محققین نے کہا ہے کہ ان کے قتل نہ کیے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں ان کی شرارتیں چل نہیں سکتی تھیں۔ مسلمانوں کو باری تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ کر لیتا تھا لیکن حضور ﷺ کے بعد اگر اللہ نہ کرے ایسے لوگ ہوں کہ ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کر لیں تو وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا لیکن آج کل وہ بے دینی اور زندیقیت ہے یہ بھی یاد رہے کہ زندیق کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ہی پر مرے تو اس کے قتل سے پہلے توبہ پیش کی جائے یا نہیں؟ اور وہ زندیق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندیق جو معلم نہ ہو ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کئی کئی مرتبہ ہوا تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر ہی؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام لانا اور رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پا لینے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ غرض ان باتوں میں اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیریں۔

چودہ شخصوں کے نفاق کا تو آپ کو قطعی علم تھا' یہ وہ بد باطن لوگ تھے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ دغا بازی کریں اور آپ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے طے ہوا تھا کہ رات کے اندھیرے میں جب حضور ﷺ فلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں تو آپ کی اونٹنی کو بدکا دیں اور بھڑک کر بھاگے گی تو حضور ﷺ گھاٹی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کا علم عطا کر دیا۔ حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتلا دیئے پھر بھی آپ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے۔ ② ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپ کو علم نہ تھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (التوبة/ ۱۰۱) الخ یعنی تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش منافق مدینہ میں بھی ہیں تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ ③ الخ اگر چہ منافق گندے دل والے اور فساد و تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے بلکہ ان پر لعنت کی

---

① [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب فضل السجود (۸۰۶) و کتاب التوحید : باب قول الله تعالی ﴿وجوه یومئذ ناضرة﴾ (۷۴۳۹) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب مغفرة طریق الرویة (۱۸۲)]

② [**صحیح** : مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب صفات المنافقین واحکامهم (۲۷۷۹)]

③ [سوره الاحزاب : آیت ۶۰۔۶۱]

جائے گی جہاں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہے؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا۔ جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ﴾ (محمد/ ۳۰) الخ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھا دیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کی دبی دبی زبان سے ہی انہیں پہچان لو گے ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضور ﷺ کے سامنے گواہی بھی دی تھی [1] باوجود اس کے جب وہ مر گیا تو حضور ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی اور اس کے دفن میں شرکت کی [2]۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح اور مسلمان صحابیوں کے ساتھ بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (ﷺ) اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں [3] اور ایک صحیح روایت میں ہے استغفار کرنے یا نہ کرنے کا مجھے اختیار دیا گیا۔ تو میں نے استغفار کو پسند کیا۔ [4] ایک اور روایت میں ہے "اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔" [5]

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ○ خبردار رہو یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور سمجھ نہیں ○

فسادی کون ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن مسعود اور نبی ﷺ کے بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں سے ہی متعلق ہے ان کا فساد، کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تھی [6] مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان میں اصلاح سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے [7] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : سورة المنافقون (٤٩٠٠) صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب صفات المنافقین واحکامهم (٢٧٧٢)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب الکفن فی القمیص الذی یکف او لا یکف (١٢٦٩) صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب صفات المنافقین واحکامهم (٢٧٧٣)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المناقب : باب ما ینهیٰ من دعوی الجاهلیة (٣٥١٨) صحیح مسلم : کتاب البروا الصلة : باب نصر الاخ ظالما اور مظلوما (٢٥٨٤)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب ما یکره من الصلوة علی المنافقین (١٣٦٦)]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب ما یکره من الصلوة علی المنافقین (١٣٦٦)]

[6] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٢٨٨)]

[7] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٥٠)]

ہیں کہ ہم تو ہدایت و اصلاح پر ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ بدخصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا' اسے کرتے تھے۔ فرائض ربانی ضائع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک وشبہ کرتے تھے۔ اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے۔ مومنوں کے پاس آ کر اپنی ایمانداری کی ڈینگیں مارتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے وسوسے ہوتے تھے موقع پا کر اللہ کے دشمنوں کی امداد و اعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چلن کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح کل کے حامی جانتے تھے۔ [1]

فساد کی ایک صورت کفار سے دوستی رکھنا: قرآن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ (الانفال / ۷۳) یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے یعنی آپس میں دوستی نہ کرو گے تو اس زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیئے اور جگہ فرمایا اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر کھلی حجت ہو جائے یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے۔ [2] پھر فرمایا منافق لوگ تو جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے اور ہرگز تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ [3]

چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے' اس لئے مسلمانوں سے حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے وہ ایمان داروں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دے دیتے اور ان کے بے حقیقت کلمات اور کفار سے پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں پس بانی فساد یہ منافقین ہوئے۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں سے مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اگر پورے مسلمان ہو جاتے اور ظاہر باطن یکساں کر لیتے تب تو دنیا کے امن وامان کے ساتھ آخرت کی نجات وفلاح بھی پا لیتے باوجود اس خطرناک پالیسی کے جب انہیں یکسوئی کی نصیحت کی جاتی تو جھٹ کہہ اٹھتے کہ ہم تو صلح کن ہیں' ہم کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے' ہم فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے ''ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔'' [4] لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۸۹۱)]
[2] [سورۃ النسآء : آیت ۱٤٤]
[3] [سورۃ النسآء : آیت ۱٤٥]
[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (۵۲/۱)]

نری جہالت ہے جسے یہ صلح سمجھتے ہیں وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں (یعنی صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بے وقوف لائے ہیں؟ خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ○

بے وقوف لوگوں کی پہچان: مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، کتابوں اور رسولوں ﷺ پر ایمان لانے، موت کے بعد جی اٹھنے پر، جنت و دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے پر، اللہ اور رسول ﷺ کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجا لانے اور برائیوں سے رکے رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ ملعون فرقہ ایسے ایمان والوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم ربیع بن انس، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ [1] "سُفَهَاءُ سَفِيهٌ" کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور حلماء حلیم کی۔ جاہل، کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو 'سفیہ' کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ﴾ [2] الخ بیوقوفوں کو اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں 'سفہاء' سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ ان منافقین کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکید أحصر کے ساتھ فرمایا کہ بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے۔ نہ اپنی جہالت و ضلالت کو سمجھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھا پن اور ہدایت سے دوری اور کیا ہوگی؟

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایماندار ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے ○

منافقین کی ایک اہم صفت: مطلب یہ ہے کہ یہ بد باطن مسلمانوں کے پاس آ کر اپنی ایمان دوستی اور خیرخواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ مال و جان کا بچاؤ بھی ہو جائے، بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے اور جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان ہی کی سی کہنے لگتے ہیں۔ "خَلَوْا" کے معنی یہاں ہیں "اِنْصَرَفُوْا ذَهَبُوْا خَلَصُوْا مَضَوْا" یعنی لوٹتے ہیں اور پہنچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں اور جاتے ہیں۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٢٩٣، ٢٩٤)]
[2] [سورۃ النساء : آیت ٥]

پس خلوا جو کہ الٰی کے ساتھ متعدی ہے اس کے معنی لوٹ جانے کے ہیں۔ فعل مضمر اور ملفوظ دونوں پر یہ دلالت کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اِلٰی معنی میں مَعَ کے مترادف ہے مگر اول ہی ٹھیک ہے' ابن جریر رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ شیاطین سے مراد رؤسا' بڑے سردار ہیں جیسے علماء یہود اور سرداران کفار قریش و منافقین۔

حضرت ابن عباس اور ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امراء اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی۔ شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے۔ ابوالعالیہ' سدی' ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔'' قرآن میں بھی ﴿شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ (الانعام/۱۱۲) آیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''ہم جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا انسان کے شیطان بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں [1] جب یہ منافق مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہیں ''ہم تمہارے ساتھ ہیں'' یعنی جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں۔ اور اپنوں سے کہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرتے ہیں۔ [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ربیع بن انس رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ کی یہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مکروہ فعل کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے ٹھٹھا کرے گا اور انہیں ان کی سرکشی میں بہکنے دے گا جیسے دوسری جگہ ہے' کہ قیامت کے روز منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ٹھہر جاؤ' ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو۔ ان کے لوٹتے ہی درمیان میں ایک اونچی دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا' اس طرف تو رحمت ہوگی اور دوسری طرف عذاب ہوگا۔ [3] فرمان الٰہی ہے کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جانیں۔ اس تاخیر میں وہ اپنی بدکرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں [4] پس قرآن میں جہاں استہزاء' تحریت یعنی مذاق' مکر' خدیعت یعنی دھوکہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی مراد ہے۔

ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں ان کی بدکرداریوں اور کفر و شرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے۔ اور مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے

---

[1] [ضعیف: نسائی : کتاب الاستعاذة : باب الاستعاذة من شرِ شیاطین الانس (۵۵۰۹) البزار فی کشف الاستار (۹۳/۱) مجمع البحرین (۲۶۸/۱) مسند احمد (۱۷۸/۵)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں مسعودی راوی ہے جو ثقہ تو ہے مگر اسے اختلاط ہو گیا تھا۔ [مجمع الزوائد (۱۵۹/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف نسائی (۴۲۴)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، ابو عمر دمشقی اور عبید بن خشخاش ضعیف و مجروح راوی ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳۰۰/۱)]

[3] [سورة الحديد : آیت ۱۳]

[4] [سورة ال عمران : آیت ۱۷۸]

ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آ کر کہتا ہے کہو میں نے کیسا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے کہ ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ (ال عمران / ٥٤) الخ اور ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے' مطلب یہ ہے کہ ان کا فن فریب انہی کو برباد کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی' دھوکہ' تمسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دے گا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کیے گئے دونوں لفظوں کے دونوں جگہ معنی جدا جدا ہیں۔ دیکھیے قرآن کریم میں ہے ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوری / ٤٠) یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ﴾ (البقرة / ١٩٤) جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔ زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں۔ لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی برائی اور زیادتی ''ظلم'' ہے' اور دوسری برائی اور زیادتی ''عدل'' ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے۔ ایک اور مطلب بھی سنیے دنیا میں یہ منافق اپنی اس ناپاک پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن و امان مل گیا اور یہ مست ہو گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے' قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں ملے گا گو یہاں ان کے مال اور جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذاب کا شکار بنیں گے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت تائید کی ہے اس لیے کہ مکر' دھوکہ اور مذاق جو بلا وجہ ہو اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے ہاں انتقام' مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان کا بدلہ اور سزا ہے ﴿يَمُدُّهُمْ﴾ کا مطلب ڈھیل دینا اور بڑھانا بیان کیا گیا ہے۔ [1] جیسے فرمایا: ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ﴾ (المومنون / ٥٥) الخ یعنی کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے مال اور اولاد کی کثرت ان کے لیے باعث خیر ہے نہیں! انہیں انہیں صحیح شعور ہی نہیں اور ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (القلم / ٤٤) اس طرح ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے غرض کہ ادھر یہ گناہ کرتے ہیں ادھر دنیوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں جن پر یہ پھولے نہیں سماتے حالانکہ وہ حقیقت میں عذاب ہی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے اور جگہ فرمایا ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانعام / ٤٤ / ٤٥) یعنی جب لوگوں نے نصیحت بھلا دی ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ اپنی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا' اب گھبرا گئے' ظالموں کی بربادی ہوئی اور کہہ دیا گیا کہ تعریفیں رب العالمین کے لیے ہی ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں ڈھیل دینے اور انہیں اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھنے کے لیے ان کو مہلت دی جاتی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/ ٣١١)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/ ٣٠٧)]

﴿وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ﴾ (الانعام/ ۱۱۰) الخ "طُغْيَان" [2] کہتے ہیں کسی چیز میں گھس جانے کو۔ جیسے فرمایا ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ﴾ (الحاقة/ ۱۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ ﴿عَمَه﴾ کہتے ہیں گمراہی کو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ضلالت و کفر میں ڈوب گئے اور اس ناپاکی نے انہیں گھیر لیا اب یہ اسی دلدل میں اترتے جاتے ہیں، اسی ناپاکی میں پھنسے جاتے ہیں اور اس سے نجات کی تمام راہیں ان پر بند ہو جاتی ہیں۔ بھلا ایسی دلدل میں جو ہو اور پھر اندھا بہرا اور بیوقوف ہو وہ کیسے نجات پاسکتا ہے۔ آنکھوں کے اندھے پن کے لیے عربی میں "عُمْیٌ" کا لفظ آتا ہے اور دل کے اندھاپے کے لیے "عَمَهٌ" کا لیکن کبھی دل کے اندھے پن کے لیے بھی "عَمٰی" کا لفظ آتا ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج/ ٤٦)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے مول لے لیا پس نہ تو ان کی تجارت نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے ○

جن کی تجارت سود مند نہ ہوئی: حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ دی اور گمراہی لے لی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انہوں نے ایمان کے بدلے کفر قبول کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ہدایت پر گمراہی کو پسند کرتے ہیں۔" جیسے اور جگہ قوم ثمود کے بارے میں ہے ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ (حم السجدة/ ۱۷) یعنی باوجود اس کے کہ ہم نے قوم ثمود کو ہدایت سے روشناس کر دیا مگر پھر بھی انہوں نے اس رہنمائی کی جگہ اندھے پن کو پسند کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ منافقین ہدایت سے ہٹ کر گمراہی پر آ گئے اور ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی گویا ہدایت کو بیچ کر گمراہی خرید لی۔ اب ایمان لا کر پھر کافر ہوئے ہوں خواہ سرے سے ایمان ہی نصیب نہ ہوا ہو اور ان منافقین میں دونوں قسم کے لوگ تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (المنافقون/ ۳) یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ایسے بھی منافق تھے جنہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا پس نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا، نہ راہ ملی، بلکہ ہدایت کے چمنستان سے نکل کر گمراہی کے خارزار میں، جماعت کے مضبوط قلعہ سے نکل کر تنہائیوں کی تنگ جیل میں، امن کے وسیع میدان سے نکل کر خوف کی اندھیری کوٹھری میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے سنسان جنگل میں آ گئے۔ [1]

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

[1] [تفسير ابن جرير طبری (۱/ ۳۱٦)]

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں جو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جو نہیں دیکھتے۔ بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ نہیں لوٹتے ○

منافقوں کی مثال: مثال کو عربی میں مثیل بھی کہتے ہیں اس کی جمع امثال آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ﴾ [1] الخ یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔ اس آیت شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو منافق گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اندھیرے میں آگ جلائی اس کے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں، اس کی پریشانی دور ہوگئی اور فائدے کی امید بندھی کہ دفعتاً آگ بجھ گئی اور سخت اندھیرا چھا گیا نہ تو نگاہ کام کر سکے، نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو۔ کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو۔ گونگا ہو کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو، اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو۔ اب بھلا یہ راہ کیسے پا سکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت چھوڑ کر راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا۔ جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ یہ صراحت موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سدی رحمہ اللہ سے یہی نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے، اس لیے کہ اولاً تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ چھن گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین گم ہو جانے کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہوگی؟

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا کیونکہ پہلے فرمان الٰہی گذر چکا ہے کہ ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرہ/۸) یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں مگر حقیقتاً یہ ایماندار نہیں۔ درحقیقت اس آیۂ مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا۔ ممکن ہے ایمان لائے ہوں، پھر اس سے ہٹ گئے ہوں اور اب دلوں میں مہریں لگ گئی ہوں دیکھئے دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ (منافقون/۳) الخ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا، کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔ ایک جماعت کی مثال شخص واحد سے اکثر دی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اور جگہ ہے ﴿رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ (احزاب/۱۹) تو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف آنکھیں پھیر پھیر کر اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص جو سکرات موت میں ہو۔ اور اس آیت کو بھی دیکھئے ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾

---

[1] [سورۃ العنکبوت : آیت ۴۳]

(لقمان / ۲۸) تم سب کا پیدا کرنا اور مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کو دوبارہ زندہ کرنا۔ تیسری جگہ توراۃ سیکھ کر عملی عقیدہ اس کے مطابق نہ رکھنے والوں کی مثال میں کہا گیا ہے ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (الجمعہ / ۵) گدھے کی مانند ہیں جو کتابیں لادے ہوئے ہو۔ سب آیتوں میں جماعت کی مثال ایک ہی دی گئی ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں منافقوں کی جماعت کی مثال ایک شخص سے دی گئی۔ بعض کہتے ہیں تقدیر کلام یوں ہے مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَقِصَّةِ الَّذِيْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا یعنی ان کے واقعہ کی مثال ان لوگوں کے واقعہ کی طرح جو آگ روشن کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن مجموعی طور پر پوری جماعت اس سے محظوظ ہوتی ہے جو اس کے ساتھ ہے اور اس قسم کا اور ﴿الَّذِي﴾ یہاں ﴿الَّذِيْنَ﴾ کے معنی میں ہیں جیسے کہ شاعروں کے شعروں میں بھی آتا ہے میں کہتا ہوں اس مثال میں بھی واحد کے صیغہ کے بعد ہی جمع کے صیغہ بھی ہیں۔ ﴿بِنُوْرِهِمْ﴾ اور ﴿تَرَكَهُمْ﴾ اور ﴿لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ملاحظہ ہوں۔ اس طرح کلام میں اعلیٰ فصاحت اور بہترین خوبی بھی آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روشنی لے گیا اس سے مطلب یہ ہے کہ جو نور نفع دینے والا تھا وہ تو ان سے ہٹا لیا اور جس طرح آگ کے بجھ جانے کے بعد تپش اور دھواں اور اندھیرا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے پاس نقصان پہنچانے والی چیز یعنی شک وکفر ونفاق رہ گیا تو راہ راست کو نہ خود دیکھ سکیں نہ دوسرے کی بھلی بات سن سکیں نہ کسی سے بھلائی کا سوال کر سکیں۔ اب پھر لوٹ کر ہدایت پر آنا محال ہو گیا۔ اس کی تائید میں مفسرین کے اقوال سنیے۔

حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ لوگ اسلام لے آئے مگر پھر منافق بن گئے۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں ہو پھر آگ جلا کر روشنی حاصل کرے اور آس پاس کی بھلائی برائی کو سمجھنے لگے اور معلوم کرے کہ کس راہ میں کیا ہے؟ کہ اچانک آگ بجھ جائے روشنی جاتی رہے۔ اب معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس راہ میں کیا کیا ہے؟ اسی طرح منافق شرک وکفر کی ظلمت میں تھے پھر اسلام لا کر بھلائی برائی یعنی حلال حرام وغیرہ سمجھنے لگے مگر پھر کافر ہو گئے اور حرام وحلال خیر وشر میں کچھ تمیز نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نور سے مراد ایمان اور ظلمت سے مراد ضلالت وکفر ہے یہ لوگ ہدایت پر تھے لیکن پھر سرکشی کر کے بہک گئے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایمانداری اور ہدایت کی طرف رخ کرنے کو اس مثال میں آس پاس کی چیز کی روشنی کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عطا خراسانی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کی کور چشمی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ عکرمہ، حسن، سدی اور ربیع رحمہ اللہ علیہم سے بھی یہی منقول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں جیسے آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن پھر کفر اس روشنی کو کھو دیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔ مندرجہ بالا اقوال تو ہماری اس تفسیر کی تائید میں تھے کہ جن منافقوں کی یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ

ایمان لا چکے تھے پھر کفر کیا۔اب امام ابن جریر رحمہ اللہ کی تائید میں جو تفسیر ہے اسے بھی سنئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مثال منافقوں کی ہے کہ وہ اسلام کی وجہ سے عزت پا لیتے ہیں۔مسلمانوں میں نکاح، ورثہ اور تقسیم مال غنیمت میں شامل ہوتے ہیں لیکن مرتے ہی یہ عزت چھن جاتی ہے جس طرح آگ کی روشنی آگ بجھتے ہی جاتی رہتی ہے۔ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب منافق ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پڑھتا ہے تو دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر جہاں شک کیا وہ نور گیا، جس طرح لکڑیاں جب تک جلتی رہیں روشنی رہی، جہاں بجھ گئیں نور گیا۔ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں نور سے مراد یہاں ایمان ہے جو ان کی زبانوں پر تھا۔قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ان کے لیے روشنی کر دیتا تھا امن و امان، کھانا پینا، بیوی بچے سب مل جاتے تھے لیکن شک و نفاق مرتے ہی ان سے یہ تمام راحتیں چھین لیتا ہے جس طرح آگ کا بجھنا روشنی دور کر دیتا ہے۔حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنے سے منافق کو (دنیوی نفع مثلاً مسلمانوں میں لڑکے لڑکی کا لین دین، ورثہ کی تقسیم، جان و مال کی حفاظت وغیرہ) مل جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان کی جڑ اور اس کے اعمال میں خلوص نہیں ہوتا اس لیے موت کے وقت وہ سب منافق سے سلب ہو جاتے ہیں جیسے آگ کی روشنی بجھ جائے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اندھیروں میں چھوڑ دینا سے مراد مرنے کے بعد عذاب ہونا ہے۔یہ لوگ حق کو دیکھ کر زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں اور ظلمت کفر سے نکل جاتے ہیں لیکن پھر اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے ہدایت کا نظر آنا، اور حق پر قائم رہنا ان سے چھن جاتا ہے۔سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اندھیرے سے مراد ان کا نفاق ہے۔حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں موت کے وقت منافقین کی بداعمالیاں اندھیروں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں اور کسی بھلائی کی روشنی ان کے لیے باقی نہیں رہتی جس سے ان کی توحید کی تصدیق ہو۔وہ بہرے ہیں حق کے سننے سے، اور اندھے ہیں راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے۔ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔نہ تو انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے، نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے ○ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے جب ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بیکار کر دے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

مومن، کافر اور منافق کی پہچان: یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لیے بیان کی گئی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ صَیِّبٍ کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں۔ بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کیے ہیں لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں۔ جو اندھیرے میں برسے۔ ظلمات سے مراد شک، کفر و نفاق ہے اور رعد سے مراد یعنی گرج ہے جو اپنی خوفناک آواز سے دل دہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر خوف گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے۔ جیسے کہ اور جگہ فرمایا ﴿یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ﴾ (منافقون / ٤) یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔ [1] بجلی کی مثال سے مراد وہ نور ایمان ہے جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے، اس وقت وہ اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن ایسا کرنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادے کے ماتحت ہیں، یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسا کہ اور جگہ فرمایا ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ﴾ (البروج / ۱۸،۱۷) الخ یعنی کیا تمہیں لشکر فرعون اور ثمود کی روایتیں نہیں پہنچیں، بے شک پہنچی تو ہیں لیکن یہ کافر پھر بھی تکذیب ہی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا، اس کی قوت اور سختی کا اظہار ہے اور منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ان کا ضعف ایمان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیتیں ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی [2] جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایمان ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر جہاں شک وشبہ آیا، دل میں کدورت اور ظلمت بھر گئی، اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا، جہاں اس کے خلاف نظر آیا یہ الٹے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ [3] جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ (الحج / ۱۱) الخ یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملے تو مطمئن ہو جائیں اور اگر برائی پہنچے تو اسی وقت پھر گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ دیگر بہت سے مفسرین کا بھی یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے۔ [4] واللہ اعلم۔ روز قیامت بھی ان کا یہی حال رہے گا کہ جب لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا، بعض کو کئی کئی میلوں تک کا، بعض کو

---

[1] [سورة التوبة: آیت ٥٦۔٥٧]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۳٤۹)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۳٤۹)]

[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۷٥)]

اس سے بھی زیادہ، کسی کو اس سے کم، یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہو اور کبھی اندھیرا کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سی دور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سی دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں فرمان الٰہی ہے ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا﴾ (الحدید/ ۱۳) الخ یعنی جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے ذرا رکو! ہمیں بھی آ لینے دو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ' الخ۔ مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم﴾ (الحدید/ ۱۲) الخ یعنی اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مرد اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہوگا اور کہا جائے گا تمہیں آج باغات کی خوشخبری دی جاتی ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور فرمایا جس دن نہ رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے، ان کا نور ان کے آگے اور دائیں ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱) ان آیتوں کے بعد اب اس مضمون کی حدیثیں بھی سنیے۔

احادیث نور کا بیان: نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''بعض مومنوں کو مدینہ سے لے کر عدن تک نور ملے گا۔ بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ بعض کو اتنا کم کہ صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوگی۔'' (۲) (ابن جریر) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا بعض کو کھجور کے درخت جتنا، کسی کو قد آدم جتنا، کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو، کبھی بجھ جاتا ہو، کبھی روشنی ہو جاتا ہو۔'' (ابن ابی حاتم) (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''انہیں نور ملے گا ان کے اعمال کے مطابق جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گزریں گے۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ جتنا ہوگا، بعض کا کھجور جتنا اور سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہوگا کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔'' (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں'' کہ تمام اہل توحید کو قیامت کے دن نور ملے گا۔ جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موحد ڈر کر کہیں گے ﴿رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا﴾ (التحریم/۸) یارب ہمارے نور کو پورا کر۔'' (ابن ابی حاتم) (۴) ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قیامت والے دن لوگ کئی قسم کے ہوں گے۔ خالص مومن وہ جن کا بیان اگلی چار آیتوں میں ہوا، خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیتوں میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی۔ دوسرے وہ منافق جو تردّد میں ہیں کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے کبھی بجھ جاتا ہے، ان ہی کی مثال بارش سے دی گئی ہے یہ پہلی قسم کے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔

---

(۱) [سورۃ تحریم : آیت ۸]

(۲) [**ضعیف ومرسل :** تفسیر ابن جریر الطبری (٤١٦ ٣)]

(۳) [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۷۹/۲۳)]

(۴) [حاکم (۴۹۰/۲) الدر المنثور (۵۲/۸)]

ٹھیک اسی طرح سورۂ نور میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کی اور اس کے دل کے نور کی مثال اس منور چراغ سے دی ہے جو روشن فانوس میں ہو اور خود فانوس بھی چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہو۔ چنانچہ ایمان دار کا ایک تو خود دل روشن، دوسرے خالص شریعت کی اسے امداد، بس روشنی پر روشنی، نور پر نور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کی مثال بھی بیان کی جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کافروں کے اعمال کی مثال ریت کے چمکیلے ٹیلوں کی طرح ہے جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ پاس آ کر دیکھتا تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ [1] ایک اور جگہ پر ان جاہل کافروں کی مثال بیان کی جو جہل بسیط میں گرفتار ہیں۔ فرمایا مانند سخت اور اندھیروں کے جو گہرے سمندر میں ہوں جو موجوں پر موجیں مار رہا ہو پھر ابر سے ڈھکا ہوا ہو اور اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوئے ہوں، ہاتھ نکالے تو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ کی طرف سے نور نہ ہو اس کے پاس نور کہاں سے آئے؟ [2] پس کفار کی بھی دو قسمیں بیان کیں ایک تو دوسروں کو کفر کی طرف بلانے والے دوسرے ان کی تقلید کرنے والے۔ جیسے سورۂ حج کے شروع میں ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [3] الخ بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيْرٍ﴾ (الحج / ۸) بعض لوگ علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ سورہ واقعہ کے شروع اور آخر میں اور سورہ انسان میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ سابقین اور اصحاب یمین یعنی مقربین بارگاہ ربانی اور پرہیزگار و نیک کار لوگ۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی دو جماعتیں ہیں مقرب اور ابرار۔ اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں کفر کی طرف بلانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے۔ منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں خالص اور پکے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔

صحیحین میں حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ تینوں ہوں وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے نہ چھوڑے۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔ [4] اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں بھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ نفاق عملی ہو خواہ اعتقادی جیسے کہ آیت و حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے اس کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دل چار قسم کے ہیں ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں، تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں، چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں پہلا دل مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے، دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں،

---

[1] [سورة النور : آیت ٣٩] [2] [سورة النور : آیت ٤٠]

[3] [سورة الحج : آیت ٣]

[4] **[صحيح]**: صحيح بخارى : كتاب الايمان : باب علامة المنافق (٣٤) ، (٢٤٥٩) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب خصال المنافق (٥٨) ترمذى : كتاب الايمان : باب ما جآء فى علامة المنافق (٢٦٣٢) ابو داؤد : كتاب السنة : باب الدليل على زيادة الايمان و نقصه (٤٦٨٨)]

تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے' چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان ونفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو اب جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔ [1] اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں برباد کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے حق کو جان کر اسے چھوڑ دیا تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر چاہے تو عذاب وسزا دے چاہے تو معاف کر دے۔ [2] یہاں قدرت کا بیان اس لیے کیا کہ پہلے منافقوں کو اپنے عذاب' اپنی جبروت سے ڈرایا اور کہہ دیا کہ وہ انہیں گھیر لینے پر قادر ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کرنے اور آنکھوں کو اندھا کرنے پر قادر ہے۔ [3]

'قدیر' کے معنی قادر کے ہیں جیسے 'علیم' کے معنی 'عالم' کے ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دو مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں 'او' معنی میں 'و' کے ہے جیسے فرمایا ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ [4] یا لفظ "اَوْ" اختیار کے لیے ہے یعنی خواہ یہ مثال بیان کرو' خواہ وہ مثال بیان کرو اختیار ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں 'او' یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لیے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے "جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ" زمخشری رحمہ اللہ بھی یہی توجیہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں مثالوں میں سے جو مثال چاہو بیان کرو دونوں ان کے حال کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ باعتبار منافقوں کی اقسام کے ہے' ان کے احوال وصفات طرح طرح کے ہیں۔ جیسے کہ سورہ برات میں "وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ" کر کے ان کی بہت سی قسمیں بہت سے افعال اور بہت سے اقوال بیان کیے ہیں۔ تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ جیسے کہ سورۂ نور میں دو قسم کے کفار کی مثالیں بیان کیں۔ ایک کفر کی طرف بلانے والے دوسرے مقلد۔ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ﴾ (النور / ۳۹) پھر فرمایا ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ﴾ (النور / ٤٠) پس پہلی مثال یعنی ریت کے تودے کی کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دوسری مثال مقلدین کی ہے جو جہل بسیط میں مبتلا ہیں۔ واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۲

---

[1] [ضعیف: مسند احمد (۱۷/۳) طبرانی صغیر (۱۰۹/۲) ابو نعیم فی الحلیة (۳۸۵/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (۵۱۵۸)] اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۷٦/۱)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳٦۱/۱)]

[4] [سورة الدهر: آیت ۲٤]

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا' یہی تمہارا بچاؤ ہے○ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت' اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی خبر دار باوجود جاننے کے' اللہ کے شریک مقرر نہ کرو○

حقیقی معبود: یہاں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی الوہیت کا بیان شروع ہوتا ہے وہی اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا' اسی نے ہر طرح کی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائیں' اسی نے زمین کو فرش بنایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور آسمان کو چھت بنایا۔ جیسے کہ دوسری آیت میں آیا کہ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ (الانبیاء / ۳۲) الخ یعنی آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس کے باوجود وہ نشانیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں' آسمان سے پانی اتارنے کا مطلب بادل نازل فرمانا ہے۔ اس وقت جبکہ لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا کرنا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے جانور بھی۔ جیسے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ (المومن / ٦٤) الخ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں اور طرح طرح کی غذائیں پہنچائیں یہی اللہ ہے جو برکتوں والا اور تمام عالم کو پالنے والا ہے پس سب کا خالق' سب کا رازق' سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس لیے شرک سے مبرا ہر قسم کی عبادت کا وہی مستحق ہے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ جبکہ تم جانتے ہو۔''

چند اقسامِ شرک: صحیحین میں حدیث ہے ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں حضور ﷺ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمہارا خالق ہے کسی کو شریک ٹھہرانا۔''[1] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے ''جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔''[2] دوسری حدیث میں ہے ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے جو کچھ اللہ اکیلا چاہے' پھر جو فلاں چاہے۔''[3]

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الادب : باب قتل الولد خشیة ان یاکل معه (٦٠٠١) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب کون الشرك اقبح الذنوب (٨٦) ترمذی (٣١٨٢) ابن حبان (٤٤١٤)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب اسم الفرس والحمار (٢٨٥٦) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا (٣٠) ترمذی : کتاب الایمان : باب ما جآء فی افتراق هذه الامة (٢٦٤٣) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب ما یرجیٰ من رحمة الله یوم القیامه (٤٢٩٦) مسند احمد (٢٢٨/٥)]

[3] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الادب : باب لا یقال خبثت نفسی (٤٩٨٠) ابن ابی شیبة (١١٧/٩) طیالسی (٤٣٠) ابن السنی (٦٧١) بیهقی فی السنن الکبریٰ (٢١٦/٣) طحاوی (٩٠/١) مسند احمد (٣٨٤/٥، ٣٩٤) الادب المفرد (٧٨٣)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحه (١٣٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

طفیل بن سنخبرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی فرماتے ہیں میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا اور ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں۔ میں نے کہا افسوس تم میں یہ بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہیں پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا پھر دربار نبوی میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی خواب بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض کو بیان بھی کیا میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا۔ یاد رکھو "اب ہرگز ہرگز اللہ چاہے اور اس کا رسول" کبھی نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے۔ [1] (ابن مردویہ)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے یوں کہہ جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے [2] (ابن مردویہ) ایسے تمام کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں۔ توحید باری کی اہمیت کے بارے میں یہ سب احادیث بیان ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔ تمام کفار اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کے پابند ہو جاؤ' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو جو نہ نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں روزی پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اس توحید کی طرف بلا رہے ہیں جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ شرک اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسے چیونٹی جورات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو' قسم ہے اللہ کی اور قسم ہے آپ کی حیات کی' یہ بھی شرک ہے انسان کا یہ کہنا اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے یہ بھی شرک ہے۔ آدمی کا یہ قول کہ اگر بطخ گھر میں نہ ہوتی تو چوری ہو جاتی یہ بھی شرک کا کلمہ ہے کسی کا یہ قول کہ جو اللہ چاہے اور آپ۔ یہ بھی شرک ہے کسی کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا۔ یہ سب کلمات شرک ہیں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں تو آپ نے فرمایا کیا تو

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۷۲/۵) ابن ماجه : کتاب الکفارات : باب النھی ان یقال ما شاء الله وشئت (۲۱۱۸) ابن حبان (۵۷۲۵) دارمی (۲۹۵/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحه (۱۳۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [حسن: النسائی فی السنن الکبری (۱۰۸۲۵) ابن ماجه : کتاب الکفارات (۲۱۱۷) مسند احمد (۲۱۴/۱) طحاوی فی مشکل الآثار (۹۰/۱) طبرانی کبیر (۱۳۰۰۵) ابو نعیم فی الحلیة (۹۹/٤) بیهقی (۲۱۷/۳) ابن ابی الدنیا فی الصمت (۳٤۲) ابن السنی (٦۷۲) الادب المفرد للبخاری (۷۸۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۲٦٤/۱)، (۱۳۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ دوسری حدیث میں تم اچھے لوگ ہوتے اگر تم شرک نہ کرتے تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔ [1]

ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿اَنْدَادًا﴾ کے معنی شریک اور برابر کے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم تورات وانجیل پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور لاشریک ہے' پھر جانتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پانچ احکام: مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو' قریب تھا کہ وہ اس میں غفلت کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر خود کاربند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ لہٰذا یا تو آپ کہہ دیجیے یا میں پہنچا دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت لے گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ دیا جائے یا زمین میں دھنسا نہ دیا جائے' پس یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا' جب مسجد بھر گئی تو آپ اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کر کے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود بھی عمل کروں تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔

① ایک یہ کہ اللہ ایک کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے اور غلام کام کاج کرے لیکن جو کچھ حاصل ہو اسے کسی اور کو دے دے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا' تمہیں روزی دینے والا' تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

② دوسری یہ کہ نماز کو ادا کرو اللہ تعالیٰ کی نگاہ بندے کی طرف ہوتی ہے جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر منہ نہ پھیرے جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔

③ تیسرا حکم یہ ہے کہ روزے رکھا کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

④ چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیتے رہا کرو' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے گردن مارنے کے لیے لے جانے لگے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا کم زیادہ دے کر اپنی جان چھڑا لی۔

⑤ پانچواں اس کا حکم یہ ہے کہ کثرت سے اس کے نام کا ذکر کیا کرو اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑتا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن وامان پا

---

[1] [**صحیح**: مسند احمد (۱/ ۳۹۴) النسائی (۶/۷) اسد الغابة لابن الأثیر (۲۳۹/۷)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[فتح الباری (۳۸۹/٤)]

لیتا ہے اسی طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری نے مجھے دیا ہے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا' اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکم وقت کے احکام سننا۔ اور جاننا۔ ہجرت کرنا' اور جہاد کرنا جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل جائے گویا وہ اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کر لے جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے لوگوں نے کہا حضور ﷺ اگر چہ وہ روزے دار اور نمازی ہو فرمایا اگر چہ نماز پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھے ہیں مسلمین مومنین اور عباد اللہ [1] یہ حدیث حسن ہے اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہیں روزی دیتا ہے پس عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہیے کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہیے ہر ایک عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اور فی الواقع یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت بڑی دلیل ہے زمین اور آسمان کی مختلف شکل وصورت مختلف رنگ مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات ان میں سے ہر ایک کا نفع بخش ہونا اور خاص حکمت کا حامل ہونا ان کے خالق کے وجود کا اور اس کی عظیم الشان قدرت' حکمت' زبردست سطوت اور سلطنت کا ثبوت ہے۔

کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی موجودگی کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا "يَا سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَإِنَّ أَثَرَ الْأَقْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ فَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ وَأَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ وَبِحَارٌ ذَاتُ أَمْوَاجٍ أَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلَى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ" یعنی مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان یہ راستوں والی زمین یہ موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر کے وجود پر دلیل نہیں ہو سکتے؟ [2]

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا' آوازوں کا جداگانہ ہونا' نغموں کا الگ ہونا' ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۴/۱۳۰۔ ۲۰۲) طیالسی (۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲) ترمذی : کتاب الامثال : باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصوم والصدقۃ (۲۸۶۳) طبرانی کبیر (۳/۲۸۴) ابو یعلی (۱۵۷۱) ابن خزیمہ (۱۸۹۵) ابن حبان (الموارد ۔ ۶۲۳۳) مستدرک حاکم (۱/۱۱۷' ۱۱۸)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی (۲۲۹۸) صحیح الترغیب (۵۵۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر الفخر الرازی (المعروف بـ "مفاتیح الغیب")، (۲/۹۱)]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں چھوڑو میں کسی اور سوچ میں ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گذر جاتی ہے ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے نہ اسکا کوئی ملاح ہے نہ منتظم ہے۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کس سوچ میں پڑ گئے کوئی عقلمند ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے بڑے نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو آپ نے فرمایا افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ ہکا بکا ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو چباتے کھاتے اور چرتے چگتے ہیں اسی کو کھا کر ریشم کا کیڑا ریشم تیار کرتا ہے مکھی شہد بناتی ہے ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائیں بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ مانتے ہیں وہی موجد اور صانع ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی اچانک اسکی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں کانوں والا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو چاروں طرف سے بند ہے پھر اس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔

حضرت ابونواس رحمہ اللہ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آسمان سے بارش برسنا' اس سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی واحدانیت کی کافی دلیل ہے۔

ابن المعتز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی تکذیب پر لوگ کیسے دلیر ہو جاتے ہیں حالانکہ ہر ہر چیز اس پروردگار کی موجود اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

بزرگوں کا مقولہ ہے کہ آسمانوں کو دیکھو ان کی بلندی ان کی وسعت' ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظریں ڈالو۔ ان کے چمکنے دمکنے ان کے چلنے پھرنے' ٹھہر جانے' ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ

کرو۔ پھر سمندروں کو دیکھو، جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے نہیں دیتے، جن کے رنگ، جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ قسم قسم کی دوسری مخلوقات پر نظر ڈالو۔ ادھر سے ادھر پھر جانے والی کھیتیوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو۔ کھیتیوں، باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول مزے مزے کے میووں پر غور کرو زمین ایک پانی ایک، لیکن شکلیں، صورتیں، خوشبوئیں، رنگ، ذائقہ، فائدہ الگ الگ۔ کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات بآواز بلند نہیں کہہ رہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی اس کی ذات اور اسکی توحید پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ جل وعلا نے اپنی ذات کے منوانے کے لیے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں، اس کی پرزور حکمتوں، اس کی لاثانی رحمتوں، اس کے بے نظیر انعاموں، اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لیے کافی وافی ہیں۔

ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ اس کا کوئی پالنے والا ہے، نہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے اور حفاظت کرنے والا، نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہ اس کے سوا کوئی مسجود لاشک۔ ہاں دنیا کے لوگو! سن لو میرا توکل اور بھروسا اسی پر ہے میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے، میرا جھکنا اور پست ہونا اسی کے سامنے ہے، میری تمناؤں کا مرکز، میری امیدوں کا آسرا، میرا ماویٰ، ملجاوہی ایک ہے اس کے دست رحمت کو تکتا ہوں اور اسی کا نام جپتا ہوں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو○ پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے○

صدقِ رسالت کا ثبوت: توحید کے بعد اب نبوت کی تصدیق کی جا رہی ہے کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر اتارا ہے اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنا لاؤ۔ جب تم ایسا نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ "شُهَدَآءَ" سے مراد مددگار اور شریک ہیں [1] جو ان کی مدد اور موافقت کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جنہیں تم اپنا معبود بنا رکھا ہے انہیں بھی بلا لو اور ان سے بھی مدد چاہو پھر اس جیسی ایک سورت ہی تو بنا لاؤ۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں دان فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی مدد لے لو۔ [2] قرآن پاک کے اس معجزے کا اظہار اور ایسا انداز خطاب کئی جگہ

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۳۷۶)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۸۵)]

ہے سورہ قصص میں ہے ﴿فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (القصص / ٤٩) یعنی اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت وقرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا۔ سورہ سبحان میں فرمایا: ﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (الاسراء / ۸۸) یعنی اگر تمام جنات اور انسان جمع ہو کر اور ہر ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنائیں تو بھی ان کے امکان میں نہیں۔ سورۂ ہود میں فرمایا ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (هود / ۱۳) یعنی کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن کو خود اس پیغمبر نے گھڑ لیا تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ سورہ یونس میں ہے ﴿وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ○ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (یونس ۳۷-۳۸) یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں بلکہ یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب مفصل ہے جس کے اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں جو رب العالمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ کہتے ہیں ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر (اس قرآن کی سینکڑوں سورتوں میں سے) ایک چھوٹی سی سورت جیسی سورت تو بنا لاؤ تا کہ تمہارا سچ ظاہر ہو۔

یہ تمام آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ اور اہل مکہ کو اس کے مقابلہ میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ شریف میں بھی اس مضمون کو دوہرایا گیا اوپر کی آیت مِثْلِهٖ کی ضمیر کو بعض نے قرآن کی طرف لوٹایا ہے یعنی کوئی سورت اس قرآن جیسی لاؤ۔ بعض نے یہ ضمیر محمد ﷺ کی طرف لوٹائی ہے یعنی آپ جیسا کوئی امی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ کچھ پڑھا ہوا نہ ہونے کے باوجود وہ کلام کہے جس کا مثل کسی سے نہ بن سکے۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ مجاہد، قتادہ رحمۃ اللہ علیہما عمر، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم حسن بصری اور اکثر محققین کا یہی قول ہے امام ابن جریر طبری زمخشری رازی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اس کی ترجیح کی وجوہات بہت سی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ بھی ہے اجتماعی اور الگ الگ بھی۔ خواہ وہ امی اور ان پڑھ ہوں یا اہل کتاب اور پڑھے لکھے ہوں اس میں اس معجزے کا کمال ہے اور بہ نسبت اس کے کہ صرف ان پڑھ لوگوں کو عاجز کیا جائے اس میں زیادہ مبالغہ ہے پھر دس سورتوں کا مطالبہ کرنا اس کی مثل نہ لا سکنے کی پیشین گوئی کرنا بھی اسی حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ ذات رسول اللہ ﷺ پس اس عام اعلان سے جو بار بار کیا گیا اور ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی گئی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں۔ مکہ میں اور مدینہ میں بارہا اس کا اعادہ کیا گیا اور وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی جنہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر ناز تھا جو لوگ آپ کی اور آپ کے دین کی دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے وہ درحقیقت اس سے عاجز آ گئے نہ پورے قرآن کا جواب دے سکے نہ دس سورتوں کا' نہ ایک سورت کا۔

پس ایک معجزہ تو یہ ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی وہ نہ بنا سکے دوسرا معجزہ یہ ہے کہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکتے چاہے سب جمع ہو جائیں اور قیامت تک محنت کر لیں۔ پس ایسا ہی ہوا نہ تو اس زمانہ میں کسی کی یہ جرات ہوئی نہ اس کے بعد سے آج تک اور نہ قیامت تک کسی سے یہ ہو سکے گا۔ اور بھلا کیسے ہو سکتا؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے اسی طرح اس کا کلام بھی۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن پاک کو بیک نظر دیکھنے سے ہی اس کے ظاہری اور باطنی لفظی اور معنوی ایسے ایسے کمالات ظاہر ہوتے ہیں جو مخلوق کے بس کے نہیں خود رب العالمین فرماتا ہے: ﴿الٓرٰ کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ (ھود/۱) الخ یعنی اس کتاب کی آیتیں جو حکمت والے ہر طرح کی خبریں جاننے والے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے محکم مضبوط اور مفصل الگ الگ ہیں۔ پس الفاظ محکم اور معانی مفصل یا الفاظ مفصل اور معانی محکم پس قرآن اپنے الفاظ میں اور اپنے مضامین میں بے نظیر ہے، جس کے مقابلے، معارضے اور مثل سے دنیا عاجز اور بے بس ہے۔

اس پاک کلام میں اگلی خبریں جو دنیا سے پوشیدہ تھیں وہ ہو بہو بیان کی گئیں آنے والے امور کے تذکرے کیے گئے جو لفظ بہ لفظ پورے اترے۔ تمام بھلائیوں کا حکم تمام برائیوں سے ممانعت اس میں ہے۔ سچ ہے ﴿وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام/۱۱۵) یعنی خبروں میں صداقت اور احکام میں عدل تیرے رب کے کلام میں پورا پورا ہے۔ پاکیزہ قرآن تمام تر حق وصداقت وہدایت سے پر ہے نہ اس میں واہی تواہی باتیں ہیں نہ ہنسی مذاق نہ کذب وافترا جو شاعروں کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے بلکہ ان کے اشعار کی قدر وقیمت ہی اس پر ہے مقولہ مشہور ہے کہ "اَعْذَبُهٗ اَکْذَبُهٗ" جوں جھوٹ زیادہ اتنا ہی مزیدار۔ تم دیکھو گے کہ لمبے لمبے پرزور قصیدے مبالغہ اور کذب آمیز یا تو عورتوں کی تعریف وتوصیف میں ہوں گے یا گھوڑوں کی اور شراب کی ستائش میں ہوں گے یا کسی انسان کی بڑھی چڑھی مدح وتعریف میں ہوں گے یا اونٹنیوں کی آرائش وزیبائش یا بہادری کے مبالغہ آمیز گیتوں یا لڑائیوں کی چالبازیوں یا ڈر خوف کے خیالی منظروں کے بیان میں ہوں گے جن سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہ دین کا نہ دنیا کا صرف شاعر کی زبان دانی اور اس کی قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے نہ اخلاق پر ان سے کوئی عمدہ اثر نہ اعمال پر۔ پھر نفس مضمون کے بھی پورے قصیدے میں بمشکل دو ایک شعر ہوتے ہیں۔ باقی سب بھرتی کے اور ادھر ادھر کی لایعنی اور فضول بکواس۔

برخلاف اس کے قرآن پاک پر نظر ڈالو تو دیکھو گے کہ ایک ایک لفظ فصاحت وبلاغت سے دین ودنیا کے نفع سے، خیر وبرکت سے پر ہے۔ پھر کلام کی ترتیب وتہذیب الفاظ کی بندش، عبارت کی روانی، معانی کی نورانیت، مضمون کی پاکیزگی سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کی خبروں کی حلاوت، اس کے بیان کردہ واقعات کی سلاست مردہ دلوں کی زندگی ہے۔ اس کا اختصار کمال کا اعلیٰ نمونہ اور اس کی تفصیل معجزے کی جان ہے اس کا کسی چیز کو دوہرانا قند مکرر کا مزہ دیتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سچے موتیوں کی بارش برس رہی ہے۔ بار بار پڑھو دل نہ اکتائے، مزے لیتے جاؤ اور ہر وقت نیا مزہ پاؤ۔ مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں۔ یہ قرآن پاک کا ہی خلاصہ ہے اس چاشنی کا ذائقہ،

اس مٹھاس کا مزہ، کوئی اس سے پوچھے جنہیں عقل وحواس علم وفضل کا کچھ حصہ قدرت نے عطا فرمایا۔ اس کی تنذیر ودھمکا وا تعذیب اور پکڑ دھکڑ کا بیان مضبوط پہاڑوں کو ہلا دے۔ انسانی دل کیا ہیں اس کے وعدے اور خوشخبریاں، نعمتوں اور رحمتوں کا بیان دلوں کی پژمردہ کلی کو کھلا دینے والا، شوق وتمنا کے دبے جذبات کو ابھار دینے والا جنتوں اور راحتوں کے پیارے پیارے مناظر کو آنکھوں کے سامنے لانے والا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں کان لگ جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رغبت دیتے ہوئے وہ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ (السجدہ / ۱۷) الخ کوئی کیا جانے کہ اس کے نیک اعمال کے بدلے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چپکے چپکے تیار کیا جارہا ہے۔ فرماتا ہے: ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾ (الزخرف / ۷۱) الخ اس دائمی جنت میں ہر وہ چیز ہے جو دل کو بھائے اور آنکھوں میں اتر جائے۔ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ (الاسراء / ۶۸) فرمایا: ﴿ءَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ﴾ (الملك ۱۶۔۱۷) کیا تم اپنے دھنسائے جانے یا آسمان سے پتھر برسائے جانے سے نڈر ہو گئے ہو؟ کیا آسمانوں والا اس پر قادر نہیں؟ اسے محض دھمکی ہی نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ زجر وتوبیخ ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ﴾ (العنکبوت / ۴۰) ایک ایک کو ہم نے اس کی بدکرداریوں میں پکڑ لیا۔ بطور وعظ ونصیحت بیان ہوتا ہے ﴿أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۝ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ﴾ (الشعراء ۲۰۵۔۲۰۷) اگر ہم نے کچھ سال انہیں فائدہ بھی دیا تو کیا ہوا؟ آخر وعدے کی گھڑی آ پہنچی اور اس جاہ وجلال نے کوئی نفع نہ بخشا۔ غرض کوئی کہاں تک بیان کرے جس مضمون کا ذکر کیا۔ اسے کمال تک پہنچا کر چھوڑا اور طرح طرح کی فصاحت وبلاغت، حلاوت وحکمت سے معمور کر دیا احکام کے حکم اور روک ٹوک کو دیکھئے ہر حکم اچھائی بھلائی نفع اور پاکیزگی کا جامع ہے۔ ہر ممانعت قباحت رذالت ونارت اور خباثت کی قاطع ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلاف امت کا قول ہے کہ جب قرآن میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ آئے تو کان لگا دو یا تو کسی اچھائی کا حکم ہو گا یا کسی برائی سے منع کیا جائے گا خود پروردگار عالم فرماتا ہے ﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف / ۱۵۷) الخ یعنی بھلائیوں کا حکم دیتا ہے برائیوں سے روکتا ہے پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتا ہے خبیث چیزیں حرام کرتا ہے وہ بوجھل بیڑیاں جو پاؤں میں تھیں وہ سخت طوق جو گلوں میں تھے اتار پھینکتا ہے الخ قیامت کے بیان کی آیتیں ہیں کہ ہولناک مناظر جنت

ودوزخ کا بیان رحمتوں اور زحمتوں کا پورا پورا وصف۔ اولیاء اللہ کے لیے طرح طرح کی نعمتیں۔ دشمنان اللہ کے لیے طرح طرح کے عذاب۔ کہیں بشارت ہے۔ کہیں ڈراوا ہے۔ کہیں نیکیوں کی طرف رغبت ہے۔ کہیں بدکاریوں سے ممانعت ہے۔ کہیں دنیا کی طرف سے زہد کرنے کی' کہیں آخرت کی طرف رغبت کرنے کی تعلیم ہے۔ یہی وہ تمام آیتیں ہیں جو راہ راست دکھاتی ہیں اور بہتر رہنمائی کرتی ہیں اللہ کی پسندیدہ شریعت کی طرف جھکاتی ہیں اور دلوں کو جلا دیتی ہیں اور شیطانی دروازوں کو بند کر دیتی ہیں اور برے اثرات کو زائل کرتی ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے [1] (اس لیے کہ اور انبیاء کے معجزے ان کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ میرا معجزہ وحی ہے جو مجھ کو دی گئی ہے کا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو اس کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور قرآن کریم مجھی کو ملا ہے جو اپنے معارضے اور مقابلے میں تمام دنیا کو عاجز کر دینے والا ہے۔ بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے وہ اکثر علماء کے نزدیک اس وصف سے خالی ہیں۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آپ کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر اس معجزے کے علاوہ اس قدر دلائل ہیں جو گننے بھی نہیں جا سکتے۔ للّٰہ الحمد والمنۃ۔ بعض متکلمین نے قرآن کریم کے اعجاز کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے جو اہل سنت کے اور معتزلہ کے قول پر مشترک ہے وہ کہتے ہیں کہ یا تو وہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے جو انسان کے امکان میں ہی نہیں کہ اس جیسا بنا لا سکے انہیں اس کا معارضہ کرنے کی قدرت وطاقت ہی نہیں۔ یا یہ کہ گو اس کا معارضہ ممکن ہے اور انسانی طاقت سے باہر نہیں لیکن باوجود اس کے انہیں معارضہ کا چیلنج دیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں دین حق کو مٹانے' ہر وقت ہر طاقت کے خرچ کرنے اور ہر چیز کے برباد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن تاہم قرآن کا معارضہ اور مقابلہ ان سے نہیں ہو سکتا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے اگر قدرت وطاقت ہو بھی تو بھی وہ انہیں روک دیتا ہے اور وہ قرآن کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ گو یہ پچھلی وجہ اتنی پسندیدہ نہیں تاہم اگر اسے بھی مان لیا جائے تو اس سے بھی قرآن کا معجزہ ثابت ہے جو بطریق تنزل حمایت حق اور مناظرے کی خاطر صلاحیت رکھتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوال کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

﴿وَقُوْدُ﴾ کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے۔ جیسے چپٹیاں لکڑیاں وغیرہ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (الجن / ۱۵) ظالم لوگ جہنم کی لکڑیاں ہیں اور جگہ فرمایا تم اور تمہارے معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں تم سب اس میں وارد ہو گے اگر وہ سچے معبود ہوتے تو

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب فضائل القرآن : باب کیف نزل الوحی واول ما نزل (٤٩٨١) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ (١٥٢)]

وہاں وارد نہ ہوتے دراصل یہ سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں [1] اور **حجارہ** کہتے ہیں پتھر کو یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان پتھروں کو زمین وآسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے (ابن جریر، ابن ابی حاتم، مستدرک حاکم، ابن عباس، ابن مسعود اور چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے سدی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان پتھروں کی بدبو مردار کی بو سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن علی اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں۔ بعض نے کہا ہے مراد وہ پتھر جن کی مورتیاں بنائی جاتی ہیں اور پھر ان کی پرستش کی جاتی تھی جیسے اور جگہ ہے ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الانبیاء/۹۸) الخ تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں قرطبی اور رازی علیہما السلام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر کو آگ لگنا کوئی نئی بات نہیں اس لیے مراد یہی اصنام و انداد بت اور وہ پتھر جو کسی شکل میں بھی اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں لیکن یہ وجہ کوئی قوی وجہ نہیں اس لیے کہ جب آگ گندھک کے پتھروں سے سلگائی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تیزی اور حرارت معمولی آگ سے بہت زیادہ ہوگی اس کا بھڑکنا جلنا سوزش اور شعلے بھی بہت زیادہ ہوں گے علاوہ اس کے پھر سلف سے بھی اس کی تفسیر یہی مروی ہے اسی طرح ان پتھروں میں آگ کا لگنا بھی ظاہر ہے اور آیت کا مقصود آگ کی تیزی اور اس کی سوزش کا بیان کرنا ہے اور اس کے بیان کے لیے بھی یہاں پتھر سے مراد گندھک کے پتھر لینا زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ آگ تیز ہو اور اس سے بھی عذاب میں سختی ہو قرآن کریم میں ہے ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا﴾ (الاسراء/۹۷) جہاں شعلے ہلکے ہوئے کہ ہم نے اور بھڑکا دیا۔ ایک حدیث میں ہے ہر موذی آگ میں ہے لیکن یہ حدیث محفوظ اور معروف نہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کو ایذاء دے جہنمی ہے دوسرے یہ کہ ہر ایذاء دہندہ چیز جہنم کی آگ میں موجود ہوگی جو جہنمیوں کو عذاب دے گی۔ ﴿أُعِدَّتْ﴾ یعنی تیار کی گئی سے مراد بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد پتھر ہوں یعنی وہ پتھر جو کافروں کے لیے تیار کیے گئے ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور فی الحقیقت دونوں معنی میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ پتھروں کا تیار کیا جانا آگ کے جلانے کے لیے ہے لہٰذا آگ کی تیاری کے لیے پتھروں کا تیار کیا جانا ضروری ہے۔ پس دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو کفر پر ہو اس کے لیے وہ آگ تیار ہے۔ [2] اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جہنم اب موجود اور پیدا شدہ ہے کیونکہ "اعدت" کا لفظ ہی اس کی دلیل میں آیا ہے اور بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔

ایک مطول حدیث میں ہے جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا الخ، [3] دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ

---

[1] [سورۃ الانبیآء : آیت ۹۸-۹۹] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۳۸۳)]

[3] [**صحیح** بصحیح بخاری : کتاب التفسیر (۴۸۵۰) صحیح مسلم : کتاب الجنۃ (۲۸۴۶)]

سے دوسانس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سانس لینے اور گرمی میں دوسرا سانس لینے کی اجازت دے دی گئی۔ [١] تیسری حدیث میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ بڑے زور کی ایک آواز سنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کس چیز کی آواز ہے آپ نے فرمایا ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا آج وہ تہ کو پہنچا۔ [٢] چوتھی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھتے ہوئے جہنم کو دیکھا۔ [٣] پانچویں حدیث میں ہے کہ آپ نے شب معراج میں جہنم کو اور اس میں عذابوں کو ملاحظہ فرمایا اسی طرح اور بہت سی صحیح متواتر حدیثیں مروی ہیں معتزلہ اپنی جہالت کی وجہ سے انہیں نہیں مانتے قاضی اندلس منذر بن سعید بلوطی نے بھی ان سے اتفاق کیا ہے۔

فائدہ: یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں اور سورۂ یونس میں جو کہا گیا ہے کہ ایک ہی سورت اس کے مانند لاؤ اس میں ہر چھوٹی بڑی آیت شامل ہے اس لیے عربیت کے قاعدے کے مطابق جو اسم نکرہ ہو اور شرط کے طور پر لایا گیا ہو وہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ نکرہ نفی کی تحت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے پس لمبی سورتوں اور چھوٹی سورتوں سب میں اعجاز ہے اور اس بات پر سلف وخلف کا اتفاق ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ سورت کا لفظ سورہ کوثر اور سورۃ العصر اور سورہ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (الکافرون / ١) جیسی چھوٹی سورتوں پر بھی مشتمل ہے اور یہ بھی یقین ہو کہ اس جیسی یا اس کے قریب قریب کسی سورت کا بنا لینا ممکن ہے تو اسے انسانی طاقت سے خارج کہنا نری ہٹ دھرمی اور بے جا طرف داری ہے تو ہم جواب دیں گے کہ ہم نے اس کے معجزہ نما ہونے کے دو طریقے بیان کر کے دوسرے طریقہ کو اسی لیے پسند کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ چھوٹی سورتیں بھی فصاحت و بلاغت میں اسی پایہ کی ہیں کہ وہ معجزہ کہی جا سکیں اور ان کا تعارض ممکن نہ ہو تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر یہ سورتیں ایسی نہیں تو بھی ہمارا مقصود حاصل ہے اس لیے کہ ان جیسی سورتوں کو بنانے کی انسانی قدرت ہونے پر بھی سخت دشمنی اور زبردست کوششوں کے باوجود ناکام رہنا ہے۔ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ قرآن مع اپنی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سراسر معجزہ ہے یہ تو رازی کا کہنا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر بڑی چھوٹی سورت فی الواقع معجزہ ہے اور انسان اس کی مانند بنانے سے محض عاجز اور بالکل بے بس ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر لوگ غور و تدبر سے عقل و ہوش سے سورۂ ﴿وَالْعَصْرِ﴾ کو سمجھ لیں تو انتہائی کافی ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب وفد میں شامل مسیلمہ کذاب کے پاس گئے (تب یہ خود بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو مسیلمہ نے ان سے

---

[١] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب مواقیت الصلوۃ: باب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر (٥٣٧) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب الابراد بالظھر شدۃ الحر (٦١٧)]

[٢] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الجنۃ: باب جھنم اعاذنا اللہ منھا (٢٨٤٤)]

[٣] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الکسوف: باب الصلوۃ الکسوف جماعۃ (١٠٥٢) صحیح مسلم: کتاب الکسوف: باب ما عرض علی النبی فی الصلوۃ الکسوف (٩٠٧)]

پوچھا کہ تم مکہ سے آ رہے ہو بتاؤ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ابھی ابھی ایک مختصر سی سورت نازل ہوئی ہے جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے پھر سورۃ العصر پڑھ کر سنائی تو مسیلمہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابلہ میں کہا۔ مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا "یَا وَبَرُ یَا وَبَرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَان وَصَدْرٌ وَسَآئِرُكَ حَقَرٌ فَقَرٌ" یعنی اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا وجود سوائے دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں باقی تو تو سراسر بالکل ناچیز ہے پھر فخر یہ کہنے لگا کہ کہو اے عمرو کیسی کہی؟ انہوں نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو اسے تو تو خود جانتا ہے کہ یہ سراسر کذب و بہتان ہے بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں حکمتوں سے بھرپور وہ کلام؟

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی پھلوں کی روزیاں دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ہم شکل لائے جائیں گے اور ان کے لیے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

مومنوں کے لیے اجر عظیم اور بشارت: چونکہ پہلے کافروں اور دشمنان دین کی سزا عذاب اور رسوائی کا ذکر ہوا تھا اس لیے یہاں ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے مثانی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں جو صحیح تر قول بھی ہے کہ اس میں ہر مضمون تقابلی جائزہ کے ساتھ بیان ہوا ہے اس کا مفصل بیان بھی کسی مناسب جگہ آئے گا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ ہی کفر کا۔ کفر کے ساتھ ایمان کا۔ نیکوں کے ساتھ بدوں کا۔ اور بدوں کے ساتھ نیکوں کا ذکر ضرور آتا ہے جس چیز کا بیان ہوتا ہے اس کے مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے چاہے معنی میں ﴿مُتَشَابِه﴾ ہوں، یہ دونوں لفظ قرآن کے اوصاف میں وارد ہوئے ہیں اسے مثانی بھی کہا گیا ہے اور متشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔ جنتوں میں نہریں بہنا اس کے درختوں اور بالا خانوں کے نیچے بہنا ہے حدیث شریف میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھا نہیں [1] اور حدیث میں ہے کہ نہر کوثر کے دونوں کناروں سچے موتیوں کے قبے ہیں اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لُـؤلُـؤ اور جواہر ہیں۔ [2] اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے وہ احسان کرنے والا اور بڑا رحیم ہے حدیث میں ہے جنت

---

[1] [صحیح موقوفا ضعیف مرفوعا: ابو نعیم فی الحلیة (٢٠٥/٦) وفی صفة الجنة (٣١٦)] یہ روایت موقوفا صحیح ہے مرفوعا ضعیف ہے جیسا کہ علامہ ابو اسحاق حوینی نے فرمایا ہے۔ [الفتاوی الحدیثیة (٤٥١/١)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب فی الحوض (٦٥٨١)]

کی نہریں مشکی پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں (ابن ابی حاتم) [1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے جنتیوں کا یہ قول کہ پہلے بھی ہم کو یہ میوے دیئے گئے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ میوے ہمیں ملے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے یعنی سابقہ کل بھی یہی دیئے گئے تھے یہ اس لیے کہیں گے کہ ظاہری صورت وشکل میں وہ بالکل مشابہ ہوں گے۔ یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک پیالہ آئے گا کھائیں گے پھر دوسرا آئے گا تو کہیں گے یہ تو ابھی کھایا ہے فرشتے کہیں گے کھایئے تو اگرچہ صورت شکل میں یکساں ہیں لیکن مزہ اور ہے۔ فرماتے ہیں جنت کی گھاس زعفران ہے اس کے ٹیلے مشک کے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت غلمان ادھر ادھر سے میوے لا لا کر پیش کر رہے ہیں وہ کھا رہے ہیں وہ پھر پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں اسے تو ابھی کھایا ہے وہ جواب دیتے ہیں حضرت رنگ روپ ایک ہے لیکن ذائقہ اور ہی ہے چکھ کر دیکھئے کھاتے ہیں تو اور ہی لطف پاتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ہم شکل لائے جائیں گے۔ دنیا کے میووں سے بھی اور نام شکل اور صورت میں بھی ملتے جلتے ہوں گے لیکن مزہ کچھ دوسرا ہی ہوگا۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ صرف نام میں مشابہت ہے ورنہ کہاں یہاں کی چیز کہاں وہاں کی؟ یہاں تو فقط نام ہی ہے [3] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ کا قول ہے دنیا کے پھلوں جیسے پھل دیکھ کر کہہ دیں گے کہ یہ تو دنیا میں کھا چکے ہیں مگر جب چکھیں گے تو لذت کچھ اور ہی ہوگی۔ وہاں جو بیویاں انہیں ملیں گی وہ گندگی، ناپاکی، حیض ونفاس، پیشاب، پاخانہ، تھوک، رینٹ، منی وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی۔ [4]

حضرت حوا رضی اللہ عنہا بھی حیض سے پاک تھیں لیکن نافرمانی سرزد ہوتے ہی یہ بلا آ گئی [5] یہ قول سنداً غریب ہے ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ حیض پاخانہ تھوک رینٹ سے وہ پاک ہیں۔ [6] حاکم اس کو صحیح اور شرط شیخین پر بتلاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں اس حدیث کے راوی عبدالرزاق بن عمر بزیعی ہیں جنہیں ابوحاتم البستی نے احتجاج کے قابل نہیں سمجھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ حضرت قتادہ کا قول ہے واللہ اعلم۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ اس زبردست نعمت کو دیکھئے کہ نہ یہ نعمتیں فنا ہوں۔ نہ نعمتوں والے فنا ہوں نہ نعمتیں ان سے چھنیں نہ یہ نعمتوں سے

---

[1] [**حسن صحیح :** صحیح ابن حبان (٧٤٠٨) ابو نعیم فی صفة الجنة (٣١٣) عقیلی (٣٢٦/٢) ابن ابی شیبه (٩٦/١٣) البیهقی فی البعث (٢٦٦)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ھے۔ [صحیح الترغیب (٣٧٢١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ جبکہ حافظ زبیر علی زئی کی تحقیق کے مطابق اس کی سند اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (٩٠/١) ابن ابی شیبة (٩٦/١٣) بیهقی (٢٦٧) عبد الرزاق (٢٠٨٧٣/١١)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٩٢/١)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٩٦/١)]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٥٠)]

[6] [ابو نعیم فی صفة الجنة (٣٦٣) ابن حبان فی المجروحین (١٦٠/٢)] یہ روایت نبی ﷺ سے ثابت نہیں تاہم قتادہ سے موقوفاً ثابت ہے۔ جیسا کہ امام ابن حبانؒ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔]

الگ کیے جائیں۔ نہ موت ہے نہ خاتمہ ہے نہ آخر ہے نہ ٹوٹنا اور کم ہونا ہے اللہ رب العالمین جواد و کریم برورحیم سے التجا ہے کہ وہ مالک ہمیں بھی اہل جنت کے زمرے میں شامل کرے اور انہیں کے ساتھ ہمارا حشر کرے۔ آمین

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔ ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے۔ اسی کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے۔ اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے ○ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا: ابن عباس ابن مسعود اور چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی تین آیتوں میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں یعنی آگ اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی ایسی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ [1] حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب قرآن پاک میں مکڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت؟ تو جواباً یہ آیتیں اتریں [2] اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں اتری حالانکہ ایسا نہیں۔ واللہ اعلم۔ اور بزرگوں سے بھی اسی طرح شان نزول مروی ہے۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کے بارے میں بیان کی گئی۔ مچھر جب تک بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے۔ جہاں موٹا تازہ ہوا مرا۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آ جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ (الانعام/ ٤٤) الخ جب یہ ہماری نصیحت بھول جاتے ہیں تو ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں، اب دفعۃً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں [3] (ابن جریر، ابن ابی حاتم) امام ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور مناسبت بھی اسی کی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ مثال چھوٹی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۳۹۸)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۳۹۹)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۳۹۸)]

سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ رکتا ہے نہ جھجکتا ہے۔لفظ مـا یہاں پر کمی کے معنی بتانے کے لیے ہے اور "بَعُوْضَةً" کا زبر بدلیت کی بنا پر عربی قاعدے کے مطابق ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر صادق آسکتا ہے یا "مـا" نکرہ موصوفہ ہے اور "بَعُوْضَةً" صفت ہے ابن جریر رحمہ اللہ "مـا" کا موصولہ ہونا اور "بَعُوْضَةً" کا اسی اعراب سے معرب ہونا پسند فرماتے ہیں اور کلام عرب میں یہ بکثرت رائج ہے کہ وہ ما اور من کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دیا کرتے ہیں اس لیے کہ کبھی یہ نکرہ ہوتے ہیں اور کبھی معرفہ جیسے حسان بن ثابت کے شعروں میں ہے:

يَكْفِىْ بِنَا فَضْلاً عَلٰى مَنْ غَيْرَنَا حُبُّ النَّبِىِّ مُحَمَّدٍ اِيَّانَا

''ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ ہمارے دل حُبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پُر ہیں''

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "بَعُوْضَةً" منصوب ہو حذف جار کی بنا پر اور اس سے پہلے اور بَيْنَ کا لفظ مقدر مانا جائے۔کسائی رحمہ اللہ اور فراء رحمہ اللہ اسی کو پسند کرتے ہیں ضحاک رحمہ اللہ اور ابراہیم بن عبلہ رحمہ اللہ "بَعُوْضَةٌ" پڑھتے ہیں۔ابن جنی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ "مـا" کا صلہ ہوگا اور عائد حذف مانی جائے گی جیسے ﴿تَمَامًا عَلَى الَّذِىْٓ اَحْسَنَ﴾ [1] میں ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ کے دو معنی بیان کیے ہیں ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز۔جیسے کسی شخص کی بخیلی وغیرہ کا ایک شخص ذکر کرے تو دوسرا کہتا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے۔کسائی اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ یہی کہتے ہیں۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پلاتا۔[2] دوسرے یہ معنی ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لیے کہ بھلا مچھر سے ہلکی اور چھوٹی چیز اور کیا ہوگی؟ قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جس کسی مسلمان کو کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تو اس پر بھی اس کے درجے بڑھتے ہیں اور گناہ مٹتے ہیں [3] اس حدیث میں بھی یہی لفظ "فَمَا فَوْقَهَا" ہے تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان چھوٹی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے سے شرماتا نہیں اور نہ رکتا ہے۔اسی طرح انہیں مثال کے طور پر بیان کرنے سے بھی اسے عار نہیں۔ایک جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے کان لگا کر سنو جنہیں اللہ کے سوا پکار سکتے ہو وہ سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو بھی ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی اگر ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے عابد اور معبود

---

[1] [سورۃ الانعام : آیت ١٥٤]

[2] [صحیح :ترمذی : کتاب الزھد : باب ما جآء فی ھوان الدنیا علی اللہ عزو جل (٢٣٢٠) ابن ماجه : کتاب الزھد : باب مثل الدنیا (٤١١٠) مستدرك حاکم (٣٠٦/٤) ابو نعیم فی الحلیة (٢٥٣/٣) طبرانی (٥٩٢١/٦) الکامل لابن عدی (١٩٥٦/٥)] امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔امام حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه (٣٣١٨) صحیح الجامع الصغیر (٦)] حافظ زبیر علی زئی اسے شواہد کی وجہ سے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب ثواب المومن فیما یصیبه من مرض او حزن او نحو ذلك (٢٥٧٢) ترمذی (٩٦٥) مسند احمد (٢٣٧/٢)]

دونوں ہی بے حد کمزور ہیں۔ (۱) دوسری جگہ فرمایا ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں مکڑی کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں سے زیادہ بودا اور کمزور ہے (۲) اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال پاک درخت سے دی جس کی جڑ مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں جو بحکم اللہ ہر وقت پھل دیتا ہو۔ ان مثالوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے غور و تدبر کے لیے بیان فرماتا ہے اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جو زمین کے اوپر اوپر ہی ہو اور جڑیں مضبوط نہ ہوں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا اور آخرت میں برقرار رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اللہ جو چاہے کرے۔ (۳) دوسری جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ اس مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جسے کسی چیز پر اختیار نہیں۔ (۴) اور جگہ فرمایا۔ دو شخصوں کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک تو گونگا اور بالکل گرا پڑا بے طاقت ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے جہاں جائے برائی ہی لے کر آئے اور دوسرا وہ جو عدل و حق کا حکم کرے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (۵) الخ دوسری جگہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے خود تمہاری مثال بیان فرماتا ہے کیا تم اپنی چیزوں میں اپنے غلاموں کو بھی اپنا شریک اور برابر کا حصہ دار سمجھتے ہو؟ (۶) اور جگہ ارشاد ہے اس شخص کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جس کے بہت سے برابر کے شریک ہوں الخ۔ (۷) اور جگہ ارشاد ہے ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں (پوری طرح) صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ (۸) ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں۔ بعض سلف صالحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں جب میں قرآن کی کسی مثال کو سنتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا تو مجھے رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ایماندار ان پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ (۹) قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ انہیں اللہ کا کلام سمجھتے ہیں۔ "اَنَّهٗ" کی ضمیر کا مرجع مثال ہے یعنی مومن اس مثال کو اللہ کی جانب سے اور حق سمجھتے ہیں اور کافر باتیں بناتے ہیں جیسے سورہ مدثر میں ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ (المدثر/۳۱) الخ یعنی ہم نے آگ والے فرشتوں کی گنتی کو کفار کی آزمائش کا سبب بنایا ہے۔ اہل کتاب یقین کرتے ہیں اور ایماندار ایمان میں بڑھ جاتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کو کوئی شک نہیں رہتا لیکن بیمار دل اور کفار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہاں بھی اسی ہدایت و ضلالت کو بیان کیا۔

جنہوں نے اللہ کے عہد کا پاس نہ رکھا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور مومن راہ پاتے ہیں۔ گمراہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ اس مثال کے درست اور صحیح ہونے کا علم ہونے

---

(۱) [سورة الحج : آیت ۷۳]
(۲) [سورة عنکبوت : آیت ٤١]
(۳) [سورة ابراهيم : آیت ٢٤ ـ ٢٧]
(۴) [سورة النحل : آیت ۷۵]
(۵) [سورة النحل : آیت ٧٦]
(۶) [سورة الروم : آیت ٢٨]
(۷) [سورة الزمر : آیت ٢٩]
(۸) [سورة العنكبوت : ٤٣]
(۹) [تفسير ابن ابی حاتم (٩٣/١)]

کے باوجود اسے جھٹلاتے ہیں اور مومن اقرار کر کے ہدایت و ایمان کو بڑھا لیتے ہیں۔ [1] "فَاسِقِيْنَ" سے مراد منافق ہیں۔ بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مراد خوارج ہیں۔ اگر اس قول کی سند حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تک صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ تفسیر معنوی ہے اس سے مراد خوارج نہیں ہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی فاسقوں میں داخل ہے جنہوں نے نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی تھی تو یہ لوگ گو نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے لیکن اپنے بدترین وصف کی وجہ سے معناً فاسقوں میں داخل ہیں۔ انہیں خارجی اس لیے کہا گیا ہے کہ امام برحق کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور شریعت اسلام کی پابندی سے آزاد ہو گئے تھے۔ لغتً میں فاسق کہتے ہیں اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو۔ جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں "فَسَقَتْ" چوہے کو بھی "فُوَيْسِقَه" کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر فساد کرتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں حرم میں اور حرم باہر کے قتل کر دیئے جائیں۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کالا کتا۔ [2] پس لفظ فاسق کافر کو اور ہر نافرمان کو شامل ہے لیکن کافر فاسق سے زیادہ سخت اور زیادہ برا ہے اور آیت میں مراد فاسق سے کافر ہے واللہ اعلم۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعد میں ان کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہیں۔ اس کے فرمان کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور یہ سب اوصاف کفار کے ہیں۔

جنہوں نے اللہ کا عہد نبھایا: مومنوں کے اوصاف تو اس کے برخلاف ہوتے ہیں جیسے سورہ رعد میں بیان ہے کہ ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ﴾ (الرعد/۱۹) الخ کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترا وہ حق ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو؟ نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور میثاق نہیں توڑتے اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑتے ہیں اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور حساب کی برائی سے کانپتے رہتے ہیں۔ آگے چل کر فرمایا۔ جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیں اور جس چیز کے ملانے کا اللہ کا حکم ہو وہ اسے نہ ملائیں اور زمین میں فساد پھیلائیں ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے۔ [3] یہاں عہد سے مراد وہ وصیت ہے جو اللہ نے بندوں کو کی تھی جو اس کے تمام احکام بجالانے اور تمام نافرمانیوں سے بچنے پر مشتمل ہے۔ اس کا توڑ دینا اس پر عمل نہ کرنا ہے۔

بعض کہتے ہیں عہد توڑنے والے اہل کتاب کے کافر اور ان کے منافق ہیں اور عہد وہ ہے جو ان سے تورات

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۴۰۸)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب اذا وقع الذباب فی شراب (۳۳۱۴) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ الدواب فی الحل والحرام (۱۱۹۸) نسائی : کتاب المناسك : باب قتل الحداء فی الحرم (۲۸۹۲) ترمذی : کتاب الحج : باب ما یقتل المحرم من الدواب (۸۳۷) مسند احمد (۶/۱۶۴)]

[3] [سورۃ الرعد : آیت ۲۵]

میں لیا گیا تھا کہ وہ اس کی تمام باتوں پر عمل کریں اور محمد ﷺ کی اتباع کریں جب بھی آپ تشریف لے آئیں آپ کی نبوت کا اقرار کریں اور جو کچھ آپ اللہ کی جانب سے لے کر آئیں اس کی تصدیق کریں اور اس عہد کو توڑ دینا یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا علم ہونے کے باوجود الٹا اطاعت سے انکار کر دیا اور باوجود عہد کا علم ہونے کے اسے چھپایا دنیاوی مصلحتوں کی بنا پر اس کا الٹ کیا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ اس قول کو پسند کرتے ہیں اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص جماعت نہیں بلکہ شرک و کفر و نفاق والے سب کے سب مراد ہیں۔ عہد سے مراد اپنی توحید اور نبی ﷺ کی نبوت کا اقرار کرانا ہے جن کی دلیل میں کھلی ہوئی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزے موجود ہیں اور اس عہد کو توڑ دینا توحید و سنت سے منہ موڑنا اور انکار کرنا ہے یہ قول اچھا ہے زمخشری رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرح ہے وہ کہتے ہیں عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے کا اقرار ہے جو فطرت انسان میں داخل ہونے کے علاوہ روز میثاق بھی منوایا گیا ہے فرمایا گیا تھا کہ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ (اعراف / ١٧٢) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا تھا ”بَلٰی“ بے شک تو ہمارا رب ہے۔ پھر جو کتابیں دی گئیں ان میں بھی اقرار کرایا گیا جیسے فرمایا ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ﴾ الخ[1] میرے عہد کو نبھاؤ میں بھی اپنے وعدے پورے کروں گا۔ بعض کہتے ہیں وہ عہد مراد ہے جو روحوں سے لیا گیا تھا جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالی گئی تھیں جیسے فرماتا ہے ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ﴾ (اعراف / ١٧٢) الخ جب تیرے رب نے اولاد آدم سے وعدہ لیا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور ان سب نے اقرار کیا۔ اور اس کا توڑنا اس سے انحراف ہے۔ یہ تمام اقوال تفسیر ابن جریر میں منقول ہیں۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عہد اللہ کو توڑنا منافقوں کا کام ہے جن میں یہ چھ خصلتیں ہوتی ہیں۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا' اللہ کے عہد کو مضبوطی کے بعد توڑ دینا' اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کے ملانے کا حکم دیا ہے' انہیں نہ ملانا' زمین میں فساد پھیلانا۔ یہ چھ خصلتیں ان کی اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ ان کا غلبہ ہو اور جب وہ مغلوب ہوتے ہیں تو تین اگلے کام کرتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کے احکام کو پڑھنا جاننا سچ کہنا پھر نہ ماننا بھی عہد کو توڑنا تھا اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد صلہ رحمی کرنا' قرابت کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ہے جیسے اور جگہ قرآن مجید میں ہے ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ (محمد / ٢٢) قریب ہے کہ تم اگر لوٹو تو زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ دو۔[2] ابن جریر رحمہ اللہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت عام ہے یعنی جسے ملانے اور ادا کرنے کا حکم دیا تھا انہوں نے اسے توڑا اور حکم عدولی کی۔ ”خٰسِرُوْنَ“ سے مراد آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں[3] جیسے فرمان باری ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ (الرعد / ٢٥) ان لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اہل اسلام کے سوا جہاں دوسروں کو قرآن نے ”خَاسِر“ کہا ہے

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ٤٠] [2] [تفسیر طبری (٤١٦/١)] [3] [تفسیر ابن ابی حاتم (١٠١/١)]

وہاں مراد کافر ہے اور اہل اسلام کے لیے جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد گنہگار ہیں۔ [1] ﴿خَاسِرُوْنَ﴾ جمع ہے "خَاسِر" کی۔ چونکہ ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیوی لذتوں میں پڑ کر رحمت اللہ سے علیحدگی کر لی اس لیے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا جیسے وہ شخص جسے اپنی تجارت میں گھاٹا آئے اسی طرح یہ کافر و منافق ہیں یعنی قیامت والے دن جب رحم و کرم کی بہت ہی حاجت ہو گی اس دن رحمت الٰہی سے محروم رہ جائیں گے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے ○

زندگی اور موت کا حقیقی مالک: اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ قدرتوں والا ہے وہی پیدا کرنے والا اور اختیار والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیسے کر سکتے ہو؟ یا اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیسے کر سکتے ہو؟ جبکہ تمہیں عدم سے وجود میں لانے والا ایک وہی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا کیے گئے؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ انہوں نے زمین و آسمان بھی پیدا کیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بے یقین لوگ ہیں۔ [2] اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾ [3] یقیناً انسان پر وہ زمانہ بھی آیا ہے جس وقت یہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔ اور بھی اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے ﴿رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ﴾ [4] الخ اے اللہ دو دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دو دفعہ جلایا ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے الخ۔ اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا﴾ الخ میں ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا یعنی پیدا کیا پھر تمہیں مارے گا یعنی موت ایک روز ضرور آئے گی پھر تمہیں قبروں سے وہ اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے پھر دوسری دنیا میں مرنے اور قبروں کی طرف جانے کی پھر قیامت کے روز اٹھ کھڑے ہونے کی۔ دو زندگیاں اور دو موتیں۔ [5] ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا پھر دنیوی موت ان پر آئی پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا لیکن یہ قول غریب ہے۔ پہلا قول ہی درست ہے۔ ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۴۱۷)]
[2] [سورة الطور : آیت ۳۵۔ ۳۶]
[3] [سورة الدهر : آیت ۱]
[4] [سورة غافر : آیت ۱۱]
[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۴۱۹)]

﴿يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ (الجاثية/ ٢٦) الخ اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے پھر مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا الخ۔ ان پتھروں اور تصویروں کو جنہیں مشرکین پوجتے تھے قرآن نے مردہ کہا۔ فرماتا ہے:
﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ﴾ (النحل/ ٢١) وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں۔ زمین کے بارے میں فرمایا ﴿وَآيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾ (يٰسين/ ٣٣) الخ ان کے لیے مردہ زمین بھی ہماری صداقت کی نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ع ۳

وہی اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان ساتوں کو ٹھیک ٹھاک کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے ○

ارض وسماء کی تخلیق: اوپر کی آیات میں ان دلائل قدرت کا بیان تھا جو خود انسان کے اندر ہیں اب اس مبارک آیت میں ان دلائل کا بیان ہو رہا ہے جو روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ "اِسْتَوَا" یہاں پر قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لیے کہ اس کا صلہ "اِلٰی" ہے "سَوّٰهُنَّ" کے معنی درست کرنے اور ساتوں آسمان بنانے کے ہیں سَمَآءٌ اسم جنس ہے۔ پھر بیان فرمایا کہ اس کا علم محیط کل ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ (الملك/ ١٤) کیا وہ بے علم ہو سکتا ہے جو خالق ہو؟ سورہ سجدہ کی آیت ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ﴾ (حم السجده/ ٩) الخ گویا اس آیت کی تفصیل ہے جس میں فرمایا ہے کیا تم اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا کیا تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو؟ جو رب العالمین ہے جس نے زمین میں مضبوط پہاڑ اوپر سے گاڑ دیئے جس نے اس زمین میں برکتیں اور روزیاں رکھیں اور چار دن میں زمین کی سب چیزیں درست کر دیں۔ جس میں دریافت کرنے والوں کی تشفی ہے پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر جو دھوئیں کی شکل میں تھے فرمایا کہ اے زمینو اور آسمانو خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو دونوں نے کہا باری تعالیٰ ہم تو رضا و خوشی حاضر ہیں۔ دو دن میں ان ساتوں آسمانوں کو پورا کر دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام بانٹ دیا اور دنیا کے آسمان کو ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا اور انہیں (شیطانوں سے) بچاؤ کا سبب بنایا۔ یہ ہے اندازہ اس اللہ کا جو بہت بڑا غالب اور بہت بڑے علم والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پیدا کی پھر ساتوں آسمان۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عمارت کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ بنایا جائے پھر اوپر کا۔ مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جس کا بیان بھی ابھی آتا ہے۔ (ان شاء اللہ) لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ﴾ (النزعت/ ٢٧) الخ تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی موٹائی بلند کر کے انہیں ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کیے پھر اس کے بعد زمین پھیلائی اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں۔ اس آیت میں

یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں "ثُمَّ" صرف عطف خبر کے لیے ہے عطف فعل کے لیے نہیں [1] یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے اشعار میں یہ موجود ہے کہ کہیں "ثُمَّ" صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لیے ہوتا ہے تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت "ءَ اَنْتُمْ" میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلانا اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا۔ تو ٹھیک یہ ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا اسی طرح دونوں آیتیں ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں گی۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی۔ البتہ زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی پھر اس کو الگ الگ کر کے ساتھ زمینیں بنائیں اتوار اور پیر کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں۔ زمین مچھلی پر ہے اور مچھلی وہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿نٓ وَالْقَلَمِ﴾ (القلم/۱) مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتے پتھر پر اور یہ پتھر وہ ہے جس کا ذکر حضرت لقمان علیہ السلام نے کیا ہے۔ یہ پتھر ہوا پر ہے مچھلی کے ہلنے سے زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا' اور وہ ٹھہر گئی' یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ﴾ (الانبیاء/۳۱) الخ زمین نہ ہلے اس لیے ہم نے اس میں پہاڑ جما دیئے ہیں۔ پہاڑ زمین کی پیداوار درخت وغیرہ زمین کی کل چیزیں منگل اور بدھ کے دو دنوں میں پیدا کیں اسی کا بیان ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ﴾ [2] الخ' والی آیت میں ہے پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھواں تھا آسمان بنایا پھر اسی میں ساتھ آسمان بنائے جمعرات اور جمعہ کے دو دنوں میں جمعہ کے دن کو اس لیے جمعہ کہا جاتا ہے کہ اس میں زمین وآسمان کی پیدائش جمع ہو گئی ہر آسمان میں اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان ان چیزوں کو جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں کہ دنیا آسمان کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور انہیں شیطان سے حفاظت کا سبب بنایا ان تمام چیزوں کو پیدا کر کے پروردگار نے عرش عظیم پر قرار پکڑا جسے فرماتا ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (اعراف/۵۴) یعنی چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کر کے پھر عرش پر مستوی ہو گیا اور جگہ فرمایا ﴿كَانَتَا رَتْقًا﴾ (الانبیاء/۳۰) الخ یعنی یہ دونوں دھواں سے تھے ہم نے انہیں پھاڑا اور پانی سے ہر چیز کو زندگی دی (تفسیر سدی) (یہ موقوف قول جس میں کئی قسم کا احتمال ہے بہ ظاہر اً ایسی اہم بات میں حجت تامہ نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم) ابن جریر میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوئی۔ دو دن میں زمینیں

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۴۳۷)] [2] [سورہ حم السجدہ : آیت ۹]

پیدا ہوئیں دو دن میں ان میں موجود تمام چیزیں پیدا کیں اور دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا جمعہ کے دن آخری وقت ان کی پیدائش ختم ہوئی اور اسی وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی وقت میں قیامت قائم ہو گی۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا اس سے جو دھواں اوپر چڑھا اس کے آسمان بنائے جو ایک پر ایک اس طرح سات ہیں اور زمینیں ایک نیچے ایک اوپر اس طرح سات ہیں۔ [1] اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے جیسے سورہ ﴿حٰمٓ﴾ سجدہ کی آیت میں ہے۔ علماء بھی اسی پر متفق ہیں۔ صرف قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ اسی میں توقف کرتے ہیں۔ ﴿وَالنّٰزِعٰتِ﴾ کی آیت کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین پیدا تو آسمانوں سے پہلے کی گئی ہے لیکن بعد میں پھیلائی گئی ہے۔ [2] یہی جواب اگلے پچھلے علماء کا ہے۔ سورہ ﴿وَالنّٰزِعٰتِ﴾ کی تفسیر میں بھی اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حاصل امر یہ ہے کہ زمین کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے اور ﴿دَحٰىهَا﴾ کا لفظ قرآن میں ہے اور اس کے بعد جو پانی، چارہ، پہاڑ وغیرہ کا ذکر ہے یہ گویا اس لفظ کی تشریح ہے جن جن چیزوں کی نشو و نما کی قوت اس زمین میں رکھی تھی ان سب کو ظاہر کر دیا اور زمین کی پیداوار طرح طرح کی مختلف شکلوں اور مختلف قسموں میں نکل آئی۔ اسی طرح آسمان میں بھی ٹھہرے رہنے والے چلنے والے ستارے وغیرہ بنائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا، پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن، برائیوں کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن، آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن اور عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک۔ [3] یہ حدیث غرائب مسلم میں سے ہے۔ امام ابن مدینی رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے اس پر بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنا ہے اور بعض راویوں نے اسے غلطی سے مرفوع حدیث قرار دے لیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ یہی کہتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۴۳۶)] [2] [بخاری : کتاب التفسیر (۸/۵۵۵۔مع الفتح)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین باب ابتداء الخلق وخلق آدم (۲۷۸۹) تفسیر ابن ابی حاتم (۳۰۵) النسائی فی السنن الکبری (۱۱۰۱۰) تفسیر ابن جریر (۲۴/۹۵) بیهقی فی الاسماء والصفات (۲/۱۴۲) مسند احمد (۲/۳۲۷)]

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ○

خلیفہ بنانے کا مقصد: اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں میں ان کا ذکر کیا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم یاد کرو اور اپنی امت کو یہ خبر پہنچاؤ۔ ابوعبیدہ تو کہتے ہیں کہ لفظ "اِذْ" یہاں زائد ہے لیکن ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ مفسرین اس کی تردید کرتے ہیں ﴿خَلِیْفَةً﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان کے یکے بعد دیگرے بعض کے بعض جانشین ہوں گے اور ایک زمانہ کے بعد دوسری زمانہ میں یونہی صدیوں تک یہ سلسلہ رہے گا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ (الانعام ۱۶۵) دوسری جگہ فرمایا ﴿وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ (النمل/٦٢) یعنی تمہیں اس نے زمین کا خلیفہ بنا دیا اور ارشاد ہے کہ ان کے بعد ان کے خلیفہ یعنی جانشین برے لوگ ہوئے۔ [1] ایک شاذ قرات میں ﴿خَلِیْقَةً﴾ بھی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن اس میں تامل ہے۔ تفسیر رازی کے مفسر نے اختلاف کو ذکر کیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں۔ اس کی ایک دلیل تو فرشتوں کا یہ قول ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اولاد آدم علیہ السلام کی نسبت یہ فرمایا تھا نہ کہ خاص حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا علم فرشتوں کو کیونکر ہوا؟ یا تو کسی خاص ذریعہ سے انہیں یہ معلوم ہوا یا بشری طبیعت کے اقتضاء کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا کیونکہ یہ فرما دیا گیا تھا کہ اس کی پیدائش مٹی سے ہوگی یا لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ فیصلے کرنے والا مظالم کی روک تھام کرنے والا اور حرام کاموں اور گناہوں کی باتوں سے روکنے والا ہوگا یا انہوں نے چونکہ زمین کی پہلی مخلوق کو دیکھا تھا اسی بنا پر اسے بھی قیاس کیا ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فرشتوں کی یہ عرض بطور اعتراض کے نہ تھی نہ بنی آدم کے حسد کے طور پر تھی۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قطعی غلطی کر رہے ہیں۔ فرشتوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے ﴿لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ (الانبیاء/٢٧) یعنی جس بات کے دریافت کرنے کی انہیں اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طبیعت حسد سے پاک ہے) بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ سوال صرف اس حکمت معلوم کرنے کے لیے اور اس راز کے ظاہر کرانے کے لیے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ [2] یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فسادی لوگ بھی ہوں گے تو اب باادب سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کون سی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں۔ تسبیح و تقدیس و تحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے اور پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں تو پھر اور مخلوق جن میں فسادی اور خونی بھی ہوں گے کس مصلحت پر پیدا کی جا رہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس کے فساد کے اسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر میں پیدا کر رہا ہوں

---

[1] [سورۃ مریم : آیت ٥٩]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٤٦٤)]

انہیں میں ہی جانتا ہوں تمہارا علم ان حکمتوں تک نہیں پہنچ سکتا میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے ان میں صدیق اور شہید ہوں گے۔ ان میں عابد' زاہد' اولیاء' ابرار' نیکوکار' مقرب بارگاہ' علماء' صلحاء' متقی' پرہیز گار' خوف الٰہی' حب باری تعالیٰ رکھنے والے بھی ہوں گے۔ میرے احکام کی بسر و چشم تعمیل کرنے والے' میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک پکارنے والے بھی ہوں گے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں تب رات کے فرشتے آتے ہیں اور صبح کو جاتے ہیں۔ آنے والے جب آتے ہیں تب بھی اور جب جاتے ہیں تب بھی صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں اور دربار الٰہی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے [1] یہی وہ مصلحت اللہ ہے جسے فرشتوں کو بتایا گیا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ ان فرشتوں کو اسی چیز کو دیکھنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے الہ العالمین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ [2] غرض تفصیلی حکمت جو پیدائش انسان میں تھی اس کی نسبت فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے۔ جو تمہیں معلوم نہیں بعض کہتے ہیں یہ جواب فرشتوں کے اس قول کا ہے کہ ہم تیری تسبیح وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو انہیں فرمایا گیا کہ میں ہی جانتا ہوں تم جیسا کہ اپنے آپ کو سمجھتے ہو اور سب کو یکساں کر رہے ہو' ایسا نہیں بلکہ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سب کہنا دراصل یہ مطلب رکھتا تھا کہ ہمیں زمین میں بسایا جائے تو جواباً کہا گیا کہ تمہاری آسمانوں میں رہنے کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تمہارے لائق جگہ یہی ہے واللہ اعلم۔

حسن' قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں مشورہ لیا۔ لیکن اس کے معنی بھی خبر دینے کے ہو سکتے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو پھر یہ بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکہ سے زمین پھیلائی اور بچھائی گئی تو بیت اللہ شریف کا طواف سب سے پہلے فرشتوں نے کیا اور زمین میں خلیفہ بنانے سے مراد مکہ میں خلیفہ بنانا ہے۔ [3] یہ حدیث مرسل ہے پھر اس میں ضعف ہے اور مدرج ہے یعنی زمین سے مراد مکہ لینا راوی کا اپنا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے مراد عام ہے ساری زمین مراد ہے۔ فرشتوں نے جب یہ سنا تو پوچھا تھا کہ وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اور جواب میں کہا گیا تھا کہ اس کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زمین میں فساد کریں' حسد و بغض کریں' قتل و خون کریں ان میں وہ عدل و انصاف کرے گا اور میرے احکام جاری کرے گا تو اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جو ان کے قائم مقام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق میں عدل و انصاف کرنے کی بنا پر فساد پھیلانے اور خون بہانے والے خلیفہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ والوں کا دوسرے زمانہ کے بعد آنا ہے۔ 'خلیفہ فعیلہ' کے وزن

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب مواقیت الصلوۃ : باب فضل صلاۃ العصر (۵۵۵) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب فضل صلاتی الصبح والعصر (۶۳۲)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب فی قوله ان الله لا ینام (۱۷۹)]

[3] [ضعیف جدا : تفسیر ابن جریر الطبری (۵۹۹) تفسیر ابن ابی حاتم (۳۱۸) الدر المنثور (۱/۴۶)]

پر ہے۔ جب ایک کے بعد دوسرا اس کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں "خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا" فلاں شخص فلاں کا خلیفہ ہوا جیسے قرآن میں ہے کہ ہم ان کے بعد تمہیں زمین کا خلیفہ بنا کر دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو [1] اور اسی لیے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ اگلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن اس کا آبادی کرنے والا ہے۔

یہ آثار اہل کتاب سے لیے گئے ہیں ان میں سے کوئی چیز حجت نہیں اور ضحاک کی ابن عباس سے ملاقات ثابت نہیں نیز بشر بن عمارہ ضعیف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے زمین میں جنات بستے تھے۔ انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور قتل وغارت کیا ابلیس کو بھیجا گیا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے زمین میں بسایا تو گویا یہ ان پہلے والوں کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ پس فرشتوں کے قول سے مراد اولاد آدم ہیں۔ [2] جس وقت ان سے کہا گیا کہ میں زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت زمین تھی لیکن اس میں آبادی نہ تھی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کروا دیا تھا کہ اولاد آدم ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتے بدھ کے دن پیدا ہوئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا ایسا کریں گے اس بنا پر انہوں نے سوال کیا۔

ابو جعفر محمد بن علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سجل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھ ہاروت ماروت تھے اسے ہر دن تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش اور دیگر امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی اطلاع کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابو جعفر رحمہ اللہ نے اسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اخذ کیا ہو۔ بہر صورت یہ ایک واہی تواہی روایت ہے اور قابل تردید ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اس روایت میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا۔ یہ قرآن کی روانی عبارت کے بھی خلاف ہے۔ یہ بھی روایت مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلا دیئے گئے۔ یہ بھی بنی اسرائیلی روایت ہے اور بہت ہی غریب ہے امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سوال کی انہیں اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی معلوم کرا دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہوگی تو انہوں نے نہایت تعجب کے ساتھ اللہ کی مصلحت معلوم کرنے کے لیے یہ سوال کیا نہ کہ کوئی مشورہ دیا یا انکار کیا یا اعتراض کیا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا ناممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو اس پر یہ امتحان اللہ کی طرف سے آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے نہیں

---

[1] [سورۃ یونس : آیت ١٤]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦٠٣) تفسیر ابن ابی حاتم (٣٢٧)]

چھوٹی۔ زمین اور آسمان پر بھی امتحان آیا تھا اور انہوں نے سرخم کر کے اطاعت الٰہیہ کے لیے آمادگی ظاہر کی فرشتوں کی تسبیح وتقدیس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا نماز پڑھنا بے ادبی سے بچنا' بڑائی اور عظمت کرنا ہے۔ فرماں برداری کرنا سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ وغیرہ پڑھنا ہے۔ قدوس کے معنی پاک کے ہیں۔ پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ کون سا کلام افضل ہے؟ جواب دیتے ہیں وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے پسند فرمایا ہے ﴿سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ﴾ [1] (صحیح مسلم) حضور ﷺ نے معراج والی رات آسمانوں پر فرشتوں کی یہ تسبیح سنی ﴿سُبْحَانَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی سُبْحَانَہٗ﴾ [2] امام قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تا کہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے' ان کے جھگڑے چکائے' مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے' حدیں قائم کرے' برائیوں کے مرتکب لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے وغیرہ وغیرہ' وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے لہٰذا خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ثابت ہوا۔

امامت یا تو قرآن وحدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضور ﷺ نے خلافت کے لیے لیا تھا یا قرآن وحدیث سے اس کی جانب اشارہ ہو۔ جیسے اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر حضور ﷺ نے خلافت کے لیے کیا۔ یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر دیا جائے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا' یا اہل حل وعقد (یعنی با اثر سرداران لشکر علماء وصلحاء وغیرہ) اس کی بیعت پر اجماع کر لیں یا ان میں سے کوئی اس کی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا۔ امام الحرمین رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ یا کوئی شخص لوگوں کو بزور وجبر اپنی ماتحتی پر بے بس کر دے تو بھی واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تا کہ پھوٹ اور اختلاف نہ پھیلے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے صاف لفظوں میں فیصلہ کیا ہے۔ اس بیعت کے وقت گواہوں کی موجودگی کے واجب ہونے میں اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں یہ شرط نہیں' بعض کہتے ہیں شرط ہے اور دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کہتا ہے بیعت کرنے والے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے ان دونوں کے علاوہ چار گواہ چاہئیں' جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے چھ ارکان مقرر کیے تھے پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار کر دیا اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر باقی چاروں کی موجودگی میں بیعت کی لیکن اس استدلال میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ امام کا مرد ہونا' آزاد ہونا'

---

[1] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب فضل سبحان اللہ وبحمدہ (۲۷۳۱) بخاری فی الادب المفرد (۶۳۸) ترمذی (۳۵۹۳) مسند احمد (۱۶۱/۵)]

[2] [ضعیف :الطبرانی فی الاوسط (۳۷۴۲) الدر المنثور للسیوطی (۱۸۳/۴) ابو نعیم فی الحلیۃ (۷/۲)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ مسکین بن میمون کی حدیث منکر ہے۔[مجمع الزوائد (۷۸/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[کتاب الاسراء والمعراج (ص : ۷۱)]

بالغ ہونا، عقلمند ہونا، مسلمان ہونا، عادل ہونا، مجتہد ہونا، آنکھوں والا ہونا، صحیح سالم اعضاء والا ہونا، فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا، قریشی ہونا واجب ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ ہاں ہاشمی ہونا اور خطا سے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ دونوں شرطیں متشدد رافضی لگاتے ہیں امام اگر فاسق ہو جائے تو اسے معزول کر دینا چاہیے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ معزول نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ جب تک ایسا کھلا کفر نہ دیکھ لو جس کے کفر ہونے کی ظاہر دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہو"[1] اسی طرح خود امام اپنے آپ معزول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ خود بخود آپ ہی معزول ہو گئے تھے اور امر امامت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا تھا لیکن یہ عذر کے باعث تھا جس پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔

روئے زمین پر ایک سے زیادہ امام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تم میں اتفاق ہو اور کوئی اگر تم میں جدائی ڈالنی چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔[2] جمہور کا یہی مذہب ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ جن میں سے ایک امام الحرمین رحمہ اللہ ہیں۔ کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ دو اور زیادہ بھی ایک وقت میں امام ہو سکتے ہیں جیسے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اطاعت کے لائق تھے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ جب ایک وقت میں دو دو اور زیادہ نبیوں کا ہونا جائز ہے تو اماموں کا ہونا جائز کیوں نہ ہو؟ نبوت کا مرتبہ تو یقیناً امامت کے مرتبے سے بہت زیادہ ہے (لیکن صحیح مسلم والی حدیث آپ ابھی اوپر پڑھ چکے ہیں کہ دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اس لیے صحیح مذہب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا) امام الحرمین رحمہ اللہ نے استاد ابو اسحاق رحمہ اللہ سے بھی حکایت کی ہے کہ وہ دو اور زیادہ اماموں کا مقرر کرنا اس وقت جائز جانتے ہیں جب مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی وسیع ہو اور چاروں طرف پھیلی ہوئی ہو اور دو اماموں کے درمیان کئی ملکوں کا فاصلہ ہو۔ امام الحرمین رحمہ اللہ اس میں تردد میں ہیں، خلفائے بنی عباس کا عراق میں اور خلفائے بنی فاطمہ کا مصر میں اور خاندان بنی امویہ کا مغرب میں میرے خیال سے یہی حال تھا۔ اس کی بسط و تفصیل ان شاء اللہ کتاب الاحکام کی کسی مناسب جگہ ہم کریں گے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب الفتن: باب قول النبی ﷺ سترون بعدی اموراً تنكرونها (٧٠٥٦) صحیح مسلم: كتاب الطهارة: باب وجوب طاعة الامراء فی غير معصية (١٧٠٩) صحيح ابن حبان (٤٥٤٧) مسند احمد (٣١٦/٥)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: كتاب الامارة؛ باب حكم من فرق امر المسلمين وهو مجتمع (١٨٥٢) ابو داؤد: كتاب السنة: باب فی الخوارج (٤٧٦٢) نسائی: كتاب المحاربة: باب قتل من فارق الجماعة (٤٠٢٦) مسند احمد (٢٦١/٤)]

اور اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ○ ان سب نے کہا اے اللہ تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے○ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی سے) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے○

فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب: یہاں سے اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن اللہ کی جو حکمت آپ کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا اور اس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گذرا ہے اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے واقعہ ہوا تھا بعد میں بیان کر دیا تا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم علیہ السلام کو اس لیے ملی کہ انہیں وہ علم حاصل ہے جس سے فرشتے خالی ہیں۔

فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے سب جانوروں، زمین، آسمان، پہاڑ، تری، خشکی، گھوڑے، گدھے، برتن، چرند، پرند، فرشتے، تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے۔ [1] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد ﴿عَرَضَهُمْ﴾ آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لیے آتا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کا ہی لایا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ (النور/ ٤٥) الخ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا جن میں سے بعض تو پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔

علاوہ ازیں "عَرَضَهُنَّ" بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات میں "عَرَضَهَا" بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی صفاتی نام بھی اور کاموں کے نام بھی، جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ گوز کا نام تک بھی بتایا گیا تھا۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث لائے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان دار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہوتا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر اللہ کے پاس بھیجیں چنانچہ یہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش لے جائیں۔ جو ہم اس سے راحت پائیں۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٤٥٨)]

حضرت آدم علیہ السلام یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، آپ بھی یہی جواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لیے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرما جائیں گے، اور فرمائیں گے تم خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ نے کلام کیا اور جنہیں تورات عنایت فرمائی۔ یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور آپ سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی جواب پائیں گے آپ کو بھی ایک شخص کو بغیر قصاص کے مار ڈالنا یاد آ جائے گا اور شرمندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ یہ سب ان کے پاس بھی جائیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ اب وہ سارے کے سارے میرے پاس آئیں گے میں آمادہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دے دی جائے گی میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک اللہ کو منظور ہو گا سجدے میں ہی پڑا رہوں گا پھر آواز آئے گی کہ سر اٹھایئے سوال کیجیے پورا کیا جائے گا' کہیے سنا جائے گا' شفاعت کیجیے قبول کی جائے گی۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ وہ تعریفیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لیے حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا۔ پھر اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر شفاعت کروں گا پھر حد مقرر ہو گی انہیں بھی جنت میں پہنچا کر تیسری مرتبہ آؤں گا پھر چوتھی بار حاضر ہوں گا یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو اور جن کے لیے جہنم کی مداومت واجب ہو گئی ہو [1] (یعنی شرک و کفر کرنے والے) صحیح مسلم میں، نسائی میں، ابن ماجہ وغیرہ میں یہ حدیث شفاعت موجود ہے۔ [2]

صرف اللہ ہی عالم الغیب: یہاں اس کے وارد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور ان سے فرمایا کہ لو اگر تم اپنے قول میں سچے ہو کہ تم ساری مخلوق سے زیادہ علم والے ہو یا اپنی اس بات میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ زمین میں خلیفہ نہ بنائے گا تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ یہ بھی مروی ہے کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ ''بنی آدم فساد کریں گے اور خون بہائیں گے'' سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ [3] لیکن قول پہلا ہی ہے۔ گویا اس میں انہیں ڈانٹا گیا کہ بتاؤ تمہارا قول کہ تم ہی زمین کی خلافت کے لائق ہو اور انسان نہیں۔ تم ہی میرے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : (٤٤٧٦)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها (١٩٣) ابن ماجه : کتاب الزهد: باب ذکر الشفاعة (٤٣١٢) مسند احمد (٢٤٤/٣)]

[3] [عبدالرزاق (٤٢/١)]

تسبیح خواں اور اطاعت گزار ہوا اور انسان نہیں اگر تم صحیح ہو تو لو یہ چیزیں جو تمہارے سامنے موجود ہیں۔ انہی کے نام بتاؤ۔ اور اگر تم نہیں بتا سکتے تو سمجھ لو کہ جب موجودہ چیزوں کے نام بھی تمہیں معلوم نہیں تو آئندہ آنے والی چیزوں کی نسبت تمہیں علم کیسے ہوگا؟ فرشتوں نے یہ سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بڑائی اور اپنے علم کی کمی بیان کرنا شروع کر دی اور کہہ دیا کہ جسے جتنا کچھ اے اللہ تو نے سکھا دیا اتنا ہی علم اسے حاصل ہے تمام چیزوں پر احاطہ رکھنے والا علم تو صرف تجھی کو ہے تو ہر چیز کا جاننے والا ہے اپنے تمام احکام میں حکمت رکھنے والا ہے جسے جو سکھائے وہ بھی حکمت سے اور جسے نہ سکھائے وہ بھی حکمت تو حکمتوں والا اور عدل والا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سبحان اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے ہیں کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اپنے پاس کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ تو ہم جانتے ہیں لیکن "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کیا کلمہ ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو باری تعالیٰ نے اپنے نفس کے لیے پسند فرمایا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا کہنا اسے محبوب ہے۔ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے نام بتا دیئے کہ تمہارا نام جبرئیل ہے تمہارا نام میکائیل ہے، تم اسرافیل ہو یہاں تک کہ چیل کوے وغیرہ سب کے نام بھی جب ان سے پوچھے گئے تو انہوں نے بتا دیئے۔ [1] جب حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت فرشتوں کو معلوم ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا دیکھو میں نے تم سے پہلے نہ کہا تھا کہ میں ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہوں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی﴾ (طه/۷) تم بلند آواز سے کہو (یا نہ کہو) اللہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور ارشاد فرمایا ﴿اَلَّا يَسْجُدُوْا﴾ (النمل/۲۵-۲۶) الخ کیوں یہ لوگ اس اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو تمہارے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے تھے اسے بھی میں جانتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ابلیس کے دل میں تکبر اور غرور تھا اسے میں جانتا تھا۔

فرشتوں کا یہ کہنا کہ زمین میں ایسی شخصیت کو کیوں پیدا کرتا ہے جو فساد کرے اور خون بہائے یہ تو وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا اور جو چھپایا تھا وہ ابلیس کے دل میں غرور اور تکبر تھا۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر، مجاہد اور سدی اور ضحاک اور ثوری رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ابو العالیہ ربیع بن انس حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ان کی باطن بات ان کا یہ کہنا تھا کہ جس مخلوق کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا ہم اس سے زیادہ عالم اور زیادہ بزرگ ہوں گے لیکن بعد میں ثابت ہو گیا اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ آدم علیہ السلام کو علم اور فضیلت دونوں میں ان پر فوقیت حاصل ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: جس طرح تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو اسی طرح تم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ان میں بھلے برے ہر طرح کے ہوں گے فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۱۸-۱۱۹)]

بھی۔ اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مجھے جنت دوزخ دونوں کو بھرنا ہے لیکن تمہیں میں نے اس کی خبر نہیں دی۔ اب جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیا ہوا علم دیکھا تو ان کی بندگی کا اقرار کر لیا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ آسمان وزمین کے غیب کا علم تمہارے ظاہر و باطن کا علم مجھے ہے ان کے ظاہری قول کو اور ابلیس کے باطنی عجب وغرور کو بھی جانتا تھا۔[1] اس میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اس لیے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے وہ کہتے ہیں کہ لشکر مار ڈالا گیا یا انہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ بنوتمیم کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حجرے کے آگے سے پکارا تھا لیکن قرآن میں اس کا بیان ان لفظوں میں ہے کہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرَاتِ﴾ (الحجرات / ٤) جو لوگ تمہیں اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) حجروں کے آگے سے پکارتے ہیں۔ تو دیکھئے کہ پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ اسی طرح ﴿وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ میں بھی اپنے دل میں بدی کو چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَـٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ ۔ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۙ وَكَانَ مِنَ
الْكَـٰفِرِينَ ﴿٣٤﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں ○

تخلیق آدم اور انعامات الٰہی: حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان فرمایا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تصدیق میں بہت سی حدیثیں ہیں ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے کرا دیجیے جو خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر علیہما السلام جمع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا[2] (آخر تک) پوری حدیث عنقریب بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جنہیں جن کہتے تھے جو آگ کے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٤٩٨)]

[2] [حسن : ابوداؤد : کتاب السنة : باب فی القدر (٤٧٠٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (١٧٠٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔اس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا۔اس قبیلے کے سوا اور فرشتے سب کے سب نوری تھے۔قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے ﴿مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ (الرحمن/۱۵) آگ کے شعلے کی جو تیزی سے بلند ہوتے ہیں اسے ﴿مَارِجٍ﴾ کہتے ہیں جس سے جن پیدا کیے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔زمین میں پہلے جن بستے تھے۔انہوں نے فساد اور خون ریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا انہی کو''جن'' کہا جاتا تھا۔ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں پہنچا دیا اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ ایسے کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خون ریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھی کو علم ہے تمہیں خبر نہیں پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے ابلیس آتا تھا اور اس پر لات مار کر دیکھتا تھا تو وہ بجتی مٹی ہوتی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑوں گا اور اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی گئی خون گوشت بنتا گیا۔جب ناف تک روح پہنچی تو اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فوراً اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی اس لیے اٹھ نہ سکے اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ (الاسراء/۱۱) یعنی انسان ہے بے صبرا اور جلد باز ہے نہ تو خوشی میں نہ رنج میں۔جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ﴿يَرْحَمُكَ اللّٰهُ﴾ پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو سب نے تو سجدہ کر لیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا اس نے نہ مانا اور سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں اس سے بڑی عمر والا ہوں۔ اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں۔یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لیے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو انسان جانور زمین سمندر پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کیا جو ابلیس کے ساتھی تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں زمین میں اسے خلیفہ نہ بناؤں تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے الہ العالمین ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ عزوجل تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا اور غیب کو جانے ہماری توبہ ہے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں جس کا

علم تو ہمیں دے دے۔ جیسے تو نے ان کے نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتادو چنانچہ انہوں نے بتادیئے تو فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں۔ میں ہر پوشیدہ چیز کو بھی ویسا ہی جانتا ہوں جیسے ظاہر کو یعنی ابلیس کا اندرونی کبروغرور بھی میں جانتا ہوں' اور تم سب اس سے بے خبر ہو لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں خامیاں ہیں ہم اگر انہیں الگ الگ بیان کریں تو مضمون بہت بڑھ جائے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس اثر کی سند بھی وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے جس کے متن میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لیے جب جبرائیل علیہ السلام گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا۔ زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کیے بغیر واپس چلا جاؤں چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک ایک مٹھی مٹی لی۔ چونکہ مٹی کا رنگ کہیں سرخ تھا کہیں سفید کہیں سیاہ اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں لیکن یہ روایت بھی بنواسرائیل کی روایات سے ماخوذ ہے غالباً اس میں بہت سی باتیں پیچھے کے لوگوں کی ملائی گئی ہیں۔ صحابی کا بیان ہی نہیں اگر صحابی کا قول بھی ہو تو انہوں نے بعض اگلی کتابوں سے لیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ابلیس کی معرفت: حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایتیں لائے ہیں اور ان کی سند کو بخاری سے مشروط کیا ہے۔ [1] مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا اس لیے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن ان ہی جیسا اور ان ہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لیے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ [2] کی تفسیر میں آئے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ [3] اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم علیہ السلام کی اصل انس سے ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ اور شہر بن حوشب رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے سعد بن مسعود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں کی عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انہیں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کو کہا۔ انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلا دیئے گئے پھر دوسری مخلوق پیدا کی ان کا بھی یہی حشر ہوا پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے اور اس کی اسناد بھی تقریباً غیر صحیح ہے۔ اس میں

---

[1] [صحیح مستدرك حاكم (۲/۲٦۱) حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

[2] [سورة الكهف : آیت ۵۰] [3] [تفسير ابن جرير الطبری (۱/۵۰۲)]

ایک راوی مبہم ہے اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں ”کَافِرِیْنَ“ سے مرادنا فرمان ہے۔ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر وضلالت پر تھی کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔سجدہ کرنے کا حکم بجالانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت و اکرام کا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھا لیا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا۔[1] اگلی امتوں میں سجدہ تعظیم جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔[2]

امام رازی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا۔حضرت آدم علیہ السلام بطور قبلہ (یعنی سمت) کے تھے جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ (الاسراء/۷۸) لیکن اس میں بھی اختلاف ہے اور پہلے ہی قول کا زیادہ صحیح ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے اکرام بڑائی احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی۔امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو قوی قرار دیا ہے اور اس کے سوا دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا اشرف ظاہر نہیں ہوتا دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا نہ کہ زمین میں ماتھا ٹکا کر حقیقی سجدہ کرنا لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔صحیح حدیث میں ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔[3] اسی تکبر کفر و عناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری سے دھتکارا گیا۔یہاں ”كَانَ صَارَ“ کے معنی میں بھی بتلایا گیا ہے جیسے کہ ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ﴾ (ھود/۴۳) اور ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرہ ۳۵) شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا ابن فورک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا۔

---

[1] [سورة یوسف : آیت ۱۰۰]

[2] [صحیح : ابن ماجہ : کتاب النکاح : باب حق الزوج علی المراۃ (۱۸۵۲) مسند احمد (۳۸۱/۴) بزار (۱۴۶۱) طبرانی (۷۲۹۴) بیھقی (۲۹۲/۷) ابن حبان (۴۱۷۱) عبدالرزاق (۲۰۵۰۹)] امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۵۵/۷۔۵۶) السلسلہ الصحیحہ (۱۲۰۳)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب تحریم الکبر و بیانہ (۹۱)]

قرطبی رحمہ اللہ اس کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کرامتیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ہم اس بات کا کسی کے لیے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ سے جا ملے گا اسی شیطان کو دیکھئے ولی ہی نہیں بلکہ فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا۔ علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت و عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں سے بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق فاجر مشرک کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ (الدخان / ۱۰) کی آیت دل میں سوچ کر جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میں نے کیا سوچا ہے تو اس نے کہا تھا دُخٌ [1]

بعض روایات میں ہے کہ غصہ کے وقت وہ اتنا پھول جاتا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے مارا۔ [2] دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں احادیث میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برسانا زمین سے پیداوار اگانا، زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا۔ ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر جلانا وغیرہ وغیرہ۔ [3]

حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھ بیٹھو جب تک کہ اس کے تمام اعمال و افعال قرآن و حدیث کے مطابق نہ پاؤ۔ اس سجدے کا حکم زمین و آسمان کے تمام فرشتوں کو تھا گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ (الحجر ۳۰۔۳۱) یعنی ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا پس اول تو جمع کا صیغہ لانا پھر "كُلُّهُمْ" سے تاکید کرنا پھر "أَجْمَعُونَ" کہنا اس کے بعد صرف ابلیس کا استثناء کرنا ان چاروں وجوہات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے ۝ لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ۝

آدم علیہ السلام جنت میں اور حواء علیہا السلام کی تخلیق: حضرت آدم علیہ السلام کی یہ اور بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجنائز: باب اذا اسلم الصبی فمات (۱۳۵۴) صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب ذکر ابن صیاد (۲۹۳۰)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب ذکر ابن صیاد (۲۹۳۲)]

[3] [صحیح: بخاری: کتاب الفتن: باب ذکر الدجال (۷۱۲۲) صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب ذکر ابن صیاد (۲۹۳۳)]

کرانے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور ہر چیز کی رخصت دے دی۔ ابن مردویہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! نبی بھی، رسول بھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ [1] عام مفسرین کا بیان ہے کہ آسمانی جنت میں انہیں بسایا گیا تھا لیکن معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین پر تھی۔ سورۂ اعراف میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حوا رضی اللہ عنہا پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ کے علماء سے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ ابلیس کے مردود قرار دینے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ کی فوقیت طاری کر دی گئی اور ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا کیا۔ جب آنکھ کھول کر حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے ان میں انس و محبت ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا فرمایا۔ [2] بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود، وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگے، انہیں دیکھا تو پوچھا تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لیے پیدا کی گئی ہوں تو فوراً فرشتوں نے پوچھا فرمایئے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے کہا ''حوآء'' انہوں نے کہا اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا اس لیے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی آواز آئی، اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں با آرام و اطمینان رہو اور جو چاہو کھاؤ۔

لیکن ایک خاص درخت سے روکنا دراصل امتحان تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ انگور کی بیل تھی۔ کوئی کہتا ہے۔ گیہوں کا درخت تھا۔ کسی نے سنبلہ کہا ہے۔ کسی نے کھجور، کسی نے انجیر کہا ہے۔ کسی نے کہا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق نہیں۔ کسی نے کہا ہے، اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشہ کی زندگی پا گئے ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ نے روک دیا۔ نہ قرآن سے اس کا تعین ثابت ہوتا ہے نہ کسی صحیح حدیث سے اور مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم ہونے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں لہٰذا اس کی جستجو کی کیا ضرورت؟ اللہ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ امام رازی وغیرہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور ٹھیک بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے ''عنها'' کی ضمیر کا مرجع بعض نے جنت

---

[1] [صحیح: ابن حبان (۳٦۱) ابن عدی (۲٦۹۹/۷) مسند احمد (۱۷۸/۵) مجمع الزوائد (۱٦۰/۱) بیهقی فی السنن (۴/۹) ابو نعیم فی الحلیة (۱٦۸/۱) طبرانی اوسط (۴۲۵۹)] حافظ زبیر علی زئی کی تحقیق کے مطابق اس کی سند صحیح ہے۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۱۴/۱)]

کہا ہے اور بعض نے شجرہ۔ ایک قرات ”فَاَزَالَهُمَا“ بھی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس جنت سے ان دونوں کو بے تعلق اور الگ کر دیا اور دوسرے معنی یہ بھی ہوئے کہ اسی درخت کے سبب شیطان نے انہیں بہکا دیا۔

زمین پر انسانی زندگی کی ابتدا: لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے ”یُؤْفَكُ عَنْهُ“ [1] میں۔ اس نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس اور وہ پاک مکان، نفیس روزی وغیرہ سب چھن گئی اور دنیا میں اتار دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اب تو زمین میں ہی تمہارا رزق ہے، قیامت تک یہیں پڑے رہو گے اور اس سے فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ سانپ اور ابلیس کا قصہ، یعنی ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا۔ کس طرح وسوسہ ڈالا وغیرہ، اس کے بارے میں لمبے چوڑے قصے مفسرین نے وارد کیے ہیں لیکن وہ سب بنی اسرائیل کے ہاں کا خزانہ ہے، تاہم ہم انہیں سورۂ اعراف میں بیان کریں گے کیونکہ اس واقعہ کا بیان وہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ درخت کا پھل چکھتے ہی جنتی لباس اتر گیا۔ اپنے آپ کو ننگا دیکھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگے لیکن چونکہ قد طویل تھا اور سر کے بال لمبے تھے، وہ ایک درخت میں اٹک گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا نہیں الٰہی میں تو شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ [2] ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! میرے پاس سے چلے جاؤ، مجھے میری عزت کی قسم میرے پاس میرے نافرمان نہیں رہ سکتے، اگر اتنی مخلوق میں تم جیسی پیدا کروں کہ زمین بھر جائے اور پھر وہ میری نافرمانی کرے تو یقیناً اسے بھی نافرمانوں کے گھر میں پہنچا دوں۔ یہ روایت غریب ہے اور ساتھ ہی اس میں انقطاع بلکہ اعضال بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نماز عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے۔ [3] حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ایک ساعت ایک سو تیس سال کی تھی۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج ہوا۔ ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے، آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے جو ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہند کے شہر ”دھنا“ میں اترے تھے۔ [4] ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے۔ [5] حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اور مائی حوا رضی اللہ عنہا

---

[1] [سورۃ الذاریات : آیت ۹]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳۹/۱) بیہقی فی البعث (۱۹۳)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے جبکہ حافظ زبیر علی زئی کی تحقیق کے مطابق اس میں قتادہ اور حسن مدلس راوی ہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔]

[3] [حسن : مستدرك حاكم (۵٤۲/۲)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[4] [ضعیف : مستدرك حاكم (۵٤۲/۲) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[5] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳۱/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ روایت جریر نے عطاء سے اختلاط کے بعد سنی (اس لیے ضعیف ہے)۔]

جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر 'دست میساں' میں پھینکا گیا اور سانپ 'اصبہان' میں۔ (۱) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے۔ اترتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام صفتیں سکھا دیں اور پھلوں کا توشہ دیا۔ (۲) ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے' اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے' اسی میں جنت میں داخل کیے گئے۔ اور اسی دن نکالے گئے ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور نسائی۔ (۳)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی وجوہات مضمر ہیں اول تو یہ سوچنا چاہیے کہ ذرا سی لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ تم گناہوں پر گناہ کیے جاتے ہو اور جنت کے طالب ہو کیا تم بھول گئے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو محض ایک ہلکے سے گناہ پر جنت سے نکال دیا گیا۔ ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں' دیکھئے! کب صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں۔ فتح موصلی کہتے ہیں ہم جنتی ہیں' ابلیس کے بہکانے میں آ کر دنیا کی قید میں آ پھنسے' اب سوائے غم و رنج کے یہاں کیا رکھا ہے؟ یہ قید و بند اسی وقت ٹوٹے گی جب ہم وہیں پہنچ جائیں جہاں سے نکالے گئے ہیں۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ جب آدم علیہ السلام آسمانی جنت میں تھے اور ابلیس راندۂ درگاہ ہو چکا تھا تو پھر وہ وہاں کیسے پہنچا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جواب ہیں کہ بطور اکرام کے اس کا داخل ہونا منع تھا نہ کہ بطور اہانت کے اور چوری کے۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ وہ جنت میں نہیں گیا تھا بلکہ باہر ہی سے اس نے وسوسہ ان کے دل میں ڈالا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زمین میں سے ہی وسوسہ ان کے دل میں ڈالا۔ قرطبی رحمہ اللہ نے یہاں پر سانپوں کے بارے میں اور ان کے مار ڈالنے کے حکم سے متعلق حدیثیں بھی تحریر کی ہیں جو بہت مفید اور باموقع ہیں۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۳۷﴾

حضرت آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۝

آدم و حوا علیہما السلام کی معافی: جو کلمات حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے ان کا بیان خود قرآن میں موجود ہے ﴿ قَالَا

(۱) [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۳۲)] اس کی سند میں عباد بن میسرہ راوی لین الحدیث اور صدقہ بن عمر غسانی مجہول ہے۔]

(۲) [موقوف: مستدرك حاكم (۲/۵۴۳) ابن جرير (۵۳۷) تفسير عبد الرزاق (۱/۴۳) بزار في كشف الاستار (۲۲۴۵)]

(۳) [صحيح: صحيح مسلم: كتاب الجمعة: باب فضل يوم الجمعة (۸۵۴) ترمذى: ابواب الجمعة: باب ما جاء في فضل يوم الجمعة (۴۸۸) مسند احمد (۲/۴۰۱) نسائى: كتاب الجمعة: باب ذكر فضل يوم الجمعة (۳۷۴)]

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ (اعراف / ۲۳) یعنی ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم نقصان والے ہو جائیں گے۔ اکثر بزرگوں کا یہی قول ہے۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے احکام حج سیکھنا بھی مروی ہے۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں وہ کلمات یہ تھے کہ انہوں نے کہا الٰہی جو خطا میں نے کی کیا اسے میرے پیدا کرنے سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا؟ یا میں نے خود اس کی ایجاد کی؟ جواب ملا کہ ایجاد نہیں بلکہ پہلے ہی لکھ دیا گیا اسے سن کر آپ نے کہا پھر اے اللہ مجھے بخشش اور معافی مل جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا الٰہی کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ میرے چھینکنے پر "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" نہیں کہا؟ کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں کر گئی؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں لکھی تھی؟ جواب ملا کہ ہاں۔ (۲) یہ سب میں نے کیا ہے‘ تو کہا پھر یا اللہ میری توبہ قبول کر کے مجھے پھر جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ملا ہے کہ ہاں۔ یہ کلمات یعنی چند باتیں تھیں جو آپ نے اللہ سے سیکھ لیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ الٰہی اگر میں توبہ کروں اور رجوع کروں تو کیا جنت میں پھر بھی جا سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ اللہ سے کلمات کی تلقین حاصل کرنے کے یہی معنی ہیں۔ (۳) لیکن یہ حدیث غریب ہونے کے علاوہ منقطع بھی ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ کلمات کی تفسیر "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ" الخ اور ان سب باتوں پر مشتمل ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں ﴿اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ قرآن کریم میں اور جگہ ہے کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؟ (۴) اور جگہ ہے جو شخص کوئی برا کام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر توبہ استغفار کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور اسے اپنے رحم و کرم میں لے لے گا۔ (۵) اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ (الفرقان / ۷۱) الخ ان سب آیتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے‘ اسی طرح یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ وہ اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑے رحم و کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس عام لطف و کرم‘ اس کے اس فضل و رحم کو دیکھو کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو بھی اپنے در سے محروم نہیں کرتا۔ سچ ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں‘ نہ اس سے زیادہ کوئی مہر و کرم کرنے والا نہ اس سے زیادہ کوئی خطا بخشنے والا اور رحم و بخشش عطا فرمانے والا۔

---

(۱) [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۵۴۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۱۳۶)]

(۲) [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۵۴۳)]

(۳) [منقطع وضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۴۱۰)، (۱/ ۱۳۵)]

(۴) [سورۃ التوبۃ : آیت ۱۰۴] (۵) [سورہ النسآء : آیت ۱۱۰]

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں ہوگا○ اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے○

انبیاء کے متبعین اور منکرین کا انجام: جنت سے نکالتے ہوئے جو ہدایت حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا رضی اللہ عنہا اور ابلیس کو دی گئی اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ ہماری طرف سے کتابیں انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے' معجزات ظاہر کیے جائیں گے' دلائل بیان فرمائے جائیں گے' راہ حق واضح کر دی جائے گی' آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئیں گے' آپ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا' جو بھی اپنے زمانے کی کتاب اور نبی کی تابعداری کرے گا اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی دنیا کے کھو جانے پر کوئی غم ہوگا۔ سورۂ طٰہٰ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے' نہ بدبخت و بے نصیب۔ مگر میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھاپن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ [1] یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی' نہ ہی خوشگوار زندگی ملے گی' ہاں جن موحد' متبع سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کوئلے ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت کی وجہ سے نکال لیے جائیں گے۔ [2] صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے کہ بعض تو کہتے ہیں دوسری دفعہ جنت سے نکل جانے کے حکم کو ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنا تھے اور بعض کہتے ہیں پہلی مرتبہ جنت سے آسمان اول اتار دیا گیا تھا دوبارہ آسمان اول سے زمین کی طرف اتارا گیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو○ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس

---

[1] [سورة طٰهٰ : آيت ۱۲۳ ـ ۱۲۴]

[2] [**صحيح** : صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدين من النار (۱۸۵) ابن ماجه : كتاب الزهد : باب ذكر الشفاعة (۴۳۰۹)]

کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو○

بنی اسرائیل کو نصیحت: ان آیتوں میں بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے اور حضور ﷺ کی تابعداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انتہائی لطیف پیرایہ میں انہیں سمجھایا گیا ہے کہ تم ایک پیغمبر کی اولاد میں سے ہو تمہارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے پھر تمہیں نہیں چاہیے کہ سب سے پہلے انکار تمہیں سے شروع ہو۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تھا تو گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے صالح اور فرمانبردار بندے کی اولاد ہو۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے جدامجد کی طرح حق کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم سخی کے لڑکے ہو سخاوت میں آگے بڑھو تم پہلوان کی اولاد ہو داد شجاعت دو۔ تم عالم کے بچے ہو علم میں کمال پیدا کرو۔ دوسری جگہ اسی طرز کلام کو اسی طرح ادا کیا گیا ہے ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ (الاسراء/ ۳) یعنی ہمارے شکر گذار بندے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جنہیں ہم نے ایک عالمگیر طوفان سے بچایا تھا یہ ان کی اولاد ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تھا۔ وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے حضور ﷺ نے کہا اے اللہ تو گواہ رہ۔ [1] اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ کے ہیں [2] ان نعمتوں کو یاد دلایا جاتا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں مثلاً پتھر میں سے نہروں کو جاری کرنا۔ من وسلویٰ اتارنا۔ فرعونیوں سے آزاد کرنا۔ [3] انہیں میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا۔ ان میں سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا وغیرہ ان کو ہدایت دی جاتی ہے میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی میں نے جو عہد تم سے لیا تھا کہ جب محمد ﷺ تمہارے پاس آئیں اور ان پر میری کتاب قرآن کریم نازل ہو تو تم اس پر اور آپ کی ذات پر ایمان لانا۔ وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں تمہیں اس دین کے سخت احکام کے متبادل آسان دین دوں گا۔ دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے ﴿وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ (المائدہ/ ۱۲) الخ یعنی اگر تم نمازوں کو قائم کرو گے زکوٰۃ دیتے رہو گے میرے رسولوں کی ہدایت مانتے رہو گے مجھے اچھا قرضہ دیتے رہو گے تو میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں داخل کروں گا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ توراۃ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اتنا بڑا اعظیم الشان پیغمبر پیدا کر دوں گا جس کی تابعداری تمام مخلوق پر فرض ہو گی ان کے تابعداروں کو بخشوں گا انہیں جنت میں داخل کروں گا اور دوہرا اجر دوں گا۔ حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے آپ کی بابت پیشین گوئی نقل کی ہے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کا عہد اسلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ [4] اللہ کا اپنے عہد کو پورا کرنا ان سے خوش ہونا اور

---

[1] حسن: ابو داود طیالسی (۳۵۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۵۵۳)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۵۵۶)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/ ۵۵۸)]

جنت عطا فرماتا ہے [۱] مزید فرمایا مجھ سے ڈرو ایسا نہ ہو جو عذاب تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئے کہیں تم پر بھی نہ آ جائیں۔اس لطیف پیرایہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ترغیب کے بیان کے ساتھ ہی کس طرح ترہیب کے بیان کو ملحق کر دیا گیا ہے۔رغبت ورہبت دونوں جمع کر کے اتباع حق اور نبوت محمد ﷺ کی دعوت دی گئی۔قرآن کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے اس کے بتلائے ہوئے احکام کو ماننے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جانے کی ہدایت کی گئی۔

اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم اس قرآن حکیم پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے جسے لے کر وہ نبی آئے ہیں جو امی ہیں عربی ہیں' جو بشیر ہیں' جو نذیر ہیں' جو سراج منیر ہیں جن کا اسم شریف محمد ﷺ ہے جو توراۃ وانجیل کو سچ ماننے والے اور حق کو پھیلانے والے ہیں چونکہ توراۃ وانجیل میں بھی آپ کا ذکر تھا تو آپ کا تشریف لانا توراۃ کی سچائی کی دلیل تھی اس لیے کہا گیا کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں موجود کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔علم ہونے کے باوجود تم ہی سب سے پہلے انکار نہ کرو۔بعض کہتے ہیں: "بِـهٖ" کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور پہلے آ بھی چکا ہے ﴿بِمَا اَنْزَلْتُ﴾ اور دونوں قول درحقیقت سچے اور ایک ہی ہیں۔قرآن کو ماننا رسول کو ماننا ہے اور رسول ﷺ کی تصدیق قرآن کی تصدیق ہے۔اَوَّلَ کَـافِرٍ سے مراد بنی اسرائیل کے اولین منکر ہیں کیونکہ کفار قریش بھی انکار اور کفر کر چکے تھے لہٰذا بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا اس لیے انہیں اول کافر کہا گیا ان کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا۔میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول ﷺ کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے جب بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی بہت تھوڑی ہے اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اس لیے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا [۲] علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کیے ہوئے لینا جائز ہے اسی طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی وجہ سے کوئی کام دھندا بھی نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے اور امام مالک' امام شافعی' اور امام احمد' اور جمہور علماء ؒ کا یہی مذہب ہے اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر لی اور ایک سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا

---

[۱] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۴۳)]

[۲] [صحیح] ابو داؤد : کتاب العلم : باب فی طلب العلم لغیر الله تعالی (۳۶۶۴) ابن ماجه : مقدمه : باب الانتفاع بالعلم والعمل به (۲۵۲) ابن حبان (۷۸) حاکم (۱/۸۵) مسند احمد (۲/۳۳۸) ابن ابی شیبة (۸/۵۴۳) العقیلی (۳/۴۶۷)] امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔امام نوویؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[ریاض الصالحین (۱/۴۰۲)] حافظ عراقیؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔[تخریج الاحیاء (۱۴۳)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه (۲۰۴) صحیح الترغیب (۱۰۵) صحیح ابو داود (۳۶۶۴) المشکاة (۲۲۷)]

جب حضور ﷺ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا ﴿إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ﴾ یعنی جن چیزوں پر تم اجرت لے سکتے ہو ان سب میں زیادہ حقدار کتاب اللہ ہے[1] دوسری مطول حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ﴿زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا[2] اور تو اسے قرآن حکیم جو تجھے یاد ہے اسے بطور حق مہر کرا دے۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ دی اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔[3] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔[4] ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت؟ اور جبکہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں احادیث میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

صرف اللہ ہی سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت کی امید پر اس کی عبادت واطاعت میں لگا ہے اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور دونوں حالتوں میں اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے نور پر گامزن رہے۔[5] غرض اس جملہ سے انہیں خوف دلایا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں آ کر حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کو جو اس کی کتابوں میں ہے نہ چھپائیں اور دنیوی ریاست کی طمع پر آپ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوں بلکہ رب سے ڈر کر اظہار حق کرتے رہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ
وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾

حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ تمہیں تو خود اس کا علم ہے ○ اور نمازوں کو قائم رکھا کرو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو ○

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الطب : باب الشروط فی الرقیة بفاتحة الکتاب (٥٧٣٧)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب التزویج علی القرآن و بغیر صداق (٥١٤٩) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب الصداق وجواز کونه تعلیم قرآن و خاتم حدید (١٤٢٥)]

[3] [صحیح : ابو داؤد : کتاب العلم : باب کسب المعلم (٣٤١٦) مستدرک حاکم (٤١/٢) بیهقی (١٢٥/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (٢٩١٥)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ جبکہ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس کی تحقیق کے مطابق اس کی سند ضعیف ہے۔]

[4] [صحیح : ابن ماجه : کتاب التجارات : باب الاجر علی تعلیم القرآن (٢١٥٨) بیهقی فی السنن الکبری (١٢٥/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه (١٧٥١)]

[5] [حسن : تفسیر ابن ابی حاتم (١٤٧/١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔]

کتمانِ حق کے مرتکب یہود کے دوست: یہودیوں کی اس بدخصلت پر ان کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ جاننے کے باوجود کبھی تو حق و باطل کو خلط ملط کر دیا کرتے تھے کبھی حق کو چھپا لیا کرتے تھے۔ کبھی باطل کو ظاہر کیا کرتے تھے لہٰذا انہیں ان ناپاک عادتوں کے چھوڑنے کو کہا گیا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے، حق و باطل سچ جھوٹ کو آپس میں نہ ملاؤ اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرو۔ یہودیت و نصرانیت کی بدعات کو اسلام کی تعلیم کے ساتھ نہ ملاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کی بابت پیشین گوئیاں جو تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو انہیں عوام الناس سے نہ چھپاؤ "تَكْتُمُوْا" مجزوم بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی یعنی اسے اور اسے جمع نہ کرو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں "تَكْتُمُوْنَ" بھی ہے۔ یہ حال ہوگا اور اس کے بعد کا جملہ بھی حال ہے معنی یہ ہوئے کہ حق کو حق جانتے ہوئے ایسی بے حیائی نہ کرو۔ اور یہ بھی معنی ہے کہ علم کے باوجود اسے چھپانے اور ملاوٹ کرنے کا کیسا عذاب ہوگا۔ اس کا علم ہو کر بھی افسوس کہ تم بدکرداری پر آمادہ نظر آتے ہو۔ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھو زکوٰۃ دو اور امت محمد ﷺ کے ساتھ رکوع و سجود میں شامل رہا کرو، انہیں میں مل جاؤ اور خود بھی آپ ہی کی امت بن جاؤ۔ [1] اطاعت و اخلاص کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں زکوٰۃ دو سو درہم پر۔ پھر اس سے زیادہ رقم پر واجب ہوتی ہے نماز و زکوٰۃ فرض و واجب ہے۔ اس کے بغیر سبھی اعمال غارت ہیں۔ زکوٰۃ سے بعض لوگوں نے صدقۃ الفطر بھی مراد لیا ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان میں بہترین چیز نماز ہے اس آیت سے اکثر علماء نے نماز باجماعت کے فرض ہونے پر بھی استدلال کیا ہے اور یہاں پر امام قرطبی رحمہ اللہ نے مسائل جماعت کو بسط سے بیان فرمایا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو؟ باوجود یہ کہ تم کتاب کو پڑھتے ہو۔ کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟ ○

دوسروں کو نیکی کا حکم اور خود اس سے فرار: یعنی اہل کتاب اس علم کے باوجود جو "کہے اور نہ کرے" اس پر کتنا عذاب نازل ہوتا ہے پھر تم خود ایسا کیوں کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا یہ تو بڑی شرم کی بات ہے دوسروں کو کہنے سے پہلے انسان کو خود عامل ہونا ضروری ہے اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے لوگوں کو روکتے ہو لیکن اللہ کے اس نبی ﷺ کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔

وعظ و نصیحت کرنے والے متوجہ ہوں: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انسان پورا سمجھ دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کے خلاف کام کرتے ہوئے دیکھ کر ان کا دشمن نہ بن جائے اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ ان لوگوں

---

[1] [تفسیر الکشاف (۱/۱۳۳)]

کو اگر رشوت وغیرہ نہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اچھی چیز کا حکم دینے پر ان کی برائی نہیں کی گئی بلکہ خود نہ کرنے پر برائی بیان کی گئی ہے۔

اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی ہے بلکہ یہ تو واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انسان کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ﴾ (ھود / ۸۸) الخ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہیں جس کام سے روکوں وہ خود کروں میرا ارادہ تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ہے میری توفیق اللہ کی مدد سے ہے میرا بھروسہ اسی پر ہے اور میری رغبت و رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔ پس نیک کاموں کے کرنے کے لیے کہنا بھی واجب ہے اور خود کرنا بھی۔ ایک واجب کو نہ کرنے سے دوسرا بھی چھوڑ دینا نہیں چاہیے۔ علماء سلف وخلف کا قول یہی ہے گو بعض کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ برائیوں والا دوسروں کو اچھائیوں کا حکم نہ دے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں، پھر ان حضرات کا اس آیت سے دلیل پکڑنا تو بالکل ہی ٹھیک نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور خود بھی بھلائی کرے اور برائی سے رکے۔ اگر دونوں چھوڑے گا تو دوہرا گنہگار ہوگا ایک کے ترک پر اکہرا۔

طبرانی کی معجم کبیر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے [1] یہ حدیث غریب ہے مسند احمد کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو کہا گیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ اور عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے علم کے باوجود سمجھتے نہیں تھے۔ [2] دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے جا رہے تھے یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان ابن ابی حاتم ابن مردویہ وغیرہ میں موجود ہے۔ [3]

ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں کہتے آپ نے جواب دیا کہ تمہیں سنا کر ہی کہوں تو ہی کہنا ہوگا میں تو انہیں پوشیدہ طور پر ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن

---

[1] [جید] طبرانی کبیر (۱۶۸۱)، (۱۶۵/۲)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد (۱۸۵/۱)] شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو جید اور بعض جگہ حسن کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۱۱۳۳/۷) صحيح الترغيب (۲۳۲۸) السلسلة الصحيحة (تحت الحديث / ۳۳۷۹)] تاہم حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں۔]

[2] [صحیح بالشواھد: مسند احمد (۱۲۸۷۹)، (۱۲۰/۳، ۱۸۰، ۲۳۱، ۲۳۹) ابن ابی شیبہ (۳۰۸/۱۴) ابو یعلی (۳۹۹۶) الدر المنثور للسیوطی (۱۲۶/۱) الحلیة لابی نعیم (۱۷۲/۸)] اس میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے، تاہم یہ روایت اپنے شواہد کی وجہ سے صحت کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔]

[3] [صحیح: ابن حبان (الموارد ـ ۵۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۴۷۶)، (۱۵۱/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

میں کسی بات کو پھیلانا نہیں چاہتا اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لیے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے ارد گرد چکر کھاتا رہے گا جہنمی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا، میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۔ (مسند احمد) بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ [1]

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگذر کرے گا جتنا جاننے والوں سے نہیں کرے گا بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عام آدمی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے عالم جاہل یکساں نہیں ہو سکتے قرآن کریم میں ہے ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (الزمر/۹) جاننے والے اور انجان برابر نہیں نصیحت صرف عقلمند لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں ابن عساکر میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جنتی لوگ جہنمیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تمہاری نصیحتیں سن سن کر ہم تو جنتی بن گئے مگر تم جہنم میں کیوں آ پڑے وہ کہیں گے افسوس ہم تمہیں کہتے تھے لیکن خود نہیں کرتے تھے۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا حضرت میں بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کیا تم اس درجہ تک پہنچ گئے ہو؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اگر تم ان تین آیتوں کی فضیحت سے نڈر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک تو ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے تئیں بھولے جا رہے ہو؟ دوسری آیت ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف/ ۲،۳) کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ (ھود/۸۸) یعنی میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا، میرا ارادہ صرف اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے کہو تم ان تینوں آیتوں سے بے خوف ہو؟ اس نے کہا نہیں فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو۔ (تفسیر مردویہ) ایک ضعیف

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب بداء الخلق: باب صفة النار و انها مخلوقة (۳۲۶۷) صحیح مسلم: کتاب الزھد: باب عقوبة من یامر بالمعروف ولا یفعله (۲۹۸۹)]

[2] [ضعیف: طبرانی کبیر (۱۵۰/۲۲)، (۴۰۵) وفی الاوسط (۹۹) الخطیب فی اقتضاء العلم العمل (۷۳) ابن عساکر (۸۶۷/۱۷)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں ابوبکر عبداللہ بن حکیم داہری راوی سخت ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۸۵/۱)] شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الترغیب (۱۳۹۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

حدیث طبرانی میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو لوگوں کو کسی قول وفعل کی طرف بلائے اور خود نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے غضب وغصہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خود آپ عمل کرنے لگ جائے۔ [1] حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی تینوں آیتیں پیش کر کے فرمایا کہ میں ان کی وجہ سے قصہ گوئی پسند نہیں کرتا۔ [2]

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر ○ جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○

نماز وصبر کے ساتھ مدد طلب کرنا: اس آیت میں حکم فرمایا جاتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو، فرائض بجالاؤ اور نماز کو ادا کرتے رہو روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لیے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے [3] حضور ﷺ فرماتے ہیں روزہ آدھا صبر ہے۔ [4] صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے اس آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہو گیا، نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صبر کی دو قسمیں ہیں مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے ارتکاب سے صبر اور یہ صبر پہلے سے زیادہ اچھا ہے۔ [5]

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کا ہر چیز کا اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرنا۔ ثواب کا طلب کرنا اللہ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا یہ صبر ہے حضرت ابو عالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھو نیکیوں کے کاموں پر نماز سے بڑی مدد ملتی ہے خود قرآن میں ہے ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ

---

[1] **[ضعیف** : ابو نعیم فی الحلیة (۷/۲)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں عبداللہ بن خراش راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (۲۷۶/۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر قرطبی (۳٦۷/۱)]

[3] [مسند احمد (۲٦۳/۲۔ ۳۸٤)، (۳٦۳/۵)]

[4] **[ضعیف** : ترمذی: کتاب الدعوات (۳۵۱۹) بیهقی فی شعب الایمان (۲۹۱/۳)، (۳۵۷۵) مسند احمد (۲۳۱۷۹، ۲۳۲۰۵)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے۔ [مصباح الزجاجة (۷۹/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی (۳۷٦۵) ضعیف ابن ماجه (۱۷٤۵) ضعیف الجامع الصغیر (۳۵۸۱) ضعیف الترغیب والترهیب (۵۷۹) المشکاة (۲۹٦)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں کہ کیونکہ اس میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ضعیف ہے۔ [کما فی المیزان (۲۱۳/٤)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[5] **[منقطع** : تفسیر ابن ابی حاتم (۱۵۵/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ ابوسنان کا عمرؓ سے سماع ثابت نہیں۔]

الْـفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت / ٤٥) نماز کو قائم رکھ یہ تمام برائیوں اور بدیوں سے روکنے والی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز پڑھا کرتے فوراً نماز میں لگ جاتے۔ ① چنانچہ جنگ خندق کے موقعہ پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں پاتے ہیں۔ ② حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات نماز میں مشغول رہے صبح تک نماز میں اور دعا میں لگے رہے۔ ③

ابن جریر میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں آپ نے ان سے (فارسی زبان میں) دریافت فرمایا کہ درد شکم داری؟ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اٹھو نماز شروع کر دو اس میں شفا ہے۔ ④ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثم رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ ﴿اِنَّـا لِلّٰهِ﴾ الخ پڑھ کر راستہ سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں غرض ان دونوں چیزوں صبر وصلوٰۃ سے اللہ کی رحمت میسر آتی ہے۔

"اِنَّهَـــا" کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے صلوٰۃ یعنی نماز کو کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے جیسے قارون کے قصہ میں "وَلَا يُـلَـقَّاهَا" ⑤ کی ضمیر اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے کے حکم میں "وَمَـا يُـلَـقَّاهَـا" کی ضمیر۔ مطلب یہ ہے کہ صبر وصلوٰۃ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں یہ حصہ اللہ کا خوف رکھنے والی

---

① [حسن: ابوداؤد: کتاب الصلوۃ: باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل (۱۳۱۹) مسند احمد (۲۳۴۰۶)، (۳۸۸/۵) صحیح ابن حبان (۱۹۷۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۴۷۰۳) صحیح ابو داود (۱۳۱۹)]

② [تعظیم قدر الصلاۃ (۲۱۲)، (۲۳۱/۱)]

③ [حسن: تعظیم قدر الصلاۃ (۲۱۳) النسائی فی السنن الکبری (۸۲۳) مسند احمد (۱۲۵/۱ـ ۱۳۸) صحیح ابن حبان (۲۲۵۷) بیهقی فی دلائل النبوۃ (۴۹/۳)]

④ [ضعیف: ابن ماجه: کتاب الطب: باب الصلوۃ شفاء (۳۴۵۸) مسند احمد (۴۰۳/۲) ابن حبان فی المجروحین (۱۹۶/۱) ابن عدی فی الکامل (۹۸۵/۳) العقیلی (۴۸/۲)] اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔[تقریب (۱۳۸/۲)] حافظ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے اور اس میں انقطاع بھی ہے۔[مصباح الزجاجۃ (۵۹/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلۃ الضعیفۃ (۴۰۶۶) ضعیف الجامع الصغیر (۴۱۱۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

⑤ [سورۃ القصص: آیت ۸۰]

جماعت کا ہے یعنی قرآن کے ماننے والے سچے مومن کانپنے والے متواضع اطاعت کی طرف جھکنے والے وعدے وعید کو سچا ماننے والے ہیں اس وصف سے موصوف ہوتے ہیں جیسے حدیث میں ایک سائل پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا یہ بڑی چیز ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو اس پر آسان ہے[1] ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں سے ہی خطاب قرار دیا ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گو یہ بیان انہی کے بارے میں ہے، لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے چل کر ﴿خَاشِعِيْنَ﴾ کی صفت ہے اس میں ظن معنی میں یقین کے ہیں گو ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ سدفہ اندھیرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روشنی کے معنی میں بھی اور صارخ کا لفظ بھی فریاد رس اور فریاد کن دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور اسی طرح کے بہت سے نام ہیں جو ایسی دو مختلف چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔ ظن یقین کے معنی میں عرب شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے خود قرآن کریم میں ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ (الکھف/ ۵۳) یعنی گنہگار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ اب ہم اس میں جھونک دیئے جائیں گے یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے بلکہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن میں ایسی جگہ ظن کا لفظ یقین اور علم کے معنی میں ہے ابوالعالیہ رحمہ اللہ بھی یہاں ظن کے معنی یقین کرتے ہیں۔ حضرت مجاہد، سدی، ربیع بن انس، اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ ہے ﴿اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ﴾ (الحاقۃ/ ۲۰) یعنی مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب سے دوچار ہونا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا تجھ پر طرح طرح کے اکرام نہیں کیے تھے؟ کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام کھانا پینا میں نے نہیں دیا تھا؟ یہ کہے گا ہاں پروردگار یہ سب کچھ دیا تھا۔ پھر کیا تیرا علم و یقین اس بات پر نہ تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا ہاں اللہ تعالیٰ اسے نہیں مانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بس تو جس طرح مجھے بھول گیا تھا آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا[2] اس حدیث میں بھی لفظ ظن کا ہے اور معنی میں یقین کے ہے اس کی مزید تحقیق و تفصیل ان شاءاللہ تعالیٰ ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ (الحشر/ ۱۹) کی تفسیر میں آگے آئے گی۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اے اولاد یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ○

---

[1] [صحیح : ترمذی : کتاب الایمان : باب ما جآء فی حرمة الصلوة (۲۶۱۶) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب کف اللسان فی الفتنة (۳۹۷۳)] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ھے ۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ھے ۔ [صحیح ترمذی (۲۱۱۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الزھد : باب الدنیا سجن المومن و جنة النار (۲۹۶۸)]

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر انعاماتِ الٰہی: بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر جو نعمت الٰہیہ انعام کی گئی تھی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان میں سے رسول ہوئے ان پر کتابیں اتریں انہیں ان کے زمانہ کے دوسرے لوگوں پر مرتبہ دیا گیا جیسے فرمایا ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ (الدخان / ۳۲) یعنی انہیں ان کے زمانے کے (اور لوگوں پر) ہم نے علم میں فضیلت دی[۱] اور فرمایا ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [۲] یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر انعام کی گئی ہے تم میں اس نے پیغمبر پیدا کیے تمہیں بادشاہ بنایا اور وہ دیا جو تمام زمانے کو نہیں دیا۔ تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد ان کے زمانے کے تمام اور لوگ ہیں اس لیے کہ امت محمدیہ ان سے یقیناً افضل ہے اس امت کی نسبت فرمایا گیا ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ (ال عمران / ۱۱۰) الخ تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لیے بنائی گئی ہو تم بھلائیوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ مسانید اور سنن میں مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم سترویں امت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو[۳] اس قسم کی اور بہت سی احادیث کا ذکر ان شاء اللہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ [۴] کی تفسیر میں آئے گا اور کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر خاص قسم کی فضیلت مراد ہے جس سے ہر قسم کی فضیلت لازم نہیں آتی رازی رحمہ اللہ نے یہی کہا ہے مگر یہ غور طلب بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت اور تمام امتوں پر ہے اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام انہی میں سے ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اس میں بھی غور و خوض کی ضرورت ہے اس لیے کہ اس طرح کا اطلاق ان سے اگلے لوگوں پر بھی ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں اگلے انبیاء علیہم السلام ان میں شمار نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سب کے بعد ہوئے لیکن تمام مخلوق سے افضل تھے اور جو تمام اولاد آدم کے سردار ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ صَلٰوةُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہو گی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے ○

---

[۱] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۵۸/۱)] [۲] [سورۃ المائدہ : آیت ۲۰]

[۳] [حسن : مسند احمد (۴۴۷/۴) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ آل عمران (۳۰۰۱) ابن ماجہ : کتاب الزھد : باب صفۃ امۃ محمد (۴۲۸۷) دارمی : کتاب الرقاق : باب فی قول النبی : أنتم خیر الامم (۲۷۶۳)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ترمذی (۲۳۹۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[۴] [سورۃ آل عمران : آیت ۱۱۰]

روزِ قیامت کوئی سفارش اور فدیہ نفع نہ دے گا: نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا جیسے فرمایا ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ [1] یعنی کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا اور فرمایا ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس / ٣٧) یعنی اس دن ہر شخص نفسا نفسی میں پڑا ہوا ہوگا اور فرمایا: اے لوگو اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا [2] ارشاد ہے ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرہ / ٤٨) یعنی کسی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے گا نہ اس کی سفارش قبول ہوگی فرمایا ان کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی [3] دوسری جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ دوست۔ [4] یہ بھی ارشاد ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا اور جگہ ہے جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا [5] اور جگہ ہے کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اس کے مثال اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی کچھ قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے [6] اور جگہ ہے۔ گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں [7] دوسری جگہ ہے آج تم سے نہ بدلہ لیا جائے نہ ہی کافروں سے' تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اسی کی آگ تمہاری وارث ہے۔ [8] الخ

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بغیر سفارش اور شفاعت کا آسرا بیکار محض ہے قرآن میں ارشاد ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کر لو جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی [9] اور شفاعت مزید فرمایا ﴿لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ (ابراهيم / ٣١) اس دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی۔ عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں "صرف" کے معنی نفل اور عدل کے معنی فریضہ مروی ہیں [10] لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے ایک روایت میں ہے حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ عدل کے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا فدیہ۔ [11] ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہیں ہوگا' [12] قرابتیں کٹ جائیں گی جاہ و چشم جاتا رہے گا کسی کے دل میں ان کے لیے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت و قوت رہے گی اور جگہ ہے ﴿وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ [13] (وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی پکڑ سے نجات دینے والا کوئی نہیں'

---

[1] [سورة الانعام : آیت ١٦٤]
[2] [سورة لقمان : آیت ٣٣]
[3] [سورة المدثر : آیت ٤٨]
[4] [سورة الشعرآء : آیت ١٠٠-١٠١]
[5] [سورة آل عمران : آیت ٩١]
[6] [سورة المائده : آیت ٣٦]
[7] [سورة الانعام : آیت ٧٠]
[8] [سورة الحديد : آیت ١٥]
[9] [سورة البقره : آیت ٢٥٤]
[10] **[صحيح** : صحيح بخاری : کتاب فضائل المدينة : باب حرم المدينة (١٨٧٠) صحيح مسلم : كتاب الحج باب فضل المدينة(١٣٧٠)]
[11] **[مرسل ومنقطع** : تفسير ابن جرير الطبری (٨٨٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]
[12] [سورة الطارق : آیت ١٠]
[13] [سوره المومنون : آیت ٨٨]

ایک جگہ ہے آج کے دن نہ اللہ کا سا کوئی عذاب دے سکے نہ اس کی سی قید و بند۔ [1] ارشاد ہے ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ○ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ﴾ (الصافات ۲۵-۲۶) تم آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ سب کے سب آج گردنیں جھکائے تابع فرمان بنے کھڑے ہیں اور آیت میں ہے ﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً﴾ [2] الخ اللہ کی نزدیکی کے لیے وہ اللہ کے سوا جن کی پوجا پاٹ کرتے تھے آج وہ معبود اپنے ان عابدوں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ وہ تو غائب ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ محبتیں فنا ہو گئیں رشوتیں کٹ گئیں' شفاعتیں مٹ گئیں' آپس کی امداد و نصرت نابود ہو گئی معاملہ اس عادل حاکم جبار وقہار اللہ تعالیٰ مالک الملک سے پڑا ہے جس کے ہاں سفارشیوں کی سفارش اور مددگاروں کی مدد کچھ کام نہ آئے بلکہ اپنی تمام برائیوں کا بدلہ بھگتنا پڑے' ہاں یہ اس کی کمال بندہ پروری اور رحم و کرم انعام و اکرام ہے کہ گناہ کا بدلہ برابر دے اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھ کر دے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے کہ وقفہ لینے دو تاکہ ان سے ایک سوال کر لیا جائے کہ آج یہ ایک دوسرے کی مدد چھوڑ کر نفسا نفسی میں کیوں مشغول ہیں؟ بلکہ ہمارے سامنے سر جھکائے اور تابع فرمان ہیں۔ [3]

وَإِذْ نَجَّيْنَٰكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ
فَأَنجَيْنَٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٠﴾

اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے۔ جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی ○ اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا ○

بنی اسرائیل کو انعامات کی یاددہانی: ان آیتوں میں فرمان باری ہے کہ اے اولاد یعقوب علیہ السلام میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعون کے بدترین عذابوں سے چھٹکارا دیا' فرعون (لعنہ اللہ) نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں اس کا غرور ٹوٹے گا اس کے ''اللہ'' کے دعویٰ کی بدترین سزا اسے ملے گی اس لیے اس ملعون نے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو' سرکاری طور سے اس کی دیکھ بھال رکھی جائے اگر لڑکا ہو تو مار ڈالا جائے اور اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے علاوہ ازیں بنی اسرائیل سے سخت بیگار لی جائے ہر طرح کی مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔

یہاں پر عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورۂ ابراہیم علیہ السلام میں ایک کا دوسری پر عطف ڈالا

[1] [سورة الفجر : آیت ٢٥-٢٦] [2] [سورة الاحقاف : آیت ٢٨]

[3] [تفسير ابن جرير الطبری (١/٣٥)]

جس کی پوری تشریح ان شاءاللہ سورۂ قصص کے شروع میں بیان ہوگی اللہ تعالیٰ ہمیں مضبوطی دے ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے! آمین۔ ﴿یَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ کے معنی مسلسل اور کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیئے جاتے تھے چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا کہ میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لیے فرعونیوں کے عذاب کی تفسیر کو لڑکوں کے قتل کرنے کے طور پر بیان فرمایا اور سورۂ ابراہیم علیہ السلام کے شروع میں فرمایا تھا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو [1] اس لیے وہاں عطف کے ساتھ بیان فرمایا تا کہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے کہ روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبّع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلیموس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا اس کی کنیت ابومرہ تھی۔ اصل میں اصطخر کے فارسیوں کی نسل میں تھا اللہ کی پھٹکار اور لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر فرمایا کہ اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی۔ ﴿بَـلَآءٌ﴾ کے اصلی معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مجاہد، ابوالعالیہ، ابومالک، سدی رحمہ اللہ وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں، [2] امتحان اور آزمائش بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بَلَوْتُهُ ابلوه بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لیے [3] اور ”اُبْلِیْهِ اِبْلَآءً وَبَلَآءً“ کا لفظ بھلائی کے ساتھ کی آزمائش کے لیے آتا ہے یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش یعنی عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں تھی۔

قرطبی رحمہ اللہ اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہوگا اور ﴿بَلَآءٌ﴾ کے معنی برائی کے ہوں گے پھر فرمایا کہ ہم نے فرعون سے بچالیا۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شہر سے نکلے اور فرعون تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لیے پانی کو پھاڑ دیا اور تمہیں اس میں سے پار اتار کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکر سمیت ڈبو دیا۔ ان سب باتوں کا تفصیل وار بیان سورۂ شعراء میں آئے گا ان شاءاللہ۔

عمرو بن میمون اودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ جب مرغ بولے تب سب نکلو اور سب کو پکڑ کر قتل کر ڈالو۔ لیکن اس رات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صبح تک کوئی مرغ نہ بولا مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس کی کلیجی سے جب میں فارغ ہو جاؤں تو اس سے پہلے چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہیے چنانچہ حاضر ہو گیا اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لیے بڑے کر وفر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پا لیا۔ اب بنی اسرائیل پر دنیا تنگ آ گئی پیچھے ہٹیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ کے نبی علیہ السلام اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا حکم

---

[1] [سورة ابراهيم : آيت ٥] [2] [تفسير ابن جرير الطبرى (٤٨/١)]

[3] [تفسير ابن جرير الطبرى (٤٩/١)]

الٰہی ہمارا راہنما ہے' یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ علیہ السلام رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں نہ رب کو۔ تین مرتبہ ایسا ہی کہا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ اپنا عصا دریا پر مارو عصا مارتے ہی پانی نے راستہ دے دیا اور پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گذر گئے انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونی افواج نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستہ پر ڈال دیئے۔ جب تمام کے تمام اس میں داخل ہو گئے پانی کو مل جانے کا حکم ہوا پانی کے ملتے ہی تمام کے تمام ڈوب مرے بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لیے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورہ کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ شریف میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا آپ نے فرمایا تم سے زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری مسلم نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ [2]

ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تھا اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے استاد یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔ [3]

وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسَىٰٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے ○ لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا۔ تاکہ تم شکر کرو ○ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمہاری ہدایت کے لیے کتاب اور معجزے عطا فرمائے ○

---

[1] [سورۃ الشعرآء : آیت ٦٣]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب صوم یوم عاشوراء (٢٠٠٤) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب صوم یوم عاشوراء (١١٣٠) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب صیام یوم عاشوراء (١٧٣٤) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب فی صوم یوم عاشوراء (٢٤٤٤)]

[3] [ضعیف جدا: مسند ابو یعلی (٤٠٩٤) مجمع الزوائد (١٨٨/٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا عہد اور بچھڑے کی عبادت: یہاں بھی اللہ برتر و اعلیٰ اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے جب کہ تمہارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے اور اس کے بعد تم نے گوسالہ پرستی شروع کردی پھر ان کے آنے پر جب تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کو بخش دیا اور قرآن میں ہے ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ (الاعراف / ۱۴۲) یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس بڑھا کر پوری چالیس راتوں کا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وعدے کا زمانہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے یہ واقعہ فرعونیوں سے نجات پا کر دریا سے بچ کر نکل جانے کے بعد پیش آیا تھا۔ کتاب سے مراد توراۃ ہے اور فرقان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل ہدایت و ضلالت میں فرق کرے یہ کتاب بھی اس واقعہ کے بعد ملی جیسے کہ سورۂ اعراف کے اس واقعہ کے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے دوسری جگہ ﴿بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ (القصص ۴۳) بھی آیا ہے یعنی ہم نے اگلے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کتاب دی جو سب لوگوں کے لیے بصیرت افزا اور ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واؤ زائد ہے اور خود کتاب کو فرقان کہا گیا ہے لیکن یہ غریب ہے بعض نے کہا ہے کتاب پر ''فرقان'' کا عطف ہے یعنی کتاب بھی دی اور معجزہ بھی دیا۔ دراصل معنی کے اعتبار سے دونوں کا مفاد ایک ہی ہے اور ایسی ایک چیز دو ناموں سے بطور عطف کے کلام عرب میں آیا کرتی ہے شعراء عرب کے بہت سے اشعار اس کے شاہد ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

جب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپس میں قتل کرو تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے

ظلم کرنے والوں کو اللہ کی طرف رجوع کی ہدایت: یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے انہوں نے بچھڑے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو بتا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے رہ گئے اور قتل کرنا شروع کیا قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا جب اندھیرا ہٹا تو انہیں روک دیا گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو

چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ [1]

یہ ایک سخت فرمان تھا جس کی ان لوگوں نے تعمیل کی اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمادیا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب دیا۔ موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے جب اسی طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنی شروع کی کہ اللہ اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرمادیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر مقتولوں کا غم نہ کرو وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور غذا پا رہے ہیں اب آپ کو اور آپ کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی۔ تلواریں نیزے چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں۔ آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا اور اللہ تواب ورحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾

(تم اسے بھی یاد کرو کہ) تم نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہی بجلی گری ○ لیکن پھر اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا ○

ایمان نہ لانے کا بہانہ اور اس کی سزا: موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر شخصوں کو لے کر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الٰہی سنا تو حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم تو تب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے خود دیکھ لیں۔ اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز آئی جس سے سب کے سب مر گئے موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور رو رو کر جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ یا اللہ بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ یا اللہ بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑ۔ [2] یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو معلوم کرایا گیا کہ یہ بھی دراصل بچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے انہیں سزا مل گئی۔ پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کیے گئے۔ [3] ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی۔ بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہا دی اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پر توبہ کرنے کے لیے چلے ان سے کہا کہ تم توبہ کرو؛

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۶۷-۱۶۸) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۸/۳۰۶)]

[2] [سورۃ الاعراف : آیت ۱۵۵] [3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۷۳)]

روزہ رکھو' پاک صاف ہو جاؤ کپڑوں کو پاک کرلو جب بحکم الٰہی طور سینا پر پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ اسی کے اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے جب کلام رب ذوالجلال شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کہ کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھی بنی اسرائیل بھی اللہ تعالیٰ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں جب کلام الٰہ العالمین ختم ہوا بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس چلے آئے تو یہ لوگ کہنے لگے موسیٰ ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے۔ بیوقوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری اس بات کو سچا سمجھے گا اور پھر اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اللہ ہماری توبہ ہے۔ تو قبول فرما۔ اور ہم پر فضل وکرم کر' حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع وخضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا' اب سب نے یک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی ان سے فرمایا گیا کہ جب تک یہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں ان کی توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔ سدی کبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑانے کے بعد کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب گو عام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد وہی ستر شخص ہیں۔

رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں نبی بنا دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول بھی ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سوائے ہارون علیہ السلام کے اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے کسی اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ خود موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری تعالیٰ کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری کی تاب کیسے لاتے؟ اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے کہ حضرت ہمیں کیا خبر اللہ تعالیٰ خود آ کر ظاہر ہو کر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس قول پر ان کے اوپر غضب الٰہی نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے پھر زندہ کیے گئے پھر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراۃ کو تھام لو انہوں نے پھر انکار کیا اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا

کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے [1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلّف رہے یعنی احکام الٰہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔

ماوردی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی اس لیے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں۔ خود ان پر یہ واردات پیش آئی اب تصدیق ایک بے اختیاری امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلّف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلّف ہے۔

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے خود ان کے ساتھ ایسے ایسے معاملات ہوئے جو بالکل نادر اور خلاف قیاس اور زبردست معجزات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلّف رہے اسی طرح یہ بھی ٹھیک قول ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور کہہ دیا کہ) ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے ۝

بادلوں کا سایہ: سابقہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ فلاں فلاں بلائیں ہم نے تم پر سے دفع کر دیں اب بیان ہو رہا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں بھی ہم نے تمہیں عطا فرمائیں "غَمَامٌ غَمَامَةٌ" کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اس لیے اسے "غمامہ" کہتے ہیں یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا جو وادی تیہ میں ان کے سروں پر سایہ کیے رہتا تھا جیسے نسائی وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ربیع بن انس، ابومجلز، ضحاک اور سدی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے حسن اور قتادہ رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل عام بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا ابو حذیفہ رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ﴾ (البقرہ/۲۱۰) الخ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادل میں آئیں۔ یہی وہ بادل ہے جس میں بدر والے دن فرشتے نازل ہوئے تھے۔

من وسلویٰ کا نزول: جو "مَـنّ" ان پر اترا وہ درختوں پر اترتا تھا۔ یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھا لیا کرتے تھے وہ گوند کی قسم کا تھا۔ کوئی کہتا ہے شبنم کی وضع کا تھا حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اولوں کی طرح "من" ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر آفتاب نکلنے تک اترتا رہتا تھا ہر

---

[1] [تفسير ابن جرير الطبري (۸۸/۲)]

شخص اپنے گھر بار کے لیے اتنی مقدار میں جمع کر لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہوا گر کوئی زیادہ لیتا تو بگڑ جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ دو (دن) کا لے لیتے تھے جمعہ اور ہفتہ کا اس لیے کہ ہفتہ ان کا بڑا دن تھا ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں من شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے۔ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس ''من'' کا سترواں حصہ ہے شعروں میں یہی ''من'' شہد کے معنی میں آیا ہے یہ سب اقوال قریب قریب ہیں۔ غرض یہ کہ ایک ایسی چیز تھی جو انہیں بلا تکلیف وتکلف ملتی تھی اگر صرف اسے کھایا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملا لی جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر دی جائے تو اور چیز ہو جاتی تھی لیکن یہاں ''من'' سے مراد یہی ''من'' مشہور نہیں۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے [1] ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں ترمذی میں ہے کہ عجوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے [2] یہ حدیث حسن غریب ہے۔ دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس درخت کے بارے میں اختلاف کیا جو زمین کے اوپر ہوتا ہے جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ بعض کہنے لگے کھمبی کا درخت ہے آپ نے فرمایا کھمبی تو ''من'' میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے [3] ''سلویٰ'' ایک قسم کا پرند ہے چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے سرخی مائل رنگ کا جنوبی ہوائیں چلتی تھیں اور ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتی تھیں بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے تھے اگر ایک دن گذر کر بچ جاتا تو وہ بگڑ جاتا تھا اور جمعہ کے دن دو دن کے لیے جمع کر لیتے تھے کیونکہ ہفتہ کا دن ان کے لیے عید کا دن ہوتا تھا اس دن عبادتوں میں مشغول رہنے اور شکار وغیرہ سے بچنے کا حکم تھا۔ [4] بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پرند کبوتر کے برابر ہوتے تھے ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان پر وادی تیہ میں اتری تھیں جہاں انہوں نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اس جنگل میں ہمارے کھانے کا بندوبست کیسے ہوگا تب ان پر ''من وسلویٰ'' اتارا گیا۔

اور پانی کے لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی گئی تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ ''اس پتھر پر اپنا عصا مارو'' [5] عصا لگتے ہی اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے۔ ہر قبیلہ نے

---

[1] [**صحیح** :صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٤٧٨، ٤٦٣٩) و کتاب الطب : باب المن شفاء للعین (٥٧٠٨) صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب فضل الکماة (٢٠٤٩) ترمذی : کتاب الطب : باب ما جآء فی الکماة والعجوة (٢٠٦٧) ابن ماجه : کتاب الطب : باب الکماة والعجوة (٣٤٥٤)]

[2] [**صحیح** :ترمذی (٢٠٦٦ ـ ٢٠٦٧) ابن ماجه (٣٤٥٥) مسند احمد (٣٠١/٢)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [**صحیح بالشواهد** :ابن عدی فی الکامل (٣٧٠/٢)]

[4] تفسیر ابن ابی حاتم (١٧٩/١)] [5] [سورۃ البقرہ : آیت ٦٠]

ایک ایک چشمہ اپنے لیے بانٹ لیا' پھر سایہ کے طالب ہوئے کہ اس چٹیل میدان میں سایہ بغیر گذر مشکل ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے طور پہاڑ کا ان پر سایہ کر دیا' رہ گیا لباس تو قدرت الٰہی سے جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے وہ ان کے قد کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا ایک سال کے بچہ کا لباس جوں جوں اس کا قد وقامت بڑھتا لباس میں بڑھتا جاتا نہ پھٹتا نہ خراب ہوتا نہ میلا ہوتا' ان تمام نعمتوں کا ذکر مختلف جگہ قرآن پاک میں موجود ہے جیسے یہ آیت اور ﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰی......﴾ [1] والی آیت وغیرہ۔

ہذلی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ سلوٰی شہد کو کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول غلط ہے اور جوہری رحمۃ اللہ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی شہادت میں عرب شاعروں کے شعر اور بعض لغوی محاورے بھی پیش کیے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک دوا کا نام ہے کسائی رحمۃ اللہ کہتے ہیں سلوٰی واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاوی آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے یعنی لفظ سلوٰی۔ غرض یہ اللہ کی دو نعمتیں تھیں جن کا کھانا ان کے لیے مباح کیا گیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور یہی ان کا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تھا باوجود یہ کہ اس سے پہلے بہت کچھ اللہ کی نعمتیں ان پر نازل ہو چکی تھیں۔

اصحابِ رسول ﷺ کا رویہ بنی اسرائیل کے برعکس: بنی اسرائیل کی حالت کا یہ نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ کر پھر اصحاب رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی حالت پر نظر ڈالو کہ باوجود سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے اور بے انتہا تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اتباع نبی ﷺ پر اور عبادت الٰہی پر جمے رہے نہ معجزات طلب کئے' نہ دنیا کی راحتیں مانگیں' نہ اپنے تعیش کے لیے کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی خواہش کی' جنگ تبوک میں جبکہ بھوک کے مارے بیتاب ہو گئے اور موت کا مزہ آنے لگا تب حضور ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کھانے میں برکت کی دعا کیجیے اور جس کے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا جمع کر کے حاضر کر دیا جو سب مل کر بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرما کر اس میں برکت دی انہوں نے خوب کھایا بھی اور تمام توشے دان بھر لیے' پانی کے قطرے قطرے کو جب ترسنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ کی دعا سے ایک ابر آیا اور ریل پیل کر دی' پیا' پلایا اور مشکیں اور مشکیزے سب بھر لیے پس صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس ثابت قدمی اولوالعزمی کامل اتباع اور سچی توحید نے ان کی اصحاب موسیٰ علیہ السلام پر قطعی فضیلت ثابت کر دی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدے کرتے ہوئے گذرو اور زبان سے حِطَّةٌ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور بھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے ۞ پھر ان

---

[1] [سورة البقره : آیت ٦٠]

ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق ونافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا○

جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے آئے اور انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا جو ان کی موروثی زمین تھی ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۂ مائدہ میں ذکر ہے[1] قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔[2] سدی، ربیع، قتادہ، ابو مسلم رحمہ اللہ وغیرہ نے یہی کہا ہے، قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لیے لکھ دی گئی ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد ''اریحا'' ہے بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا کی بلکہ سورج کو ان کے لیے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تھا تا کہ فتح ہو جائے فتح کے بعد انہیں حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ جو اس فتح کے اظہار تشکر کا مظہر ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سجدے سے مراد رکوع لیا ہے۔[3] راوی کہتے ہیں کہ سجدے سے مراد یہاں پر خشوع وخضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطۃ تھا۔ رازی رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا اور کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سروں کو جھکانے کے بجائے اور اونچا کر لیا۔[4] ﴿حِطَّةٌ﴾ کے معنی بخشش کے ہیں۔[5] بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے مراد ''لَآ اِلٰــــہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہنا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ان میں گناہوں کا اقرار ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔[6] پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں جاؤ گے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرو گے اور مجھ سے بخشش مانگو گے تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں تمہاری خطاؤں سے درگزر کر لوں گا۔

فتح مکہ کے موقعہ پر فرمان الٰہی سورہ ﴿اِذَا جَآءَ﴾[7] نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آ جائے مکہ فتح ہو اور لوگ دین اللہ میں فوج درفوج آنے لگیں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرو اس سے استغفار کرو وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر واستغفار کا ذکر ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت کی خبر بھی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا[8] جسے آپ نے پسند فرمایا تھا جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل

---

[1] [سورۃ المائدہ : آیت ۲۱]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۸۱)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۱۱۳)]
[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۸۳)]
[5] [ایضا]
[6] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۸۵)]
[7] [سورۃ النصر : آیت ۱]
[8] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی (۴۲۹۴)]

ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ پر تھے یہاں تک کہ سر جھکائے ہوئے تھے کہ اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی [۱] جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکریہ کی بھی۔ دونوں طرح کے قول محدثین رحمہ اللہ کے ہیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسریٰ کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعتیں پڑھیں دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور ﴿حِطَّةٌ﴾ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور "حِطَّةٌ" کے بجائے "حَبَّةٌ فِىْ شَعْرَةٍ" کہتے ہوئے جانے لگے۔ [۲] نسائی، عبدالرزاق، ابوداود، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے [۳] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور "حِطَّةٌ" کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا [۴] حضرت براء فرماتے ہیں ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ﴾ [۵] میں "سُفَهَآءُ" یعنی جاہلوں سے مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ کی بات کو بدل دیا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "حِطَّةٌ" کے بدلے انہوں نے "حَبَّةٌ حِنْطَةٌ حَمْرَآءُ مَثْقُوْبَةٌ فِيْهَا شَعِيْرَةٌ سَوْدَاءُ" کہا تھا ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے "هطا سمعاتا أزبة مزبا" ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور "حِطَّةٌ" کے بدلے "حِنْطَةٌ" کہتے ہوئے داخل ہوئے حضرت عطا، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع، یحییٰ رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ "رِجْزٌ" سے مراد عذاب ہے [۱] کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے۔

---

[۱] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التقصیر: باب من تطوع فی السفر (۱۱۰۳) صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین: باب استحباب الصلوٰة الضحیٰ (۳۳٦)]

[۲] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: سورة البقرة (٤٤٧٩)]

[۳] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء (۳٤۰۳) صحیح مسلم: کتاب التفسیر (۳۰۱۵) ابوداؤد: کتاب الحروف (٤۰۰۷) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (۲۹۵٦)]

[۴] [ضعیف: مسند بزار (۱۸۱۲) مجمع الزوائد (۱٤٤/٦)] اس میں ابراہیم بن مہدی راوی ضعیف ہے۔ [میزان (٦۸/۱)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[۵] [سورۃ البقرہ: آیت ۱٤۲]

[۱] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۸۷/۱)]

ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ [1] بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ الخ [2] ابن جریر میں ہے کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے۔ تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔ [3]

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لکڑی پتھر پر مارو۔ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

بنی اسرائیل پر ایک اور انعام: یہ ایک اور نعمت یاد دلائی جا رہی ہے کہ جب تمہارے نبی نے تمہارے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہا دیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر ہر قبیلے کے لیے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کرا دیا جسے ہر قبیلہ نے جان لیا' اور ہم نے کہہ دیا کہ من و سلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو اور اس بے محنت کی روزی کو کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ ایک چکور پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہ نکلیں۔ یہ پتھر بیل کے سر جتنا تھا جو بیل پر لاد دیا جاتا تھا جہاں اترتے رکھ دیتے اور عصا کی ضرب لگتے ہی اس میں سے نہریں بہ نکلتیں۔ جب کوچ کرتے اٹھا لیتے نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا۔

بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا دو شاخیں تھیں جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام کو ملا تھا انہوں نے لکڑی اور پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الٰہی یہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے مشورے سے اٹھا لیا تھا جس سے آپ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا۔

زمخشری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حجر پر الف لام جنس کے لیے ہے عہد کے لیے نہیں یعنی کسی ایک پتھر پر عصا مارو یہ نہیں کہ فلاں پتھر ہی پر مارو۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی معجزے کا کمال اور قدرت کا پورا

---

[1] [صحیح صحیح مسلم : کتاب السلام : باب الطاعون والطیرة والکھانة ونحوھا (۲۲۱۸)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الطب : باب ما یذکر فی الطاعون (۵۷۲۸) مسند احمد (۲۰۶/۵)]

[3] [صحیح صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء (۳۴۷۳ـ ۶۹۷۴) صحیح ابن حبان (۲۹۵۲) موطا (۸۹۶/۲) مسند احمد (۲۰۲/۵)]

اظہار ہے آپ کی لکڑی لگتے ہی وہ بہنے لگتا اور پھر دوسری لکڑی لگتے ہی خشک ہو جاتا۔ بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ پتھر گم ہو گیا تو ہم پیاسے مرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لکڑی نہ مارو صرف زبانی کہو تا کہ انہیں یقین آ جائے۔ واللہ اعلم۔

ہر ایک قبیلہ اپنی نہر کو اس طرح جان لیتا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی پتھر کے پاس کھڑا رہ جاتا اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے چشمے جاری ہو جاتے جس شخص کی طرف جو چشمہ جاتا وہ اپنے قبیلے کو بلا کر کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے یہ واقعہ میدان تیہ کا ہے سورۂ اعراف میں بھی اس واقعہ کا بیان ہے لیکن چونکہ وہ سورت مکی ہے اس لیے وہاں ان کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو احسانات ان پر نازل فرمائے تھے وہ اپنے رسول ﷺ کے سامنے دہرائے ہیں اور یہ سورت مدنی ہے اس لیے یہاں خود انہیں خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں ﴿فَانْبَجَسَتْ﴾ [1] کہا اور یہاں ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ کہا اس لیے کہ وہاں اول جاری ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں آخری حال کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔ اور ان دونوں جگہ کے بیان میں دس وجہ سے فرق ہے جو فرق لفظی بھی ہے اور معنوی بھی۔ زمخشری رحمہ اللہ نے اپنے طور پر ان سب وجوہ کو بیان کیا ہے اور حقیقت اس میں قریب ہے واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا۔ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز دے، آپ نے فرمایا بہتر چیز کے بدلے یہ ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو اچھا کسی شہر میں جاؤ وہاں تمہیں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی

اچھی چیز چھوڑ کے گھٹیا کا انتخاب: یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت اللہ کی ناقدری بیان کی جا رہی ہے کہ من وسلویٰ جیسے پاکیزہ کھانے پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے ایک طعام سے مراد ایک قسم کا کھانا ہے یعنی من وسلویٰ ہے۔ ﴿فُوْمٌ﴾ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں "ثُوْمٌ" ہے، مجاہد رحمہ اللہ نے ﴿فُوْمٌ﴾ کی تفسیر "ثُوْمٌ" کے ساتھ کی ہے یعنی لہسن، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی ہے [2] اگلی لغت کی کتابوں میں "فَوِّمُوْا لَنَا" کے معنی "اِخْتَبِزُوْا" یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبتدلہ میں سے ہیں جیسے "عاثور شر' عافور شر' اثاثی' اثافی' مغافیر' مغاثیر" وغیرہ جن میں ف سے ث اور ث سے ف بدلا گیا کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں واللہ اعلم۔ [3] اور لوگ کہتے ہیں فُوْم کے معنی گیہوں کے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور احیحہ بن جلاح

---

[1] [سورۃ الاعراف : آیت ۱۶۰]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۹۳)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۱۳۰)]

کے شعر میں بھی فُوم گیہوں کے معنی میں آیا ہے بنی ہاشم کی زبان میں فُوم گیہوں کے معنی میں مستعمل تھا۔ فُوم کے معنی روٹی کے بھی ہیں بعض نے سنبلہ کے معنی کیے ہیں حضرت قتادہ اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں جس اناج کی روٹی پکتی ہے اسے فُوم کہتے ہیں بعض کہتے ہیں فُوم ہر قسم کے اناج کو کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم ردی چیز کو بہتر کے بدلے کیوں طلب کرتے ہو؟ پھر فرمایا: شہر میں جاؤ وہاں یہ سب چیزیں پاؤ گے جمہور کی قرات "مصراً" ہی ہے اور تمام قراتوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شہروں میں سے کسی شہر میں چلے جاؤ۔ [۱] ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے "مِصْرَ" کی قرات بھی ہے اور اس کی تفسیر مصر شہر سے کی گئی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصراً سے بھی مراد مخصوص شہر مصر لیا گیا ہو اور یہ الف "مصراً" کا ایسا ہو جیسا ﴿قَوَارِيْرَا o قَوَارِيْرَا﴾ [۲] میں ہے مصر سے مراد عام شہر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو یہ تو آسان چیز ہے جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں وہاں پالو گے میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا اس لیے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ق وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ع ﴿۶۱﴾

ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے o

بغاوت و نافرمانی کی سزا: مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان کا مقدر بنادی گئی۔ اہانت و پستی ان پر مسلط کر دی گئی جزیہ ان سے وصول کیا گیا مسلمانوں کے قدموں تلے انہیں ڈال دیا گیا فاقہ کشی اور بھیک کی نوبت پہنچی اللہ کا غضب و غصہ ان پر اترا "بآءو" کے معنی لوٹنے اور "رجوع کیا" کے ہیں "بَآءَ" کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے یہ تمام عذاب ان کے تکبر عناد حق کی قبولیت سے انکار اللہ کی آیتوں سے کفر اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعداروں کی اہانت اور ان کے قتل کی بنا پر تھا اس سے زیادہ کفر اور کون سا ہوگا؟ کہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور اس کے نبیوں علیہم السلام کو بلاوجہ قتل کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تکبر کے معنی حق کو چھپانے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کے ہیں۔ [۳]

مالک بن مرارہ رہاوی رضی اللہ عنہ ایک روز خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خوبصورت آدمی ہوں میں نہیں چاہتا کہ کسی کی جوتی کا تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ تکبر اور سرکشی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تکبر اور سرکشی حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے [۴] چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیاء تک پہنچ گیا

---

[۱] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۹۴)]
[۲] [سورۃ الدھر : آیت ۱۵۔۱۶]
[۳] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب تحریم الکبر و بیانہ (۹۱) بخاری فی تاریخہ (۲/۱/۳)]
[۴] [صحیح :مسند احمد (۱/۳۸۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[غایۃ المرام (۱۱۴)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

تھا اس لیے اللہ کا غضب ان پر لازم ہو گیا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل تین تین سو نبیوں علیہم السلام کو ایک ایک دن میں قتل کر ڈالتے تھے پھر بازاروں میں جا کر اپنے لین دین میں مشغول ہو جاتے۔ (ابوداود طیالسی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہو گا جسے کسی نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا امام اور تصویریں بنانے والا یعنی مصور ہو گا۔ [1] یہ ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا بدلہ تھا یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کیے ہوئے کام ہی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

مسلمان ہوں، یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی ○

انبیاء کے اطاعت گزار صرف مومن لوگ: اوپر چونکہ نافرمانوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے نبی کی تابعداری کرنے والوں کے لیے یہ بشارت تا قیامت ہے کہ نہ مستقبل کا ڈر نہ یہاں حاصل نہ ہونے والی اشیاء کا افسوس و حسرت۔ ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (یونس / ٦٢) یعنی اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف و غم نہیں اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ ﴿أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (حم السجدہ / ٣٠) تم ڈرو نہیں تم اداس نہ ہو تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن ایمان والوں سے ملا تھا ان کی عبادت اور نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری۔ (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپ مبعوث ہونے والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں، [2] حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا رنج ہوا وہیں یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراۃ کو مانتا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ جائیں تو ان کی تابعداری کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔ اگر اب بھی وہ توراۃ اور سنت موسیٰ علیہ السلام پر جما رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرے اور تابعداری نہ کرے تو پھر بے دین ہو جائے گا۔

اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے

---

[1] [صحیح بمسند احمد (۱/ ۴۰۷)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (۲۸۱)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے حسن کہا ہے۔]

[2] [ضعیف و منقطع تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۱٤) تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۱۹۸)]

زمانے میں پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پالے تو آپ کی تابعداری اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اگر اب بھی وہ انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑے اور حضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہ کرے تو ہلاک ہوگا۔ (ابن ابی حاتم) سدی رحمہ اللہ نے یہی روایت کی ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا لیکن جب وہ دوسرا نبی آئے اور وہ اس سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا' قرآن کی ایک آیت تو یہ ہے جو آپ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (ال عمران / ۸۵) یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں یہی تطبیق ہے کسی شخص کا کوئی عمل کوئی طریقہ مقبول نہیں تاوقتیکہ وہ شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق نہ ہو مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے آپ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے ان کے لیے ان کے زمانہ کے نبی کی تابعداری اور اس کی شریعت کے مطابق شرط ہے۔

یہود کی معرفت: لفظ یہود ھوادۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے جس کے معنی توبہ کے ہیں جیسے قرآن میں ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾ (الاعراف / ۱۵۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں پس انہیں ان دونوں وجوہات کی بنا پر یہود کہا گیا ہے توبہ کی وجہ اور آپس میں دوستی کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں یہ 'یہودا' کی اولاد میں سے تھے اس لیے انہیں یہود کہا گیا ہے یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے لڑکے کا نام تھا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراۃ پڑھتے وقت ہلتے تھے اس بنا پر انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی تب ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ [1] اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں بعض کہتے ہیں یہ لوگ جہاں اترے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا اس لیے انہیں نصاریٰ کہا گیا قتادہ اور ابن جریج رحمہ اللہ کا یہی قول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

نصاریٰ "نَصْرَان" کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاویٰ اور سکران کی جمع سکاریٰ اس کا مونث "نَصْرَانَةٌ" آتا ہے اب جبکہ خاتم الانبیاء ﷺ کا زمانہ آیا اور آپ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر بھی اور دوسرے سب پر بھی آپ کی تصدیق واتباع واجب ہوئی اور آپ کی امت کا نام مومن رکھا گیا ان کے ایمان ویقین کی پختگی کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء پر بھی ہے' اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔

صابی کون ہیں؟ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لامذہب کیے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو

---

[1] [سورۃ آل عمران : آیت ۵۲]

زبور پڑھا کرتے تھے اسی بنا پر ابوحنیفہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی۔ حضرت حسن اور حضرت حکم رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں یہ گروہ مجوسیوں کے مانند ہے یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔ زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پانچ وقت نماز قبلہ کی جانب رخ کر کے پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابوالزناد رحمہ اللہ اپنے باپ سے بیان فرماتے ہیں یہ لوگ عراقی ہیں۔ بکوثی کے رہنے والے سب نبیوں علیہم السلام کو مانتے ہیں ہر سال میں تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔ عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

مشرکین اسی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صابی کہتے تھے یعنی ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنے کی بنا پر۔ ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر بتاتے تھے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود مجوس کے دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے مجاہد، حسن اور ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہم کا یہی فتویٰ ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے ابوسعید اصطخری رحمہ اللہ نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرانیین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی میں مشرکین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے تھے بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم بچ سکو ○ لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے ○

عہد شکن قوم یہودی: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلا رہا ہے کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ جو میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرانے اور منوانے کے لیے میں نے

طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ﴾ (اعراف/۱۷۱) الخ جب ہم نے ان کے سروں پر سائبان کی طرح پہاڑ لا کر کھڑا کیا' اور وہ یقین کر چکے کہ اب پہاڑ ان پر گر کر انہیں کچل ڈالے گا اس وقت ہم نے کہا ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھاموا اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تو بچ جاؤ گے "طور" سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورۂ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی تفسیر کی ہے [1] ثابت یہی ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ اگتا ہو۔ [2] حدیث فتون میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اس وقت یہ پہاڑ ان کے سروں پر لا کر کھڑا کیا گیا کہ اب تو احکامات سنیں۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کے سجدے سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنکھیوں سے اوپر کی طرف دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور پہاڑ ہٹا لیا اسی وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا اس سے مراد توراۃ ہے قوت سے مراد طاعت ہے یعنی توراۃ پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو اور اس پر عمل کرو یعنی توراۃ پڑھتے پڑھاتے رہو۔

لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ میثاق اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کے بعد بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور عہد شکنی کی اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی اگر وہ توبہ قبول نہ فرماتا اور نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا اس وعدے کو توڑنے کی بنا دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۶﴾

یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ ○ اسے ہم نے اگلوں پچھلوں کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیز گاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا ○

یہود کا بندروں کی صورت میں مسخ ہونے کا سبب: اس واقعہ کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۃ اعراف میں ہے جہاں فرمایا ﴿وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ﴾ (الاعراف/۱۶۳) الخ وہیں اس کی تفسیر بھی پوری بیان ہوگی ان شاء اللہ یہ ایلہ بستی کے باشندے تھے ان پر ہفتہ کے دن تعظیم ضروری کی گئی تھی اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں تو انہوں نے مکاری کی۔ گڑھے کھود لئے۔ رسیاں اور کانٹے ڈال دئے۔ ہفتہ والے دن وہ آ گئیں۔ یہاں پھنس گئیں اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا۔ اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی ہے [3] لیکن یہ قول غریب ہے اور عبارت قرآن کے ظاہر

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۲۰۳)] [2] [ایضا] [3] [سورۃ الجمعۃ : آیت ۵]

الفاظ کے بھی خلاف ہے اس آیت پر پھر سورۂ اعراف کی آیت ﴿وَسْئَلْهُمْ﴾ الخ پر اور ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ﴾ (مائدہ ۶۰) الخ پر نظر ڈالو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جوان لوگ بندر بن گئے اور بوڑھے سور بن گئے۔[1] حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تمام مرد اور عورتیں دم والے بندر بنا دیئے گئے[2] آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے جو لوگ انہیں اس مکر وحیلہ سے روکتے تھے وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو ہم پہلے سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے ان کی نسل نہیں ہوئی[3] تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی یہ بندر جو اب ہیں اس وقت بھی تھے یہ جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے[4] (اللہ اپنے غضب وغصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور آخروی عذاب سے نجات دے آمین) ﴿خَاسِئِيْنَ﴾ کے معنی ذلیل اور کمینہ۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ سب سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت وادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا اس دن کی عظمت کے طور پر ان پر شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بنا پر ہفتہ والے دن تمام کی تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور کودتی اچھلتی رہتی تھیں لیکن باقی دنوں میں کوئی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔

ازاں بعد ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا تو اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی۔ لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج اتوار کو شکار کیا ہے آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے ہفتہ والے دن مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے کچھ لوگ جو ان میں نیک اور سچے مسلمان تھے وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں ان شکار کھیلنے والوں اور ان منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور بھی تھا جو مصلحت بروقت برتنے والا اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والا وہ تو پورا ساتھ دیتا تھا۔ ان کا نہ شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے کہ اس قوم کو کیوں وعظ ونصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے گا اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو۔ یہ جواب دیتے کہ ایک اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے اس لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور عذاب اللہ سے نجات پائیں۔

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۲۱۰)]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۲۰۹)]
[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۲۰۹)]
[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/ ۱۶۷)]

بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ جو فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گذر گئی ایک صبح مسلمان جاگے دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آ رہی تھیں یہ لوگ متحیر تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر لگ گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا دیکھا کہ وہ تمام لوگ مع عورتوں بچوں کے بندر بن گئے ہیں ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ کل انسان بندر کی صورتوں میں ہیں جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ یہ بھی یاد رہے کہ جب عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا صرف وہی بچے جو انہیں منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیتیں وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان کی صورتیں بدل دی گئی تھیں سچ مچ کے بندر بنا دئے گئے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے جیسے کہ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری صورتیں بھی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

﴿فَجَعَلْنَاهَا﴾ میں "ھا" کی ضمیر کا مرجع ﴿قِرَدَةً﴾ ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو سبب عبرت بنایا یا اس کا مرجع ﴿حِيْتَان﴾ ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع ﴿عُقُوْبَة﴾ ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع ﴿قَـرْيَـه﴾ ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لئے عبرتناک امر واقعہ بنا دیا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قریہ مراد ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں۔

﴿نَـكَالَ﴾ کہتے ہیں عذاب و سزا کو جیسے اور جگہ ہے ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى﴾ (النزعات / ۲۵) اس کو عبرت کا سبب بنایا آگے پیچھے والی بستیوں کے لئے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى﴾ (الاحقاف / ۲۷) الخ ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا اور اپنی نشانیاں بیان فرمائیں تاکہ وہ لوگ لوٹ آئیں اور ارشاد ہے ﴿اَوَلَـمْ يَـرَوْا اَنَّـا نَـاْتِـى الْاَرْضَ﴾ (الـرعـد / ۴۱) الخ اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کے موجود لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے یہ عبرتناک واقعہ دلیل راہ بن جائے گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلوں بعد میں آنے والوں کے لیے یہ واقعہ گو کتنا ہی زبردست عبرتناک ہو دلیل نہیں بن سکتا اس لیے کہ وہ تو گذر چکے تو ٹھیک قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی معنی بیان کیے گئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے ایسے ہی گناہوں کے لیے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا' لیکن صحیح قول وہی ہے، جس کی صحت

ہم نے بیان کی، یعنی آس پاس کی بستیاں، قرآن فرماتا ہے ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ ﴾ [1] الخ اور فرمان ہے ﴿ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (الرعد/۳۱) الخ اور فرمان ہے ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ ﴾ (الانبياء/ ٤٤) الخ۔

امت محمدیہ کے لیے نصیحت: غرض یہ عذاب ان کے زمانے والوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک سبق ہے اور اسی لیے فرمایا ﴿ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ یعنی یہ جو بعد میں آئیں گے ان پرہیز گاروں کے لیے موجب نصیحت ہے۔ یہاں تک کہ امت محمد ﷺ کے لیے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب و سزائیں ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے، ان کے مکر و فریب سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئیں ان کے بعد بھی جو ایسا کریں گے ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب ان پر بھی آ جائیں۔ ایک صحیح حدیث امام ابوعبداللہ بن بطہ رحمہ اللہ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ﴿ لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُوْدُ فَتَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِاَدْنَى الْحِيَلِ ﴾ یعنی تم وہ نہ کرو۔ جو یہودیوں نے کیا حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو، یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ [2] یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ؁

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں ○

گائے ذبح کرنے کا واقعہ: اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار اور تونگر تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کے لالچ میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ تاکہ اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں اور قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں، اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے نہیں دیتے تھے، اس بھتیجے نے اپنے چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائے دہائی مچا دی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا آخر کار ان قلعہ والوں پر تہمت لگا کر ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا انہوں نے اس قتل سے اور اس علم سے بالکل انکار کیا، لیکن یہ

---

[1] [سورة الاعراف : آیت ۲۷]

[2] [جید: امام ابن قیم رحمہ اللہ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ [تهذيب السنن (١٠٣/٥) مجموع الفتاوى (٢٩/٢٩)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (٦٠٨/١)]

اڑ گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ان سے کہو کہ ایک گائے ذبح کریں انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ کا گائے کے ذبح کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اعوذ باللہ (مسائل شرعیہ کے موقعہ پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے اللہ عزوجل کا یہی حکم ہے اب اگر یہ لوگ گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچہ ہے جوان عمر کی ہے انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے' ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں اترتی جاتی ہے پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت سی ہیں کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمائیے وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل بھی نہیں جوتی گئی' کھیتوں کو پانی نہیں پلایا ہر عیب سے پاک ہے یک رنگی ہے کوئی داغ دھبہ نہیں جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔ اب ایسی گائے ڈھونڈنے نکلے تو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا ایک مرتبہ جبکہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار طے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد صاحب جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دوں گا اس نے کہا ابھی دے دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو جگاؤں گا نہیں تم اگر ٹھہر جاؤ تو بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا یونہی ادھر کمی اور ادھر زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو تو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا باپ کی اس بزرگی کے احساس اور ان کے آرام پہنچانے کی کوشش کرنے اور ان کا ادب واحترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو یہ انکار کرتا ہے پھر کہتے ہیں تین لے لو چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں جو یہ چیز مانگے وہ دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی یہ برکت اللہ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جبکہ یہ بہت محتاج تھا اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا' اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے اس نے کہا میرے بھتیجے نے اس لئے کہ وہ میرا مال اور میری لڑکی

سے نکاح کر لے بس اتنا کہہ کروہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ چل گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ وجدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق وتکذیب ہم نہیں کر سکتے ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ع ۸

انہوں نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے آپ نے فرمایا سنو وہ گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہے نہ بچہ بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہے پس اب جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے بجا لاؤ ○ پھر وہ کہنے لگے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے چمکیلا اور دیکھنے والے کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجیے کہ ہمیں مزید اس کی ماہیت بتلائے اس قسم کی گائیں تو بہت ساری ہیں پتہ نہیں چلتا اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے ○ آپ نے فرمایا اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں، وہ تندرست اور بے داغ ہے انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی ○

گائے ذبح کرنے میں بنی اسرائیل کے بہانے: بنی اسرائیل کی سرکشی سرتابی اور حکم اللہ امر الٰہی وضاحت کے ساتھ یہاں بیان ہو رہا کہ حکم پاتے ہی اس پر عمل نہ کر ڈالا بلکہ شقیں نکالنے اور بار بار سوال کرنے لگے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر لیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخر میں وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی سختی نہ ٹلتی اور اظہار ان پر نہ ہوتا[1] پہلے سوال کے جواب میں کہا گیا کہ نہ تو بڑھیا ہے نہ بالکل کم عمر ہے۔ بلکہ درمیانی عمر کی ہے۔ پھر دوسرے سوال کے جواب میں اس کا رنگ بیان کیا گیا کہ وہ زرد اور چمکدار رنگ کی ہے جو

[1] [تفسير ابن جرير الطبری (١٢٤٦)]

دیکھنے والوں کو بہت پسند آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہنے وہ ہر قیمت خوش و خرم رہے گا اور اس جملہ سے استدلال کیا ہے ﴿تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ﴾ بعض نے کہا ہے کہ مراد سخت سیاہ رنگ ہے لیکن اول قول ہی صحیح ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اسی کی شوخی اور چمکیلے پن سے وہ مثل کالے رنگ کے لگتا تھا' وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا رنگ اس قدر شوخ اور گہرا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا سورج کی شعائیں اس سے اٹھ رہی ہیں تو ارۃ میں اس کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے لیکن شاید عربی کرنے والوں کی غلطی ہے واللہ اعلم۔ چونکہ اس رنگ اور اس عمر کی گائیں بھی انہیں بکثرت نظر آئیں تو انہوں نے پھر کہا اے اللہ کے نبی! کوئی اور نشان بھی پوچھئے تا کہ شبہ مٹ جائے انشاء اللہ اب ہمیں رستہ مل جائے گا اگر ان شاء اللہ نہ کہتے تو انہیں قیامت تک پتہ نہ چلتا اور اگر یہ سوالات ہی نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر عائد نہ ہوتی بلکہ جس گائے کو ذبح کر دیتے کفایت ہو جاتی یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے [1] لیکن اس کی سند غریب ہے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا کلام ہے واللہ اعلم۔ اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ ہل میں جتی نہیں پانی نہیں سینچا' اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں' یک رنگی ہے' سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں' اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست و توانا ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی مگر یہ قول غلط ہے اس لئے ﴿ذَلُوْلٌ﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہل نہیں جوتتی اور نہ پانی پلاتی ہے اس میں نہ کوئی داغ دھبہ ہے اب اتنی بڑی کدو کاوش کے بعد بادل ناخواستہ وہ اس کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے اسی لئے فرمایا کہ یہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے کسی نے کہا کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جانیں کون قاتل ہو بعض کہتے ہیں اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتیں بنی اسرائیل روایتیں ہیں ٹھیک بات یہ ہے کہ ان کا ارادہ حکم کی بجا آوری کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس کی وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا۔ واللہ اعلم۔ اس آیت سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ جانوروں کو دیکھے بغیر ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا اور اوصاف پورے بیان کر دئے گئے جیسے امام مالک' امام اوزاعی' امام لیث' امام شافعی' امام احمد' اور جمہور علماء رحمہم اللہ علیہم کا مذہب ہے اسلاف اور متاخرین کا بھی اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاوند کے سامنے بیان نہ کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے [2] ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے اونٹوں کے

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۷۲۷)، (۲۲۳/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عباد بن منصور راوی ضعیف ہے۔ [مزید دیکھئے: میزان الاعتدال (۳۷۶/۳)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب لا تباشر المراة (۵۲۴۰) ترمذی: کتاب الادب: باب فی کراهیة مباشرة الرجال الرجال (۲۷۹۲) ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی ما یومر به من غض البصر (۲۱۵۰) مسند احمد (۴۴۰/۱)]

اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں قتل خطا اور وہ قتل جو مشابہ ''عمد'' کے ہے [1] ہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے کوفی اور امام ثوری رحمہم اللہ وغیرہ بیع مسلم کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف واحوال پوری طرح ضبط نہیں ہوسکتے اسی طرح کی حکایت ابن مسعود، حذیفہ بن یمان، اور عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی کی جاتی ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ؀ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؀

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا○ ہم نے کہا اس گائے کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگاؤ (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلمندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے○

صحیح بخاری میں ﴿فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ کے معنی تم نے اختلاف کیا ہے کے ہیں۔ [2] حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے [3] مسیّب بن رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا اللہ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گاؤ کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان تو قرآن میں نہیں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے اور معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان ہے سا کہ جس چیز کا بیان نہیں ہم بھی اس کی تلاش وتفتیش میں نہ پڑیں بعض نے کہا ہے وہ غضروف کی ہڈی نرم تھی کوئی کہتا ہے ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے ہم بھی مبہم ہی رکھیں۔ اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی سے کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنایا۔ اسی سورت میں پانچ جگہ مرنے کے بعد جینے کا بیان ہوا ہے ایک تو آیت ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ (البقرہ / ٥٦) میں اور دوسرا اس قصے میں، تیسرے ان کے قصے میں جو ہزاروں تعداد میں نکلے تھے اور ایک اجاڑ بستی پر ان کا گذر ہوا تھا چوتھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے مار ڈالنے کے بعد

---

[1] [حسن :ابو داؤد : كتاب الديات : باب دية الخطا شبه العمد (٤٥٤٧) ابن ماجه : كتاب الديات : باب دية شبه العمد مغلظه (٢٦٢٧) نسائی : كتاب القسامة : باب ذكر الاختلاف على خالد الحذاء (٤٧٩٧)] امام ابن قطان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[كما فى الدراية (١٠٠٧)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح ابوداود (٤٥٨٨) صحيح ابن ماجه (٢٦٢٨)]

[2] [صحيح بخارى : كتاب احاديث الانبياء : باب واذ قال موسىٰ لقومه]

[3] [تفسير ابن ابى حاتم (٢٩/١)]

زندہ ہو جانے میں پانچوں زمین کی مردنی کے بعد روئیدگی کو موت و زیست سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی ایک حدیث میں ہے ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مردوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح جلائے گا فرمایا کبھی تم بنجر زمین گذرے ہو؟ کہا ہاں فرمایا پھر کبھی اس کو سرسبز و شاداب بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں فرمایا اسی طرح موت کے بعد زیست ہے [1] قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾ (یسین / ۳۳) الخ یعنی ان منکرین کے لئے مردہ زمین میں ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل پیل کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھائیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا یا پیدا کیا ہوا نہیں کیا پھر بھی یہ شکر گذاری نہ کریں گے؟ کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برانگیختگی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا۔ اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً سچ ہی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کڑے اتار کر لے گیا جب اس کا پتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لگا تو آپ نے فرمایا اس لڑکی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا فلاں نے مارا؟ وہ سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا سر اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے [2] اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جب یہ برانگیختگی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور "قسامہ" کے لیکن جمہور اس کے مخالف اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو ○

پتھر دل لوگ: اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں

---

[1] [حسن : مسند طیالسی (۱۰۸۹)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الدیات : باب من اقاد بالحجر (۶۸۷۹)، (۲۴۱۳) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر (۱۶۷۲)]

دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر بن گئے۔ اسی لئے ایمان والوں کو اسی طرح کی سختی سے روکا گیا اور کہا گیا۔

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ (الحدید/ ١٦) یعنی کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل لمبا زمانہ گذرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا۔ تو اس نے اس کی تکذیب کی اور کہا اس نے جھوٹ کہا [1] اور پھر کچھ وقت گذر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں ان سے چاہے وہ بہنے کے قائل نہ ہوں بعض پتھر خوف اللہ سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ ونصیحت سے کسی پند وموعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے اور جگہ ہے ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴾ (الاسراء/ ٤٤) یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ حلم وبردباری والا اور بخشش وعفو والا ہے۔ ابو علی جبائی نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں رازی رحمہ اللہ بھی غیر درست بتلاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ اس میں لفظی معنی بے دلیل کو چھوڑنا لازم آتا ہے واللہ اعلم۔ نہریں بہہ نکلنا زیادہ رونا ہے۔ پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے گر پڑنا دل سے ڈرنا ہے بعض کہتے ہیں یہ مجازاً کہا گیا جیسے اور جگہ ہے ﴿ یُرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ ﴾ [2] یعنی دیوار گر پڑنا چاہ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے۔ حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ رازی، قرطبی رحمہما اللہ وغیرہ کہتے ہیں ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

دیکھئے اس کا فرمان ہے ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ ﴾ (احزاب/ ٧٢) الخ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اس کے اٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے اوپر آیت گذر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں اور جگہ ہے ﴿ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ﴾ (الرحمن/ ٦) یعنی اکا س بیل اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا: ﴿ یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ ﴾ (النحل/ ٤٨) الخ اور فرمایا ﴿ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴾ (فصلت/ ١١) زمین وآسمان نے کہا ہم خوشی خوشی حاضر ہیں اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ پھٹ جاتے۔ [3] اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ ﴾

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۲۳۴)] [2] [سورہ الکھف : آیت ۷۷]

[3] [سورۃ الحشر : آیت ۲۱]

(فصلت / ۲۱) یعنی گناہ گار لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم سے اس اللہ نے بات کرائی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے ایک صحیح حدیث ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے بہت محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔[2] صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا[3] حجرا سود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا[4] اور اس طرح کی بہت سی آیات اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک وحس ہے اور یہ تمام باتیں حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ آیت میں لفظ ''او'' جو ہے اس کی بابت قرطبی اور رازی رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ یہ تخییر کے لئے ہے یعنی ان کے دلوں کو خواہ جیسے پتھر جیسے سخت سمجھ لو یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازی رحمہ اللہ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لئے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے زیادہ سخت ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں وہ بھی سن لیجئے اس پر تو اجماع ہے کہ 'او' شک کے لئے نہیں یا تو یہ معنی میں واو کے ہے یعنی اُن کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے جیسے ﴿لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ (الدھر / ۲٤) میں اور ﴿عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾[5] میں شاعروں کے اشعار میں اَوْ واوَ کے معنی میں جمع کے لئے آیا ہے یا 'اَوْ' یہاں پر معنی میں بل یعنی بلکہ کے ہے جیسے ﴿كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ (النساء / ۷۷) میں اور ﴿اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ (الصافات / ۱٤۷) میں اور ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ (النجم / ۹) میں بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جیسے ہیں یا سختی میں تمہارے نزدیک اس سے بھی زیادہ بعض کہتے ہیں صرف مخاطب پر ابہام ڈالا گیا ہے اور یہ شاعروں کے شعروں میں بھی پایا جاتا ہے کہ باوجود پختہ علم ویقین کے صرف مخاطب پر ابہام ڈالنے کے لئے ایسا کلام کرتے ہیں قرآن کریم میں اور جگہ ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب فضل الخدمة فی الغزو (۲۸۸۹) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة (۱۳٦٥)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجمعة : باب الخطبة علی المنبر (۹۱۸)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفضائل : باب فضل نسب النبی ﷺ وتسلیم الحجر علیه قبل النبوة (۲۲۷۷) ترمذی : کتاب المناقب : باب فی آیات اثبات نبوة النبی (۳٦۲٤) مسند احمد (٥/۸۹)]

[4] [صحیح : ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء فی الحجر الاسود (۹٦۱) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب استلام الحجر (۲۹٤٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الترغیب (۱۱٤٤)]

[5] [سورۃ المرسلات : آیت ٦]

مُّبِيْنٍ﴾ (السبـا / ٢٤) یعنی ہم یا تم صاف ہدایت یا کھلی گمراہی پر ہیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ہدایت پر ہونا اور کفار کا گمراہی پر ہونا یقینی چیز ہے لیکن مخاطب کے ابہام کے لئے اس کے سامنے کلام مبہم بولا گیا۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت یعنی بعض ایسے اس قول کے مطابق یہ بھی ہے ﴿كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ [1] الخ پھر فرمایا ﴿اَوْكَصَيِّبٍ﴾ [2] الخ اور فرمایا ہے ﴿كَسَرَابٍ﴾ الخ پھر فرمایا ﴿اَوْ كَظُلُمَاتٍ﴾ [3] الخ مطلب یہی ہے کہ بعض ایسے اور بعض ایسے۔ واللہ علم۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے [4] امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اور اس کے ایک طریقہ کو غریب کہا ہے بزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں خوف اللہ سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا۔ دل کا سخت ہو جانا۔ امیدوں کا بڑھ جانا۔ لالچی بن جانا۔ [5]

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کلام اللہ کو سن کر عقل و علم ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے تھے ○ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں کیا جانتے نہیں کہ یہ تو

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ١٧] [2] [سورۃ البقرہ : آیت ١٩]

[3] [سورۃ النور : آیت ٣٩-٤٠]

[4] [ضعیف : ترمذی : کتاب الزھد : (٢٤١١) مؤطا (٩٨٦/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفه (٩٢٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[5] [ضعیف : بزار فی کشف الاستار (٣٤٣) الکامل لابن عدی (٢٤٨/٣)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں موجود ہانی بن متوکل راوی ضعیف ہے۔ امام ہیثمیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (٢٢٦/١٠)] امام ابن حبانؒ نے فرمایا ہے کہ یہ راوی قابل حجت نہیں۔ امام ابن جوزیؒ نے اس روایت کو موضوعات میں ذکر فرمایا ہے۔ [الموضوعات (١٢٥/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (١٥٢٢)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی○ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتا ہے۔

یہودیوں کا کردار: اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ناامید کر رہے ہیں جب ان لوگوں نے اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی اپنے دل سخت پتھر جیسے بنا لیے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ (المائدہ/١٣) الخ یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ اللہ کے کلام کو ردو بدل کر ڈالا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپ سے اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پہاڑ پر جا کر سجدے میں گر پڑے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا جب یہ واپس آئے اور نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور اس میں تبدیلی کرنی شروع کر دی۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان لوگوں نے توراۃ میں تحریف کی تھی یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بد خصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾ (التوبة/٦) یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے [١] آنحضرت ﷺ کے جو اوصاف ان کی کتاب میں تھے ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب سے دور کر دیا تھا اسی طرح حلال کو حرام، حرام کو حلال، حق کو باطل، باطل کو حق لکھ دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینی اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی ہاں کبھی کبھی جبکہ رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا، مریدوں سے بھی الگ ہوتے تو حق بات بھی کہہ دیا کرتے مسلمانوں سے ملتے تو کہہ دیا کرتے کہ تمہارے نبی سچے ہیں یہ برحق رسول ہیں [٢] لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے عربوں سے یہ باتیں کیوں کہتے ہو پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے اللہ کے ہاں بھی تمہیں لاجواب کر دیں گے تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا جاؤ کہہ دو کہ ہم بھی ایمان لاتے ہیں اور یہاں آئے تو پھر ویسے ہی رہے۔ جیسے تھے پس یہ لوگ صبح آ کر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْ﴾ (ال عمران/٧٢) الخ یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا ایمان والوں پر جو اترا ہے اس پر دن کے شروع حصہ میں ایمان لاؤ پھر آخر میں کفر کرو تا کہ خود ایمان

---

[١] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢/٢٤٥)] [٢] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢/٢٥٠)]

والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے والوں کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالا کی نہ چلی اور یہ راز اللہ نے کھول دیا جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پوچھتے کیا تمہاری کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت وغیرہ نہیں؟ وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو؟ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا! اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو! تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتادیں خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آ جائیں گے [1] اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی تم جو چپکے چپکے اپنوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور تم جو اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو میں تو تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اور تم جو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔

النصف

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿٧٩﴾

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں ○ ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور افسوس ہے ○

امی اور ویل کا مفہوم: امی کے معنی ہیں کہ وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو ﴿اُمِّيُّوْنَ﴾ اس کی جمع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں میں ایک صفت ''امی'' بھی آئی ہے اس لیے کہ آپ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کہتا ہے ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (العنکبوت/٤٨) یعنی تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو شاید ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب، مہینہ کبھی اتنا اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا اتنا۔ پہلی بار تو آپ نے دونوں ہاتھوں کی کل انگلیاں تین بار نیچے کی طرف جھکائیں یعنی تیس دن کا دو بار اور تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ بنالیا [2] یعنی انتیس دن کا مطلب یہ ہے کہ ہماری

---

[1] [مرسل : تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٤٨ـ ١٣٤٩ـ ١٣٥٠)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نکتب ولا نحسب (١٩١٣) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب وجوب صوم رمضان لرویة الهلال (١٠٨٠) نسائی : کتاب الصیام : (٢١٣٩) ابو داؤد : کتاب الصیام (٢٣١٩)]

عبادتیں اوران کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا (۱) امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں بے پڑھے آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر ''امی'' نہیں کہا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے دوسرے اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ اَمَانِیَّ کے معنی باتیں اور اقوال ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ''کذب، آرزو، جھوٹ کے'' معنی بھی کیے گئے ہیں (۲) تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے ﴿اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی﴾ (۳) یہاں تلاوت کے معنی صاف ہیں شعراء کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے اور وہ صرف گمان پر ہی ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور اس پر ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور گمراہی کی طرف دوسروں کو بلاتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ہڑپ کرتے تھے۔

﴿وَيْلٌ﴾ کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو گھل جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ''وَيْـــــلٌ'' ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے چالیس سال کے بعد تلے میں پہنچیں گے (۴) اتنی گہرائی ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے منکر بھی ہے اور ضعیف بھی۔ اور ایک غریب حدیث میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ''وَيْـلٌ'' ہے یہودیوں نے توراۃ کی تحریف کردی اس میں کمی یا زیادتی کی۔ آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا اس لیے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور بعض توراۃ اٹھالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے اور ان کی کمائی برباد اور ہلاک ہے۔ (۵) ''وَيْـلٌ'' کے معنی سخت عذاب برائی، ہلاکت، افسوس، درد، دکھ، رنج وملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ''وَيْلُ، وَيْحُ، وَيْش، وَيْهُ، وَيْكَ، وَيْبَ'' سب ایک ہی معنی میں ہیں گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کیے ہیں لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بدعا کے ہے اس لیے اسے مبتدا بنا دیا گیا ہے بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز سمجھا ہے لیکن ویلا کی قرات نہیں یہاں یہودیوں کے علماء کی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام

---

(۱) [سورة الجمعة : آیت ۲] (۲) [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۲۶۱)]

(۳) [سوره الحج : آیت ۵۲]

(۴) [ضعیف : سنن ترمذی : كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة الانبياء عليهم السلام (۳۱۶۴) بغوی (۴۴۰۹) بیهقی فی البعث (۴۶۵ ـ ۴۸۷) ابن حبان (۶۴۶۷) مستدرك حاكم (۲/۵۰۷) مسند احمد (۳/۷۵) ابو یعلی (۱۳۸۳) الفردوس بماثور الخطاب (۷۱۶۴) عبد بن حمید فی المنتخب (۹۲۴) الدر المنثور للسیوطی (۱/۱۵۹)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ترمذی (۷۱۶) ضعیف الترغیب (۲۱۳۶) ضعیف الجامع الصغیر (۶۱۴۸)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

(۵) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۸۹، ۱۳۹۸) ، (۲/۲۶۸)]

کہتے تھے اور اپنے والوں کو خوش کر کے دنیا کماتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ تعالیٰ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دیا اس کی تشہیر کی پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تبدیل کردہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو۔ [1] تھوڑے مول سے مراد بہ نسبت آخرت کے کمی ہے تو گویا ساری دنیا مل جائے لیکن جنت کے مقابلہ میں وہ بے حد حقیر چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ رب العزت کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ چالیس دن تک آگ میں رہنا مانتے تھے [2] کیونکہ ان کے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی بعض کا قول ہے کہ یہ دھوکہ انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراۃ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپ کی امت آپ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں بلکہ تم ہی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا آپ نے فرمایا۔ یہاں کے یہودیوں کو جمع کر لو پھر ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں آپ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا وہی ہمارا باپ ہے۔ آپ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ سچ بتانا انہوں نے کہا اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر جھوٹ کہیں گے تو آپ کے سامنے نہ چل سکے گا ہم تو آزما چکے آپ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الشهادات : باب لا یسال اهل الشرك عن الشهادة وغيرها (۲٦٨٥)]

[2] [تفسير ابن جرير الطبری (۲/۲۷٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[3] [ضعيف ومرسل :تفسير ابن جرير الطبری (۱٤٠٩، ۱٤۱٠) تفسير عبد الرزاق (۱/۵۱)]

ہیں پھر آپ کی امت آپ نے فرمایا غلو ہر گز نہیں۔ پھر فرمایا اچھا بتلاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضور ﷺ اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہر گز ضرر نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ (مسند احمد، بخاری، نسائی) [1]

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــئَتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝81

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝82 ع

یقیناً جو بھی برے کام کرے اور اس کی نافرمانیاں اسے گھیر لیں وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے ○

جہنم میں جانے والے: مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہاتھ ہے وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ، رسول ﷺ پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا ﴿لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ﴾ (النساء/۱۲۳) الخ یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی کرنے والا اپنی نیکو کاری کا اجر پائے گا مگر برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کسی مرد کا، عورت کا، بھلے آدمی کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ [2] ابو وائل، ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، ربیع بن انس رحمہم اللہ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہ بہ تہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ [3] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جس کے دل پر بھی قابض ہو جائے ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کوئی آدمی ایک ایک لکڑی لے کر آئیں تو انبار لگ جاتا ہے پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے [4] پھر

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الجزیۃ: باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین (۳۱۶۹) مسند احمد (۴۵۱/۲) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۳۵۵)]

[2] [**ضعیف**: تفسیر ابن ابی حاتم (۲۵۲/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲۵۳/۱)]

[4] [**صحیح لغیرہ**: مسند احمد (۴۰۲/۶۔ ۴۰۳) مجمع الزوائد (۱۸۹/۱۰) طبرانی فی الکبیر (۱۶۵/۶) وفی الصغیر (۳۲۷/۲) وفی الاوسط کما فی مجمع البحرین (۲۶۱/۸)] حافظ عراقیؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔[تخریج الاحیاء (۴۷۳/۹)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عمران بن داود کے اور اس کی بھی توثیق کی گئی ہے۔[مجمع الزوائد (۳۰۸/۱۰)] شیخ شعیب ارناؤط نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔[مسند احمد محقق (۳۸۱۸)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[صحیح الترغیب (۲۴۷۰) صحیح الجامع الصغیر (۲۶۸۷)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے حسن کہا ہے۔]

ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم جیسا عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان پختہ ہے تمہاری بداعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال مستحکم ہیں انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ کی مسکن جنتیں ملیں گی۔ اور اللہ کے عذاب وثواب دونوں لازوال ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ قف وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا اسی طرح قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰتیں دیتے رہا کرنا۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا○

باطل معبودوں سے بچنے کا حکم: بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا ذکر ہو رہا ہے ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں، یہ حکم نہ صرف بنو اسرائیل کو ہی دیا گیا بلکہ تمام مخلوق کو یہی حکم دیا گیا ہے فرمان ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (الانبیاء/۲۵) یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا ہے کہ وہ اعلان کریں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں سب لوگ میری ہی عبادت کریں اور فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل/۳۶) یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اسکے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اس عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے اب حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے۔

بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق چونکہ بہت بڑا ہے اسی لئے ان کا حق بیان کیا گیا ہے ارشاد ہے ﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ﴾ (لقمان/۱۴) میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان اور جگہ فرمایا: ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ﴾ (الاسراء/۲۳) الخ تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا پوچھا اس کے بعد آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرنا پوچھا پھر کونسا؟ پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا[1] ایک اور صحیح حدیث میں ہے

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب مواقیت الصلوۃ : باب فضل الصلوۃ لوقتها (۵۲۷) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب کون الایمان باللہ تعالی افضل الاعمال (۸۵) ترمذی : کتاب الصلوۃ : باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل (۱۷۳) مسند احمد (۱/۴۵۱) نسائی (۶۱۱)]

کسی نے پوچھا حضور ﷺ میں کس کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، پھر پوچھا کس کے ساتھ؟ فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ اور پھر قریب والے کے ساتھ اور پھر قریب والے کے ساتھ۔ [1]

آیت میں ﴿لَا تَعْبُدُوْنَ﴾ فرمایا اس لیے کہ اس میں بہ نسبت ﴿لَا تَعْبُدُوْا﴾ کے مبالغہ زیادہ ہے ''طلب'' یہ خبر معنی میں ہے بعض لوگوں نے ''اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا'' بھی پڑھا ہے ابی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ''لَا تَعْبُدُوْا'' پڑھتے تھے یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ العظیم سورہ نساء کی اس معنی کی آیات میں آئے گی پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو۔ یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو بھلی باتوں کا حکم اور برائی سے روکا کرو۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو۔ برائی سے روکو۔ بردباری، درگذر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شعار بنا لو یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہیے [2] رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کر لیا کرو۔ (مسند احمد) [3]

پس قرآن کریم نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا۔ پھر اچھی باتیں کہنے کا۔ پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا نماز پڑھو زکوۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے پابند عہد رہے۔ اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا فرمایا ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (النسآء/ ۳۶) اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ رشتہ داروں کیساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ، اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ، ہم مشرب مسلک کے ساتھ، مسافروں کے ساتھ، لونڈی غلاموں کے ساتھ، سلوک احسان اور بھلائی کیا کرو، یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ الحمد للہ کہ یہ امت بہ نسبت اور امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں اور ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اسد بن وداعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کیا کرتے تھے اور یہ دلیل دیتے تھے کہ فرمان باری ہے ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرہ/ ۸۳) لیکن یہ اثر غریب ہے۔ اور حدیث کے خلاف ہے حدیث میں صاف موجود ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ابتداً سلام علیک نہ کیا کرو۔ [4] واللہ اعلم۔

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب البر والصلة (۵۹۷۱) صحیح مسلم: کتاب البر الصلة: باب برالوالدین (۲۵۴۸)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۲۵۸)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب البر و الصلة: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء (۲۶۲۶) ترمذی (۱۸۳۳) مسند احمد (۵/ ۱۷۳)]

[4] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب السلام: باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام (۲۱۶۷)]

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو جلاوطن نہ کرنا تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے ○ لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی ہاں قیدی بن کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیئے لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے مول لیا ہے ان سے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

اوس وخزرج اور دیگر قبائل کو دعوتِ اتحاد: اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی ہمیشہ آپس میں جنگ وجدال رہتا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرف دار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے اور بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس وخزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے، دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ دیتے، دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال ودولت پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل بھی نہ کرو گھروں سے نہ نکلواسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو یہ اس لیے

کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کے مانند ہیں۔

حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی، صلہ رحمی اور رحم و کرم میں ایک جسم کے مثل ہیں کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بیتاب ہو جاتا ہے بخار چڑھ جاتا ہے راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے [1] اسی طرح ایک ادنیٰ مسلمان کے لیے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہیے۔

عبد خیر رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم سلمان بن ربیعہ رحمہ اللہ کی ماتحتی میں "بلنجر" میں جہاد کر رہے تھے محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک یہودیہ لونڈی کو سات سو میں خریدا۔ راس الجالوت کے پاس جب ہم پہنچے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور فرمایا یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو اس نے کہا بہت اچھا میں چودہ سو دیتا ہوں آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم نہیں بیچوں گا اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا آپ نے کہا سن یا تو تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا تورات میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھر سے بے گھر بھی نہ کیا کرو اب یا تو تورات کو مان کر اسے خرید یا تورات کا منکر ہونے کا اقرار کر۔ وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہو آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا آپ نے دو ہزار لے لیے اور دو ہزار لوٹا دیئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ راس الجالوت کوفہ میں تھا یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے تورات کی یہ آیت سنائی غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے امانت داری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی نبی ﷺ کی صفتیں آپ کی نشانیاں آپ کی نبوت کی تصدیق آپ کی جائے پیدائش جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی مخالفت کرتے تھے اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کے عذاب بھی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے اور رسول بھی بھیجے اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تو تم نے جھٹ سے تکبر کیا۔ بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا ○

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب رحمۃ الناس و البهائم (۶۰۱۱) صحیح مسلم: کتاب البر و الصلة: باب تراحم المومنین (۲۵۸۶)]

خواہش پرست اسرائیلی: بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ توراۃ کی تحریف وتبدل کی حضرت موسیٰ کے بعد انہی کی شریعت پر آنے والے انبیاء علیہم السلام کی بھی مخالفت کی چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ (المائدہ / ٤٤) الخ یعنی ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا جس پر انبیاء علیہم السلام خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو بھی ان کے علماء اور درویش ان پر عمل کرنے کا حکم کرتے تھے۔ غرض پے در پے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام توراۃ کے خلاف بھی تھے اسی لیے انہیں نئے نئے معجزات بھی ملے مردوں کو بحکم رب العزت زندہ کر دینا' مٹی سے پرند بنا کر اس میں پھونک مار کر بحکم رب العزت اڑا دینا' بیماروں کو اپنے دم جھاڑے سے رب العزت کے حکم سے اچھا کر دینا' بعض بعض غیب کی خبریں رب العزت کے معلوم کرانے سے دینا وغیرہ [1] آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبرئیل کو لگا دیا۔

لیکن بنی اسرائیل اپنے کفر اور تکبر میں اور بڑھ گئے اور زیادہ حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے۔ کہیں جھٹلاتے اور کہیں مار ڈالتے تھے محض اس بنا پر کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و احکام ان کی قبولیت سے ٹکراتے تھے اس لیے دشمنی پر تل جاتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم محمد بن کعب' اسماعیل بن خالد' سدی' ربیع بن انس' عطیہ عوفی اور قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں [2] جیسے قرآن شریف میں اور جگہ ہے ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ (الشعراء / ١٩٣) یعنی اسے لے کر روح امین اترے ہیں۔

صحیح بخاری میں تعلیقاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ شاعر کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا وہ مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپ ان کے لیے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عزوجل حسان کی مدد روح القدس سے فرما جیسے کہ یہ تیرے نبی کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔ [3] بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف تیز نگاہیں اٹھائیں تو آپ نے فرمایا میں تو اس وقت بھی ان شعروں کو یہاں پڑھتا تھا جب یہاں تم سے

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٢٦٨)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٢٧٠)]

[3] [صحیح :ابو داؤد : کتاب الادب : باب ما جاء فی الشعر (٥٠١٥) ترمذی : کتاب الادب : باب ما جآء فی انشاد الشعر (٢٨٤٦) مسند احمد (٦/٧٢) مستدرك حاكم (٣/٤٨٧) طبرانی (٤/٣٧)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤط نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (٢٤٤٣٧)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحيحة (١٦٥٧) صحيح الجامع الصغير (١٨٦٥) مختصر الشمائل للألبانی (٢١٣)]

بہتر شخص موجود تھے پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا؟ کہ اے حسان تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے اے اللہ تعالیٰ تو حسان رضی اللہ عنہ کی تائید روح القدس سے کر۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔ (۱)

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسان تم ان مشرکین کی ہجو کرو جبرئیل علیہ السلام بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ (۲)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر میں بھی جبرئیل کو روح القدس کہا گیا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے کہو کیا خود تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور وہی میرے پاس بھی وحی لاتے ہیں ان سب نے کہا بے شک (۳) (ابن اسحاق) ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں کہا کہ کوئی شخص اپنی روزی اور زندگی پوری کیے بغیر نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو (۴) بعض نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے بعض نے کہا ہے فرشتوں کا ایک سردار فرشتہ ہے۔

بعض کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبرئیل ہے کسی نے کہا ہے قدس یعنی برکت، کسی نے کہا ہے پاک، کسی نے کہا ہے روح سے مراد انجیل ہے جیسا فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (الشوری / ۵۲) یعنی اسی طرح ہم نے تیری طرف روح کی وحی اپنے حکم سے کی۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ (المائدہ / ۱۱۰) الخ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب و حکمت توراۃ و انجیل کے سکھانے کا بیان ہے معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز علاوہ ازیں روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے قدس سے مراد مقدس ہے جیسے "حَاتِمُ جُوْدٌ" اور "رَجُلُ صِدْقٌ" میں روح القدس کہنے میں۔ اور "رُوْحٌ مِّنْهُ" (۵) کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے یہ اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ یہ روح مردوں کی پیٹھوں اور حیض والے رحموں سے بے تعلق رہی ہے۔

---

(۱) [صحيح : صحيح بخاری: كتاب بدء الخلق : باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم (۳۲۱۲)، (۶۱۵۲) صحيح مسلم : كتاب فضائل الصحابة : باب فضائل حسان بن ثابت (۲۴۸۵) ابن حبان (۱۶۵۳) بیهقی (۱۰/۳۳۷) مسند حمیدی (۱۱۰۵) مسند احمد (۵/۲۲۲)]

(۲) [صحيح : صحيح بخاری (۳۲۱۳) مسلم (۲۴۸۵)]

(۳) [مرسل وضعيف : تفسير ابن جرير الطبری (۱۴۹۲)]

(۴) [صحيح بالشواهد : بغوی فی شرح السنة (۴۱۱۱) مسند شهاب (۱۱۵۱) مستدرك حاكم (۲/۴) بزار (۱۲۵۳) طبرانی (۷۶۹۴) ابو نعیم (۱۰/۲۶) شیخ البانی ؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحيح الترغيب (۱۷۰۲) السلسلة الصحيحة (۲۸۶۶)]

(۵) [سورة النسآء : آیت ۱۷۱]

بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ روح لی ہے پھر فرمایا کہ ایک فرقے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقے کو تم قتل کرتے ہو جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں مستقبل کا اس لیے کہ ان کا حال آیت کے نزول کے وقت بھی یہی رہا چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اس وقت تو اس نے رگِ جان کاٹ دی۔ (۱)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ؁

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں، نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ نے ملعون کر دیا ہے ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے ○

غلف کا مفہوم: یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں اب ہمیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں (۲) اس لیے جواب ملا کہ یوں نہیں بلکہ لعنت الٰہیہ کی مہر لگ گئی ہے ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا ﴿ غُلْفٌ ﴾ کو "غُلُفٌ" بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ ﴾ (فصلت / ۵) الخ یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں ہیں ان پر مہر لگی ہوئی ہے وہ اسے نہیں سمجھتے اسی بنا پر وہ نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اسے یاد رکھتے ہیں ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل غلاف والے ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے یہ کفار کے دل ہوتے ہیں (۳) سورہ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے ﴿ وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ﴾ (۴) الخ تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت، ثواب، عذاب وغیرہ کے قائل۔ حضرت موسیٰ پر ایمان رکھنے والے تو راۃ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقعہ پر بالکل نہ ہونے کی صورت میں بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَاۗءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ؁

---

(۱) [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب مرض النبی ﷺ ووفاته (٤٤٢٨) بیهقی (١١/١٠) فیض القدیر (٤٤٨/٥) الکامل لابن عدی (٤٠٣/٣)]

(۲) [تفسیر قرطبی (٢٥/٢)]

(۳) [ضعیف :مسند احمد (١٧/٣-١٨) اس میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔]

(۴) [سورۃ النساء : آیت ١٥٥]

ان کے پاس جب اللہ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی جس سے پہلے یہ خود اس کے ساتھ کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آجانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے۔ اللہ کی لعنت ہو ان کافروں پر ○

انکار کا سبب: جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب لے کر اللہ عزوجل کے ایک عظیم الشان پیغمبر ﷺ تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسا قتل وغارت کریں گے کہ تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ تو اس نبی ﷺ کو جلد بھیج جس کی صفتیں ہم توراۃ میں پڑھتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مل کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمنوں سے انتقام لیں۔ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے لیکن جس وقت حضور ﷺ مبعوث ہوئے تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں۔ پہچان بھی لیا۔ دل سے قائل بھی ہو گئے۔ مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے حسد کیا اور آپ کی نبوت سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لعنت یافتہ ہو گئے بلکہ وہ مشرکین مدینہ جو ان سے نبی ﷺ کی آمد کے بارے میں سنتے چلے آتے تھے انہیں تو ایمان نصیب ہوا اور بالآخر حضور ﷺ کے ساتھ مل کر وہ یہود پر غالب آ گئے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت بشر بن براء، حضرت داود بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہمارے شرک کی حالت میں ہم سے حضور ﷺ کی نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور اب جب کہ وہ عام اوصاف جو تم حضرت کے بیان کرتے تھے وہ تمام اوصاف آپ میں ہیں۔ پھر تم خود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارہ میں نہیں کہتے تھے۔ [1] اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے سے مانتے تھے منتظر بھی تھے لیکن آپ ﷺ کے آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے ڈر سے صاف انکار کر بیٹھے۔ [2]

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○۹۰

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا وہ ان کا کفر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا اس باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کافروں کے لیے رسوا کرنے والے عذاب ہیں ○

حسد کی قباحت: مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے حضور ﷺ کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا۔ آپ کی نصرت وامداد کے بدلے مخالفت اور دشمنی کی اور اس وجہ سے اپنے آپ کو

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۳۳۳)]   [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۲۷۶)]

جس غضب الٰہی کا سزاوار بنایا وہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سوائے حسد وبغض تکبر وعناد کے اور کچھ نہیں چونکہ حضور ﷺ ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے بلکہ آپ عرب میں سے تھے اس لیے یہ منہ موڑ کر بیٹھ گئے حالانکہ اللہ پر کوئی حاکم نہیں وہ رسالت کے حق دار کو خوب جانتا ہے وہ اپنا فضل وکرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے پس ایک تو توراۃ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب نازل ہوا اب دوسرا حضور ﷺ کے ساتھ کفر کرنے کے سبب نازل ہوا۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر نہ ماننے کی وجہ سے اور دوسرا غضب حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم نہ کرنے کے سبب۔ [1] سدی کا خیال ہے کہ پہلا غضب بچھڑے کے پوجنے کے سبب تھا دوسرا غضب حضور ﷺ کی مخالفت کی بنا پر۔

چونکہ یہ حسد وبغض کی وجہ سے حضور ﷺ کی نبوت سے منکر ہوئے تھے اور اس حسد بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا اس لیے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کر دیا گیا تا کہ گناہ کا بدلہ پورا ہو جائے جیسے فرمان ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ (المومن / ٦٠) میری عبادت سے جو بھی تکبر کریں گے وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے ''بولس'' نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں کی آگ دوسری تمام آگوں سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا۔ [2]

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کفر کرتے ہیں اچھا ان سے یہ تو دریافت کرو کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا○ تمہارے پاس تو موسیٰ یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑا پوجا تم ہو ہی ظالم○

خود پسند یہودی مورد عتاب: یعنی جب ان سے قرآن پر اور نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٢٧٨)]

[2] [حسن : ترمذی : کتاب الزهد : باب ما جآء فی شدة الوعیه للمتکبرین (٢٤٩٢) بخاری فی الأدب المفرد (٥٥٧) مسند حمیدی (٥٩٨) ابن ابی الدنیا فی التواضع والخمول (٢٢٣)] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح الجامع (٨٠٤٠) صحیح الأدب المفرد (٥٥٧) صحیح الترغیب (٢٩١١)]

کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں توراۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور ﷺ کی تصدیق موجود ہے، جیسے فرمایا ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتَابَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ﴾ (البقرہ/۱۴۶) یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں پس آپ سے انکار کا مطلب توراۃ انجیل سے بھی انکار کے مترادف ہے۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراۃ اور انجیل پر تو تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیاء علیہم السلام جو انہی کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے بغیر کسی نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے تو تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر۔ تم محض خواہش کے بندے نفس کے غلام اپنی رائے قیاس کے ماتحت ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا موسیٰ علیہ السلام سے تو تم نے بڑے بڑے معجزے دیکھے طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ ان کی بد دعا سے بطور معجزے ظاہر ہوئے لکڑی کا سانپ بن جانا، ہاتھ کا روشن چاند بن جایا کرنا، دریا کو چیر دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اتارنا، پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ وغیرہ تمام بڑے بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے ادھر تم نے بچھڑے کو اللہ بنا لیا اب بتاؤ کہ خود توراۃ پر اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی تمہارا ایمان کہاں رہا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ "مِنْۢ بَعْدِهٖ" سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد ہے دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی﴾ (الاعراف/۱۴۸) الخ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے واضح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْھِمْ﴾ (الاعراف/۱۴۹) الخ یعنی جب انہیں ہوش آیا نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے اس وقت کہا کہ اے اللہ! اگر تو ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہماری خطا نہ بخشے گا تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا کہ) ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو تو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی۔ ان سے کہہ دو کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایماندار ہو○

صدائے بازگشت: اللہ تبارک وتعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں، مخالفتیں، سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کر لیا جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے۔ اس کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے

بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے [1] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا گو بچھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبودِ باطل سے لگا رہا دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے؟ بار بار کی عہد شکنیاں کئی بار کے کفر بھول گئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تم نے کفر کیا ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو○ لیکن اپنے کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے○ بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو انہی کو پائے گا یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے زیادہ ہیں ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذابوں سے نہیں چھڑا سکتا' اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے○

دعوتِ مباہلہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہے اسے ہلاک کر دے۔ لیکن ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہوں گے چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لیے کہ وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے اگر یہ لوگ اس اعلان کے ماتحت

---

[1] [ضعیف ابو داؤد : كتاب الادب باب في الهوى (٥١٣٠) مسند احمد (١٩٤/٥)، (٤٥٠/٦) مسند شهاب قضاعی (٢١٩) مسند شاميين (١٤٥٤) عبد بن حميد (٢٠٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (١٨٦٨) ضعيف الجامع الصغير (٢٦٨٨)] ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسے موضوعات کبیر میں ذکر کیا ہے۔[الاسرار المرفوعة (ص : ١٧٧)] امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں۔[الدرر المنتثرة (ص : ٩)] حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[المغني عن حمل الاسفار (٧٢٠/٢)] ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ابوبکر بن ابی مریم راوی ضعیف ہے۔[ذخيرة الحفاظ (٢٦٥٣)] شیخ شعیب ارناؤط نے فرمایا ہے کہ یہ روایت موقوفاً صحیح ہے اور اس مرفوع روایت کی سند ابوبکر بن ابی مریم راوی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔[مسند احمد محقق (٢١٦٩٤)]

مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ روئے زمین پر ایک یہودی بھی باقی نہ رہتا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لیے موت طلب کرتے تو سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اسی طرح جو نصرانی آپ کے پاس آئے تھے وہ بھی اگر مباہلہ کے لیے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کا نام ونشان بھی نہ پاتے۔ [1] (مسند احمد)

سورہ جمعہ میں بھی اسی طرح کی دعوت انہیں دی گئی ہے آیت ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا﴾ (الجمعة/٦) آخر تک پڑھیے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ [2] ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں یہ کہا کرتے تھے ﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ (البقرة/١١١) جنت میں صرف یہودی اور نصاریٰ ہی جائیں گے اس لیے انہیں کہا گیا کہ آؤ اس کا فیصلہ اس طرح کر لیں کہ دونوں فریق میدان میں نکل کر اللہ سے دعا کریں کہ ہم سے جھوٹے کو ہلاک کر ڈالے لیکن چونکہ اس جماعت کو اپنے جھوٹ کا علم تھا اس لیے تیار نہ ہوئی اور ان کا کذب سب پر کھل گیا اسی طرح جب نجران کے نصرانی حضور ﷺ کے پاس آئے بحث ومباحثہ ہو چکا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ ﴿تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ﴾ (ال عمران/٦١) الخ آؤ ہم تم دونوں اپنی اپنی اولادوں، بیویوں کو لے کر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت نازل فرمائے لیکن وہ آپس میں کہنے لگے ہرگز اس نبی ﷺ سے مباہلہ نہ کرو فوراً برباد ہو جاؤ گے چنانچہ مباہلہ سے انکار کر دیا اور جھک کر صلح کر لی اور دب کر جزیہ دینا منظور کر لیا آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ امین بنا کر بھیج دیا۔

اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ (مريم/٧٥) یعنی ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے اس کی پوری تفسیر اس آیت کے ساتھ بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک مرجوح قول یہ بھی ہے کہ تم خود اپنی جانوں کے لیے موت طلب کرو کیونکہ بقول تمہارے آخرت کی بھلائیاں صرف تمہارے لیے ہی ہیں انہوں نے اس کا انکار کیا لیکن یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا۔ اس لیے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں بہتر وہ ہے جس کی لمبی عمر ہوئی ہو اور اعمال اچھے ہوں [3] علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے

---

[1] [صحيح :مسند احمد (٢٤٨/١) مسند بزار (٤١/٣) نسائی فی السنن الكبرى (١١٠٦١)، (٣٠٨/٦)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ شیخ علوی بن عبدالقادر سقاف نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ [تخريج أحاديث وآثار كتاب فى ظلال القرآن (ص : ٢٩٨)] شیخ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ [السلسلة الصحيحة (تحت الحديث / ٣٢٩٦)]

[2] [سورة المائدہ : آیت ١٨]

[3] [صحيح :ترمذی : كتاب الزهد : باب ما جآء فى طول العمر للمؤمن (٢٣٣٠) مستدرك حاكم (٣٣٩/١) مسند احمد (٤٦/٥) عبد بن حميد (١٠٨٦)] امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [كما فى السلسلة الضعيفة (تحت الحديث / ٦٨٩٢)]

تھے تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق مل کر جھوٹے کی ہلاکت اور اس کی موت کی دعا کریں اور اس اعلان کے سنتے ہی یہود تو ٹھنڈے پڑ گئے اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ پیشین گوئی بھی سچی ثابت ہوئی کہ یہ لوگ ہرگز موت طلب نہیں کریں گے۔

اس مباہلہ کا نام اصطلاح میں "تمنی" رکھا گیا کیونکہ ہر فریق باطل پرست کی موت کی آرزو کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے بھی زیادہ طویل عمر کے خواہاں ہیں کیونکہ کفار کے لیے دنیا جنت ہے اور ان کی تمنا اور کوشش ہے کہ یہاں زیادہ رہیں خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں منافق کو حیات دنیوی کی حرص کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ اتنی لمبی عمر بھی انہیں ان عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا مگر انہیں یقین تو تھا لیکن انکی اپنی سیاہ کاریاں بھی ان کے سامنے تھیں۔ اس لیے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے لیکن ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے [1] اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں تمام بندوں کے تمام بھلے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدلہ دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

(اے نبی ﷺ) تم کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو جس نے تیرے دل میں پیغام باری اتارا ہے جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کو سچا بتانے والا اور ایمان والوں کو ہدایت وخوشخبری دینے والا ہے ○ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے ○

جبرئیل علیہ السلام کے دشمن کفر میں مبتلا: امام جعفر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو اپنا دوست بتایا تھا اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی [2] لیکن بعض کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضور ﷺ سے ہوئی تھی اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ان کا جو مناظرہ حضور ﷺ کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجیے آپ نے فرمایا بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کرلو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے انہوں نے آپ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح اللہ جل شانہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۳۷۶)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۳۷۷)]

کرنے کی اجازت دی' انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتائیے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے گا تو میں اپنے کھانے کی سب سے زیادہ مرغوب چیز اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ کے پسند خاطر تھا چھوڑ دیا' تمہیں اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ اتاری بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہے۔ بجا ارشاد ہوا۔

اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ نے فرمایا سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جو بھی غالب آ جائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شبیہ بھی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر کہا بیشک آپ نے بجا ارشاد فرمایا آپ نے ان دو باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔

انہوں نے کہا اچھا یہ فرمائیے کہ توراۃ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے؟ اور اس کے پاس کون سا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو توراۃ دی بتاؤ تو میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجیے اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپ نے فرمایا میرا ولی جبرئیل ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس پیغام باری تعالیٰ لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے وہ سختی اور خون ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لیے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں گے ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیل وحی لے کر آتے جو رحمت' بارش' پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں اور ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ کی تابعداری اور تصدیق کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔ [2]

---

[1] [حسن: طیالسی (۲۷۳۱) مسند احمد (۱/۲۷۳۔ ۲۷۸)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ھے۔ [السلسلة الصحيحة (۱۵۱۶/۷)]

[2] [حسن: مسند احمد (۱/۲۷٤) ترمذی: کتاب تفسير القرآن: باب ومن سورة الرعد (۳۱۱۷)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحه (۱۸۷۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب آپ کی آمد کی خبر سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین باتیں پوچھتا ہوں جن کا جواب نبیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں یہ فرمایئے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کون سی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف' آپ نے فرمایا: ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتلائے ہیں سنو' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی بطور ضیافت ہوگی۔ مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" پھر کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودی بڑے بے وقوف لوگ ہیں۔ اگر انہیں میرا اسلام لانا پہلے معلوم ہو جائے گا تو مجھے برا کہنے لگیں گے آپ پہلے انہیں ذرا قائل معقول تو کیجیے۔

اس کے بعد آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا بڑے بزرگ اور دانشور آدمی ہیں بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں وہ تو ہمارے سردار ہیں' اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل تو نہیں ہوگا؟ کہنے لگے اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ اللہ تعالیٰ اسے اس سے بچائے وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جواب تک چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھنے لگے۔ تو تمام کے تمام شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اور اس کے باپ دادا بھی برے تھے یہ بڑا اینچے درجہ کا آدمی ہے خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔ [1]

صحیح بخاری میں ہے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جِبْر' مِيْك' اِسْرَاف" کے معنی عَبْدٌ یعنی بندے کے ہیں [2] اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرئیل وغیرہ کے معنی عبداللہ ہوئے بعض لوگوں نے اس کے معنی الٹ بھی کیے ہیں وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور ان سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں' جیسے عربی میں عبداللہ' عبدالرحمٰن' عبدالملک' عبدالقدوس' عبدالسلام' عبدالکافی' عبدالجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اسی طرح ایل ہر جگہ باقی ہے اور اللہ کے اسماء حسنہ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں۔ اسی قاعدے کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرئیل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل وغیرہ۔

اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنیے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو جناب عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ روحاء میں آئے۔ دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر ایک پتھروں کے تودے کے پاس جا کر نماز

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق آدم وذریته (۳۳۲۹)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة البقرة: باب من کان عدوا لجبریل (۴۴۸۰)]

ادا کر رہے ہیں پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی ہے' آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور ﷺ کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پہلے چلے جایا کرتے تھے اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا تھا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ اور توراۃ قرآن کی سچائی کی تصدیق کرتا ہے یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا تو راستے سے حضور ﷺ نکلے انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی ﷺ وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تم میں موجود ہے رب کی قسم کھا کر بتاؤ کیا تم حضور ﷺ کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا اس نے کہا اس شخص نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجیے۔ اس بڑے پادری نے کہا سنیے جناب! آپ نے زبردست قسم دی ہے لہٰذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرئیل علیہ السلام ہیں جو نہایت سختی' تنگی' شدت' عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لے کر حضرت میکائیل علیہ السلام آتے جو رحمت و رافت تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزل ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری کے داہنے بازو کی طرف ہے اور دوسرا دوسری طرف میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو۔ اس کا اللہ بھی دشمن ہے اور دوسرا فرشتہ بھی کیونکہ جبرئیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف ہے۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو تو اس کا فر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔

حضور ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے میں نے کہا حضور سنائیے۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لیے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچا دی ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے سند متصل نہیں شعبی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ [1]

---

[1] [مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۶۱۱)، (۳/۳۹۰)]

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں۔ وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہوتا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے۔ اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام نبیوں کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے خود اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے نہ ماننے والوں کو کافر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ﴾ (النساء/ ١٥٠) الخ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے دوسری آیت کے آخر تک۔ پس ان آیتوں میں صراحتاً ان لوگوں کو کافر کہا جو کسی ایک رسول کو بھی نہ مانیں۔ اسی طرح جبرئیل علیہ السلام کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے۔ قرآن فرماتا ہے ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ (مریم/ ٦٤) فرماتا ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ﴾ (الشعراء/ ١٩٢-١٩٤) الخ یعنی ہم اللہ کے حکم کے سوا نہیں اترتے یہ نازل کیا ہوا رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تا کہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے۔

صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنے والا ہے [1] قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کے تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لیے جنت کی خوشخبری دیتا ہے جیسے فرمایا ﴿هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ (فصلت/ ٤٤) فرمایا ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاسراء/ ٨٢) یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت وشفا ہے رسولوں میں انسانی رسول اور ملکی رسول سب شامل ہیں جیسے فرمایا ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ (الحج/ ٧٥) اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے اپنے رسول چھانٹ لیتا ہے جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام بھی فرشتوں میں سے ہیں لیکن ان کا خصوصاً نام لیا تا کہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہودی جان لیں کہ ان میں سے ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے۔

حضرت میکائیل بھی کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسے حضرت میکائیل علیہ السلام روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور جیسے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر۔ ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تب یہ دعا پڑھتے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ - اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اے اللہ! اے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب التواضع (٦٥٠٢) الایمان لابن تیمیة (ص : ١٥٩) صحیح الجامع الصغیر (١٧٨٢) السلسلة الصحیحة (١٦٤٠) مشکاة المصابیح (٢٢٦٦)]

جبرائیل میکائیل اسرافیل علیہم السلام کے رب! اے زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے اے ظاہر وباطن کو جاننے والے! اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے' اے اللہ اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔[1] لفظ جبرئیل وغیرہ کی تحقیق اور اس کے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں میں حضرت جبرئیل کا نام خادم اللہ ہے۔ ابوسلیمانی دارانی یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے یہ ایک روایت میری روایتوں کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ جبرئیل اور میکائیل کے لفظ میں بہت سارے لغت ہیں اور مختلف قرات ہیں جن کے بیان کی مناسب جگہ کتب لغت ہیں' ہم ان کو بیان کر کے کتاب کے حجم کو بڑھانا نہیں چاہتے کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم کا مفاد ان پر موقوف نہیں۔ اللہ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔

آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کا دشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا اسے عربی میں مضمر کی جگہ مظہر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں گویا یوں کہا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کا دشمن اللہ بھی اس کا دشمن اور جس کا دشمن خود اللہ قادر مطلق ہو جائے اس کے کفر و بربادی میں کیا شبہ رہ گیا؟ صحیح بخاری کی حدیث پہلے گذر چکی کہ اللہ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں[2] میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں اور حدیث میں ہے' جس کا دشمن میں ہو جاؤں وہ برباد ہو کر ہی رہتا ہے۔[3]

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صلوۃ المسافرین : باب الدعاء فی صلوۃ اللیل وقیامہ (۷۷۰) ابو داؤد: کتاب الصلوۃ : باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء (۷۶۷) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ما جآء فی الدعاء عند افتتاح الصلوۃ باللیل (۳۴۲۰) ابن ماجہ : کتاب اقامۃ الصلوۃ : باب ما جآء فی الدعاء اذا قام الرجل من اللیل (۱۳۵۷) نسائی : کتاب قیام اللیل : باب بای شیئی یستفتح صلاۃ اللیل (۱۶۲۶)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب التواضع (۶۵۰۲)]

[3] [ضعیف : ابن ماجہ : کتاب الرھون : باب اجر الاجراء (۲۴۴۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الجامع الصغیر (۲۵۷۶)]

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا ○ یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں ○ جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے ○ اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین حضرت سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو یہ کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے مرد عورت میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں کاش کہ یہ جانتے ہوتے ○ اگر یہ لوگ ایمان دار متقی بن جاتے تو اللہ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا اگر یہ جانتے ہوتے۔

سلیمان علیہ السلام اور جادو: یعنی اے محمد ﷺ ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں نازل فرما دی ہیں یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں، ان کی تحریف و تبدیل احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجز نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرما دیئے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض روک دے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک امی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا حکمتوں والا کلام کہا نہیں جا سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن صوریا قطوینی نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ بطور نبوت کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس سے ہم پہچان لیں نہ آپ کے پاس کوئی ایسی خاص روشن دلیلیں ہیں اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کی اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے نَبَذَ کا معنی پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو اور عہد باری تعالیٰ کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا اس لیے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کا ذکر موجود تھا فرمایا ﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ (اعراف/۱۵۷) یعنی یہ لوگ توراۃ و انجیل میں حضور ﷺ کا ذکر موجود

پاتے ہیں یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہمارا پیغمبر ﷺ ان کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ رب العزت کی کتاب سے بے پرواہی برت کر اس طرح اسے چھوڑ دیا جیسے کوئی علم ہی نہیں۔ بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضور ﷺ پر جادو کیا جس کی اطلاع آپ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپ کو شفا ملی۔ توراۃ سے تو حضور ﷺ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ وہ تو اس کی تصدیق والی تھی تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابوں کی پیروی کرنے لگے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے نفسانی خواہشیں سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ باجے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز ﴿مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ﴾ میں داخل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ بیت الخلاء جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادہ کو دے جاتے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کا وقت آیا اس وقت ایک شیطان جن آپ کی صورت میں آپ کی بیوی صاحبہ کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو دے دی گئی اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے حکومت کرنے لگا ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام لے گئے آپ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ان دنوں میں شیاطین نے جادو، نجوم، کہانت، شعر و اشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں آپ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا آپ پھر تخت و تاج کے مالک ہوئے عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جا سکتے تھے اس لیے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے منکر ہو گئے اور آپ کو جادوگر کہنے لگے۔

آنحضرت ﷺ نے اس بات کی عقدہ کشائی کی اور فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بری الذمہ ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے فرمایا عراق کے کس شہر سے؟ اس نے کہا کوفہ سے پوچھا وہاں کی کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور نہ ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح کرتیں سنو! شیاطین آسمانی باتیں چرا لایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں اسی کا ذکر اس آیت ﴿وَاتَّبَعُوْا﴾ الخ میں ہے۔

اس زمانہ میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن ماری جائے گی بعض روایتوں میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام کے وزیر اعظم مشیر خاص اور دلی دوست تھے یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ کے سچے نبی ﷺ نے ایک سچے نبی کی برات کی اور یہودیوں کے اس عقیدے کا ابطال کیا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام نبیوں کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے اس لیے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر تنتر بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا بطلان ان آیات کریمہ میں ہے یہ یاد رہے کہ "عَلٰی" یہاں پر "فِیْ" کے معنی میں ہے یا "تَتْلُوْا" متضمن ہے "تکذب" کا' یہی اولیٰ اور احسن ہے واللہ اعلم۔

خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے پہلے بھی تھا اور یہ بالکل سچ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داود علیہ السلام اور جالوت کے قصے میں ہے ﴿مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی﴾ [1] بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ [2] یعنی تو جادو کیے گئے لوگوں میں سے ہے۔ پھر فرماتا ہے ﴿وَمَآ اُنْزِلَ﴾ الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر "مَا نافیہ" ہے یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف ﴿مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ پر ہے یہودیوں کے اس دوسرے اعتقاد کی کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے اس آیت میں تردید ہے' ہاروت ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے تثنیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ﴿اِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ﴾ میں [3] یا اس لیے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے سرفہرست دیا گیا ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے اس کے سوا کسی اور معنی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جادو اللہ عزوجل کا نازل کیا ہوا نہیں۔ [4] ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان پر کوئی جادو نہیں اترا۔ [5] اس بناء پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہوگا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہودیو! تمہارا خیال جبرئیل و میکائیل علیہما السلام

---

[1] [سورہ البقرہ : آیت ۲۴۶] [2] [سورۃ الشعرآء : آیت ۱۵۳]

[3] [تفسیر قرطبی (۲/۵۰)] [4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۴۱۹)]

[5] [ایضا]

کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بابل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رحمہ اللہ اسے اس طرح پڑھتے تھے ﴿وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلِكَيْنِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ﴾ یعنی داود و سلیمان علیہما السلام دونوں بادشاہوں پر بھی جادو نہیں اتارا گیا یا یہ کہ وہ اس سے روکتے تھے کیونکہ یہ کفر ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کا زبردست رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں "مَـا" معنی میں "الَّـــذِيْ" کے ہے اور ہاروت ماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کی طرف اتارا ہے اور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لیے انہیں جادو کی تعلیم دی ہے لہٰذا ہاروت ماروت اس فرمان باری تعالیٰ کو بجالا رہے ہیں۔

ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ یہ جنوں کے دو قبیلے ہیں "مَـلِكَيْـنِ" یعنی دو بادشاہوں کی قرات پر "اِنْـزَالُ خُلُقٍ" کے معنی میں ہوگا جیسے فرمایا: ﴿وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ﴾ (الزمر/٦) اور فرمایا: ﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾ (الحدید/ ٢٥) اور کہا ﴿وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا﴾ (غافر/١٣) یعنی ہم نے تمہارے لیے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کیے' لوہا بنایا' آسمان سے روزیاں اتاریں۔ حدیث میں ہے ﴿مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں ان سب کے علاج بھی پیدا کیے ہیں [1] مثل مشہور ہے کہ بھلائی برائی کا نازل کرنے والا اللہ ہے یہاں سب جگہ "انـزال خـلـق" یعنی پیدائش کے معنی میں ہے ایجاد یعنی لانے اور اتارنے کے معنی میں نہیں اسی طرح اس آیت میں بھی۔ اکثر سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون بسط وطول کے ساتھ ہے جو ابھی بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ فرشتے تو معصوم ہیں وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے اس لیے کہ یہ دونوں بھی عام فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے۔ جیسے کہ ابلیس کی بابت آپ ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ﴾ (البقرہ/ ٣٤) الخ کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' کعب احبار رضی اللہ عنہم حضرت سدی' حضرت کلبی رحمۃ اللہ علیہما یہی فرماتے ہیں اب اس حدیث کو سنیے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر برے لوگ ہیں کیسے نافرمان اور سرکش ہیں ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کر لو میں ان میں انسانی خواہشات پیدا کرتا ہوں اور انہیں انسانوں میں بھیجتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدم کو تو میں نبیوں کے ذریعہ اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلاواسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ

---

[1] [صحیح: ابن ماجہ: کتاب الطب: باب ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء (٣٤٣٨) مسند احمد (١/٣٧٧۔ ٤١٣)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[مصباح الزجاجۃ (٤/ ٥٠)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[غایۃ المرام (٢٩٢) صحیح ابن ماجہ (٢٧٧٣) السلسلۃ الصحیحۃ (٤٥١) صحیح الجامع الصغیر (٥٥٥٨)] شیخ شعیب ارناؤط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[مسند احمد محقق (٣٥٧٨)]

میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' زنا نہ کرنا' شراب نہ پینا اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کے لیے حسین و شکیل عورت کی صورت میں ان کے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ مفتون ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا اس نے کہا اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا وہ چلی گئی پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو مجھے تمہاری خواہش پوری کرنی منظور ہے انہوں نے اسے بھی نہ مانا وہ پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا۔ اب نشہ میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا جب ہوش و حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے سب تم نے کر ڈالے۔ یہ نادم ہوئے انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کیے صحیح ابن حبان' مسند احمد' ابن مردویہ' ابن جریر' عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ [۱] مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے۔

ابن مردویہ کی روایت میں یہی ہے کہ ایک رات کو اثناء سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت نافع رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا زہرہ تارا نکلا؟ اس نے کہا نہیں دو تین مرتبہ سوال کے بعد کہا اب زہرہ طلوع ہوا تو فرمانے لگے اسے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ نے کہا حضرت ایک ستارہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا سن میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر اس کے بعد مندرجہ بالا حدیث باختلاف الفاظ سنائی [۲] لیکن یہ بھی غریب ہے حضرت کعب رضی اللہ عنہ والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقوف ہے اور ممکن ہے کہ وہ بنی اسرائیلی روایت ہو واللہ اعلم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے بھی اس قسم کی روایتیں بہت کچھ منقول ہیں بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو انہوں نے سکھا دی یہ پڑھ کر چڑھ گئی اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی [۳] بعض مرفوع روایتوں میں بھی یہ ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اس کے بعد تمام اہل زمین کے لیے دعا شروع کر دی بعض روایتوں میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں جن سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے دنیا کے عذاب کو اختیار کیا کیونکہ یہ فنا ہو جانے والا ہے

---

[۱] [**باطل**: مسند احمد (۲/ ۱۳۴) بزار (۲۹۳۸) ابن حبان (۶۱۸۶) بیهقی (۱۰/ ۴-۵)] امام ابن حزمؒ نے فرمایا ہے کہ ہاروت اور ماروت کا قصہ' جس میں ان کے شراب پینے اور زنا کرنے کا ذکر ہے' باطل و مردود ہے۔ [الفصل (۳/ ۳۰۳-۳۰۸)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[۲] [**باطل**: الموضوعات لابن الجوزی (۱/ ۱۸۷)]

[۳] [مستدرك حاكم (۲/ ۲۶۵-۲۶۶)]

اور آخرت کے عذاب دائمی ہیں چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے ان میں قتل سے اور مال حرام سے ممانعت بھی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ حکم عدل کے ساتھ کریں۔

یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا پھر دو کی آزمائش ہوئی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دیناوند ہے اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور نبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف حکم دو تو مجھے منظور ہے انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتا دو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتا دیا چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہیں ستارے کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کبھی زہرہ ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکے سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے پہل چند دنوں تک تو فرشتے ثابت قدم رہے صبح سے شام تک فیصلہ عدل کے ساتھ کرتے رہتے شام کو آسمان پر چڑھ جاتے پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا گیا تھا۔ الغرض ہاروت و ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے جیسے مجاہد، سدی، حسن بصری، قتادہ، ابوالعالیہ، زہری، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ اور متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر دار و مدار بنی اسرائیل کی کتابوں پر ہے کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں اس قدر بسط و تفصیل ہے پس ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن میں ہے صحیح اور درست ہے اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ مسند احمد ابن حبان بیہقی وغیرہ کی مرفوع حدیث حضرت علی، حضرت ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کی موقوف روایات تابعین وغیرہ کی تفاسیر وغیرہ مل ملا کر اس واقعہ کی بہت کچھ تقویت ہو جاتی ہے نہ اس میں کوئی محال عقلی ہے نہ اس میں کسی اصول اسلامی کا خلاف ہے پھر ظاہر سے ہٹا کر بے جا تکلفات اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی واللہ اعلم) (فتح البیان)

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دومۃ الجندل کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپ کی تلاش میں آئی اور آپ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پیٹنے لگی میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر لاپتہ کہیں چلا گیا، ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا اس نے کہا جو میں کہوں وہ کر وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا میں تیار ہو گئی وہ رات کے وقت دو کتے لے کر میرے پاس آئی ایک پر وہ خود سوار ہوئی اور دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑے ہی دیر میں ہم دونوں بابل پہنچ گئیں میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں اس عورت نے مجھ سے کہا

ان کے پاس جا اوران سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں میں نے ان سے کہا انہوں نے کہا سن ہم تو آزمائش میں ہیں تو جادو نہ سیکھ اس کا سیکھنا کفر ہے۔ میں نے کہا میں تو سیکھوں گی انہوں نے کہا اچھا پھر جا اوراس تنور میں پیشاب کر کے چلی آ میں گئی ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی میں واپس آ گئی اور کہا میں فارغ ہو آئی ہوں انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے ابھی تو کچھ نہیں بگڑا تیرا ایمان ثابت ہے اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر میں نے کہا مجھے تو جادو سیکھنا ہے انہوں نے پھر کہا جا اوراس تنور میں پیشاب کر آ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ مانا واپس آ ئی پھراسی طرح سوال جواب ہوئے میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی میں نے دیکھا کہ ایک گھڑ سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا ہے۔ واپس چلی آئی ان سے ذکر کیا انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا اب جا چلی جا میں آئی اوراس بڑھیا سے کہا انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا اس نے کہا بس تجھے کچھ آ گیا اب تو جو کہے گی ہو جائے گا میں نے آزمائش کے لیے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا اگ جا وہ فوراً اگ آیا میں نے کہا تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئے میں نے کہا سوکھ جا وہ بال سوکھ گئے میں نے کہا الگ الگ دانہ ہو جا وہ بھی ہو گیا پھر میں نے کہا سوکھ جا تو سوکھ گیا پھر میں نے کہا آٹا بن جا تو آٹا بن گیا میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا اے ام المومنین رضی اللہ عنہا قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا میں یونہی روتی پیٹتی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئی کہ حضور ﷺ سے کہوں لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ ﷺ کو بھی میں نے نہ پایا اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی سب کو اس پر ترس آنے لگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں؟ آخر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو۔

یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں تامل ہوتا تھا آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی اٹکل اور رائے قیاس سے گھڑ گھڑا کر بتانے میں بالکل نہیں رکتے اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''عین'' چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿سَحَرُوٓا اَعۡیُنَ النَّاسِ﴾ (اعراف/۱۱۶) الخ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا ﴿یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی﴾ (طه/۶۶) حضرت موسیٰ کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دیناوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بابل کی زمین میں جا رہے تھے عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا میرے حبیب ﷺ نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے

اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی ممانعت فرمائی ہے یہ زمین ملعون ہے۔ ابوداود میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔ [1] اور امام صاحب نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور جس حدیث کو حضرت امام ابوداود رحمہ اللہ اپنی کتاب میں لائیں اور اس کی سند پر خاموشی کریں تو وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک حسن ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بابل کی سرزمین میں نماز مکروہ ہے جیسے کہ ثمودیوں کی سرزمین کی بابت حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کی منزلوں میں نہ جاؤ اگر اتفاقاً جانا پڑے تو خوف اللہ سے روتے ہوئے جاؤ۔ [2] ہیئت دانوں کا قول ہے کہ بابل کی دوری بحر غربی اوقیانوس سے ستر درجہ لمبی اور وسط زمین سے جنوب کی جانب بخط استوا سے تیس درجہ ہے واللہ اعلم۔ چونکہ ہاروت وماروت کو اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کفر وایمان کا علم دے رکھا ہے اس لیے ہر ایک کفر کی طرف جھکنے والے کو نصیحت کرتے ہیں۔ اور ہر طرح روکتے ہیں جب نہیں مانتا تو وہ اسے کہہ دیتے ہیں اس کا نور ایمان جاتا رہتا ہے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جادو آ جاتا ہے شیطان اس کا رفیق کار بن جاتا ہے ایمان کے نکل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا غضب اس کے رونگٹے رونگٹے میں گھس جاتا ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرات نہیں کرتا فتنہ کے معنی یہاں پر بلا آزمائش اور امتحان کے ہیں [3] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ (اعراف / ۱۵۵) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے حدیث میں بھی ہے جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچ سمجھے اس نے حضرت محمد ﷺ پر اتری ہوئی وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار) [4] یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی تائید میں اور حدیثیں بھی آئی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت وماروت سے جادو سیکھتے ہیں جس کے ذریعے برے کام کرتے ہیں عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں کوئی کہتا ہے میں نے فلاں کو اس طرح گمراہ کر دیا۔ کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا۔ شیطان ان سے کہتا ہے کچھ نہیں یہ تو معمولی کام ہے یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی

---

[1] [ضعیف :سنن ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب فی المواضع التی لا تجوز فیھا الصلوۃ (۴۹۰)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود (۹۳) الثمر المستطاب (۴۰۰/۱)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الصلوۃ : باب الصلوۃ فی مواضع الخسف والعذاب (۴۳۳) صحیح مسلم : کتاب الزھد : باب لا تدخلو مساکن الذین ظلموا (۲۹۸۰)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴۴۳/۲)]

[4] [مجمع الزوائد (۱۱۷/۵)]

کے درمیان جھگڑا ڈال دیا یہاں تک کہ جدائی ہوگئی شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا اسے اپنے پاس بٹھالیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے[۱] پس جادوگر بھی اپنے جادو سے وہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل وصورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات واطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آ جائے وغیرہ وغیرہ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے ''مرء'' کہتے ہیں آدمی کو اس کا مذکر مونث اور تثنیہ تو ہے جمع نہیں بنتا پھر فرمایا یہ کسی کو بھی بغیر اللہ کی مرضی کے ایذا نہیں پہنچا سکتے یعنی اس کے اپنے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے[۲] اگر اللہ نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو پھر ارشاد ہوتا ہے وہ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لیے سراسر نقصان دہ ہے جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں[۳] نہ ان کی قدر و وقعت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی کو محسوس کرتے اور ایمان وتقویٰ برتتے تو یقیناً ان کے لیے بہت ہی بہتر تھا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ اہل علم نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پا سکتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی استدلال بزرگان دین نے کیا ہے کہ جادوگر کافر ہے کیونکہ آیت میں ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ فرمایا ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادوگر کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

بجالہ بن عبدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر ایک جادوگر مرد وعورت کو قتل کر دو چنانچہ ہم نے تین جادوگروں کی گردن ماری[۴] صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا۔[۵] حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین صحابیوں سے جادوگر کے قتل کا فتویٰ ثابت ہے[۶] ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جادوگر کی حد تلوار

---

[۱] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب تحریش الشیطان (۲۸۱۳) مسند احمد (۳/۳۱۴ـ ۳۳۲) مسند ابو یعلی (۱۹۰۹)]

[۲] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۱۱)]

[۳] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۱٤)]

[۴] [صحیح : مسند احمد (۱/۱۹۰ـ۱۹۱) صحیح بخاری : کتاب الجزیة : باب الجزیة الموادعة مع اهل الذمة والحرب (۳۱۵٦) بیهقی فی السنن الکبری (۸/۲٤۷)]

[۵] [عبد الله بن احمد فی مسائل ابیه (۱۵٤۳) مؤطا (۲/۸۷۱) کتاب العقول : باب ما جآء فی الغیلة والسحر (۱٤)]

[٦] [تفسیر قرطبی (۲/٤۸)]

سے قتل کر دینا ہے [1] اس حدیث کے ایک راوی اسماعیل بن مسلم ضعیف ہیں صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ حدیث موقوف ہے لیکن طبرانی میں ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مرفوع مروی ہے [2] واللہ اعلم۔

ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اپنے کرتب بادشاہ کو دکھایا کرتا تھا بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بزرگ صحابی نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود جی اٹھ پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر لوگوں کو سنائی ﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ (الانبیاء / ۳) کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ نے ولید کی اجازت اس کے قتل میں نہیں لی تھی اس لیے بادشاہ نے ناراض ہو کر انہیں قید کر دیا لیکن پھر چھوڑ دیا امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ سے ہو۔

معتزلہ جادو کے وجود کے منکرین ہیں وہ کہتے ہیں جادو کوئی چیز نہیں بلکہ بعض لوگ تو بعض دفعہ اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں جو جادو کا وجود مانتا ہو وہ کافر ہے لیکن اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں یہ مانتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑ سکتے ہیں اور انسان بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر تنتر کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے آسمان کو اور تاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے، فلسفے اور نجوم والے اور بے دین لوگ تو ناموں کو اور آسمان کو ہی اثر پیدا کرنے والا جانتے ہیں اہل سنت کی ایک دلیل تو آیت ﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ﴾ الخ ہے اور دوسری دلیل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر ہونا ہے تیسرے اس عورت کا واقعہ جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ابھی گذرا ہے اور بھی بیسیوں ایسے ہی واقعات وغیرہ ہیں۔

رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو کا حاصل کرنا برا نہیں محققین کا یہی قول ہے اس لیے کہ وہ بھی ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر / ۹) یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے اور اس لیے بھی کہ یہ علم ہو گا تو اس سے معجزے اور جادو میں فرق پوری طرح واضح ہو جائے گا اور معجزے کا علم واجب ہے اور وہ موقوف ہے جادو کے سیکھنے پر جس سے فرق معلوم ہو پس جادو کا سیکھنا بھی واجب ہوا رازی رحمہ اللہ کا یہ قول سرتاپا غلط ہے اگر عقلاً وہ اسے برا نہ بتائیں تو معتزلہ موجود ہیں جو عقلاً بھی اس کی برائی کے قائل ہیں اور اگر شرعاً برا نہ بتاتے ہوں تو قرآن کی یہ آیت شرعی برائی بتانے

---

[1] [ضعیف: ترمذی: کتاب الحدود: باب ما جاء فی حد الساحر (۱۴۶۰) بیهقی (۱۳۶/۸) ابن عدی (۲۸۵/۱) دارقطنی (۱۱۴/۳) حاکم (۳۶۰/۴)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (۱۴۴۶) ضعیف الجامع الصغیر (۲۶۹۹) ضعیف ترمذی (۲۲۴)] ابن طاہر مقدسیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اسماعیل بن مسلم راوی متروک الحدیث ہے۔[ذخیرة الحفاظ (۲۶۶۶)]

[2] [الطبرانی فی الکبیر (۱۶۶۶)، (۱۶۱/۲)]

کے لیے کافی ہے صحیح حدیث میں ہے جو کوئی شخص کسی جادوگر یا کاہن کے پاس جائے وہ کافر ہو جائے گا۔ [1]

سنن میں حدیث ہے کہ جس نے گرہ لگائی اور اس میں پھونکا' اس نے جادو کیا [2] لہٰذا رازی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ محققین کا قول یہی ہے یہ بھی ٹھیک نہیں آخر ان محققین کے ایسے اقوال کہاں ہیں؟ ائمہ اسلام میں سے کس نے ایسا کہا ہے؟ پھر ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ﴾ الخ کی آیت کو پیش کرنا بھی نری جرأت ہے کیونکہ آیت میں علم سے مراد دینی علم ہے اسی آیت میں شرعی علم والے علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے' پھر ان کا یہ کہنا کہ اسی علم سے کہ اسی سے معجزے کا علم تقابلی حاصل ہوتا ہے یہ تو بالکل واہی محض غلط اور فاسد ہے اس لیے کہ ہمارے رسول ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے جو باطل سے سراسر محفوظ ہے لیکن اس کا معجزہ ماننا جادو کے جاننے پر موقوف نہیں وہ لوگ جنہیں جادو سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ بھی اسے معجزہ مان گئے صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین ائمہ مسلمین بلکہ عام مسلمان بھی اسے معجزہ مانتے ہیں حالانکہ ان تمام میں سے کوئی ایک بھی جادو جاننا تو کیا جادو کے پاس تک نہیں پھٹکا جادو سیکھا نہ سکھایا۔ نہ کیا نہ کرایا۔ بلکہ ان سب کاموں کو کفر کہتے رہے پھر یہ دعویٰ کرنا کہ جادو کا جاننا واجب ہے اس لیے کہ جادو کے علم سے معجزہ کا فرق معلوم ہو سکتا ہے اس لیے اس کا سیکھنا واجب۔ کس قدر مہمل دعویٰ ہے۔

جادو کی قسمیں: اب جادو کی قسمیں سنیے جنہیں ابوعبداللہ رازی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

① ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے وہ سات ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہی کے باعث ہوتی ہے اس لیے ان کی طرف خطاب کر کے مقرر الفاظ پڑھا کرتے ہیں اور انہیں کی پرستش کرتے ہیں اسی قوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور انہیں ہدایت کی۔ رازی رحمہ اللہ نے اس فن میں ایک خاص کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام "اَلسِّرُّ الْمَكْتُوْمُ فِيْ مُخَاطَبَةِ الشَّمْسِ وَالنُّجُوْمِ" رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن خلکان وغیرہ۔ بعض تو کہتے ہیں کہ انہوں نے بعد میں اس سے توبہ کر لی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صرف لوگوں کو اس علم سے آشنا کرنے اور خود کو اس کا عالم ثابت کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی تھی نہ کہ ان کا اعتقاد بھی یہی ہو جو سراسر کفر ہے اس کتاب میں ان لوگوں کے طور طریقے لکھے ہیں۔

② دوسرا جادو قوی نفس اور قوت واہمہ کے طاقتور لوگوں کا فن ہے وہم اور خیال کا زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے

---

[1] [صحیح] صحیح مسلم : كتاب السلام : باب تحريم الكهانه واتيان الكهان (۲۲۳۰) مسند احمد (۴۲۹/۲) ابو يعلى موصلى (۵۴۰۸/۹) البزار (۲۰۶۷) بيهقى فى الكبرى (۱۳۵/۱)]

[2] [ضعیف] تسائی : كتاب المحاربة : باب الحكم فى السحرة (۴۰۸۴)] اس میں ایک تو عباد بن میسرہ راوی ضعیف ہے اور دوسرے جمہور کے مطابق حسن کا ابو ہریرہؓ سے سماع ثابت نہیں۔ اسی لیے امام ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ایک ضعیف راوی اور انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [میـــزان (۳۷۸/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (۴۱/۴)] امام ابن عدیؒ نے اس روایت کو الکامل میں ذکر کیا ہے۔ [۱۶۴۸/۴)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعيف الجامع الصغير (۵۷۰۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے اور یہ منقطع ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

دیکھئے اگر ایک تنگ پل زمین پر رکھ دیا جائے تو اس پر سے انسان بہ آسانی گزر جائے گا لیکن یہی تنگ پل اگر کسی دریا پر ہو تو نہیں گذر سکے گا اس لیے کہ اس وقت خیال ہوگا کہ اب گرا اب گرا تو واہمہ کی کمزوری کے باعث جتنی جگہ پر زمین میں چل پھر سکتا تھا اتنی جگہ پر ایسے ڈر کے وقت نہیں چل سکتا حکیموں اور طبیبوں نے بھی مرعوف (جس کو نکسیر بہنے کی بیماری ہو) شخص کو سرخ چیزوں کو دیکھنے سے روک دیا ہے اور مرگی والوں کو زیادہ روشنی والی اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے عقلمند لوگوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگتی ہے صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر ہوتی [1] اب اگر نفس قوی ہے تو ظاہری سہاروں اور ظاہری کاموں کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اتنا قوی نہیں تو پھر اسے آلات کی بھی ضرورت پڑتی ہے جس قدر نفس کی قوت بڑھتی جائے گی وہ روحانیات میں ترقی کرتا جائے گا اور تاثیر میں بڑھتا جائے گا اور جس قدر یہ قوت کم ہوتی جائے گی اسی قدر گھٹتا جائے گا یہ کیفیت کبھی غذا کی کمی سے اور لوگوں کے میل جول کے ترک کرنے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے کبھی تو قوت کو حاصل کرکے انسان نیکی کے کام یعنی شریعت کے مطابق اس سے کام لیتا ہے اس حال کو شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں جادو نہیں کہتے اور کبھی اس حال سے باطل میں اور خلاف شرع کاموں میں مدد لیتا ہے اور دین سے دور پڑ جاتا ہے ایسے لوگوں کے ایسے قابل حیرت کاموں سے کسی کو دھوکا کھا کر انہیں ولی نہ سمجھ لینا چاہیے کیونکہ شریعت کے خلاف چلنے والا ولی اللہ نہیں ہوسکتا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ صحیح احادیث میں دجال کی بابت کیا کچھ آیا ہے؟ وہ کیسے کیسے خلاف عادت کام کرکے دکھائے گا لیکن ان کی وجہ سے وہ اللہ کا ولی نہیں بلکہ ملعون ومردود ہے۔

③ تیسری قسم کا جادو جنات کے ذریعہ زمین والوں کی روحوں سے امداد و اعانت طلب کرنے کا ہے معتزلہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں ان روحوں سے بعض مخصوص الفاظ اور اعمال سے تعلق پیدا کرتے ہیں اسے سحر بالعزائم اور عمل تسخیر بھی کہتے ہیں۔

④ چوتھی قسم خیالات کا بدل دینا آنکھوں پر اندھیرا ڈال دینا اور شعبدہ بازی کرنا ہے جس سے حقیقت کے خلاف اور کا اور دکھائی دینے لگتا ہے تم نے دیکھا ہوگا کہ شعبدہ باز پہلے ایک کام شروع کرتا ہے جب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہوکر ہمہ تن اس میں مصروف ہوجاتے ہیں وہ پھرتی سے ایک دوسرا کام کر ڈالتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں، بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم کا تھا اسی لیے قرآن میں ہے ﴿سَحَرُوٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ (اعراف ۱۱۶) الخ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں ڈر بٹھا دیا اور جگہ ہے ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ﴾

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب السلام : باب الطب والمرض والرقی (۲۱۸۸) ترمذی : کتاب الطب : باب ما جآء ان العین حق والغسل لها (۲۰۶۲)]

(طہ/٦٦) الخ موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ سب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

⑤ پانچویں قسم بعض چیزوں کو ترکیب دے کر کوئی عجیب کام اس سے لینا مثلاً گھوڑے کی شکل بنا دی اس پر ایک سوار بنا کر بٹھا دیا اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے جہاں ایک ساعت گذری اور اس ناقوس میں سے آواز نکلی حالانکہ کوئی اسے نہیں چھیڑتا' اسی طرح انسانی صورت اس کاریگری سے بنائی کہ گویا اصلی انسان ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے' فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم میں سے تھا کہ وہ بنائے ہوئے سانپ وغیرہ زئبق کے باعث زندہ حرکت کرنے والے دکھائی دیتے تھے گھڑی اور گھنٹے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن سے بڑی بڑی چیزیں کھچ آتی ہیں سب اسی قسم میں داخل ہیں حقیقت میں اسے جادو ہی نہ کہنا چاہیے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کاریگری ہے جس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں جو انہیں جانتا ہو وہ ان اسباب وفنون سے یہ کام لے سکتا ہے اسی طرح کا وہ حیلہ بھی ہے کہ جو بیت المقدس کے نصرانی کرتے تھے کہ پراسرار طریقہ سے گرجے کی قندیلیں جلا دیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کر دی یا اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف جھکا لیا بعض کرامیہ صوفیوں کا بھی خیال ہے کہ اگر ترغیب وترہیب کی حدیثیں گھڑ لی جائیں اور لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں' لیکن یہ بڑی غلطی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے [1] اور فرمایا میری حدیثیں بیان کرتے رہو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو مجھ پر جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔ [2]

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرندے کا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو اور پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اس گھونسلے میں لا کر رکھ جاتے ہیں اس نے اسی صورت کا ایک پرندہ کسی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچ کی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھستی تھی پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی اسے لا کر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تاکہ ہوا اس سے جائے اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور زیتون کے پھل لا کر رکھ جاتے اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت انہی کی ہے لوگوں نے جب اپنی آنکھوں یہ انہونی عجیب دیکھی تو معتقد ہو گئے اور اس قبر پر

---

① [صحیح :صحیح بخاری : کتاب العلم : باب اثم من کذب علی النبی (١١٠) صحیح مسلم : مقدمہ : باب تغلیظ الکذب علی رسول الله (٢) مسند احمد (٩٨/٣)]

② [صحیح :صحیح بخاری : کتاب العلم : باب اثم من کذب علی النبی (١٠٦) صحیح مسلم : کتاب السنة : (٢) ابن ماجه : کتاب السنة : باب التغلیظ فی تعمد علی رسول الله (٣١) ترمذی : کتاب العلم : باب ما جآء فی تعظیم الکذب علی رسول الله (٢٦٦٠)]

نذر نیاز چڑھانے لگے اب کرامت دور دور تک مشہور ہوگئی حالانکہ کوئی کرامت نہ تھی نہ معجزہ تھا صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لیے پوشیدہ طور پر رکھا تھا اور ایک لعنتی فرقہ اس پر ریجھا ہوا تھا۔

⑥ چھٹی قسم جادو کی بعض دواؤں کے مخفی خواص معلوم کر کے انہیں کام میں لانا اور یہ ظاہر ہے کہ دواؤں میں عجیب عجیب خاصیتیں ہیں مقناطیس ہی کو دیکھو کہ لوہا کس طرح اس کی طرف کھچ جاتا ہے اکثر صوفی اور فقیر اور درویش انہی حیلہ سازیوں کو کرامت کر کے لوگوں کو دکھاتے ہیں اور انہیں مرید بناتے پھرتے ہیں۔

⑦ ساتویں قسم دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہنا منوا لینا ہے مثلاً اس سے کہہ دیا کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں اب اگر سامنے والا کمزور دل کچے کانوں اور بودے عقیدے والا ہے تو وہ اسے سچ سمجھ لے گا اور اس کی طرف سے ایک قسم کا خوف ڈر ہیبت اور رعب اس کے دل پر بیٹھ جائے گا جو اس کو ضعیف بنا دے گا اب اس وقت جو چاہے کرے گا اور اس کا کمزور دل اسے عجیب عجیب باتیں دکھاتا جائے اسی کو متبلہ (عام زبان میں اسے معمول) کہتے ہیں اور یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہو جایا کرتا ہے اور علم فراست سے کامل عقل والا اور کم عقل والا انسان معلوم ہوسکتا ہے اور اس حرکت کا کرنے والا اپنا یہ فعل اپنی قوت قیافہ کے ذریعہ سے کم عقل شخص کو پہچان کر کے ہی کرتا ہے۔

⑧ آٹھویں قسم چغلی کرنا جھوٹ سچ ملا کر کسی کے دل میں اپنا گھر کر لینا اور خفیہ چالوں سے اسے اپنا گرویدہ کر لینا یہ چغل خوری اگر لوگوں کو بھڑکانے اور بدکانے اور ان کے درمیان عداوت و دشمنی ڈالنے کے لیے ہو تو شرعاً حرام ہے جب اصلاح کے طور پر اور آپس میں ایک دوسرے مسلمان کو ملانے کے لیے کوئی ایسی بات ظاہر کہہ دی جائے جس سے ایک فریق دوسرے فریق سے خوش ہو جائے یا کوئی آنے والی مصیبت مسلمانوں پر سے ٹل جائے یا کفار کی قوت زائل ہو جائے ان میں بددلی پھیل جائے اور مخالفت پھوٹ پڑے تو یہ جائز ہے جیسے حدیث میں ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو بھلائی کے لیے ادھر کی ادھر لے جاتا ہے [1] اور جیسے حدیث میں ہے کہ لڑائی مکر کا نام ہے [2] اور جیسے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر کفار عرب اور کفار یہود کے درمیان کچھ ادھر ادھر کی اوپری باتیں کہہ کر جدائی ڈلوا دی تھی اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی یہ کام بڑے عالی دماغ زیرک اور معاملہ فہم شخص کا ہے۔

یہ یاد رہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے جادو کی جو یہ آٹھ قسمیں بیان کی ہیں یہ صرف باعتبار لفظ کے ہیں کیونکہ

---

[1] [صحيح: صحيح بخاری: كتاب الصلح: باب ليس الكاذب الذی يصلح بين الناس (٢٦٩٢) صحيح مسلم: كتاب البر والصلة: باب تحريم الكذب وبيان المباح منه (٢٦٠٥) ترمذی: كتاب البر والصلة: باب ما جاء في اصلاح ذات البين (١٩٣٨) ابو داؤد: كتاب الادب: باب في اصلاح ذات البين (٤٩٢٠ ـ ٤٩٢١) مسند احمد (٦/٤٠٣)]

[2] [صحيح: صحيح بخاری: كتاب الجهاد والسير: باب الحرب خدعة (٣٠٣٠) صحيح مسلم: كتاب الجهاد: باب جواز الخداع في الحرب (١٧٣٩) ترمذی: كتاب الجهاد: باب ما جآء في الرخصته في الكذب (١٦٧٥) ابو داؤد: كتاب الجهاد: باب المكر في الحرب (٢٦٣٦)]

عربی زبان میں سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر بین انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ رہ جائیں اسی واسطے ایک حدیث میں ہے کہ بعض بیان بھی جادو ہوتا ہے [1] اور اسی لیے صبح کے اول وقت کو سحور کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتا ہے اور اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی جگہ ہے۔ ابوجہل نے بدر والے دن یہی کہا تھا کہ اس کی سحر یعنی رگ طعام مارے خوف کے پھول گئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے سحر ونحر کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے [2] تو نحر سے مراد سینہ اور سحر سے مراد رگ غذا۔ قرآن میں بھی ہے ﴿سَحَرُوٓا اَعْیُنَ النَّاسِ﴾ (اعراف/۱۱۶) یعنی لوگوں کی نگاہوں سے اپنا کام مخفی کر کے انجام دیا۔ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جادو ہے اور مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے کر دیتا ہے گو معتزلہ اور ابواسحاق اسفرائینی شافعی اس کے قائل نہیں اور جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈوروں دھاگوں سے بھی کبھی اللہ کا نام پڑھ کر دم کرنے سے بھی اس میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ کبھی شیاطین کا نام لے کر شیطانی کام سے بھی لوگ کرتے ہیں کبھی دواؤں وغیرہ کے ذریعہ سے بھی جادو کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق کہ بعض بیان جادو ہیں دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بطور تعریف کے آپ نے فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بطور مذمت کے یہ ارشاد ہوا ہو کہ وہ اپنی غلط بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ سچ معلوم ہوتی ہے جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ کبھی میرے پاس تم مقدمہ لے کر آتے ہو تو ایک اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعویٰ کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔ [3] الوزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ابن ھبیرۃ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الاشراف علی مذاہب الاشراف'' میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو کی حقیقت ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تو کافر بتاتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کے بچاؤ کے لیے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور نفع دینے والا سمجھے۔ وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جادوگر سے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب الخطبة (۵۱۴۶) و کتاب الطب: باب ان من البیان سحرا (۵۷۶۷) ابو داؤد: کتاب الادب: باب ما جآء فی المتشدق فی الکلام (۵۰۰۷) ترمذی: کتاب البر والصلة: باب ما جآء فی ان من البیان سحرا (۲۰۲۸)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس: باب ما جآء فی بیوت ازواج النبی (۳۱۰۰) صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل عائشة (۲۴۴۳)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المظالم: باب اثم من خاصم فی باطل (۲۴۵۸)، (۲۶۸۰)، (۷۱۶۹) صحیح مسلم: کتاب الاقضیة: باب الحکم بالظاهر (۱۷۱۳) ابو داؤد: کتاب الاقضیة: باب فی قضاء القاضی اذا اخطا (۳۵۸۳) ابن ماجه: کتاب الاحکام: باب قضیة الحاکم لا تحل حراما (۲۳۱۷) ترمذی: کتاب الاحکام: باب ما جاء فی الشدید علی من یقضی له (۱۳۳۹) نسائی: کتاب آداب القضاء: باب الحکم بالظاهر (۸۱۷۶)]

دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیارہ ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اگر یہ نہ ہو تو بھی اگر جادو کو جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول یہ بھی ہے کہ جادوگر نے جب جادو کیا اور جادو کو استعمال میں لایا وہیں اسے قتل کر دیا جائے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں جب تک بار بار نہ کرے یا کسی شخص معین کے بارے میں خود اقرار نہ کرے تب تک قتل نہ کیا جائے تینوں امام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اور ایک مشہور قول میں امام احمد رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ امام احمد رحمہ اللہ کا ہی صحیح قول ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اہل کتاب کا جادوگر بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا لیکن تینوں اور اماموں کا مذہب اس کے برخلاف ہے لبید بن اعصم یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا [1] اگر کوئی مسلمان عورت جادوگرنی ہو تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ قید کر دی جائے اور تینوں کہتے ہیں اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے واللہ اعلم۔

حضرت زہری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مسلمان جادوگر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہیے یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے توبہ کر اگر وہ کر لے اور اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کر لے تاہم قتل کر دیا جائے اس جادوگر کو جس کے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں اسے چاروں امام کافر کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے ﴿فَلَا تَكْفُرْ﴾ [2] امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پا لیا جائے پھر وہ توبہ کر لے تو توبہ قبول نہیں ہوگی جس طرح زندیق کی توبہ قبول نہیں ہوگی ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کر لے تو قبول ہوگی اگر اس کے جادو سے کوئی مر گیا تو بہر صورت مارا جائے گا امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ میں نے اس پر جادو مار ڈالنے کے لئے نہیں کیا تو قتل کی خطا کی دیت (جرمانہ) لے لیا جائے۔

جادوگر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے اجازت دی ہے جیسے صحیح بخاری شریف میں ہے [3] عامر شعبی رحمہ اللہ بھی اس میں کوئی حرج نہیں بتلاتے لیکن خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ اسے مکروہ بتلاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ کیوں جادو کو افشاء نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی اور لوگوں پر برائی افشاء کرنے سے ڈرتا ہوں۔ [4] حضرت

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الطب : باب السحر (٥٧٦٣) صحیح مسلم : کتاب السلام : باب السحر (٢١٨٩) ابن ماجه : کتاب اللباس : باب السحر (٣٥٤٥)]

[2] [سورة البقره : آیت ١٠٢]

[3] [صحیح صحیح بخاری (تعلیقا) : کتاب الطب : باب هل یستخرج السحر]

[4] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الطب : باب السحر (٥٧٦٦_ ٣١٧٥) مسلم : کتاب السلام : باب السحر (٢١٨٩) ابن ماجه : کتاب اللباس : باب السحر (٣٥٤٥) مسند احمد (٦٣/٦)]

وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر کوٹ لئے جائیں اور پانی ملا لیا جائے پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کرا دیا جائے انشاء اللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (الفلق/ ۱) اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (الناس/ ۱) کی سورتیں ہیں حدیث میں ہے ان جیسا کوئی تعویذ نہیں [1] اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ [2]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۞

اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھتے اور سنتے رہا کرو۔ ان کافروں کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ نہ تو اہل کتاب کے کافر چاہتے ہیں نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے حسد کا کیا ہوا) اللہ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے اللہ بڑے فضل والا ہے ○

کفار کی مشابہت سے اجتناب: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک رہا ہے یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور مطلب برا لیتے تھے جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری سنئے تو کہتے تھے رَاعِنَا اور مراد اس سے رعونت اور سرکشی لیتے تھے جیسے اور جگہ بیان ہے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ (النساء/ ٤٦) الخ یعنی یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باتوں کو اصلیت سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن مانتے نہیں اپنی زبانوں کو موڑ توڑ کر اس دین میں طعنہ زنی کے لئے ﴿رَاعِنَا﴾ کہتے ہیں اگر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا ہماری بات سنئے اور ہماری طرف توجہ کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے ان میں ایمان بہت ہی کم ہے۔

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" کہتے ہیں اور "سَامٌ" کے معنی موت کے ہیں تو تم ان کے جواب میں ﴿وَعَلَيْكُمْ﴾ کہا کرو [3] ہماری دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور

---

[1] [حسن صحیح: نسائی : کتاب الاستعاذہ : باب ما جآء فی سورة المعوذتين (٥٤٤)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح نسائی (٥٠٧٦)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب فضائل القرآن : باب فضل سورة البقره (٥٠١٠)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الاستیذان : باب كيف الرد على اهل الزمة بالسلام (٦٢٥٧) صحیح مسلم : کتاب السلام : باب النهی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام (٢١٦٤)]

ان کی بددعا ہمارے حق میں مقبول نہیں ہوگی (۱) الغرض قول وفعل میں ان سے مشابہت کرنا منع ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں میری روزی حق تعالیٰ نے میرے نیزے تلے رکھی ہے۔اس کے لئے ذلت اور پستی ہے جو میرے احکام کے خلاف چلے اور جو شخص کسی (غیر مسلم) قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ (۲) ابوداؤد میں بھی یہ پچھلا حصہ مروی ہے (۳)

اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال وافعال لباس عید اور عبادت میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لئے مشروع اور مقرر نہیں سخت منع ہے ایسا کرنے والوں کو شریعت میں عذاب کی دھمکی، سخت ڈراوا اور حرمت کی اطلاع دی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم میں ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سنو تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو جایا کرو کیونکہ یا تو کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی برائی سے ممانعت ہوگی حضرت خیثمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تورات میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰاَیُّهَا الْمَسَاکِیْنُ﴾ فرمایا ہے لیکن امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے معزز خطاب سے یاد فرمایا ہے ﴿راعنا﴾ کے معنی ہماری طرف کان لگانے کے ہیں بروزن "عَاطِنَا۔" (۴) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے معنی خلاف کے بھی ہیں (۵) یعنی خلاف نہ کہا کرو ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری سنئے اور ہم آپ کی سنیں۔

انصار نے بھی یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہنا شروع کر دیا تھا جس سے قرآن پاک نے انہیں روک دیا (۶) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں 'راعن' مذاق کی بات کو کہتے ہیں۔یعنی تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں اور اسلام سے مذاق نہ کیا کرو۔ابوصخر رحمہ اللہ کہتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگتے تو جنہیں کوئی بات کہنی ہوتی وہ کہتے اپنا کان ادھر کیجئے اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے روک دیا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرنے کی تعلیم فرمائی۔سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں رفاعہ بن زید یہودی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتا تھا مسلمانوں نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ لفظ ادب کے ہیں یہی لفظ استعمال کرنے شروع کر دئے جس پر انہیں روک دیا گیا جیسے سورۂ نساء میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ کو اللہ نے برا جانا اور اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روک دیا جیسے حدیث میں ہے کہ

---

(۱) [صحیح :صحیح مسلم : کتاب السلام : باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام (۲۱۶۶)]

(۲) [حسن بالشواھد :مسند احمد (۲/۵۰ـ۹۲) ابن ابی شیبہ (۵/۳۱۳)] امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۲۸۳۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(۳) [حسن صحیح :ابو داؤد : کتاب اللباس : باب فی لبس الشھرۃ (۴۰۳۱) ابن ابی شیبہ (۵/۲۲)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۱۲۶۹)]

(۴) [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۴۶۱)]

(۵) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۱۸)]

(۶) [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۱۸)]

انگور کو کرم اور غلام کو عبد نہ کہو وغیرہ [1] اب اللہ تعالیٰ ان بد باطن لوگوں کے حسد و بغض کو بیان فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں جو اس کامل نبی ﷺ کے ذریعہ کامل شریعت ملی ہے اس سے یہ تو جل بھن رہے ہیں ان سے کہہ دو کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے وہ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿١٠٦﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿١٠٧﴾

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین اور آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ ○

احکام کے نسخ کا مقصد: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نسخ کے معنی بدل کے ہیں [2] مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مٹانے کے معنی ہیں' [3] جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتی ہے اور حکم بدل جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے اور ابوالعالیہ اور محمد بن کعب قرظی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے [4] ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھلا دینے کے معنی ہیں۔ عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں چھوڑ دینے کے معنی ہیں سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ﴾ [5] یعنی زانی مرد و عورت کو سنگسار کر دیا کرو اور جیسے آیت ﴿لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا﴾ [6] یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے مل جائیں جب بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ [7] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں حلال کو حرام' حرام کو حلال جائز کو ناجائز' ناجائز کو جائز وغیرہ امر و نہی روک اور رخصت جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے ہاں جو خبریں دی گئی ہیں واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں رد و بدل و ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا۔

نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے بھی ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الالفاظ من الادب: باب کراهة تسمية العنب كرما (٢٢٤٨)، (٢٢٤٩) بخاری فی الادب المفرد (٧٩٥)]

[2] [تفسير ابن جرير الطبری (٤٧٣/٢)] [3] [تفسير ابن ابی حاتم (٣٢١/١)]

[4] [تفسير ابن ابی حاتم (٣٢٢/١)]

[5] [صحیح: نسائی فی السنن الكبرىٰ (٧١٤٥۔ ٧١٤٨) طبرانی کبیر (٨٦٧) السنن الكبرى للبيهقی (١٧٣٦٧) تهذيب الآثار للطبری (٢٥٨/٣) سنن دارمی (٢٣٢٣) صحيح ابن حبان (٤٤٢٨) مسند احمد (٢٠٦١٣) مسند بزار (٧١/١)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابن ماجه (٢٠٦٧) ارواء الغليل (٢٣٣٨) السلسلة الصحيحة (٢٩١٣)]

[6] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب ما يتقى من فتنه المال (٦٤٤٠)]

[7] [تفسير ابن ابی حاتم (٣٢٤/١)]

ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لیے نسخ کہتے ہیں خواہ وہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں۔ نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کا پچھلی دلیل کی رو سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری ہوتی ہے اور کبھی بھاری کے بدلہ ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا' رہے نسخ کے احکام اس کی قسمیں اس کی شرطیں وغیرہ ہیں سو اس کے لیے اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے تفصیلات کی بسط کی جگہ نہیں طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو شخصوں نے نبی ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی اسے وہ پڑھتے رہے ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن یاد نے ساتھ نہ دیا گھبرا کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا یہ منسوخ ہوگئی اور بھلا دی گئی دلوں میں سے نکال لی گئی تم غم نہ کرو بے فکر ہو جاؤ۔

حضرت زہری رحمہ اللہ نون خفیف پیش کے ساتھ پڑھتے تھے اس کے ایک راوی سلیمان بن ارقم ضعیف ہیں۔ [۱] ابو بکر بن انباری رحمہ اللہ نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے [۲] جیسے قرطبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے۔ "نُنْسِهَا" کو "نَنْسَأْهَا" بھی پڑھا گیا ہے۔ "نَنْسَأْهَا" کے معنی موخر کرنے پیچھے ہٹا دینے کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں منسوخ کرتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد کہتے ہیں یعنی ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں لیکن حکم کو بدل دیتے ہیں۔ [۳] عبد بن عمیر' مجاہد' اور عطا رحمہم اللہ سے مروی ہے ہم اسے موخر کرتے ہیں اور ملتوی کرتے ہیں۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ [۴]

سدی اور ربیع رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ناسخ کو منسوخ کے پیچھے رکھتے ہیں ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں "نَنْسَأْهَا" پڑھا اور اس کے معنی موخر ہونے کے بیان کیے "نُنْسِهَا" جب پڑھیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھا لینا چاہتا تھا وہ نبی ﷺ کو بھلا دیتا تھا اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ "نُنْسِهَا" پڑھتے تھے تو ان سے قاسم بن ربیعہ رحمہ اللہ نے کہا کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ تو "نَنْسَأْهَا" پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا سعید بن مسیب پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى﴾ (الاعلی / ٦) ہم تجھے پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا اور فرماتا ہے ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ (الکہف / ٢٤) جب بھول جا اپنے رب کو یاد کر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں اور ابی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اچھے قرآن کے قاری ہیں اور ہم ابی رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس لیے کہ ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے تو جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اسے نہیں چھوڑوں گا اور فرماتے ہیں ﴿مَا نَنْسَخْ﴾ (البقرہ / ١٠٦) الخ یعنی ہم جو منسوخ کریں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا (بخاری و مسند احمد) [۵] اس سے بہتر ہوتا ہے یعنی بندوں کی سہولت اور ان کے آرام کے لحاظ سے یا اس جیسا ہوتا

---

[۱] [مجمع الزوائد (۱۱۰۹۲)]
[۲] [تفسیر قرطبی (۲/ ۶۲ ـ ۶۱۹)]
[۳] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/ ۴۷۳)]
[۴] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/ ۴۷۷)]
[۵] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ : باب قوله ما ننسخ من آیة (۴۴۸۱)، (۵۰۰۵) مسند احمد (۵/ ۱۱۳)]

ہے لیکن مصلحت الٰہی اس سابقہ چیز میں ہوتی ہے۔

مخلوق میں تغیر وتبدیل کرنے والا پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس طرح جسے چاہتا ہے بناتا ہے جسے چاہے نیک بختی دیتا ہے جسے چاہے بدبختی دیتا ہے جسے چاہے تندرستی جسے چاہے بیماری' جسے چاہے توفیق جسے چاہے بےنصیب کردے۔ بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے جسے چاہے حلال جسے چاہے حرام فرمادے جسے چاہے رخصت دے جسے چاہے روک دے وہ حاکم مطلق ہے جو چاہے احکام جاری فرمائے کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کرسکتا جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کرسکتا وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں کسی چیز کا کسی مصلحت کی وجہ سے حکم دیا پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس کو ہٹا دیا اب آزمائش ہو جاتی ہے نیک لوگ اس وقت بھی اطاعت کے لیے کمربستہ تھے اور اب بھی ہیں لیکن بدباطن لوگ باتیں بناتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول ﷺ کی پیروی کرنی چاہیے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہیے' جو حکم دے بجالانا چاہیے جس سے روکے رک جانا چاہیے۔

اس مقام پر بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے بعض تو کہتے تھے اس میں عقلی محال لازم آتا ہے اور بعض نقلی محال بھی مانتے تھے اس آیت میں گو خطاب فخر عالم ﷺ کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراۃ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے اور صرف عناد و تکبر کی بنا تھی ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں اس لیے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں بااختیار ہے اسی طرح اپنے حکموں میں بھی بااختیار ہے جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے اس حاکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے اگلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا پھر اسے حرام کر دیا نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تب تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہوگئی دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر توراۃ میں اور اس کے بعد حرام ہو گیا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ بچھڑا پوجنے میں جو شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں کو ان کا اقرار ہے لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخر الزمان ﷺ کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے آپ کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں ہوگا یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے کہ

اگلی شریعتیں صرف آپ کے آنے تک ہی تھیں اس لیے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں یا کہے کہ ناسخ ہے بہرصورت رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس لیے کہ آپ آخری کتاب اللہ کے پاس سے ابھی ابھی لے کر آئے ہیں پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا۔

سورۂ آل عمران میں بھی جس کے شروع میں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے فرماتا ہے ﴿كُلُّ الطَّعَامِ﴾ (۱) الخ یعنی سبھی کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کی مزید تفسیر وہیں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمان کل کے کل متفق ہیں کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے بلکہ واقع بھی ہے اور پروردگار کی حکمت بالغہ کا دستور بھی یہی ہے ابو مسلم اصبہانی مفسر نے لکھا ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ قول ضعیف اور مردود اور محض غلط اور جھوٹ ہے جہاں جہاں نسخ قرآن موجود ہے اس کے جواب میں گو بعض نے بہت محنت سے اس کی تردید کی ہے لیکن محض بے سود۔ دیکھئے پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاوند مر جائے ایک سال تھی لیکن پھر چار مہینے دس دن ہوئی۔ اور دونوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں قبلہ پہلے بیت المقدس تھا۔ پھر کعبۃ اللہ ہوا۔ اور دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن یہ پھر حکم منسوخ ہو کر دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں پہلے حکم تھا کہ نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ
بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸

کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ سے پوچھا گیا تھا (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۝

کثرت سوال ایک مذموم فعل: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتے ہوئے فرماتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبی سے فضول سوال نہ کیا کرو۔ یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ﴾ (المائدہ/۱۰۱) الخ ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسے سوالوں کا سلسلہ جاری رکھو گے تو یہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی بات کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے میں خوف یہ ہے کہ کہیں اس سوال کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال سے

---

(۱) [سورۃ آل عمران : آیت ۹۳]

حرام ہوگئی ① ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ''ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے؟ حضور ﷺ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا آخر اسی شخص کو ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔ ② صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فضول بکواس سے مال کو ضائع کرنے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ③ صحیح مسلم میں ہے میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے پہلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے سامنے اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو کسی نے کہا حضور ﷺ ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے اس نے پھر پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا آپ نے فرمایا ہر سال نہیں لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو بجا نہ لا سکتے ④ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا فرمان ارشاد فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہمیں آپ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور ﷺ سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ناواقف شخص آجائے وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ ⑤ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں کوئی سوال حضور ﷺ سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گذر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی تھی ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور ﷺ سے سوال کر بیٹھے پھر ہم بھی سن لیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اصحاب محمد ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں انہوں نے حضور ﷺ سے صرف بارہ ہی مسئلہ پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن پاک میں مذکور ہیں جیسے شراب وغیرہ کا سوال حرمت والے مہینوں کی بابت سوال یتیموں کی بابت سوال وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر ''ام'' یا ''تو بل'' کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے یہ حکم مومن کافر سب کو ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت سب کی طرف تھی قرآن میں اور جگہ ہے

---

① [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة: باب ما یکره من کثرة السوال (۷۲۸۹) صحیح مسلم: کتاب الفضائل (۲۳۵۸) مسند احمد (۱/۱۷٦)]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطلاق: باب من جوز الطلاق الثلاث (۵۲۵۹) صحیح مسلم: کتاب اللعان (۱٤۹۲) مسند احمد (۵/۳۳٦-۳۳۷)]

③ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاستقراض: باب ما ینهی عن اضاعة المال (۲٤۰۸) صحیح مسلم: کتاب الاقضیة: باب النهی عن کثرة المسائل (۵۹۳)]

④ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحج: باب فرض الحج مرة فی العمر (۱۳۳۷) صحیح بخاری: کتاب الاعتصام: باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ (۷۳۸۸) نسائی: کتاب مناسك الحج: باب وجوب الحج (۲٦۲۰) مسند احمد (۲/٤٤۷_٤۵۷)]

⑤ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب السوال من ارکان الاسلام (۱۲)]

﴿يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ﴾ (النساء/ ١٥٣) الخ اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند و تیز آواز سے ہلاک کر دیا گیا۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجیے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ کو مان لیں اس پر یہ آیت اتری۔ [1]

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ کاش کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا کفارہ تھا آپ نے یہ سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ ”نہیں اللہ نہیں“، ہم یہ نہیں چاہتے پھر فرمایا سنو بنو اسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا اب یا تو دنیا کی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی منظور کرے لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء/ ١١٠) یعنی جس سے کوئی برا کام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔ اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کا کفارہ ہو جاتا ہے [2] سنو جو شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کر گذرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے پھر گو نہ کرے لیکن بھلائی لکھ لی جاتی ہے اور اگر کر بھی لے تو دس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں اب بتاؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو ہاں باوجود اتنے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہو تو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہونے والا ہی تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [3]

قریشیوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو ہم ایمان لاتے ہیں آپ نے فرمایا اچھا لیکن پھر مائدہ (آسمانی دسترخوان) مانگنے والوں کا جو انجام ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا اس پر وہ انکاری ہو گئے اور اپنے سوال کو چھوڑ دیا [4] مراد یہ ہے کہ تکبر، عناد، سرکشی کے ساتھ نبیوں سے سوال کرنا نہایت مذموم حرکت ہے جو کفر کو ایمان کے بدلے مول لے اور آسانی کو سختی سے بدلے وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت و ضلالت میں گر جاتا ہے اسی طرح غیر ضروری سوال کرنے والا بھی جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا﴾ (ابراھیم/ ٢٨-٢٩) الخ کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلتے ہیں اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بڑی بری قرارگاہ ہے۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢/ ٤٩٠)]

[2] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب الصلوات الخمس والجمعة (٢٣٣)]

[3] [مرسل وضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (١٧٨٦)]

[4] [مرسل وضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (١٧٨٣ - ١٧٨٤)]

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

الثلاثة

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کھل جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ تم بھی معاف کرو اور چھوڑ و یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○ تم نمازیں قائم رکھو زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ○

قومی عصبیت باعث شقاوت: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں کے حاسد تھے لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عربوں سے جلتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کعب بن اشرف کا بھی یہ شغل تھا زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شعروں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا [1] گو ان کی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں جانتے تھے اور آپ کو اچھی طرح پہچانتے تھے پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سراسر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بنا پر کہ عرب میں آپ کیوں مبعوث ہوئے کفر وانکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگذر کرتے رہو اور اللہ کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کرو۔ جیسے اور جگہ فرمایا تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننی پڑیں گی مگر بعد میں حکم نازل فرما دیا کہ ان مشرکین سے اب دب کر نہ رہو ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔ [2]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مشرکین اور اہل کتاب سے درگذر کرتے تھے اور ان کی ایذاء اور تکلیف سہتے تھے اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیتیں اتریں اور یہ حکم ہٹ گیا اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا اور پہلی ہی لڑائی جو بدر کے میدان میں ہوئی اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں بچھ گئیں [3] پھر مومنوں کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ تم نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی حفاظت کرو یہ تمہیں آخرت کے عذابوں سے بچانے کے علاوہ دنیا میں بھی غلبہ اور نصرت دے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہر نیک و بد عمل کا بدلہ دونوں جہان میں دے گا اس سے کوئی چھوٹا، بڑا، چھپا، کھلا، اچھا، برا عمل پوشیدہ نہیں یہ اس لیے فرمایا کہ لوگ اطاعت کی طرف توجہ کریں اور نافرمانی سے بچیں۔ "مُبْصِر" کے بدلے "بَصِيْر" کہا جیسے "مُبْدِع" کے بدلے "بَدِيْع" اور "مُؤْلِم" کے بدلے

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۳۱)] [2] [سورۃ التوبۃ : آیت ۵]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۳۳)]

"اَلِیْمٌ" ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت میں ﴿سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ﴾ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ ①

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ ۙ وَّ هُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ع ۱۳ / ۱۴

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا' یہ صرف ان کی امنگیں ہیں' ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو○ سنو جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے بے شک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ غم اور نہ اداسی○ یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہود نہیں۔ حالانکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان میں کر دے گا○

شیطان صفت یہودی: یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا سورۂ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں ② جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہوگا؟ اسی طرح کے مفہوم کا بیان پہلے بھی گذرا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے اسی طرح یہاں ان کے ایک دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو' انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا' جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے اللہ کے سامنے متوجہ کر دیئے ہیں۔ ③ غرض یہ ہے کہ اخلاص اور مطابقت سنت ہر عمل کی قبولیت کے لیے شرط ہے تو ﴿اَسْلَمَ وَجْهَهٗ﴾ سے مراد خلوص ④ اور ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ سے مراد اتباع سنت ہے نرا خلوص بھی عمل کو مقبول نہیں کرا سکتا جب تک سنت کی تابعداری نہ ہو حدیث شریف میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے۔ (مسلم) ⑤

پس رہبانیت کا عمل گو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے ایسے ہی اعمال کی

---

① [تفسیر ابن ابی حاتم (۳۳۶/۱)] ② [سورة المائدة : آیت ۱۸]
③ [سورة آل عمران : آیت ۲۰] ④ [تفسیر ابن ابی حاتم (۳۳۷۱/۱)]
⑤ [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الاقضیة : باب نقض الاحکام الباطلة (۱۷۱۸)]

نسبت قرآن حکیم کا ارشاد ہے ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (الفرقان / ۲۳) یعنی انہوں نے جو اعمال کیے تھے ہم نے سب رد کر دیئے دوسری جگہ فرمایا کافروں کے اعمال ریت کے چمکیلے تودوں کی طرح ہیں جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا[1] اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہروں پر ذلت برستی ہوگی جو عمل کرنے والے تکلیفیں اٹھانے والے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور گرم کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔[2] حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں مراد یہود و نصاریٰ کے علماء اور عابد لیے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل گو بظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو مقصود اللہ کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا بھی یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں[3] اور فرمایا ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ (الماعون / ٤-٧) الخ ان نمازیوں کے لیے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا﴾ (الکھف / ۱۱۰) الخ جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہو اسے نیک عمل کرنا چاہیے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا۔

نجران کے نصرانیوں کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں توراۃ میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں توراۃ کی تصدیق موجود ہے پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے' اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازیوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرانی۔ پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا اس میں بھی اشارہ انہی کی طرف ہے اور بعض نے کہا مراد اس سے یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرب لوگ مراد ہیں امام ابن جریر رحمہ اللہ اس سے عام لوگ مراد لیتے ہیں گویا سب شامل ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ تعالیٰ کرے گا جس دن کوئی ظلم وزور نہیں ہوگا اور یہی مضمون دوسری جگہ بھی آیا ہے سورۂ حج میں ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ﴾ (الحج ١٧) (پوری آیت) یعنی مومنوں اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے اور جگہ ارشاد ہے ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا﴾ (السبا / ٢٦) کہہ دے کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر حق کے ساتھ فیصلے کرے گا وہ باخبر فیصلے کرنے والا ہے۔

---

[1] [سورۃ النور : آیت ٣٩] [2] [سورۃ الغاشیۃ : آیت ٢-٥]

[3] [سورۃ النسآء : آیت ١٤٢]

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کیے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی ان میں جانا چاہیے۔ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑے بڑے عذاب ہیں○

اللہ کی مساجد سے روکنے والے: اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے' بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لیے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور مدد کی تھی' بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کی دشمنی پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لیے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سال کعبۃ اللہ سے روکا تھا یہاں تک کہ ذی طویٰ میں آپ کو قربانیاں کر دینا پڑیں' اور مشرکین سے صلح کرنے کے بعد آپ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اور اس کے اجاڑنے کی کوشش یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج وعمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو روک دیں [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے۔

لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے' ابن زید رحمہ اللہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے اور اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی محض بے دین ہو چکے تھے ان پر تو حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح کے دین پر تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اوپر یہود ونصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بدخصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں رضی اللہ عنہم کو مسجد الحرام سے روکا مکہ سے نکالا پھر حج وغیرہ سے بھی روک دیا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت بٹھا دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہو سکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے ﴿وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الانفال / ۳٤) اور جگہ فرمایا ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا﴾ [2] الخ یعنی یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۵۲۱)] [2] [سورۃ التوبہ : آیت ۱۷]

ہیں مشرکوں سے اللہ کی مسجدیں آباد نہیں ہوسکتیں جو اپنے کفر کے خود گواہ ہیں جن کے اعمال غارت ہیں اور جو ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں مسجدوں کی آبادی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے اور نماز وزکوٰۃ کے پابند اور صرف اللہ ہی سے ڈرنے والے ہیں یہی لوگ راہ راست والے ہیں اور جگہ فرمایا ﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الفتح / ۲۵) الخ ان لوگوں نے کفر بھی کیا اور تمہیں مسجد حرام سے بھی روکا اور قربانیوں کو ان کے ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا اگر ہمیں ان مومن مردوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا جو اپنی ضعیفی اور کم قوتی کے باعث مکہ سے نہیں نکل سکے۔ جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو تو ہم تمہیں ان سے لڑ کر ان کے غارت کر دینے کا حکم دے دیتے لیکن یہ بے گناہ مسلمان پیس نہ دیئے جائیں اس لیے ہم نے سر دست یہ حکم نہیں دیا لیکن یہ کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں جب ان پر ہمارے دردناک عذاب برس پڑیں۔ پس جب وہ مسلمان ہستیاں جن سے مسجدوں کی آبادی حقیقی معنی میں ہے وہ ہی روک دیئے گئے تو مسجدوں کے اجاڑنے میں کون سی کمی رہ گئی ؟ مسجدوں کی آبادی صرف ظاہری زیب وزینت رنگ وروغن سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں ذکر اللہ کا ہونا اس میں شریعت کا قائم رہنا اور شرک اور ظاہری میل کچیل سے پاک رکھنا یہ ان کی حقیقی آبادی ہے۔

پھر فرمایا کہ انہیں لائق نہیں کہ بے خوف ہو کر یہ مسجد میں آئیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو انہیں بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ بیت اللہ میں نہ آنے دو ہم تمہیں غالب کر دیں گے اس وقت یہی کرنا چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا اگلے سال ۹ ہجری میں اعلان کرا دیا کہ اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا ہو کر نہ کرے جن لوگوں کے درمیان صلح کی کوئی مدت مقرر ہوئی ہے وہ قائم ہے [1] یہ حکم دراصل تصدیق اور عمل ہے اس آیت پر ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (التوبة / ۲۸) یعنی مشرک لوگ نجس ہیں اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام میں نہ آنے دو اور یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ مشرک کانپتے اور خوف زدہ مسجد میں آئیں لیکن برخلاف اس کے الٹے یہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو بشارت دیتا ہے کہ عنقریب میں تمہیں غلبہ دوں گا اور یہ مشرک اس مسجد کی طرف رخ کرنے سے بھی کپکپانے لگیں گے چنانچہ یہی ہوا اور حضور علیہ السلام نے وصیت کی کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں اور یہود ونصاریٰ کو وہاں سے نکال دیا جائے [2] الحمد للہ کہ اس امت کے بزرگوں نے اس وصیت رسول ﷺ پر عمل بھی کر دکھایا اس سے مسجدوں کی فضیلت اور بزرگی بھی ثابت ہوئی بالخصوص اس جگہ کی اور مسجد کی جہاں سب سے بڑے اور کل جن وانس کے رسول محمد ﷺ بھیجے گئے تھے۔ ان کفار پر دنیا کی رسوائی بھی آئی، جس طرح انہوں نے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصلوة: باب ما یستر و من العورة (۳۶۹) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب لا یحج البیت مشرك (۱۳۴۷) نسائی: کتاب المناسك: باب قوله عزوجل خذوا زینتكم عند كل مسجد (۲۹۶) ترمذی: کتاب الحج: باب ما جآء فی كراهية الطواف عریانا (۸۷۱) ابو یعلی (۴۵۲) بیهقی (۲۰۷/۹) حمیدی (۴۸) دارمی (۱۹۱۹)]

[2] [مرسل: مؤطا: کتاب الجامع: باب ما جآء فی اجلاء الیهود من المدینة (۱۷-۱۸)، (۸۹۲/۲)]

مسلمانوں کو روکا جلاوطن کیا ٹھیک اس کا پورا بدلہ انہیں ملا یہ بھی روکے گئے اور جلاوطن کیے گئے اور ابھی اخروی عذاب باقی ہیں کیونکہ انہوں نے بیت اللہ شریف کی حرمت توڑی وہاں بت بٹھائے غیر اللہ سے دعائیں اور مناجات شروع کر دیں۔ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا وغیرہ اور اگر اس سے مراد نصرانی لیے جائیں تو بھی ظاہر ہے کہ وہ بھی بیت المقدس کی مسجد میں ڈرتے ہوئے جاتے ہیں انہوں نے بھی مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی بالخصوص اس صخرہ (پتھر) کی جس کی طرف یہود نماز پڑھتے تھے اسی طرح جب یہودیوں نے بھی نصرانیوں کی بہت زیادہ ہتک کی تو ان پر ذلت بھی اس وجہ سے زیادہ نازل ہوئی دنیا کی رسوائی سے مراد امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ کی رسوائی بھی ہے اور جزیہ کی ادائیگی بھی ہے حدیث شریف میں ایک دعا وارد ہوئی ہے ﴿اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ﴾ اے اللہ تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے۔ (۱) یہ حدیث حسن ہے مسند احمد میں موجود ہے صحاح ستہ میں نہیں اس کے راوی بسر بن ارطاۃ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان سے ایک تو یہ حدیث مروی ہے دوسری وہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ غزوے اور جنگ کے موقعہ پر وہیں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ (۲)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اللہ تعالیٰ کشادگی اور سمائی والا اور بڑے علم والا ہے ○

کعبہ صرف ایک سمت: اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان اصحاب رضی اللہ عنہم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جو مکہ سے نکالے گئے اور اپنی مسجد سے روکے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے تو کعبۃ اللہ بھی سامنے ہی ہوتا تھا جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ ماہ تک تو ادھر ہی نماز پڑھتے رہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا (۳) امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ناسخ منسوخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت وارد کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ حکم یہی قبلہ کا حکم ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ﴾ والی

---

(۱) [ضعیف: مسند احمد (۱۸۱/۴) ابن حبان (الموارد ـ ۹۴۹) طبرانی کبیر (۳۳/۲)، (۱۱۹۷) حاکم (۵۹۱/۳) بخاری فی التاریخ الکبیر (۳۰/۱) ابن عدی فی الکامل (۴۳۸/۲)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ احمد کے راوی ثقہ ہیں۔[مجمع الزوائد (۱۷۸/۱۰) شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (۲۹۰۷) ضعيف الجامع الصغير (۱۱۶۹)]

(۲) [صحیح: ابوداؤد: كتاب الحدود: باب السارق يسرق فى الغزو أيقطع (۴۴۰۸) ترمذی: كتاب الحدود: باب ما جآء ان لا تقطع الايدى (۱۴۵۰) نسائی: كتاب قطع السارق: باب القطع فى السفر (۴۹۸۷) ابن عدی (۶/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو قوی کہا ہے۔[الاصابة (۲۴۳/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ترمذی، المشكاة (۳۶۰۱)]

(۳) [صحیح: صحیح بخاری: كتاب الصلوة: باب التوجه نحو القبلة (۳۹۹) صحيح مسلم: كتاب المساجد: باب تحويل القبلة (۵۲۵)]

آیت نازل ہوئی حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے پھر یہ آیت ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ (البقرہ/١٤٩) الخ نازل ہوئی اور آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنی شروع کی۔ [1]

مدینہ میں جب حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ ہوا اور آپ کو اپنی چاہت' دعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے الخ پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو پھر جانا چاہیے [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق و مغرب میں جہاں کہیں بھی ہو منہ کعبہ کی طرف کرو' بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حکم سے پہلے اتری ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق مغرب جدھر چاہو منہ پھیرو سب جہتیں اللہ ہی کی ہیں اور سب طرف اللہ موجود ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں جیسے فرمایا ﴿وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا﴾ (المجادلة/٧) تھوڑے بہت جو بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

پھر یہ حکم منسوخ ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہوا۔ اس قول میں جو یہ لفظ ہیں کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں اگر اس سے مراد علم اللہ ہو تو صحیح ہے کوئی مکان اللہ کے علم سے خالی نہیں اور اگر ذات باری مراد ہو تو ٹھیک نہیں اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں محصور ہو ایک مطلب آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت سفر اور راہ روی اور خوف کے وقت کے لیے ہے کہ ان وقتوں میں نفل نماز کو جس طرف منہ ہو ادا کر لیا کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی اونٹنی کا منہ جس طرف ہوتا تھا نماز پڑھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کا طریقہ یہی تھا اور اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے آیت کا ذکر کیے بغیر یہ حدیث مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ وغیرہ میں مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری' صحیح مسلم میں بھی موجود ہے [3] صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو نماز خوف کو بیان فرماتے اور کہتے کہ جب اس سے بھی زیادہ خوف ہو تو پیدل اور سوار کھڑے کھڑے پڑھ لیا کرو منہ خواہ قبلہ کی جانب ہو خواہ نہ ہو حضرت نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میرے خیال سے اسے مرفوع بیان کرتے تھے۔ [4] امام

---

[1] [الناسخ والمنسوخ (٢١) تفسیر ابن ابی حاتم (١/٣٤٦) مستدرك حاكم (٢/٢٦٧)] امام حاکم ؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔]

[2] [ضعیف و منقطع: تفسیر ابن جریر الطبری (١٨٣٥ ـ ٢١٦٥)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التقصیر: باب الایماء علی الدابة (١٠٩٦) صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین: باب جواز الصلوة النافلة علی الدابة (٧٠٠) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن (٢٩٥٨) مسند احمد (٢/٢٠)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة البقره: باب قوله فان خفتم فرجالا او رکبانا (٤٥٣٥) صحیح ابن خزیمه (١٣٦٦) موطا (١/١٨٤)]

شافعی رحمہ اللہ کا مشہور فرمان اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سفر خواہ پرامن ہو خواہ خوف ڈر اور لڑائی کا ہو سواری پر نفل ادا کر لینے جائز ہیں امام مالک رحمہ اللہ اور آپ کی جماعت اس کے خلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور ابوسعید اصطخری رحمہ اللہ بغیر سفر کے بھی اسے جائز کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت ہے امام ابوجعفر طبری رحمہ اللہ بھی اسے پسند فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ تو پیدل چلنے والے کو بھی رخصت دیتے ہیں۔

بعض اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے قیاس سے مختلف جہتوں کی طرف نماز پڑھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی وہ نماز ادا شدہ بتائی گئی حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ایک منزل پر اترے رات اندھیری تھی لوگوں نے پتھر لے کر بطور نشان کے قبلہ رخ رکھ کر نماز پڑھنی شروع کر دی صبح اٹھ کر روشنی میں دیکھا تو نماز قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوئی تھی، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے [1] امام صاحب نے اسے حسن کہا ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہم نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے سامنے خط کھینچ دیئے تھے تاکہ صبح روشنی میں معلوم ہو جائے کہ نماز قبلہ کی طرف ادا ہوئی یا نہیں؟ صبح معلوم ہوا کہ قبلہ جاننے میں ہم نے غلطی کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے بھی دو راوی ضعیف ہیں یہ روایت دار قطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے یہ بھی سنداً ضعیف ہے ایسی نماز کے لوٹانے کے بارے میں علماء کے دو قول میں سے ٹھیک قول یہی ہے کہ دوہرائی نہ جائے اور اسی قول کی تائید کرنے والی یہ حدیثیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا باعث نجاشی ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موت کی خبر دی اور کہا ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھو تو بعض نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہ تھا نصرانی تھا اس پر آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ (ال عمران/۱۹۹) الخ یعنی بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو اے مسلمانو تمہاری طرف نازل ہوئی [3] اور اس چیز پر جو ان پر نازل کی گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں صحابہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ قبلہ کی طرف تو نماز نہیں پڑھتا تھا اس پر یہ آیت نازل

---

[1] [حسن :ترمذی : كتاب الصلوة : باب ما جآء فی الرجل يصلی لغير القبلة فی الغنم (۳۴۵) ابن ماجه : كتاب اقامة الصلوة : باب من يصلی لغير القبلة وهو لا يعلم (۱۰۲۰) طيالسی (۱۱۴۵) دارقطنی (۲۷۲/۱) ابو نعيم (۱۷۹/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[ارواء الغليل (۲۹۱) صحيح ترمذی ۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے عاصم بن عبید اللہ راوی کی وجہ سے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [ضعيف :دار قطنی (۲۷۱/۱) بيهقی فی السنن الكبری (۲۷۱/۱) مستدرك حاكم (۲۰۶/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

[3] [ضعيف ومرسل :تفسير ابن جرير الطبری (۱۸۴۶)، (۵۳۲/۲)]

ہوئی لیکن یہ روایت غریب ہے واللہ اعلم۔اس کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ بیت المقدس کی طرف اس لیے نمازیں پڑھتے رہے کہ انہیں اس کے منسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہوا تھا' قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے جنازے کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور یہ دلیل ہے کہ جنازے کی نماز غائبانہ ادا کرنی چاہیے۔

اور اس کے نہ ماننے والے اس حکم کو مخصوص جانتے ہیں اور اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ نے اس کے جنازے کو دیکھ لیا زمین آپ کے لیے لپیٹ لی گئی تھی' دوسری یہ کہ چونکہ وہاں ان کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے والا اور کوئی نہ تھا اس لیے آپ نے یہاں غائبانہ ادا کی ابن عربی رحمہ اللہ اسی جواب کو پسند کرتے ہیں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بادشاہ مسلمان ہو اور اس کی قوم کا کوئی شخص اس کے پاس مسلمان نہ ہو' ابن عربی رحمہ اللہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک جنازے کی نماز ان کی شریعت میں نہ ہو' یہ جواب بہت اچھا ہے' تیسری یہ کہ یہ نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے ادا کی کہ دوسرے لوگوں کی رغبت کا سبب ہو اور اس جیسے دوسرے بادشاہ بھی دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

(لیکن یہ تینوں تاویلیں ظاہر کے خلاف ہونے کے علاوہ صرف احتمالات کی بنا پر ہیں اور انہیں مان لینے کے بعد بھی مسئلہ وہیں رہتا ہے کیا جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہیے؟ کیونکہ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازے کا مشاہدہ کر لیا ہو لیکن پھر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز تو غائبانہ ہی رہی۔اگر ہم دوسرا جواب مان لیں تو بھی جنازہ تو غائبانہ نہ ہی ہوا جو لوگ سرے سے نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہی نہیں وہ تو اس صورت میں بھی قائل نہیں ہیں اور یہ بات تو دل کو لگتی ہی نہیں کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو شریعت ان کی بھی اسلام ہی تھی نہ کہ کوئی اور۔تیسرا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے اور بر تقدیر تسلیم اب بھی وہ وجہ باقی ہے کہ جنازہ غائبانہ ادا کیا کریں تا کہ دوسرے لوگوں کی رغبت اسلام کا باعث ہو واللہ اعلم۔مترجم)

ابن مردویہ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اہل مدینہ' اہل شام' اہل عراق کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے [1] یہ روایت ترمذی میں بھی دوسرے الفاظ سے مروی ہے اور اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظہ پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ایک اور سند سے بھی وارد کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے [2] حضرت عمر بن خطاب' علی بن ابو طالب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گا۔[3] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اوپر کی طرح حدیث مروی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

---

[1] [صحیح: ترمذی : کتاب الصلوة : باب ما جآء ان ما بین المشرق والمغرب قبلة (٣٤٢) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلوة : باب القبلة (١٠١١) السنن الکبری للبیهقی (٩/٢) السنن الکبری للنسائی (٩٦/٢) موطا (٤٦١) دارقطنی (٢٧٠/١) شرح السنة للبغوی (٣٤٠/١) کنز العمال (١٩١٥٩) مسند بزار (٤٣٨/٢) ابن ابی شیبة (٣٦٢/٢)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه (٨٢٦) ارواء الغلیل (٢٩٢) المشکاة (٧١٥)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [المرجع السابق : ترمذی (٣٤٤)] [3] [ترمذی (٣٤٤) ابن ماجه (١٠١١)]

ملاحظہ ہو دار قطنی (۱) بیہقی وغیرہ امام ابن جریر فرماتے ہیں یہ مطلب بھی اس آیت کا ہوسکتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگنے میں اپنا منہ جس طرف بھی کرو میرا منہ بھی اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماؤں گا' حضرت مجاہد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المومن ٦٠) مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اتری تو لوگوں نے کہا کس طرف رخ کر کے دعا کریں اس کے جواب میں آیت ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا﴾ الخ نازل ہوئی پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام وسعتوں پر غالب' گنجائش والا اور علم والا ہے جس کی کفایت سخاوت اور فضل وکرم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے وہ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں بلکہ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾

یہ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے۔ زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے ○ وہ زمین وآسمان کا ابتدأ پیدا کرنے والا ہے۔ وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ وہیں ہو جاتا ہے ○

اللہ تعالیٰ ہی قادرِ مطلق: یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اسی طرح ان جیسے یہود ومشرکین کی تردید میں ہے جو اللہ کی اولاد بتاتے تھے ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین وآسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ مالک ہے ان کا پیدا کرنے والا انہیں روزیاں دینے والا ان کے اندازے مقرر کرنے والا انہیں قبضہ میں رکھنے والا ان میں ہر تغیر وتبدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہوسکتا ہے؟ نہ عزیر اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود ونصاریٰ کا خیال تھا نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے کہ مشرکین عرب کا خیال تھا۔ اس لیے کہ دو برابر کی مناسبت رکھنے والے ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت وکبریائی میں اس کا کوئی شریک نہ اس کی جنس کا کوئی اور وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے۔ (۲)

یہ لوگ رحمٰن کی اولاد بتاتے ہیں یہ کتنی بے معنی اور بیہودہ بے تکی بات تم کہتے ہو؟ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہو جانا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ممکن ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے اللہ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے سب اس کی ہی ملکیت ہے زمین وآسمان کی تمام ہستیاں اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت والے دن تنہا تنہا پیش ہونے

(۱) [دار قطنی (۱/ ۲۷۰) بیہقی (۲/ ۹)] (۲) [سورة الانعام : آیت ۱۰۱]

والا ہے (۱) پس غلام اولاد نہیں بن سکتا ملکیت اور ولدیت دومختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں دوسری جگہ پوری سورت میں اس کی نفی فرمائی ارشاد ہوا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّـهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (اخلاص) کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے اللہ بے نیاز ہے اس کی نہ اولاد ہے نہ ماں باپ اس کا ہم جنس کوئی نہیں ان آیتوں اور ان جیسی اور آیتوں میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح وتقدیس بیان کی اور اپنا بے نظیر، بے مثل اور لاشریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کو باطل قرار دیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق ورب ہے پھر اس کی اولاد بیٹے بیٹیاں کہاں سے ہوں گی؟

سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا مجھے وہ گالیاں دیتا ہے اسے یہ نہیں چاہیے تھا اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند وبالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو' (۲) یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے صحیحین میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی کامل نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتائیں اور وہ انہیں رزق وعافیت دیتا رہے (۳) پھر فرمایا ہر چیز اس کی اطاعت گذار ہے اس کی غلامی کا اقرار کیے ہوئے ہے اور اس کے لیے مخلص ہے۔ اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں بھی عبادت گذار ہے۔ جس کو کہے یوں ہو جاؤ یا اسی طرح بن۔ فوراً وہ اسی طرح ہو جاتی اور بن جاتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک اس کے سامنے پست ومطیع ہے کفار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مطیع ہیں۔ قرآن نے اور جگہ فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ﴾ (۴) الخ آسمان وزمین کی کل چیزیں خوشی ناخوشی میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں ان کے سائے صبح شام جھکتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں قنوت کا لفظ ہے وہاں مراد اطاعت ہے (۵) لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ممکن ہے صحابی کا یا اور کسی کا کلام ہو اس سند سے اور آیتوں کی تفسیر بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ضعیف ہے کوئی شخص اس سے دھوکہ میں نہ پڑے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا وہ آسمان وزمین کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے لغت میں

---

(۱) [سورة مريم : آیت ۸۸ ـ ۹۵]

(۲) [صحيح صحيح بخاری : کتاب التفسير سوره القبره : باب وقالوا اتخذ الله ولدا (۴۴۸۲)]

(۳) [صحيح صحيح بخاری : کتاب الادب : باب الصبر فی الاذی (۶۰۹۹) صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقين : باب لا احد اصبر اذى (۲۸۰۴)]

(۴) [سورة الرعد : آیت ۱۵]

(۵) [ضعيف تفسير ابن ابی حاتم (۱۱۳۵) ، (۳۴۸/۱) مسند احمد (۷۵/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (۴۱۰۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

بدعت کے معنی نو پیدا کرنے نیا بنانے کے ہیں حدیث میں ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے[1] یہ تو شرعی بدعت ہے کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغۃً ہوتا ہے شرعاً مراد نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کیا اور پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا اچھی بدعت ہے[2] "بدیع" کا "مبدع" سے تصرف کیا گیا ہے جیسے "مولم" سے "الیم" اور "مسمع" سے "سمیع" معنی "مبدع" کے انشا اور نو پید کرنے والے کے ہیں بغیر مثال بغیر نمونہ اور بغیر پہلی پیدائش کے پیدا کرنے والے بدعتی کو اس لیے بدعتی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اللہ کے دین میں وہ کام یا وہ طریقہ ایجاد کرتا ہے جو اس سے پہلے شریعت میں نہ ہو اسی طرح کسی نئی بات کے پیدا کرنے والے کو عرب مبتدع کہتے ہیں امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ آسمان وزمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے ہر چیز اس کی اطاعت گزاری کا اقرار کرتی ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا' بنانے والا' موجود کرنے والا' بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا' ایک وہی رب العالمین ہے اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے خود مسیح علیہ السلام بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے والے ہیں جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بے باپ کے پیدا کر دیا پھر کوئی وجہ نہیں کہ انہیں تم خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا مان لو پھر فرمایا اس اللہ کی قدرت وسلطنت سطوت وشوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہے اسے کہہ دیتا ہے کہ اس طرح کی اور ایسی ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ﴾ (یسین / ۸۲) دوسری جگہ فرمایا: ﴿اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ﴾ (النحل / ۴۰) اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ﴾ (القمر / ۵۰) شاعر کرتا ہے

إِذَا مَا أَرَادَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ قَوْلَهُ فَيَكُونَ

مطلب سب کا یہ ہے کہ ادھر اللہ نے کسی چیز کا ارادہ فرمایا اس نے کہا ہو جا وہیں وہ ہو گیا اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں پس مندرجہ بالا آیت میں عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں دوسری جگہ صاف صاف فرما دیا ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ﴾ (ال عمران / ۵۹) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے جنہیں مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا وہ ہو گئے۔

---

[1] [صحیح: ابو داؤد: کتاب السنة: باب لزوم السنة (۴۶۰۷) ابن ماجه: مقدمة: باب اجتناب البدع والجدل (۴۶) ترمذی: کتاب العلم: باب ما جآء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع (۲۶۷۶) السنن الکبری للنسائی (۵۰۰۱) طبرانی کبیر (۹۷/۹) السنن الکبری للبیهقی (۲۰۶/۳) سنن دارمی (۸۰/۱) صحیح ابن حبان (۱۷۹/۱) مسند ابی یعلی (۲۱۱۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۲۴۵۵)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (۱۷۱۴۵)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب صلوة التراویح: باب فضل من قام رمضان (۲۰۱۰)]

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی۔ ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے ہم نے تو یقین والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دیں○

ہر چیز خود دیکھنے کا مطالبہ محض حماقت: رافع بن حریملہ نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خود اس سے اس کا کلام سنیں' اس پر یہ آیت اتری [1] مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی' ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ آیت انہی سے متعلق بیان کے دوران میں ہے لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ اور یہی بات ٹھیک ہے واللہ اعلم۔ بعض اور مفسر کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا اور پھر جو فرمایا کہ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں' [2] قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ (الانعام/ ۱۲۵) الخ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو نہیں مانیں گے جب تک کہ ہم کو بھی وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ﴾ (الاسراء/ ۹۰) الخ یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے ان زمینوں میں چشمے جاری نہ کر دیں اور جگہ فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ (الفرقان/ ۲۱) الخ یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا الخ اور جگہ فرمایا: ﴿بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ (المدثر/ ۵۲) الخ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

آیتیں جو صاف بتاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضور ﷺ سے صرف تکبر وعناد کی بنا پر ایسی ایسی چیزیں طلب کیں اسی طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا' ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی بے معنی سوالات کیے تھے ارشاد ہوتا ہے ﴿يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ (النساء/ ۱۵۳) الخ اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ہماری آنکھوں سے دکھا' اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں [3] پھر فرمایا ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے' یعنی ان مشرکین کے

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۳۵۲)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/ ۳۵۳)]

[3] [سورۃ البقرۃ : آیت ۵۵]

دل سابقہ کفار جیسے ہو گئے اور جگہ فرمایا ہے کہ پہلے گزرنے والوں نے بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا انہوں نے بھی ان ہی باتوں کو دہرایا تھا۔[1] پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں جن سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق عیاں ہے کسی اور چیز کی وضاحت باقی نہیں رہی یہی نشانیاں ایمان لانے کے لیے کافی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہوا نہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جیسے فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ﴾ (یونس/۹۶-۹۷) الخ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام آیتیں آجائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈراوا دینے والا بنا کر بھیجا ہے، جہنمیوں کے بارے میں تجھ سے پرسش نہیں ہوگی ○

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محض واعظ و ناصح : حدیث میں ہے خوشخبری دینے والے جنت کی اور ڈراوا جہنم سے[2] "لَا تُسْـَٔلُ" کی دوسری قرات "مَا تُسْـَٔلُ" بھی ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں "لَنْ تُسْـَٔلَ" بھی ہے یعنی تجھ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا جیسے فرمایا ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد/۴۰) یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے اور فرمایا ﴿فَذَكِّرْ ۣاِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَّسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○﴾ (الغاشیة/۲۱'۲۲) تو نصیحت کرتا رہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے ان پر داروغہ نہیں اور جگہ فرمایا ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ (ق/۴۵) الخ ہم ان کی باتیں بخوبی جانتے ہیں تم ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو تم قرآن کی نصیحتیں انہیں سنا دو جو قیامت سے ڈرتے ہوں اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں ایک قرات اس کی "وَلَا تَسْـَٔلْ" بھی ہے یعنی ان جہنمیوں کے بارے میں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔

عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ پھر آخری دم تک آپ نے والدین کا ذکر نہ فرمایا۔[3] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسے بروایت موسیٰ بن عبیدہ وارد کیا ہے لیکن اس راوی پر کلام ہے قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کا حال اتنا بد

---

[1] [سورة الذاريات : آیت ۵۲]

[2] [**ضعیف** : تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۵۴)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن محمد فزاری راوی ضعیف ہے۔ امام ابوحاتم نے اسے غیر قوی کہا ہے۔ [میزان الاعتدال (۲/۵۸۵)]

[3] [**ضعیف و مرسل** : عبدالرزاق فی تفسیرہ (۱۲۶) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۸۷۷-۱۸۷۸)] اس میں موسیٰ بن عبیدہ راوی سخت ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو سخت ضعیف کہا ہے۔ شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

اور برا ہے کہ تم کچھ نہ پوچھو۔

تذکرہ میں قرطبی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین زندہ کیے گئے اور ایمان لے آئے اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے سوال پر فرمایا ہے کہ میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں [1] اس کا جواب بھی وہاں ہے لیکن یاد رہے کہ آپ کے ماں باپ کے زندہ ہونے کی روایت کتب صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن پوچھا کہ میرے ماں باپ کہاں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی' [2] ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماں باپ کے بارے میں شک کریں پہلی ہی قرات ٹھیک ہے لیکن ہمیں امام ہمام پر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اسے محال کیسے کہہ دیا؟

ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کرتے تھے اور انجام معلوم نہ تھا پھر جب ان دونوں کی حالت معلوم ہوگئی تو آپ اس سے ہٹ گئے اور بیزاری ظاہر فرمائی اور صاف بتادیا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے حضرت عطا بن یسار رحمہ اللہ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت وثنا توراۃ میں کیا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن میں ہیں وہی توراۃ میں بھی ہیں' توراۃ میں بھی ہے کہ اے نبی ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بدزبان ہے نہ سخت گو نہ بدخلق نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا ہے نہ تو برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے بلکہ معاف اور درگذر کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ ٹیڑھے دین کو ان کی وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کر دے اور لوگ ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا اقرار نہ کرلیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں [3] بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی۔

ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد مزید یہ ہے کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی ٹھیک یہی جواب دیا۔ [4]

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان ان من مات علی الکفر (۲۰۳) ابوداؤد: کتاب السنة: باب فی ذراری المشرکین (۴۷۱۸) مسند احمد (۲۶۸/۳)]

[2] [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۸۷۹)]

[3] [صحیح: مسند احمد (۱۷۴/۲) صحیح بخاری: کتاب البیوع: باب کراهیة السخب فی السوق (۲۱۲۵) و کتاب التفسیر: باب انا ارسلناك شاهدا و مبشرا و نذیرا (۴۸۳۸)]

[4] [بیهقی فی دلائل النبوة (۳۷۳/۱۔ ۳۷۴)]

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

وقف منزل ۔ ع ۱۴

تجھ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے۔ تو کہہ دے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں نہ تو تیرا کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار ○ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، وہ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے ○

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم: آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے لہٰذا تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا کے پیچھے لگ جا تو نے انہیں دعوت رسالت پہنچا دی۔ دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے تو اس پر جم جا۔ حدیث شریف میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے [۱] پھر اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے دھمکایا کہ ہرگز ان کی رضامندی اور ان سے صلح جوئی کے لیے اپنے دین میں سست نہ ہونا ان کی طرف نہ جھکنا ان کی نہ ماننا۔ فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں اس لیے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا جیسے اور جگہ ہے ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (الکافرون/٦) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی قول منقول ہے اور دوسری روایت میں امام احمد کا اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔ واللہ اعلم۔ [۲]

تلاوت کے حق کا مفہوم: پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں،

---

[۱] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب نزول عیسی بن مریم (١٥٦)]

[۲] [صحیح: ابن ماجه: كتاب الفرائض: باب ميراث اهل الاسلام من اهل الشرك (٢٧٣١) ابوداود (٢٥٢٣) ترمذی (٢٠٣٤) دارقطنی (٧٢/٤) السنن الصغير للبيهقی (٣٣٣٤) السنن الكبرى للبيهقی (٢٢١/٦) مستدرك حاكم (٢٩٤٤)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح ابن ماجه (٢٢٠٧) ارواء الغليل (١٢٠) المشكاة بتحقيق الثانی (٣٠٤٦) صحيح الجامع الصغير (٧٦١٣)] یہی مفہوم صحیح بخاری (٦٧٦٤) کی اس حدیث میں بھی ہے ﴿لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم﴾۔]

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال کیا جائے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے [1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حلال وحرام کو جاننا کلمات کو ان کی جگہ رکھنا تغیر وتبدل نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے [2] حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کھلی آیتوں پر عمل کرنا متشابہ آیتوں پر ایمان لانا مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب حق اتباع بجالانا بھی مروی ہے پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے ﴿والقمر اذا تلاھا﴾ (الشمس / ۲) میں ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے۔ [3] پھر فرمایا اس پر ایمان یہی لوگ رکھتے ہیں یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کی سوچ سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں وہ قرآن پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ولو انھم اقاموا التوراۃ﴾ (المائدہ / ٦٦) الخ اگر یہ توراۃ وانجیل پر اور اللہ کی ان کی طرف نازل کردہ چیز پر قائم رہتے تو ان کے اوپر سے اور پیروں تلے سے انہیں کھانا ملتا الخ اور فرمایا اے اہل کتاب جب تک تم توراۃ وانجیل کو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس کو قائم نہ کرلو تب تک تم کسی چیز پر نہیں ہو [4] ان کا قائم کرنا مستلزم ہے کہ تم اس میں جو ہے اسے سچا جانو اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کی صفات آپ کی تابعداری کا حکم آپ کی اتباع کی رغبت سب کچھ موجود ہے۔

اور جگہ فرمایا جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی کی تابعداری کرتے ہیں جس رسول کا ذکر اور تصدیق اپنی کتاب توراۃ وانجیل میں بھی لکھا دیکھتے ہیں [5] اور جگہ فرمایا ﴿ان الذین اوتوا العلم من قبلہ﴾ (الاسراء / ۱۰۷-۱۰۸) الخ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور صحیح ہے اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے اگلی کتاب دی ہے وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہے تو اپنے ایمان کا اقرار کر کے کہتے ہیں ہم تو پہلے ہی سے ماننے والوں میں ہیں انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا یہ لوگ برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دوسروں کو دیتے ہیں [6] اور جگہ ارشاد ہے ﴿وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین﴾ (ال عمران / ۲۰) الخ یعنی پڑھے

---

[1] [تفسیر قرطبی (۹۵/۲)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵٦۷/۲)]

[3] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل (۷۷۲)]

[4] [سورۃ المائدہ : آیت ٦٨] [5] [سورۃ الاعراف : آیت ۱۵۷]

[6] [سورۃ القصص : آیت ۵۲-۵٤]

لکھے اور بے پڑھے لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر مان لیں تو راہ پر ہیں اور اگر نہ مانیں تو تجھ پر صرف تبلیغ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے اسی لیے یہاں فرمایا کہ اس کے ساتھ کفر کرنے والے خسارے والے ہیں، جیسے فرمایا ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (ھود/۱۷) جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے صحیح حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جو بھی مجھے سنے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنم میں جائے گا۔ [1]

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے اولاد یعقوب میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں، انہیں یاد کرو۔ میں نے تو تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے ○ اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

تنبیہ: پہلے بھی اس جیسی آیت شروع سورت میں گذر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے یہاں صرف تاکید کے طور پر ذکر کی گئی، اور انہیں نبی امی ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ ان کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کرنے کو کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچا زاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی ان میں جس خاتم الانبیاء ﷺ کو اللہ نے مبعوث فرمایا ان سے حسد کر کے نبی ﷺ کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

جب ابراہیم کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا عرض کرنے لگے میری اولاد کو؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ○

امامِ توحید: اس آیت میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہو رہا ہے جو توحید میں دنیا کے امام ہیں جنہوں نے تکالیف پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں ثابت قدمی اور جوانمردی دکھائی۔ فرماتا ہے اے نبی (ﷺ) تم ان مشرکین اور اہل کتاب کو جو ملت ابراہیمی کے دعویدار ہیں ذرا ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کے واقعات تو سناؤ تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین حنیف پر، اسوۂ ابراہیمی پر کون قائم ہے وہ

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم : كتاب الايمان : باب وجوب الايمان برسالة نبينا (۱۵۳)]

یا آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى﴾ (النجم/۳۷) ابراہیم (علیہ السلام) وہ ہیں جنہوں نے پوری وفاداری دکھائی اور فرمایا ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ الخ (النحل/۱۲۰-۱۲۳) ابراہیم (علیہ السلام) پیشوا' اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار' مخلص اور نعمت کے شکر گذار تھے جنہیں اللہ عزوجل نے پسند فرما کر راہ راست پر لگا دیا تھا جنہیں ہم نے دنیا میں بھلائی دی تھی اور آخرت میں بھی صالح اور نیک انجام کار بنایا تھا پھر ہم نے تیری طرف اے نبی وحی کی کہ تو بھی ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرکین میں سے نہ تھے اور جگہ ارشاد ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے نہ مشرک تھے بلکہ خالص مسلمان تھے ان سے قربت اور نزدیکی والا وہ شخص ہے جو ان کی تعلیم کا تابع ہو اور یہ نبی ﷺ اور ایمان والے ان ایمان والوں کا دوست اللہ تعالیٰ خود ہے [1] "اِبْتِلَآءُ" کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔

کلمات سے مراد شریعت' حکم اور ممانعت وغیرہ ہے کلمات سے مراد کلمات تقدیر یہ بھی ہوتے ہیں جیسے مریم رضی اللہ عنہا کی بابت ارشاد ہے ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا﴾ (التحریم/۱۲) یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی۔ اور اس کے لکھے ہوئے کی بھی وہ بڑی فرماں بردار تھیں۔ کلمات سے مراد کلمات شرعیہ بھی ہوتے ہیں ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام/۱۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے شرعی کلمات سچائی اور عدل کے ساتھ پورے ہوئے یہ کلمات یا تو سچی خبریں ہیں یا طلب عدل ہے غرض ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انہیں امامت کا درجہ ملا' ان کلمات کی نسبت بہت سے اقوال ہیں مثلاً احکام حج' مونچھوں کو کم کرنا' کلی کرنا' ناک صاف کرنا' مسواک کرنا' سر کے بال منڈھوانا یا رکھوانا' مانگ نکالنا' ناخن کاٹنا' زیر ناف کے بال لینا' ختنہ کرانا' بغل کے بال کاٹنا' پیشاب پاخانہ کے بعد استنجا کرنا' جمعہ کے دن غسل کرنا' طواف کرنا' صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا' رمی جمار کرنا' طواف افاضہ کرنا۔

مکمل اسلام: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پورا اسلام ہے جس کے تیس حصے ہیں دس کا بیان سورۂ برات میں ہے ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ﴾ سے ﴿مُؤْمِنِيْنَ﴾ [2] تک یعنی توبہ کرنا' عبادت کرنا' حمد کرنا' اللہ کی راہ میں پھرنا' رکوع کرنا' سجدہ کرنا' بھلائی کا حکم دینا' برائی سے روکنا' اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنا' ایمان لانا دس کا بیان ﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ کے شروع سے ﴿يُحَافِظُوْنَ﴾ تک ہے اور سورۂ معارج میں ہے یعنی نماز کو خشوع خضوع سے ادا کرنا' لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا' زکوٰۃ دیتے رہا کرنا' شرمگاہ کی حفاظت کرنا' امانت داری کرنا' وعدہ وفائی کرنا' نماز پر ہمیشگی اور حفاظت کرنا' قیامت کو سچا جاننا' عذابوں سے ڈرتے رہنا' سچی شہادت پر قائم رہنا اور دس کا بیان سورۂ احزاب میں ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ سے ﴿عَظِيْمًا﴾ [3] تک ہے یعنی اسلام لانا' ایمان رکھنا' قرآن پڑھنا' سچ بولنا' صبر کرنا' عاجزی کرنا' خیرات دینا' روزہ رکھنا' بدکاری سے بچنا' اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا' ان تینوں احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے۔

کلمات ابراہیمی میں اپنی قوم سے علیحدگی کرنا' بادشاہ وقت سے نڈر ہو کر اسے بھی تبلیغ کرنا پھر اللہ تعالیٰ کی راہ

---

[1] [سورۃ آل عمران : آیت ٦٧-٦٨]
[2] [سورۃ التوبۃ : آیت ١١٢]
[3] [سورۃ مؤمنون : آیت ١-٩]
[4] [سورۃ الاحزاب : آیت ٣٥]

میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا سہنا پھر وطن اور گھر بار کو اللہ کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنا مہمانداری کرنا اللہ کی راہ میں جانی اور مالی مصیبت راہ اللہ برداشت کرنا یہاں تک کہ بچہ کو اللہ کی راہ قربان کرنا اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھ سے یہ کل احکام خلیل الرحمٰن علیہ السلام بجالائے۔ سورج چاند اور ستاروں سے بھی آپ کی آزمائش ہوئی امامت کے ساتھ بیت اللہ بنانے کے حکم کے ساتھ حج کے حکم اور مقام ابراہیم کے ساتھ بیت اللہ کے رہنے والوں کی روزیوں کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دین پر بھیجنے کے ساتھ بھی آزمائش ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے خلیل میں تمہیں آزماتا ہوں دیکھتا ہوں تم کیا ہو؟ تو آپ نے فرمایا مجھے لوگوں کا امام بنادے' اس کعبہ کو لوگوں کے ثواب اور اجتماع کا مرکز بنادے' یہاں والوں کو پھلوں کی روزیاں دے یہ تمام باتیں عزوجل نے پوری کردیں اور یہ سب نعمتیں آپ کو عطا ہوئیں صرف ایک آرزو پوری نہ ہوئی وہ یہ کہ میری اولاد کو بھی امامت ملے تو جواب ملا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا کلمات سے مراد اس کے ساتھ کی آیتیں بھی ہیں۔

موطا وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے' سب سے پہلے مہمان نوازی کرنے والے' سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے سب سے پہلے مونچھیں پست کرنے والے سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم ہی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا وقار وعزت ہے کہنے لگے پھر تو اے اللہ اسے اور زیادہ کر۔ [1] سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے والے' سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے' سب سے پہلے تلوار چلانے والے' سب سے پہلے مسواک کرنے والے' سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے' سب سے پہلے پاجامہ پہننے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ ایک غیر ثابت حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں منبر بناؤں تو میرے باپ ابراہیم علیہ السلام نے بھی بنایا تھا اور اگر میں لکڑی ہاتھ میں رکھوں تو یہ بھی میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے [2] مختلف بزرگوں ؒ سے کلمات کی تفسیر میں جو کچھ ہم نے نقل کردیا اور ٹھیک بھی یہ ہے کہ یہ سب باتیں ان کلمات میں تھیں کسی خاص تخصیص کی کوئی وجہ ہمیں نہیں ملی واللہ اعلم۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں مونچھیں کم کرنا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی دینا' ناخن لینا' پوریاں دھونی' بغل کے بال لینا' زیر ناف کے بال لینا' استنجا کرنا راوی کہتا ہے میں دسویں بات بھول گیا شاید کلی کرنا تھی۔ [3] صحیحین

---

[1] [مقطوع :مؤطا : کتاب صفة النبی (۲/۹۲۲) ابن ابی شیبة (٦) بیهقی فی شعب الایمان (۸٦٤٠)]

[2] [منکر و ضعیف :بزار (٦٣٣) طبرانی (۲۰/۱٦۷)] شیخ البانیؒ نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۱٦۸۰)] اس کی سند میں موسیٰ بن محمد تیمی راوی سخت ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب خصال الفطرة (۲٦۱) نسائی : کتاب الزینة : باب الفطرة (۵۰٤۳) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب الفطرة (۲۹۳) ابو داؤد : کتاب الطهارة : باب السواك من الفطرة (۵۳) ترمذی : کتاب الادب : باب ما جاء فی تقلیم الاظفار (۲۷۵۷)]

میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں پانچ باتیں فطرت کی ہیں ختنہ کرانا' موئے (بال) زہار لینا' مونچھیں کم کرنا' ناخن لینا' بغل کے بال لینا [1] ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وفا کرنے والا اس لیے فرمایا ہے کہ وہ ہر صبح کے وقت پڑھتے تھے۔ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ○ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ [2] ایک اور روایت میں ہے کہ ہر دن چار رکعتیں پڑھتے تھے [3] لیکن یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور ان میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ضعف کی بہت سی وجوہات ہیں بلکہ ان کا بیان بھی بے بیان ضعف جائز نہیں متن بھی ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی امت کی خوشخبری سن کر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے تھے جو قبول تو کی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر کر دی جاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا وہ امام نہ بنائے جائیں گے نہ ان کی اقتدا اور پیروی کی جائے گی سورۂ عنکبوت کی آیت میں اس مطلب کو واضح کر دیا گیا ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی وہاں ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنكبوت / ۲۷) یعنی ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء علیہم السلام اور رسول آئے وہ سب آپ علیہ السلام ہی کی اولاد میں تھے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب آپ ہی کی اولاد میں ہوئیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔ یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں ظالم کو امام نہیں بناؤں گا' ظالم سے مراد بعض نے مشرک بھی لیا ہے عہد سے مراد امر ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑا نہ بنانا چاہیے گو وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہو' حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا ان کی نیک اولاد کے حق میں قبول ہوئی ہے یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ ظالم سے کوئی عہد نہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کا عہد توڑ دیا جائے پورا نہ کیا جائے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ دینے کا عہد نہیں کیا دنیا میں تو کھا پی رہا ہے اور عیش وعشرت کر رہا ہے۔ بس یہی ہے عہد سے مراد دین بھی ہے یعنی تیری کل اولاد دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِيْنٌ﴾ (الصفت / ۱۱۳) یعنی ان کی اولاد میں بھلے بھی ہیں اور برے بھی۔ اطاعت کے معنی کیے گئے ہیں یعنی اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہوگی' اور عہد کے معنی نبوت کے بھی آئے ہیں ابن خویز منداد مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے نہ حاکم نہ مفتی نہ گواہ نہ راوی۔

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب اللباس : باب قص الشوارب (۵۸۸۹) صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب خصال الفطرة (۲۵۷)]

[2] [سورة الروم : آیت ۱۷ - ۱۹]

[3] [ضعیف جدا تفسیر ابن جریر (۱۵/۳)] اس میں جعفر بن زبیر سخت ضعیف ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۲۹/۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

ہم نے بیت اللہ لوگوں کے لیے ثواب کی اور امن وامان کی جگہ بنائی ۔تم مقام ابراہیم کو قبلہ مقرر کرلو۔

مقام ابراہیم جائے نماز مقرر: ﴿مَثَابَةً﴾ سے مراد بار بار آنا۔حج کرنے کے بعد بھی دل میں لگن لگی رہتی ہے گویا حج کرنے کے بعد بھی ہر بار دل میں ایک بار اور حج کرنے کی تمنا رہتی ہے دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ بھاگے دوڑے اس کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں یہی جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی امن کا مقام ہے جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا جاہلیت کے زمانہ میں بھی اس کے آس پاس تو لوٹ مار ہوتی رہتی لیکن یہاں امن وامان ہی رہتا کوئی کسی کو گالی بھی نہیں دیتا۔ یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی ۔ نیک روحیں اس کی طرف مشتاق ہی رہتی ہیں گو ہر سال زیارت کریں لیکن پھر بھی شوق زیارت کم نہیں ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے۔آپ نے دعا مانگی تھی کہ ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ (ابراھیم/۳۷) الخ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے۔ یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا سورۂ مائدہ میں ہے ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ [1] یعنی یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر لوگ حج کرنا چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر گرا دیا جائے۔اس گھر کے اس شرف کو دیکھ کر پھر اس کے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے شرف کو خیال فرمایئے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ﴾ (الحج/۲۶) الخ ہم نے بیت اللہ کی جگہ ابراہیم علیہ السلام کو بتا دی (اور کہہ دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور جگہ ہے ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ﴾ (ال عمران/۹۶) الخ اللہ جل شانہ کا پہلا گھر مکہ میں ہے جو برکت وہدایت والا نشانیوں والا۔مقام ابراہیم والا امن وامان والا ہے مقام ابراہیم سے مراد کل حرم ہے اور خاص مقام ابراہیم بھی ہے' اور حج کل کا کل بھی ہے۔ مثلاً عرفات' مشعر الحرام' منیٰ' رمی' جمار' صفا مروہ کا طواف' مقام ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہانے کے لیے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا' [2] لیکن حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ دراصل یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بناتے تھے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث میں ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں کہا پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [3]

ایک اور روایت میں ہے کہ فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر تھوڑی ہی دیر گذری تھی جو حکم نازل ہوا [4] ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہی ہے

---

[1] [سورۃ المائدۃ : آیت ۹۷]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳۵/۳)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳۵/۳)]
[4] [النسائی فی السنن الکبریٰ (۱۰۹۹۸)]

جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی۔ [1]

صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنا لیتے تو حکم ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرہ/ ۱۲۵) نازل ہوا میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو پردے کا حکم دیں اس پر پردے کی آیت اتری جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آؤ گی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے گا اس پر فرمان باری نازل ہوا کہ ﴿عَسٰى رَبُّهٗ﴾ [2] الخ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے [3] ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور تھا۔ [4] عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جب مر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازے کی نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہوئے تو میں نے کہا تھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منافق کافر کا جنازہ پڑھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹ دیا اور اس پر آیت ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ (التوبة/ ۸۴) الخ نازل ہوئی اور آپ کو ایسوں کے جنازے سے روکا گیا۔

ابن جریج میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی دوڑ کی چال چلے اور چار پھیرے چل کر کیے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے آ کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ [4] حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا۔ [5] ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بنا رہے تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور آپ کعبہ کی بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سرکاتے جاتے تھے جہاں دیوار اونچی کرنی ہوتی تھی وہاں لے جاتے تھے اسی طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں اس کا پورا بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اس پتھر

---

[1] [صحیح :تفسیر ابن ابی حاتم (۳۷۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح نسائی (۲۷۷۳)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الصلوة : باب ما جآء فی القبلة (۲) و کتاب التفسیر سورہ البقرہ (۴۴۸۳) ابن ماجہ : کتاب اقامة الصلوة باب القبلة (۱۰۰۹) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة البقرہ (۲۹۵۹) مسند احمد (۲۴/۱)]

[3] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل عمر (۲۳۹۹)]

[4] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲۱۸)]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳۶/۳)]

پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے۔ ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے:

وَمَوْطِیءُ اِبْرَاھِیْمَ فِی الصَّخْرِ رَطْبَةً عَلٰی قَدَمَیْہِ حَافِیًا غَیْرَ نَاعِلٖ

یعنی اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہ کے پیروں کی انگلیوں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم الہ العالمین بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لیے جو نقصان رساں ہیں وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ کے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہوگا اور یہیں وہ پتھر رکھا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے پیچھے ہٹا دیا اس کے ثبوت میں بہت سی روایتیں ہیں پھر ایک مرتبہ پانی کے سیلاب میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہوا کہ یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پیچھے رکھا۔ واللہ اعلم۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو○ جب ابراہیم نے کہا اے پروردگار تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزیاں دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ

دوں گا۔ پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا۔ یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے ○ ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے ○ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت اپنی اطاعت گذار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے ○

حکم کے برابر عہد : یہاں عہد سے مراد وہ حکم ہے جس میں کہا گیا ہے گندی اور نجس اور بری چیزوں سے پاک رکھنا [1] عہد کا تعدیہ الی سے ہو تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہہ دیا کہ پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بتوں سے بچانا غیر اللہ کی عبادت نہ ہونے دینا لغو کاموں، فضول بکواس، جھوٹی باتوں، شرک و کفر، ہنسی اور مذاق سے اسے محفوظ رکھنا بھی اسی میں شامل ہے طائف کے ایک معنی تو طواف کرنے والوں کے ہیں دوسرے معنی باہر سے آنے والوں کے ہیں اس تقدیر پر ﴿عَاكِفِينَ﴾ کے معنی مکہ کے باشندے ہوں گے ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہیے کہ لوگوں کو بیت اللہ شریف میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کوئی کسی وقت جنبی ہو جائے ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہیے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما انہیں بھی ﴿عَاكِفِينَ﴾ کہتے تھے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سویا کرتے تھے وہ جوان اور کنوارے تھے۔ [2] ﴿رُكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ سے مراد نمازی ہیں [3] پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی دوسرے اس لیے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں خلوص کی بات رکھیں دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا﴾ الخ [4] اس آیت میں بھی حکم ہے کہ میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں باہر والوں کے لیے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لیے نماز افضل ہے اس کی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں۔

مقصد اس سے مشرکین کو تنبیہہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنا اور خالص اللہ کی عبادت کرنے والوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح بے انصافی ہے اور اسی لیے قرآن میں فرمایا ہے کہ ایسے ظالموں کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے [5] مشرکین کی اس کھلی تردید کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی تردید بھی اس آیت میں ہوگئی کہ جب وہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی افضلیت، بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شریف گھرانے کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے جب وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت اللہ کے لیے بنایا گیا ہے حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لیے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر ان نبیوں کی

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٣٧٣)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الصلوة : باب نوم الرجل فی المسجد (٤٤٠) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب فضائل عبدالله بن عمر (٢٤٧٩)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٣٧٦)]

[4] [سورة الحج : آیت ٢٦]

[5] [سورة الحج : آیت ٢٥]

تابعداری کے دعوے کے باوجود کیوں حج وعمرے سے رکے ہوئے ہیں؟ کیوں بیت اللہ شریف میں حاضری نہیں دیتے؟ بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اس گھر کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ [1] آیۃ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مسجدوں کو بھی پاک صاف رکھنا چاہیے اور جگہ قرآن میں ہے ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ (النور/٣٦) اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے ان میں صبح شام اس کی تسبیح اس کے نیک بندے کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی ہے کہ مسجدیں اسی کام کے لیے ہیں [2] اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مسجدوں کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے امام ابن کثیر نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبۃ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا لیکن یہ سنداً غریب ہے بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا حرا، طور سینا، طور زیتا، جبل لبنان اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سنداً غریب ہے بعض کہتے ہیں شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور فرمایا میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ اس میں شکار نہ کھیلا جائے یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں [3] صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور ﷺ اسے لے کر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں ہمارے شہر میں ہمارے ناپ تول میں بھی برکت دے۔ اے اللہ ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے میں بھی تیرا بندہ تیرا رسول ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی میں تجھ سے مدینہ (منورہ) کے لیے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے کی تھی بلکہ ایسی ہی ایک اور بھی۔ آپ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے۔ [4]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو ہماری خدمت کے لیے لے آؤ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مجھے لے کر حاضر ہوئے میں اب سفر وحضر میں حاضر خدمت رہنے لگا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر سے آ رہے تھے جب احد پہاڑ پر نظر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ میں اس کے دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اے اللہ ان کے مد اور صاع میں اور ناپ میں برکت دے۔ [5] اور روایت میں ہے یا اللہ جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں

---

[1] [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب الاسرآء برسول الله (١٦٦)]

[2] [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب وجوب الغسل البول وغيره (٢٨٥)]

[3] [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الحج : باب فضل المدينة (١٣٦٢)]

[4] [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الحج : باب فضل المدينة (١٣٧٣) ابن ماجه : كتاب الاطعمة (٣٣٢٩) ترمذی : كتاب الدعوات (٣٤٥٤)]

[5] [صحیح: صحيح بخاری : كتاب الجهاد : باب فضل الخدمة فی العزو (٢٨٨٩) صحيح مسلم : كتاب الحج : باب فضل المدينة (١٣٦٥) مسند احمد (١٥٩/٣ - ٢٤٢)]

دے [۱] اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا اور پتے بھی یہاں کے درختوں کے نہ جھاڑے جائیں اسی مضمون کی حدیثیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے اور بھی بہت سی ہیں۔

یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ شریف کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور مامن ہے۔ بعض کہتے ہیں خلیل اللہ کے زمانہ سے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کیے تب سے اس شہر کو حرمت وعزت والا بنایا ہے اب یہ قیامت تک حرمت وعزت والا ہی رہے گا اس میں جنگ وقتال کسی کو حلال نہیں میرے لیے بھی صرف آج کے دن ہی ذراسی دیر کے لیے حلال ہوا تھا اب وہ حرام ہی حرام ہے سنو اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں اس کا شکار نہ بھگایا جائے۔ اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے ہاں جو پہنچوائی جائے اس کے لیے اٹھانا جائز ہے اس کی گھاس نہ کاٹی جائے دوسری روایت میں ہے کہ یہ حدیث آپ نے اثنائے خطبہ میں بیان فرمائی تھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوال پر آپ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔ [۲]

حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضور ﷺ کو اس وقت دیکھا آپ ﷺ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ مکہ کو رب ذوالجلال نے حرم کیا ہے لوگوں نے نہیں کیا' کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں۔ اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہہ دینا کہ میرے لیے صرف آج ہی کے دن کی ایسی ساعت یہاں جہاد حلال تھا۔ پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی۔ خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے لیکن عمرو نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دے دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں۔ حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا۔ (بخاری' مسلم) [۳]

ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہ سمجھے تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ نے کی جس طرح آنحضرت نبی ﷺ تو اس وقت سے تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ ﷺ اس وقت بھی خاتم الانبیاء لکھے ہوئے تھے [۴] لیکن تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

---

[۱] [صحیح صحیح بخاری : کتاب فضائل المدینة (۱۸۸۵) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب فضل المدینة (۱۳۶۹) مسند احمد (۳/۱۴۲)]

[۲] [صحیح صحیح بخاری : کتاب جزاء الصید : باب لا یحل القتال بمكة (۱۸۳٤) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب تحریم مکه (۱۳۵۳)]

[۳] [صحیح صحیح بخاری : کتاب جزاء الصید : باب لا یعضد شجر الحرم (۱۸۳۲) صحیح مسلم : کتاب الحج : با ب تحریم مکه (۱۳۵۳)]

[۴] [صحیح بالشواهد مسند احمد (٤/۱۲۷۔ ۱۲۸) ابن حبان (٦٤٠٤) مستدرك حاكم (۲/٦٠٠) حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

آپ ﷺ کی نبوت کی دعا کی کہ ﴿وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ (البقرہ/۱۲۹) ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جو اللہ نے پوری کی اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و باہر ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی ابتدا نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپ نے فرمایا میرے باپ ابرہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بشارت اور میری ماں کا خواب وہ دیکھتی ہیں کہ ان سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔ [1]

مدینہ افضل یا مکہ؟ اس بات کا بیان کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ جیسا کہ جمہور کا قول ہے جیسے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے مدینہ افضل ہے مکہ سے۔ اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نڈر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے جیسے کہ فرمایا ﴿وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ [2] اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا۔ اور جگہ ارشاد ہے. ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا﴾ الخ [3] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا لوگ اس کے آس پاس سے اچک لیے جاتے ہیں اور یہاں وہ پر امن رہتے ہیں۔ اسی قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں بھی اوپر گذر چکی ہیں کہ مکہ شریف میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔ [3] (صحیح مسلم) آپ ﷺ کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بنا سے پہلے تھی اس لیے کہا کہ اے اللہ اس جگہ کو امن والا شہر بنا' سورہ ابراہیم میں یہی دعا ان لفظوں میں ہے ﴿رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا﴾ (ابراھیم/۳۵) شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی۔ جب بیت اللہ شریف تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تین سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے اسی لیے اس دعا کے آخر میں ان کی پیدائش کا شکریہ بھی ادا کیا۔

﴿وَمَن كَفَرَ﴾ سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بعض نے اسے بھی دعا میں داخل کیا ہے تو اس تقدیر پر یہ مطلب ہو گا کہ کفار کو بھی تھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر اس میں بھی ابراہیم علیہ السلام کی خلّت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی بری اولاد کے بھی مخالف ہیں اور اسے کلام اللہ ماننے کا یہ مطلب ہو گا کہ چونکہ امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لیے کیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان سن چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ کے پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرمان ہوں گے تو مارے ڈر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والی نسلوں کی روزی طلب کرتے ہوئے صرف ایماندار اولاد کے لیے کہا۔ مگر ارشاد باری ہوا کہ دنیاوی فائدہ تو کفار کو بھی دیتا ہوں جیسے اور جگہ ہے: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ﴾ (الاسراء/ ۲۰) الخ یعنی ہم انہیں اور ان کو بھی فائدہ دیں

---

[1] [حسن: طیالسی (۱۱۴۰) مسند احمد (۲۶۲/۵) ابن سعد (۱۰۲/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [السلسلۃ الصحیحۃ (۶۲/۴)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [سورۃ آل عمران: آیت ۹۷] [3] [سورۃ العنکبوت: آیت ۶۷]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحج: باب النھی عن حمل السلاح بمکۃ (۱۳۵۶)]

گے تیرے رب کی بخشش محدود نہیں اور جگہ ہے جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا کا کچھ فائدہ گو اٹھا لیں لیکن ہماری طرف آ کر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گے اور جگہ ہے [1] کافروں کا کفر تجھے غمگین نہ کرے جب یہ ہماری طرف لوٹیں گے تو ان کے اعمال پر ہم انہیں تنبیہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے ہم انہیں یونہی سا فائدہ پہنچا کر سخت غلیظ عذابوں کی طرف بے قرار کریں گے [2] اور جگہ ہے ﴿وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ﴾ (الزخرف/۳۳) الخ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر ٹیکیں لگائے بیٹھے رہتے اور سونا بھی دیتے لیکن یہ سب دنیوی فوائد ہیں آخرت کا بھلا گھر تو صرف پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

یہی مضمون پرہیز گاروں کے لیے ہے یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے یہاں ڈھیل پا لیں گے لیکن وہاں سخت پکڑ ہو گی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ﴾ (الحج/۴۸) الخ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی پھر پکڑ لیا انجام کو تو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے [3] اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر اسے اچانک پکڑ لیتا ہے [4]

پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ﴾ (ھود/۱۰۲) الخ [5] اس جملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں شامل کرنا شاذ قرات کی بنا پر ہے جو ساتوں قاریوں کی قرات کے خلاف ہے اور ترکیب سیاق و سباق بھی بظاہر اس کا انکار کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس لیے کہ ﴿قَالَ﴾ کی ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے اور اس شاذ قرات کی بنا پر اس کے فاعل اور قائل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہوتے ہیں جو نظم کلام سے بظاہر مخالف ہے واللہ اعلم۔

"قَوَاعِدُ" جمع ہے قَاعِدَةٌ کی، ترجمہ اس کا پایہ اور نیو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی (ﷺ) اپنے والوں کو بنائے ابراہیمی کی خبر دو ایک قرات میں "وَاِسْمَاعِیْلُ" کے بعد "وَیَقُوْلَانِ" بھی ہے اسی کی دلالت میں آگے لفظ "مُسْلِمِیْنِ" بھی ہے دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہونے کا کھٹکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو بہت روتے اور فرماتے آہ! خلیل الرحمٰن علیہ السلام جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر اللہ کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اس کا گھر اس کے فرمان

---

[1] [سورة یونس : آیت ۷۰] [2] [سورة لقمان : آیت ۲۳ ـ ۲۴]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الادب : باب الصبر فی الاذی (۶۰۹۹) صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب لا احدا صبر علی اذی (۲۸۰۴)]

[4] [فتح الباری (۸/۲۰۵)]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر سوره هود : باب و کذلك اخذ ربك اذا اخذ القری (۴۶۸۶) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب تحریم الظلم (۲۵۸۳) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب العقوبات (۴۰۱۸) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن سوره هود (۳۱۱۰)]

سے بناتے ہیں اور پھر خوف ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گر نہ جائے سچ ہے مخلص مومنوں کا یہی حال ہے ﴿يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ (المومنون/ ٦٠) وہ نیک کام کرتے ہیں صدقے خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف اللہ سے کانپتے رہتے ہیں (کہ ایسا نہ ہو کہ قبول نہ ہوں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر اس آیت کا یہی مطلب زبان رسالت مآب ﷺ سے بیان ہوا ہے [1] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بنیادیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھاتے تھے اور دعا حضرت اسماعیل علیہ السلام کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے صحیح بخاری شریف کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کیے جانے کے قابل ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کمر بند باندھنا عورتوں نے حضرت اسماعیل کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے انہوں نے اسے باندھا تھا کہ حضرت مائی سارہ رضی اللہ عنہا کو ان کا نقش قدم نہ ملے انہیں اور ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نکلے جبکہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا۔

سناٹے کی آغوش میں زندگی: اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک ٹیلہ تھا اور سنسان بیابان تھا کوئی رہنے سہنے والا وہاں نہ تھا یہاں پہنچ کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے جب خلیل اللہ علیہ السلام نے پیٹھ موڑی اور جانے لگے تو مائی ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی اے خلیل اللہ ہمیں اس دہشت ووحشت والے بیابان میں یکہ وتنہا چھوڑ کر جہاں ہمارا کوئی مونس وہمدم نہیں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی' منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بار بار کہنے پر بھی جب آپ علیہ السلام نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں اللہ کے خلیل آپ ہمیں کسے سونپ چلے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ کو۔ کہا اے خلیل اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے یہ سن کر ام اسماعیل رضی اللہ عنہا کو تسکین ہوگئی اور فرمانے لگیں پھر تشریف لے جائیے وہ اللہ جل شانہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں کے نور' ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہ پیچھے نہیں اور وہاں سے یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا ﴿رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ (ابراهيم/ ٣٧) الخ الٰہ العالمین میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے شاید وہ شکر گذاری کریں آپ تو یہ دعا کر کے حکم اللہ بجا لا کر اپنی اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کر کے چلے گئے۔

---

[1] [صحیح : ترمذی : كتاب تفسير القرآن سورة المومنون (٣١٧٥) ابن ماجه : كتاب الزهد : باب التوقی على العمل (٤١٩٨)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ترمذی (٢٥٣٧) صحيح ابن ماجه (٤١٩٨) السلسلة الصحيحة (١٦٢) المشكاة (٥٣٥٠)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

ادھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صبر وشکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لگیں جب تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا اب اناج کا ایک دانہ پاس ہے نہ پانی کا گھونٹ خود بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اس معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا مامتا بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال بغور دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے معلوم ہے کہ کسی انسان کا گذر اس بھیانک جنگل میں نہیں' میلوں تک آبادی کا نام ونشان نہیں کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آسکتا۔

آخر اس ننھی سی جان کا یہ ابتر حال نہیں دیکھا جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظریں دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آئے لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف سے واپس آتی ہیں تو اتر کر وادی میں پہنچ کر دامن اٹھا کر دوڑتی ہوئی مروہ پہاڑ کی طرف جاتی ہیں اس پر چڑھ کر نگاہیں چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں ہر بار آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں کہ اس کی حالت ساعت بہ ساعت بگڑتی جا رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صفا مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتداء یہی سے ساتویں مرتبہ جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کان پر پڑتی ہے آپ خاموش ہو کر احتیاط کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اس مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور اب جہاں زمزم ہے وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پاتی ہیں۔

حضرت جبرئیل پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں میں ہاجرہ ہوں میں حضرت ابراہیم کے لڑکے کی ماں ہوں فرشتہ پوچھتا ہے ابراہیم علیہ السلام تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتی ہیں اللہ کو فرمایا پھر تو وہ کافی ہے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے غیبی شخص آواز تو میں نے سن لی کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی وہیں زمین سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھوں سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا مشک پُر کر کے پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہہ کر نکل نہ جائے آس پاس باڑ باندھنی شروع کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ ام اسماعیل پر رحم کرے اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا اب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی پیا اور بچہ کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں فرشتے نے کہہ دیا کہ تم بے فکر رہو اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اب یہیں رہ پڑیں زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی ادھر ادھر سے پانی گذر جاتا ہے اور یہاں امن رہتا کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ کدا کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گذرا اور مکہ شریف کے نیچے کے حصہ میں اترا ان کی نظریں ایک آبی پرند پر پڑیں تو آپس میں کہنے لگے یہ پرندہ تو

پانی کا ہے اور یہاں پانی کبھی نہ تھا ہماری آمد و رفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی اصلیت معلوم کرنے کے لیے بھیجے انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسماعیل رضی اللہ عنہا سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں پانی کی جگہ ہے آپ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہاجرہ تو چاہتی تھی کہ کوئی ہم جنس مل جائے چنانچہ یہ قافلہ یہاں رہ پڑا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بڑے ہو گئے ان سب کو آپ سے بڑی ہی محبت ہو گئی یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا اور انہی سے عربی بھی سیکھی۔ مائی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال یہیں ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو آپ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لیے تشریف لائے بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس جاتے تھے یہاں آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ ملے اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے بڑی تنگی اور سختی ہے فرمایا اچھا تمہارے خاوند آئیں تو انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام جب واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا پوچھنے لگے کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے؟ آپ کی نسبت پوچھا میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں پھر پوچھا کہ گذران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گذر اوقات ہوتی ہے پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا ہاں کہہ گئے کہ جب وہ آئیں میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں آپ فرمانے لگے بیوی سنو یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ (چونکہ تم نے ناشکری کی) میں تم کو الگ کر دوں جاؤ میں نے تمہیں طلاق دی انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔

ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیم باجازت الٰہی یہاں آئے اب کی مرتبہ بھی اتفاقاً حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لیے رزق کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں آپ آیئے، تشریف رکھئے جو کچھ حاضر ہے تناول فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ گذر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا الحمد للہ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل رب کعبہ کشادگی اور راحت ہے اللہ کا بڑا شکر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اناج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو حضرت خلیل علیہ السلام ان کے لیے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گذر کر سکتے ہیں۔ اور لوگ نہیں کر سکتے آپ نے فرمایا اچھا میں تو جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں ازاں بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے سارا واقعہ معلوم ہوا آپ نے

فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں (تم شکر گذار رہو)۔

کعبہ کی تعمیر: پھر ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زمزم کے پاس ایک ٹیلے پر تیر سیدھے کرتے ہوئے پایا' حضرت اسماعیل علیہ السلام باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور باادب ملے جب باپ بیٹے ملے تو خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا اے اسماعیل مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے آپ نے فرمایا ابا جان جو حکم ہوا ہو اس کی تعمیل کیجیے' کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے بہت بہتر اب باپ بیٹوں نے بیت اللہ کی نیو رکھی اور دیواریں اونچی کرنی شروع کیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لا لا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چنتے جاتے تھے جب دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام یہ پتھر یعنی مقام ابراہیم کا پتھر لائے' اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹے یہ دعا مانگتے جاتے تھے کہ باری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے [1] یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے کہیں مختصراً اور کہیں مفصلاً ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے بدلے جو دنبہ ذبح ہوا تھا اس کے سینگ بھی کعبۃ اللہ میں تھے۔ [2]

اوپر کی لمبی روایت بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم جہاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو کمی زیادتی نہ ہو اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے لیکن پہلی روایت ہی ٹھیک ہے اور اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بنا پہلے رکھ دی تھی لیکن بنایا بعد میں' اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بناء بیت اللہ کی شروع کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرائے کہ مجھے کہاں بنانا چاہیے کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہیے وغیرہ اس پر سکینہ نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے وہاں تم میرا گھر بناؤ آپ نے بنانا شروع کیا جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ لاؤ آپ پتھر ڈھونڈ لائے تو دیکھا کہ آپ اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں' پوچھا یہ پتھر کون لایا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے یہ پتھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے لے کر آئے' حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی یہیں سے زمین پھیلائی گئی' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کعبۃ اللہ بنانے کے لیے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام آرمینیہ سے تشریف لائے تھے' حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

---

[1] [صحیح] صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب یزفون النسلان فی المشی (۳۳۶۵)]

[2] [صحیح] مسند احمد (۶۰/۱) ابو داود (۲۰۳۰)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۱۷۸۶)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

حجر اسود حضرت جبرئیل علیہ السلام ہند سے لائے تھے اس وقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے اترا تھا پھر لوگوں کے خطا کار ہاتھوں سے اس کا رنگ سیاہ ہو گیا اس روایت میں یہ بھی ہے کہ نیو اور بنیادیں پہلے سے موجود تھیں انہی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنا کی‘ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے تھے اس وقت ان کا قد لمبا تھا زمین میں آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح نماز و دعا وغیرہ سنتے تھے جب قد گھٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہو گئیں تو آپ گھبرانے لگے حکم ہوا کہ مکہ کی طرف جاؤ آپ چلے جہاں جہاں آپ کا قدم پڑا وہاں آبادی ہوئی اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک یاقوت جنت سے اتارا اور بیت اللہ کی جگہ رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا‘ حضرت آدم علیہ السلام یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے گھبراہٹ جاتی رہی حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانہ میں یہ پھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا حضرت آدم علیہ السلام نے یہ گھر حرا طور زیتا جبل لبنان طور سینا اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن ان تمام روایتوں میں تفاوت ہے واللہ اعلم۔ بعض روایتوں میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بتانے کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام چلے تھے اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا دور عمالیق کی آبادی تھی یہاں آپ حضرت ام اسماعیل رضی اللہ عنہا کو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک چھپر تلے بٹھا گئے ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑیں گواہی دیں گی پانچ بھیڑوں نے کہا ہم گواہی دیتی ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں‘ ذوالقرنین خوش ہو گئے اور کہنے لگے میں نے مان لیا ازرقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبیح اللہ علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے قواعد بنیان اور اساس کو کہتے ہیں یہ قَاعِدَۃٌ کی جمع ہے قرآن میں اور جگہ ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ [1] بھی آیا اس کا مفرد بھی قَاعِدَۃٌ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیم سے گھٹا دیا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسے بڑھا کر اصلی بنا پر کر دیں فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے پاس کے دوستونوں کو چھوتے نہ تھے [2] صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے عائشہ رضی اللہ عنہا اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کر ڈالتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا [3] صحیح بخاری میں

---

[1] [سورۃ النور : آیت ٦٠]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورۃ البقرہ : باب اذا یرفع ابراھیم القواعد (٤٤٨٤) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب نقض الکعبہ (١٣٣٣)]

[3] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الحج : باب نقض الکعبۃ (١٣٣٣)]

یہ بھی ہے کہ میں اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لیے اور دوسرا جانے کے لیے چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا [1] اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بناءِ ابراہیمی پر بناتا۔ [2] دوسری روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور ایک دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے باہر کر دیا ہے۔ [3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا اس کا مفصل ذکر ملاحظہ ہو اس بناء میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال کی تھی اور پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اٹھاتے تھے محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی اس وقت قریش نے کعبۃ اللہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا ایک تو اس لیے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں چھت نہ تھی دوسرے اس لیے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے بیچ میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا یہ مال ''دویک'' کے پاس ملا تھا جو خزائمہ کے قبیلے بنی ملیح بن عمرو کا مولی تھا ممکن ہے چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے ایک اور قدرتی سہولت بھی ان کے لیے ہو گئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آ لگی تھیں یہ لکڑیاں چھت میں کام آ سکتی تھیں اس لیے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی جو قبطی قبیلہ میں سے تھا کو چھت کا کام سونپا۔

یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہ پڑتی تھی اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بڑا اژدھا تھا جب کبھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا یہ سانپ ہر روز اس کنویں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواروں پر آ بیٹھتا تھا ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا وہ اسے پکڑ کر لے اڑا قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی ومولا کے مطابق ہے لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں بڑھئی بھی ہمارے پاس موجود ہے سانپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔

اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبۃ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں۔ سب سے پہلے ابو وھب بن عمرو کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کو گرا کر اتارا جو اس کے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا اس نے تمام قریشیوں سے خطاب کر کے کہا سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال خرچ کرے۔ اس میں زنا کاری کا روپیہ سودی بیوپار کا روپیہ ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا' بعض لوگ کہتے ہیں یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب العلم : باب من ترك بعض الاختيار مخافة (۱۲۶) مسلم (۱۳۳۳) ترمذی (۸۷۵) ابن ماجه (۲۹۵۵)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب نقض الكعبة (۱۳۳۳۔ ۳۹۸)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم (۱۳۳۳۔ ٤٠١) مسند احمد (۱۷۹/٦) صحیح ابن حبان (۳۸۱۸)]

دیا تھا[۱] اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لیے گئے دروازہ کا حصہ بنوعبد مناف اور زہرہ بنائیں حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم بنائیں۔ قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبہ کا پچھلا حصہ بنوجمح اور سہم بنائیں۔ حطیم کے پاس کا حصہ بنوعبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزی اور بنوعدی بن کعب بنائیں۔ یہ مقرر کر کے اب بنی ہوئی عمارت کو ڈھانے کے لیے چلے لیکن کسی کو ہمت نہ پڑتی کہ اسے مسمار کرنا شروع کرے۔

آخر ولید بن مغیرہ نے کہا لو میں شروع کرتا ہوں کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا قریشیوں نے کہا بس اب چھوڑ دو اور رات بھر کا انتظار کرو اگر اس شخص پر کوئی وبال آ جائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانا اللہ کو ناپسند نہیں پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں لگ جانا چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی اب سب آ گئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے یہاں سبز رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے' ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام مکہ کی زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر ان کی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں اس لیے ہمارے بس کی بات نہیں اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دیا۔[۲]

پھر ہر قبیلہ نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کیے اور عمارت بننی شروع ہوئی یہاں تک کہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے۔ اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آ گئی فرقے آپس میں کھچ گئے اور لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے بنوعبد دار اور بنوعدی نے ایک طشتری میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے اسی طرح چار پانچ دن گذر گئے پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں تو ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور عقلمند تھے کہا سنو لوگو تم اپنا منصف کسی کو بنا لو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو۔ لیکن پھر منصف بنانے میں بھی اختلاف ہوگا اس لیے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟

پس سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آئے۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے ہم آپ کے حکم پر رضامند ہیں یہ تو امین ہیں یہ تو محمد (ﷺ) ہیں۔ پھر سب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ ﷺ کو کہہ سنایا آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ وہ لے آئے۔ آپ ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا پھر فرمایا ہر قبیلہ کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے اس پر سب لوگ

---

[۱] [سیرت ابن ھشام (۱/۲۰٤)]
[۲] [سیرت ابن ھشام (۱/۲۰۷)]

بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اٹھا لیا۔ جب اس کے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ کے نبی ﷺ نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اسی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع واختلاف بلکہ جدال وقتال دفع ہو گیا اور اسی طرح اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ اپنے گھر میں اس مبارک پتھر کو نصب کرایا۔ حضور ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش آپ ﷺ کو امین کہا کرتے تھے۔ اب پھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی ابن اسحاق مورخ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا۔ پہلے قباطی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا۔ ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔ (۱)

کعبہ کی یہی عمارت رہی یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث سنی تھی اسی کے مطابق حضور ﷺ کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا حطیم اندر شامل کر لیا' مشرق ومغرب دو دروازے رکھے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا دروازوں کو زمین کے برابر رکھا آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے۔ اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنا لیا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب کہ شامیوں نے مکہ شریف پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا۔ موسم حج کے موقع پر لوگ جمع ہوئے انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا از اں بعد آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ کیا کعبۃ اللہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں یا جو ٹوٹا ہوا ہے اس کی اصلاح کر لیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اسی کی مرمت کر دیں باقی سب پرانا ہی رہنے دیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جاتا وہ تو خوش نہ ہوتا جب تک اسے نئے سرے سے نہ بنا تا پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو؟ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا پھر جو سمجھ میں آئے گا وہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑی جائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کی جائے چنانچہ یہ حکم دے دیا لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لیے چڑھے گا اس پر عذاب نازل ہو گا لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر توڑا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذاء نہیں پہنچی تو اب ڈھانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا۔

اب بناء بیت اللہ شروع ہوئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ

---

(۱) [سیرت ابن ھشام (۱/ ۲۱۱)]

کہتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے کرتا ایک آنے کا اور ایک جانے کا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے میرے پاس کافی روپیہ ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضور ﷺ کی تمنا پوری نہ کروں چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم اندر لے لیا اور اب جو دیوار کھڑی کی تو ٹھیک ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگے جو لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا اب جو اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو چھوٹا ہو گیا اس لیے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ شریف کے عادلوں نے دیکھا ہے ٹھیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے لیکن عبدالملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو اور حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو تڑوا کر پھر اسی بناء پر بنا دیا [1] لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بناء کو باقی رکھا جاتا اس لیے کہ حضور علیہ السلام کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی اس لیے انہوں نے اسے تڑوا دیا جب انہیں حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کاش کہ ہم یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑواتے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث بن عبید اللہ رحمہ اللہ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حبیب یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے (اپنی خالہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی ہوگی حارث نے کہا ضرور سنی تھی خود میں نے بھی ام المومنین رضی اللہ عنہا سے سنا ہے پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہ تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا۔ اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے ان کی کمی کو پورا کر دیتا لیکن آؤ میں تجھے اصلی نیو بتا دوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اس کی اصلیت پر بنانا چاہے تو آپ ﷺ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حطیم سے قریباً سات ہاتھ اندر داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اس کے دو دروازے بنا دیتا ایک آنے کے لیے اور دوسرا جانے کا اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا ایک مشرق رخ رکھتا دوسرا مغرب رخ جانتی بھی ہو کہ تمہاری قوم نے دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حضور ﷺ مجھے خبر نہیں فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لیے کہ جسے چاہے اندر جانے دیں اور جسے چاہیں داخل نہ ہونے دیں جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دے دیتے وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اسے ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔ عبدالملک نے کہا اسے حارث نے خود سنا ہے تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے

---

[1] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الحج : باب نقض الكعبة (١٣٣٣)]

سوچتے رہے پھر کہنے لگے کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا۔ [1] صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ کو کوس کر کہا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارث رحمہ اللہ نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے میں نے بھی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ سنا ہے اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔ [2] قاضی عیاض اور امام نووی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بنائے ہوئے کے مطابق بنا دوں' امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا آپ ایسا نہ کیجیے ایسا نہ ہو کہ کعبہ بادشاہوں کا ایک کھلونا بن جائے جو آئے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کرے گا۔ [3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ کر دے گا [4] اس کا غلاف لے جائے گا اور اس کا خزانہ بھی۔ وہ ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے [5] غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جس کے دیکھنے سے ہمیں محفوظ رکھے) یاجوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کا حج وعمرہ کرو گے۔ [6]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا لے یعنی مخلص بنا لے مطیع بنا لے موحد بنا' شرک سے بچا۔ ریاکاری سے محفوظ رکھ خشوع وخضوع عطا فرما۔ حضرت سلام بن ابی مطیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا ﴿قَدْ فَعَلْتُ﴾ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی پھر اپنی اولاد کے لیے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہوتی ہے بنی اسرائیل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی قرآن میں ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الاعراف ۱۵۹) یعنی موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت حق وعدل پر تھی لیکن روانی عبارت سے معلوم ہوتا

---

[1] [صحیح : مسلم (أیضا) مسند احمد (۶/۲۵۳۔۲۶۲)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب نقض الکعبة (۱۳۳۳)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب هدم الکعبة (۱۵۹۱) صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب لا تقوم الساعة حتی یمرا لرجل (۲۹۰۹)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب هدم الکعبة (۱۵۹۵)]

[5] [صحیح بالشواهد : مسند احمد (۲/۲۲۰)، (۷۰۵۳)]

[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب قول الله تعالی جعل الله الکعبة البیت الحرام (۱۵۹۳) مسند احمد (۳/۲۷۔۶۴)]

ہے کہ عرب کے لیے یہ دعا ہے گو عام طور پر دوسروں پر بھی مشتمل ہو اس لیے کہ اس کے بعد دوسری دعا میں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعة/۲) لیکن اس سے آپ ﷺ کی رسالت خاص نہیں ہوتی بلکہ آپ ﷺ کی رسالت عام ہے عرب عجم سب کے لیے جیسے ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ (اعراف/۱۵۸) کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہیے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ (فرقان/۷۴) اے ہمارے رب ہمیں، ہماری بیویوں اور اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں ﴿وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ (ابراهیم/۲۵) اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری رہتے ہیں صدقہ، علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے (مسلم)[1] پھر آپ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھا یعنی احکام حج وذبح وغیرہ سکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد صفا پر آتے ہیں پھر مروہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعائر اللہ ہیں پھر منیٰ کی طرف لے چلے عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا تکبیر پڑھ کر اسے کنکر مارو۔ ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ وسطیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا۔ یہاں بھی اسے کنکریاں ماریں تو یہ خبیث ناامید ہو کر چلا گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقع نہ ملا اور مایوس ہو گیا یہاں سے آپ ﷺ کو مشعر الحرام میں لائے پھر عرفات میں پہنچایا پھر تین مرتبہ پوچھا کہو سمجھ لیا۔ آپ نے فرمایا ہاں[2] دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں مارنی مروی ہیں اور ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماری ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے○

بعثت محمد ﷺ دعائے ابراہیم علیہ السلام کا نتیجہ: اہل حرم کے لیے یہ دعا بھی ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ہی رسول ان

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الوصیة : باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته (۱۶۳۱) نسائی : کتاب الوصایا : باب فضل الصدقة عن المیت (۳۶۸۱) ترمذی : کتاب الاحکام : باب ما جاء فی الوقف (۱۳۷۶) مسند احمد (۳۷۲/۲)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳۸۷/۱)]

میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”میں اللہ جل شانہ کے نزدیک آخری نبی اس وقت سے ہوں جبکہ آدم ابھی مٹی کی صورت میں تھے“ میں تمہیں اپنا ابتدائی امر بتاؤں ”میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔“ انبیاء علیہم السلام کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ① ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اپنی نبوت کا شروع تو ہمیں بتایئے آپ نے فرمایا ”میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور میری خوشخبری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا‘ جس نے شام کے محل چمکا دیئے۔“ ② مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ بطن آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہو گا بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے حضرت روح اللہ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ ﷺ کا صاف نام بھی لے دیا اور فرمایا لوگو میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں‘ مجھ سے پہلے کی کتاب توراۃ کی میں تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے ③ (ﷺ) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے‘ خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے‘ اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائے گا۔

بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائے گا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی سفید مینارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری و مسلم میں ہے ”میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی‘ ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ امر اللہ آجائے“ ④ صحیح بخاری میں اتنی زیادتی اور ہے کہ ”وہ شام میں ہوں گے۔“ ⑤ ابوالعالیہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ بھی اسی مقبول دعا کا ایک حصہ ہے کہ اور یہ پیغمبر ﷺ آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے۔

---

① [ضعیف: مسند احمد (٤/١٢٧۔١٢٨) طبرانی کبیر (١٨/٢٥٢) مستدرك حاکم (٢/٦٠٠)] امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف الجامع الصغیر (٢٠٩١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں اور مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

② [صحیح لغیرہ: طیالسی (١١٤٠) مسند احمد (٥/٢٦٢) ابن سعد (١/١٠٢) طبرانی (٧٧٢٩)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ احمد کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں جو اسے تقویت پہنچاتے ہیں۔ [مجمع الزوائد (٨/٢٢٢)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (١٧١٦٣)] حافظ زبیر علی زئی نے اسے سابقہ شاہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند فرج بن فضالہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

③ [سورۃ الصف : آیت ٦]

④ [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب انما قولنا لشیء اذا اردنہ (٧٤٦٠) صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب لا تزال طائفۃ (١٠٣٧)]

⑤ [صحیح: صحیح بخاری : کتاب المناقب (٣٦٤١)]

حسن اور قتادہ اور مقاتل بن حیان اور ابو مالک رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا یہی فرمان ہے[1] اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا۔ یعنی طاعت واخلاص سکھانا' بھلائیاں کرانا' برائیوں سے بچانا' اطاعت الٰہی کر کے رضائے رب حاصل کرنا' نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے محفوظ رہنا۔ اللہ عزیز ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی جو ہر چیز پر غالب ہے وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں' وہ ہر چیز کو اپنے محل پر ہی حکمت وعدل وعلم کے ساتھ رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو۔ ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں سے تھا ○ جب کبھی انہیں ان کے رب نے کہا مان لے انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی مان لی ○ اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے۔ خبردار تم مسلمان ہی مرنا ○

مشرکین کی تردید: ان آیتوں میں بھی مشرکین کی تردید ہے کہ جو اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر بتاتے تھے حالانکہ کامل مشرک تھے جبکہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تو موحدوں کے امام تھے۔ توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے عمر بھر میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا بلکہ ہر مشرک سے اور ہر قسم کے شرک سے اور ہر غیر اللہ سے جو اللہ مانا جاتا ہو وہ دل سے نفرت کرتے تھے اور ان سب سے بیزار تھے۔ اسی بنا پر قوم سے الگ ہوئے وطن چھوڑا بلکہ باپ تک کی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ ﴿اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (الانعام/۷۸-۷۹) میں بیزار ہوں' اس چیز سے جسے تم شریک کرتے ہو میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے' جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے' میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔ اور فرمایا کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں میں تو اپنے خالق ہی کا گرویدہ ہوں' وہی مجھے راہ راست دکھائے گا۔[2] اور جگہ ہے ﴿مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ﴾[3] الخ ابراہیم نے اپنے والد کے لیے بھی صرف ایک وعدے کی بنا پر استغفار کی تھی لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ ابراہیم بڑے ہی رجوع کرنے والے اور بردبار تھے۔

اور جگہ ہے ابراہیم مخلص اور مطیع امت تھے مشرک ہر گز نہ تھے رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے' اللہ رب کعبہ کے پسندیدہ تھے اور راہ راست پر لگے ہوئے تھے' دنیا کے بھلے لوگوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالح لوگوں

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۹۰)]
[2] [سورۃ الزخرف : آیت ۲۶-۲۷]
[3] [سورہ توبہ : آیت ۱۱۴]

میں ہوں گے۔ [1] ان آیتوں کی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بے تدبیر اور گمراہ لوگ ہی ملت ابراہیمی کو ترک کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ہدایت کے لیے چن لیا تھا اور بچپن سے ہی توفیق حق دے رکھی تھی، خلیل جیسا معزز خطاب انہی کو دیا گیا۔ وہ آخرت میں بھی سعید بخت لوگوں میں ہیں۔ ان کے مسلک وملت کو چھوڑ کر ضلالت وگمراہی میں پڑنے والے سے زیادہ بیوقوف اور ظالم اور کون ہوگا؟'' اس آیت میں یہودیوں کا بھی رد ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا﴾ (ال عمران / ٦٧-٦٨) الخ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی، نہ مشرک بلکہ موحد مسلمان اور مخلص تھے ان سے دوستی رکھنے والے صرف وہی ہیں جو ان کے فرماں بردار ہوئے اور یہ نبی ﷺ اور ایمان دار اللہ بھی مومنوں کا ولی ہے، جب کبھی اللہ فرماتا کہ یہ مان لو وہ جواب دیتے کہ اے رب العالمین میں نے مان لیا، اسی ملت وحدانیت کی وصیت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو بھی کی۔ "ھا" کی ضمیر کا مرجع یا تو ملت ہے یا کلمہ۔

ملت سے مراد اسلام اور کلمہ سے مراد ﴿اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ہے۔ دیکھئے ان کے دل میں اسلام کی کس قدر محبت وعزت تھی کہ خود بھی اس پر مدت العمر عامل رہے، اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔ اور جگہ ہے ﴿وَجَعَلَنَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ﴾ (الزخرف / ٢٨) ہم نے اس کلمہ کو ان کی اولاد میں بھی باقی رکھا، بعض سلف نے "وَيَعْقُوبَ" بھی پڑھا تو "بَنِيْهِ" پر عطف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ خلیل اللہ نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام کی استقامت کی وصیت کی۔ قشیری رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے، لیکن یہ مجرد دعویٰ ہے، جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ واللہ اعلم۔ بلکہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن پاک کی آیت میں ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ (ھود / ٧١) یعنی ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی۔ اور اس کا نصب خفض کو ہٹا کر بھی پڑھا گیا ہے پس اگر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم ﷺ کی حیات میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا۔ سورۂ عنکبوت میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق ویعقوب علیہما السلام عطا فرمایا اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت وکتاب دی [2] اور آیت میں ہے ہم نے اسے اسحاق دیا اور یعقوب زائد عطا فرمایا۔ [3] ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم کی زندگی میں ہی تھے اگلی کتابوں میں بھی ہے کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کون سی مسجد پہلے تعمیر کی گئی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام پوچھا پھر فرمایا مسجد بیت المقدس میں نے کہا دونوں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ فرمایا چالیس سال الخ۔ [4] ابن حبان

---

[1] [سورۃ النحل : آیت ١٢٠-١٢٢] [2] [سورۃ العنکبوت : آیت ٢٧] [3] [سورۃ الانبیآء : آیت ٧٢]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء (٣٣٦٦)، (٣٤٢٥) صحیح مسلم : کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ (٥٢٠) نسائی : کتاب المساجد (٦٩١) ابن ماجہ : کتاب المساجد (٧٥٣) مسند احمد (٥/ ١٥٠)]

نے کہا کہ "حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان ﷺ کی درمیانی مدت سے متعلق یہ بیان ہے" حالانکہ قول بالکل الٹ ہے۔ ان دونوں نبیوں کے درمیان تو ہزاروں سال کی مدت تھی بلکہ مطلب حدیث کا کچھ اور ہی ہے اور شاہ زماں حضرت سلیمان علیہ السلام تو اس مسجد کے مجدد نہ تھے موجد نہ تھے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وصیت کی تھی، جیسے عنقریب ذکر آئے گا۔ وصیت اس امر کی ہوتی ہے جب تک زندہ رہو مسلمان ہو کر رہو تا کہ موت بھی اسی پر آئے۔

جن اعمال پر زندگی انہی پر موت: عموماً انسان زندگی میں جن اعمال پر رہتا ہے، اسی پر موت بھی آتی ہے اور جس پر مرتا ہے، اس پر اٹھے گا بھی۔ یہی اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ بھلائی کے قصد کرنے والے کو بھلائی کی توفیق بھی دی جاتی ہے۔ بھلائی اس پر آسان بھی کر دی جاتی ہے اور اسے ثابت قدم بھی رکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ انسان جنتیوں کے کام کرتے کرتے جنت میں ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے کہ اس کی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جہنمیوں کے کام کر کے جہنمی بن جاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے [1] لیکن اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ کام اچھے برے ظاہری ہوتے ہیں، حقیقی نہیں ہوتے۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہیں [2] قرآن کہتا ہے سخاوت، تقویٰ اور ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی تصدیق کرنے والے کو ہم آسانی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بخل و بے پرواہی اور بھلی بات کی تکذیب کرنے والوں کے لیے ہم سختی کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔ [3]

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

کیا حضرت یعقوب کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے ○ یہ جماعت تو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لیے ہے، ان کے اعمال سے نہ پوچھے جاؤ گے ○

عبادت کا اکیلا حقدار اللہ عزوجل: مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور کفار بنی اسرائیل پر جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت میں بھی اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی وصیت کی تھی ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب القدر (۶۵۹۴) و کتاب التوحید (۷۴۵۴) صحیح مسلم : کتاب القدر : باب کیفیة خلق الآدمی (۲۶۴۳) مسند احمد (۳۸۲/۱)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب لا یقال فلان شهید (۲۸۹۸) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان (۱۱۲) مسند احمد (۳۳۵/۵)]

[3] [سورة اللیل : آیت ۵۔۱۰]

میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے معبود برحق کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے لڑکے اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تغلیب کے آ گیا ہے کیونکہ آپ چچا ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ [1]

اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب بھی یہی ہے۔ حسن' بصری طاؤس اور عطا رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بہت سے سلف وخلف رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اور ایک مشہور روایت میں امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ بھائیوں بہنوں کو بھی وارث قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور سلف وخلف رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا مذہب بھی یہی ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور محمد بن حسن رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہیں اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔

ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہم اس کی اطاعت گزاری' فرمانبرداری اور خشوع وخضوع میں مشغول رہا کریں گے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَهٗ اَسْلَمَ﴾ (ال عمران / ۸۳) الخ زمین وآسمان کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اس کی مطیع ہے' اس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین یہی اسلام رہا ہے اگرچہ احکام میں اختلاف رہا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء / ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں اور احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ہم علاتی بھائی ہیں' ہمارا دین ایک ہے'' [2] پھر فرماتا ہے یہ امت جو گذر چکی تمہیں ان کی طرف نسبت نفع نہ دے گی ہاں اگر عمل ہوں تو اور بات ہے' ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ تم ان کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث شریف میں ہے جس کا عمل اچھا نہ ہوگا اس کا نسب اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ [3]

---

[1] [تفسیر قرطبی (۱۳۸/۲)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللہ تعالی ﴿واذکر فی الکتاب مریم﴾ (۳۴۴۳) صحیح مسلم : کتاب الفضائل (۲۳۶۵) مسند احمد (۳۱۹/۲)]

[3] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن (۲۶۹۹) مسند احمد (۲۵۲/۲)]

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

یہ کہتے ہیں یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو راہ پاؤ گے‘ تم کہو بلکہ ملت ابراہیمی والے ہیں اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) مشرک نہ تھے ○

عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہم ہیں تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔ نصرانیوں نے بھی یہی کہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی [1] کہ ہم تو ابراہیم حنیف علیہ السلام کے متبع ہیں جو استقامت والے‘ اخلاص والے‘ حج والے‘ بیت اللہ کی طرف منہ کرنے والے‘ استطاعت کے وقت حج کو فرض جاننے والے‘ اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے‘ تمام رسولوں پر ایمان لانے والے‘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دینے والے‘ ماں بیٹی خالہ پھوپھی کو حرام جاننے والے اور تمام حرام کاریوں سے بچنے والے تھے۔ حنیف کے یہ سب معانی مختلف حضرات نے بیان کیے ہیں۔ [2]

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

(اے مسلمانو) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم‘ اسماعیل‘ اسحاق‘ یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں

اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب: اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اترا اس پر تو وہ تفصیل وار ایمان لائیں اور جو آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر اترا‘ اس پر بھی اجمالاً ایمان لائیں۔ ان اگلے انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کے نام بھی لے دیئے اور باقی نبیوں کا مجمل ذکر کر دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کر جائیں جو عادت اوروں کی تھی کہ وہ انبیاء علیہم السلام میں تفریق کرتے تھے‘ کسی کو مانتے تھے‘ کسی سے انکاری تھے‘ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور نصرانی محمد ﷺ کو‘ حجازی عرب موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ تینوں کو نہیں مانتے تھے۔ ان سب کو فتویٰ ملا کہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ [3] یہ لوگ بالیقین کافر ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”اہل کتاب تورات کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور عربی میں تفسیر کر کے اہل اسلام کو سناتے تھے۔“ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی سچائی یا

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۹۶)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۹۷)]

[3] [سورہ النساء: آیت ۱۵۱]

تکذیب نہ کرو۔ کہہ دیا کرو [1] اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔ [2] نبی ﷺ صبح کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں یہ آیت ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ پوری آیت اور دوسری رکعت میں آیت ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (ال عمران/ ۵۲) پڑھا کرتے تھے۔ [3]

﴿اَسْبَــاط﴾ حضرت یعقوب کے بیٹوں کو کہتے ہیں، جو بارہ تھے، جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے، بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے، اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ [4] زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ﴾ (المائدہ/ ۲۰) الخ اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء علیہم السلام اور بادشاہ بنائے۔ اور جگہ ہے ﴿وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا﴾ (الاعراف/ ۱۶۰) ہم نے ان کے بارہ گروہ کر دیئے۔ "سَبْط" کہتے ہیں تابع کو، یہ بھی ایک کے پیچھے ایک تھے بعض کہتے ہیں یہ ماخوذ ہے سَبَط سے۔ سَبَط کہتے ہیں درخت کو یعنی یہ مثل درخت کے ہیں، جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کل انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، محمد علیہم السلام۔ "سبــط" کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔ [5] ابن ابی حاتم میں ہے، ہمیں توراۃ وانجیل پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن عمل کے لیے صرف قرآن وحدیث ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں توراۃ زبور انجیل پر ایمان رکھو لیکن (عمل کے لیے) صرف قرآن وحدیث کافی ہے۔ [6]

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو راہ پائیں اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے تجھ کو عنقریب کفایت کرے گا۔ وہ خوب سننے جاننے والا ہے○ رنگ دیا اللہ نے اپنے رنگ میں اور اللہ سے زیادہ اچھا رنگ کس کا ہوگا۔ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں○

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورة البقرة : باب قولوا آمنا بالله (٤٤٨٥)]

[2]، [3] ([صحیح مسلم : کتاب صلوة المسافرین وقصرها : باب استحباب رکعتی سنة الفجر (٧٢٧) نسائی : کتاب الافتتاح : باب القراءة فی رکعتی الفجر (٩٤٥) ابو داؤد : کتاب التطوع : باب فی تحفیفها (١٢٥٩)]

[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٣٩٩)] [5] تفسیر قرطبی (١٤١/٢)]

[6] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (١/٤٠٠)] اس میں عبداللہ بن ابی حمید راوی منکر الحدیث ہے۔ [میزان (٥٣٥٤)]

صحابہ معیارِ ہدایت: یعنی اے اپنے ایمان دار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق ورشد ہدایت ونجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تمہارے لیے کافی ہوگا' وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن ابی نعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑھا تھا ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافع رحمہ اللہ نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین (رضی اللہ عنہ) کا خون دیکھا تھا [1] رنگ سے مراد دین ہے اور اس کا زبر بطور اغراء کے ہے۔ [2] جیسے "فِطْرَتَ اللّٰهِ" میں۔ [3] مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو اس پر چمٹ جاؤ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بدل ہے ﴿مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ﴾ سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں یہ مصدر موکد ہے۔ ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ﴿وَعْدَ اللّٰهِ﴾ [4] ایک مرفوع حدیث ہے" بنی اسرائیل نے کہا اے رسول اللہ کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو آواز آئی ان سے کہہ دو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں۔" [5] یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے لیکن اس روایت کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے اور یہ بھی اس وقت جب کہ اس کی اسناد صحیح ہوں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ ع

کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لیے خلوص کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کے پاس کی شہادت چھپانے والے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ یہ امت ہے جو گذر چکی جو انہوں نے کیا ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لیے۔ تم ان کے اعمال سے سوال نہ کیے جاؤ گے۔

مشرکوں سے بیزاری: مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے رہا ہے کہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۴۰۲/۱)]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۴۰۲/۱)]
[3] [سورۃ الروم : آیت ۳۰]
[4] [سورۃ الروم : آیت ٦]
[5] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳۲۳)، (۴۰۳/۱) ابو نعیم فی الحلیۃ (۲۷٦/۴)]

''تم ہم سے اللہ کی توحید' اخلاص' اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے' ہم پر اور تم پر قابض و متصرف بھی وہی اکیلا ہے۔ ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے' ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں۔'' اور جگہ فرمایا ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ﴾ (یونس / ٤١) الخ یعنی ''اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔'' اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ﴾ (آل عمران / ٢٠) الخ ''اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا ﴿اَتُحَآجُّوْنِّىْ فِى اللّٰهِ﴾ (الانعام / ٨٠) الخ کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے اختلاف کرتے ہو؟ اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهِيْمَ فِىْ رَبِّهٖٓ﴾ (البقرہ / ٢٥٨) تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہم تم سے بیزار تم ہم سے الگ۔ ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یک سوئی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی' نہ نصرانی' تم اے یہودیو اور نصرانیو کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو؟ کیا تمہارا علم اللہ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اللہ نے تو صاف فرما دیا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آل عمران / ٦٧) ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی' نہ مشرک' بلکہ خالص مسلمان تھے۔ ان کا حق کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے۔ محمد ﷺ اس کے سچے رسول ہیں۔ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب علیہم السلام وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا۔ پھر فرمایا تمہارے اعمال اللہ سے پوشیدہ نہیں' اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے' وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یہ دھمکی دے کر پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی۔ تم جب تک ان کے نقش قدم پر نہ چلو گے تو صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے۔ ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بد اعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں ''جو کرے سو بھرے'' تم نے جب ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا بالخصوص اے وہ لوگو! جو نبی آخر الزمان ﷺ کے مبارک زمانہ میں ہو۔ تم تو بڑے ہی وبال میں آ گئے' تم نے اس نبی ﷺ کو جھٹلایا جو سید الانبیاء ہیں جو ختم المرسلین ہیں' جو رسول رب العالمین ہیں جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے۔ جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے شمار درود و سلام آپ پر نازل ہوں اور آپ کے سوا تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی۔

الحمد للہ تفسیر ابن کثیر اردو کا پہلا پارہ مکمل ہوا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے۔ اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا تو کہہ دے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت عطا کر دے ○ ہم نے اسی طرح تمہیں عادل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔ جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول (ﷺ) کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے' گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ○

قبلہ کی تبدیلی: بیوقوفوں سے مراد یہاں مشرکین عرب اور علماءِ یہود اور منافقین وغیرہ ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن خود آپ ﷺ کی چاہت یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو۔ چنانچہ اب حکم آ گیا اور آپ نے عصر کی نماز اس کی طرف ادا کی۔ آپ کے ساتھ کے نمازیوں میں سے ایک شخص کسی اور مسجد میں پہنچا' وہاں جماعت رکوع میں تھی اس نے ان سے کہا اللہ کی قسم! میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھ کر ابھی آ رہا ہوں۔ جب ان لوگوں نے سنا تو اسی حالت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے' اب بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اگلے قبلہ (بیت المقدس) کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے؟ تب یہ فرمان نازل ہوا کہ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ﴾ [1] الخ' یعنی اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''جب حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ﴾ الخ' نازل ہوئی اور کعبہ قبلہ (بیت اللہ) مقرر ہوا۔ لوگوں نے اگلے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ: باب قولہ تعالیٰ سیقول السفھاء (٤٤٨٦) ابن جارود (١٦٥) ابن سعد (١/١٨٧)] ، [وصحیح بخاری: کتاب الصلوة: باب التوجہ نحو القبلة حیث کان (٣٩٩) ترمذی: کتاب الصلوة: باب ماجاء فی ابتداء القبلة (٣٤٠) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب تحویل القبلة (٥٢٥)]

قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کے بارے میں سوال کیا۔ جس پر فرمان ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ﴾ نازل ہوا۔ اوران کی نمازوں کی طرف سے اطمینان ہوا۔

اب بعض بیوقوف اہل کتاب نے قبلہ کے بدلے جانے پر اعتراض کیا' جس پر یہ آیتیں ﴿ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي ﴾ نازل ہوئیں''۔ شروع ہجرت کے وقت مدینہ شریف میں آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہود اس سے خوش تھے لیکن آپ کی چاہت اور دعا قبلہ ابراہیمی کی تھی۔ آخر جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے جھٹ سے اعتراض جڑ دیا۔ جس کا جواب ملا کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ [1] اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ مکہ شریف میں آپ دونوں رکن کے درمیان نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سامنے کعبہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کے صخرہ کی طرف آپ کا منہ ہوتا تھا' لیکن مدینہ جا کر یہ معاملہ مشکل ہو گیا۔ دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے تو وہاں آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم قرآن میں نازل ہوا تھا یا دوسری وحی کے ذریعہ یہ حکم ملا تھا۔ بعض بزرگ تو کہتے ہیں یہ صرف حضور ﷺ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے بعد آپ کئی ماہ تک اسی طرح نمازیں پڑھتے رہے گو چاہت اور تھی۔ یہاں تک کہ پروردگار نے بیت العتیق کی طرف منہ پھیرنے کو فرمایا اور آپ نے اس طرف منہ کر کے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔

حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی''، بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ ''نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی۔ اس وقت آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے' دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی کی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں' اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔ حضرت نویلہ بنت مسلم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جو ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قباء کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ناگہاں کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا۔ چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ [2] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لزوم اس وقت ہوتا ہے' جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچ چکا ہو۔ اس لیے کہ ان حضرات

---

[1] [حسن : تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۱۳۸) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳۲۸)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصلوۃ : باب ماجآء فی القبلة (۴۰۳) و کتاب التفسیر (۴۴۸۸) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب تحویل القبلة (۵۲۶) ترمذی : کتاب الصلوۃ : باب ماجآء فی ابتداء القبلة (۳۴۱) ابن حبان (۱۷۱۵) مسند احمد (۲/۱۶)]

کو عصر مغرب اور عشاء کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

اب باطل پرست کمزور عقیدے والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے کبھی اسے قبلہ کہتا ہے کبھی اسے قبلہ قرار دیتا ہے۔ انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرو اسی طرف اس کا منہ ہے بھلائی اسی میں نہیں آ گئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں اطاعت کے معنی اس کے حکم کی تعمیل کے ہیں اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار ہیں اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا پھیر لیں گے۔ امت محمد یہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی لا شریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور تمام تر فضیلتیں جسے حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بہت حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور بڑا حسد ان کو ہماری آمین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔ [1]

پھر فرماتا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لیے ہے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسطِ عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوٰۃ وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے [2] اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلیٰ تھی اس لیے انہیں شریعت بھی کامل، راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمایا ہے ﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ [3] الخ، اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کے دین پر۔ اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ پہنچا دیا تھا۔ ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہو گی کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں؟ وہ صاف انکار کریں

---

[1] [صحیح لغیرہ: مسند احمد (۱/ ۱۳۰-۱۳۶)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [صحیح الترغیب (۵۱۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اسے شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدعوات: باب الدعاء علی المشرکین (۶۳۹۶) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب الدلیل لمن قال الصلوۃ الوسطیٰ (۶۲۷)]

[3] [سورۃ الحج: آیت ۷۸]

گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو یہ کہیں گے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت گواہ ہے یہی مطلب اس آیت ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ﴾ الخ' کا ہے وسط کے معنی عدل کے ہیں اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا۔ (بخاری' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ) [1] مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی' اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں' کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت بلائی جائے گی ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا اس پیغمبر علیہ السلام نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں۔ ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ الخ' کا۔ [2]

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطاً بمعنی ﴿عَدْلًا﴾ آیا ہے [3] ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے' ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام نے حق رسالت ادا کیا تھا۔ [4]

مسلمانوں کی گواہی وجوب جنت کا ذریعہ: مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی سلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگ کہنے لگے حضور یہ بڑا نیک آدمی تھا۔ بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن ظاہر داری تو اس کی ایسی ہی حالت تھی آپ نے فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے لوگ کہنے لگے حضرت یہ برا آدمی تھا بڑا بدزبان

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب الارواح جنود مجندة (۳۳۳۹) و کتاب الاعتصام : باب و کذلك جعلنکم امة وسطا (۷۳۴۹) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة البقرہ (۲۹۶۱) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب صفة امة محمد (۴۲۸۴) مسند احمد (۵۸/۳)]

[2] [صحیح :مسند احمد (۵۸/۳) نسائی فی السنن الکبریٰ (۱۱۰۰۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[3] [صحیح :ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة البقرة (۲۹۶۱) مسند احمد (۹/۳)] شیخ عبد الرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس اور مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[4] [ضعیف :تفسیر ابن جریر (۱۴۷/۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ جابرؓ سے بیان کرنے والا راوی مجہول ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

اور کج خلق تھا آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے بھی یہی کہا کہ آپ نے فرمایا اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول ﷺ سچے ہیں دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے ﴿وَكَذَٰلِكَ﴾ الخ، [1] مسند احمد میں ہے۔ ابو الاسود رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مدینہ میں آیا یہاں بیماری تھی لوگ بکثرت مر رہے تھے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں آپ نے فرمایا اس کے لیے واجب ہوگئی اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں آپ نے فرمایا اس کے لیے واجب ہوگئی میں نے کہا امیر المومنین! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہی کہا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار شخص دیں اسے اللہ جنت میں داخل کرے گا ہم نے کہا حضور ﷺ اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو ہوں آپ نے فرمایا دو بھی۔ پھر ہم نے ایک کی بابت کا سوال نہ کیا۔ [2] ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے قریب ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ [3]

پھر فرماتا ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحاناً تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لیے تھا کہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے؟ اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لے لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے' یہ کام فی الحقیقت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان ویقین ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار ہیں جو جانتے ہیں کہ حضور ﷺ جو فرمائیں سچ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے۔ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے جو چاہے مٹائے جو چاہے باقی رکھے اس کا ہر کام' ہر حکم حکمت سے پُر ہے ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں۔

---

[1] [ضعیف: مستدرك حاكم (۲/۲٦۸)] امام حاکمؒ نے تو اسے صحیح کہا ہے۔ تاہم امام ذہبیؒ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں مصعب بن ثابت راوی قوی نہیں۔ امام احمدؒ نے اسے ضعیف الحدیث کہا ہے۔ امام ابن معینؒ نے اسے ایک مقام پر ضعیف اور دوسرے مقام پر لیس بشیء کہا ہے۔ امام ابو حاتمؒ اور امام دار قطنیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ قوی نہیں۔ [التهذيب (۱۰/۱٥۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی کی بھی یہی رائے ہے۔]

[2] [صحيح: صحيح بخاري : كتاب الجنائز : باب ثناء الناس على الميت (۱۳٦۸) و كتاب الشهادات (۲٦٤۳) نسائی : كتاب الجنائز : باب الثناء (۱۹۳٦) ترمذی : كتاب الجنائز : باب ما جآء في الثناء الحسن على الميت (۱۰٥۹) مسند احمد (۱/۲۱ـ ٤٥)]

[3] [صحيح: ابن ماجه : كتاب الزهد : باب الثناء الحسن (٤۲۲۱) مسند احمد (۳/٤۱٦)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں۔ [الزوائد (۳/۳۰۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [تخريج شرح العقيدة الطحاويه (٤۲۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ اور حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا انہیں فوراً نیا درد اٹھا قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ (التوبہ / ۱۲٤) الخ، یعنی جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمانداروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی دلی خوشی بھی۔ اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں اور جگہ فرمان ہے ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ وَّالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْ آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ (فصلت / ٤٤) یعنی ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھاپا ہے اور جگہ فرمان ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (الاسراء / ۸۲) یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہے اول اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں تھے اور اسی میں کعبہ کی طرف پھر گئے [1] جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرماں برداری ثابت ہوئی۔

بندوں پر اللہ کی رحمت وشفقت: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی انہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف ورحیم ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچے کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا بتاؤ یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہیں آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پہ مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف ورحیم ہے۔ [2]

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

[1] [صحيح :صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب تحويل القبلة (٥٢٥)]

[2] [صحيح :صحيح بخاري : كتاب الادب : باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته (٥٩٩٩) صحيح مسلم : كتاب التوبه : باب في سعة رحمته الله تعالى (٢٧٥٤)]

ہم نے تیرے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا' اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے۔ تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف پھیرا کرو' اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے حق ہونے کا قطعی علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں ○

قبلہ ابراہیمی نبی ﷺ کی خواہش: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے حضور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے بالآخر آیت ﴿قَدْ نَرٰی﴾ الخ' نازل ہوئی اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحاناً تھا۔ [1] اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف' کعبہ کی طرف' میزاب کی طرف منہ کرو جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزابِ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مراد اس کی طرف ہے [2] ابوالعالیہ' مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' قتادہ' ربیع بن انس رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ [3] ایک حدیث میں بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ [4]

ابن جریج میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کا قبلہ ہے اور تمام زمین والوں کا حرم قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ [5] ابونعیم میں بروایت براء رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (١٠٣/١)] [2] [مستدرك حاكم (٢٦٩/٢)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (١٠٧/١-١٠٩)]

[4] [صحیح ترمذی : کتاب الصلوة : باب ماجاء ان مابین المشرق والمغرب قبلة (٣٤٢) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلوة : باب القبلة (١٠١١)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (٢٩٢) صحیح ابن ماجه (٨٢٦) المشکاة (٧١٥) صحیح ترمذی (٣٤٢) صحیح نسائی (٢٢٤٣)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[5] [ضعیف بیهقی (٩/٢-١٠) تفسیر قرطبی (١٥٩/٢) اس میں عمر بن حفص مکی راوی ضعیف ہے۔ یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے مگر اس میں عبداللہ بن حبشی راوی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [تلخیص (٢١٣/١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

ہوکر عصر کی نماز ادا کی پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی ۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے ⓵ عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے ⓶ نسائی شریف میں حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی حضور ﷺ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿قَدْ نَرٰی﴾ الخ' تلاوت فرمائی میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی ﷺ کے فارغ ہونے' منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرمانبردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہوگئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی پھر حضور ﷺ بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نمازِ ظہر ادا کی گئی ۔ ⓷

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃِ وسطیٰ ہے ۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی ۔ ابن مردویہ میں روایت نویلہ بنت مسلم رضی اللہ عنہا موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کیے ہوئے ادا کر رہے تھے دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی ۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوگئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی' اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں' آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہوکر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے ۔ ⓸ ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد' عورتیں' بچے اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے ۔ ⓹

قبلہ رخ نماز سے متعلقہ مختلف مسائل: پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق' مغرب' شمال یا جنوب میں ہر صورت

⓵ [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ (٤٤٨٦) ابن الجارود (١٦٥)]

⓶ [تفسیر عبد الرزاق (١٣٥٤) ، (٢٥٢/١)]

⓷ [ضعیف :نسائی فی السنن الکبری (١١٠٠٤)] حافظ زبیر علی زئی کی تحقیق کے مطابق اس کی سند میں مروان بن عثمان راوی ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے ۔] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں عبداللہ بن صالح کاتب لیث راوی ضعیف ہے ۔[مجمع الزوائد (١٢/٢)]

⓸ [ضعیف : طبرانی کبیر (٢٤/ ٥٣٠)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں اسحاق بن ادریس راوی ضعیف متروک ہے ۔[مجمع الزوائد (١٤/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے ۔]

⓹ [ضعیف :ابو یعلی (١٥٠٩) ابن ابی شیبۃ (٣٣٥/١) طبقات ابن سعد (٣٨١/٤)] اس کی سند میں قیس بن ربیع راوی ضعیف ہے ۔[المجروحین (٢١٦/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے ۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں ۔]

نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کرلیا کرو۔ ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جارہی ہو ادھر ہی نفل ادا کرلے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونی کافی ہے اسی طرح میدان جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف بن پڑے نماز ادا کرلے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں وہ اندازہ سے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کرلے۔ پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

نماز کے دوران نظر کا مقام: مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعی، احمد اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے اس لیے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہوگا بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔

قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لیے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون میں وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں اللہ بھی ان کے ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

وقف لازم / وقف منزل

تو اگر چہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کا ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجود یہ کہ تیرے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے ○

انکار حق اور اطاعت باطل ظلم ہے: یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود یہ کہ رسول ﷺ کی شان کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس/۹۶-۹۷) یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے چاہے ان کے پاس تمام آیتیں آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ پھر اپنے نبی ﷺ کی استقامت بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے

تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ﷺ ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آ جائیں اور ان کی راہ چل پڑیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں وہ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آ جانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں پھر اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو جان کر پھر چھپاتی ہے ○ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا ○

کتمانِ حق کے مرتکب یہودی علماء: ارشاد ہوتا ہے کہ علماءِ اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے یہ ایک مثال تھی جو مکمل یقین کے وقت ''عرب'' دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور ﷺ آپ بھی گواہ رہئے آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔ [1]

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لیے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں' [2] غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور ﷺ کے

---

[1] [صحیح :مسند احمد (۸۱/۵)، (۱۶۳/٤)، (۱۱۷۵۳۸)، (۱۷۵۳۹) ابوداؤد : کتاب الترجل : باب فی الخضاب (٤۲۰۸) نسائی : کتاب القسامة : باب هل یوخذ احد (٤۸۳٦) بیهقی فی السنن الکبری : کتاب الجنایات : باب ایجاب القصاص علی القاتل دون غیره (۸۷/۸) دارمی : کتاب الدیات : باب لا یواخذ أحد بجنایة غیره (۱۹۸/۲) مسند حمیدیؒ (۸٦٦) ابن الجارود (۷۷۰) ابن حبان کما فی الموارد (۵۲۲)] امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ امام ابن ملقنؒ نے اس حدیث کی تحقیق میں صرف یہی قول نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ [خلاصة البدر المنیر (۲۷۸/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۲۳۰۳)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر قرطبی (۱٦۳/۲)]

اوصاف جو اہلِ کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ تمام صفات آپ ﷺ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ باوجود اس علمِ حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں پھر اپنے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے تم نیکیوں کی طرف دوڑو جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

سچا قبلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں [1] ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو! تم ہو۔ [2]

مجاہد رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے ﴿مُوَلِّيهَا﴾ کی دوسری قرات ﴿مُوَلَّاهَا﴾ ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً﴾ (المائدہ/۴۸) یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے اسی زمین سے جمع کرے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

تو جہاں سے نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر' یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے' جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ○ جس جگہ سے تو نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی کی طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے تم ان سے نہ ڈرو مجھ ہی سے ڈرتے رہو اس لیے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لیے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ○

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۱۹۳)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۲۱)]

اعتراضاتِ یہود قابل اعتناء نہیں: یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ تین مرتبہ تاکید اس لیے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لیے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لیے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں۔ تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں۔ قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو۔ بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔ پہلے حکم میں تو آنحضور ﷺ کی طلب کا اور پھر اس کی مقبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی یہ چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اس حکم سے وہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضور ﷺ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہوگئی رازی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا تا کہ اہلِ کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ امت کی پہچان کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ہے جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپ ﷺ کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہیے اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے' حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطورِ اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی ﷺ ہمارے احکام کا متبع ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے پس آپ ﷺ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری تمام شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿١٥٢﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول (ﷺ) بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب حکمت اور وہ وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ○ تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو ○

ذکر الٰہی شکر کے مترادف ہے اور اللہ کو بھول جانا کفر ہے: یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی ﷺ مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمتِ کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ ﷺ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے، وہ علم میں گہرے، تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے، دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد عدل ہے اور جگہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (ال عمران / ١٦٤) الخ، یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ (ابراھیم/٢٨) الخ، کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اسی لیے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا شکر کس طرح کروں؟ ارشاد ہوتا ہے مجھے یاد رکھو، بھولو نہیں یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والے کو اللہ بھی یاد کرتا ہے اس کا شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے بزرگانِ سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے غفلت نہ برتی جائے اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی، شرابی، چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجا لاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے ایک قدسی حدیث میں ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے۔ میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ (۱) مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی جماعت ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھائے گا میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھاؤں گا اور اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ (۲)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔ ایک اور جگہ ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم/۷) یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے' مسند احمد میں ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔ (۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے ○ اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

صبر اور نماز مدد مانگنے کے بہترین ذرائع: شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے' ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو اچھی حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ شکر کا ہے یا اگر بری حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے' حدیث میں ہے' مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لیے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اسے راحت ملتی ہے شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے' رنج پہنچتا ہے صبر

---

(۱) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب قول الله تعالیٰ ویحذرکم الله نفسه (۷٤۰۵) صحیح مسلم : کتاب الذکر و الدعا : باب الحث علی ذکر الله تعالی (۲٦۷۵)]

(۲) [صحیح : عبدالرزاق (۲۰۵۷۵) مسند احمد (۱۳۸/۳) الاسماء و الصفات للبیهقی (٦۲۵) - ورواہ البخاری مختصرا فی کتاب التوحید ، باب ذکر النبی ﷺ وروایته عن ربه (۷۵۳٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳) [صحیح : مسند احمد (٤۳۸/٤) ، (۱۹۹۸۸) طبرانی فی المعجم الکبیر (۱۸/۱۳۵-۱۸۱) مجمع (۱۳۲/۵) بیهقی فی شعب الایمان (٦۲۰۰)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید ، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

کرتا ہے تو اجر پاتا ہے [1] آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر وصلوٰۃ ہے، جیسے اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ﴾ (البقرۃ/ ۴۵) صبر وصلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا ڈر رکھنے والوں پر بہت آسان ہے، حدیث میں ہے جب کوئی کام حضور ﷺ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے' [2] صبر کی تین قسمیں ہیں، حرام اور گناہ کے کاموں کو ترک کرنے پر، اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر یہ صبر پہلے سے بڑا ہے، تیسری قسم صبر کی مصیبت، درد اور دکھ پر۔ یہ بھی واجب ہے، جیسے عیبوں سے استغفار کرنا واجب ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا چاہیے انسان پر شاق گزرے، طبیعت کے خلاف ہو جی نہ چاہے یہ بھی ایک صبر ہے۔ دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک جانا ہے چاہے طبعی میلان اس طرف ہو، خواہش نفس اکسا رہی ہو، [3] امام زین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟

اٹھیں اور بغیر حساب وکتاب کے جنت میں چلے جائیں کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ یہ کہیں گے جنت میں، وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا، کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے، پوچھیں گے آخر آپ کون لوگ ہیں؟ جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے، مرتے دم تک اس پر صبر کیا اور جمے رہے، فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو، جاؤ جنت میں مزے کرو اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے یہی قرآن فرماتا ہے ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر/ ۱۰) صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے ان پر ثواب طلب کرے ہر گھبراہٹ، پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

شہداء کو مردہ نہ کہو: پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ خورد ونوش پا رہے ہیں، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چگتی اڑتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت

---

[1] [صحیح صحیح مسلم : كتاب الزهد : باب المومن إمر كله خير (۲۹۹۹) مسند احمد (۳۳۲/۴)]

[2] [حسن ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب وقت قيام النبى من الليل (۱۳۱۹) مسند احمد (۳۸۸/۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحيح الجامع الصغير (۸۸۳۲)]

[3] [تفسير ابن ابى حاتم (۱۴۴/۱)]

ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہوگا تو کہا اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں، رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔ [1] مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنتی درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی [2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی امتیازی شرافت' کرامت' عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے دشمن کے ڈر سے' بھوک پیاس سے' مال جان اور پھلوں کی کمی سے صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے ○ انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ ان پر انکے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○

مومن پر آزمائش ضرور آتی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بندوں کی آزمائش ضرور کر لیا کرتا ہے کبھی ترقی اور بھلائی کے ذریعہ اور کبھی تنزل اور برائی سے' جیسے فرماتا ہے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ (محمد/۳۱) یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں گے۔ ایک اور جگہ ہے ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾ (النحل/۱۱۲) الخ' مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف' کچھ بھوک' کچھ مال کی کمی' کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غیروں خویش و اقارب' دوست و احباب کی موت' کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمالیتا ہے' صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر' جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے' بھوک سے مراد روزوں کی بھوک' مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے' جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں' پھلوں سے مراد اولاد ہے' لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة (۱۸۸۷) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: سورة آل عمران (۳۰۱۱)]

[2] [صحیح: مسند احمد (۳/۴۵۵) ابن ماجه: کتاب الزهد: باب ذکر القبر (۴۲۷۱) ابن حبان (۴۶۵۷)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحه (۹۹۵) تخریج شرح العقیده الطحاویه (۴۷۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی شواہد کی وجہ سے اسے صحیح کہتے ہیں۔]

صبر کرنے والوں کی پہچان: اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں عزت ہے وہ کون لوگ ہیں؟ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت ﴿اِنَّـا لِلّٰهِ﴾ الخ پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور جو ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں انہیں بالآخر جانا ہے' ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

مصیبت و تکلیف میں پڑھی جانے والی دعا: مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ایک روز میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے ﴿اَللّٰهُمَّ اجُرۡنِیۡ فِیۡ مُصِیۡبَتِیۡ وَاخۡلُفۡ لِیۡ خَیۡرًا مِّنۡهَا﴾ یعنی اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور دیتا ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے ﴿اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ﴾ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے کھال رکھ دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی' میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں' تیسرے بال بچوں والی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں میں نے یہ سن کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی عذر نہیں چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمایا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ [1] صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ [2]

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت

---

[1] [صحیح :مسند احمد (٤/ ٢٧' ٢٨) ابوداود : کتاب الجنائز : باب فی الاسترجاع (٣١١٩)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الجنائز : باب ما یقال عندالمصیبة (٩١٨) مسند احمد (٦/ ٣٠٩)]

پہنچے اس پر گویا زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ الخ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا' ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے [1] حضرت ابوسنان رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا نہ تھا کہ ابوطلحہ خولانی رحمہ اللہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا بتا تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اللہ تیری تعریف کی اور ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔ [2]

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ
اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٥٨﴾

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں' بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدردان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے○

صفا و مروہ کے طواف کا طریقہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رحمہ اللہ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپ نے فرمایا بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو ﴿اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ ہوتا۔ سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل (ایک جگہ کا نام) کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا' اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور ﷺ سے صفا مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا اس لیے مسنون ہوگا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا [3] (بخاری' مسلم)۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے جب یہ

---

[1] [ضعیف مسند احمد (۱/۲۰۱) ، (۱۷۳٦) ابن ماجه : كتاب الجنائز : باب ما جاء في الصبر على المصيبة (۱٦۰۰)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (۱/۵۲۸)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعيفة (٤٥٥١)] اس کی سند میں ہشام بن زیاد راوی ہے جسے امام بخاریؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن معینؒ نے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [حسن ترمذی : كتاب الجنائز : باب فضل المصيبة اذا احتسب (۱۰۲۱) مسند احمد (۱۹۷۷۹) عبد بن حميد (۵۵۱) ابن حبان (۲۹۸٤) نعيم بن حماد في زوائد الزهد لابن المبارك (۱۰۸)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں۔[السلسلة الصحيحة (۱٤۰۸) صحيح الترغيب (۳٤۹۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [صحيح صحيح بخاری : كتاب الحج : باب وجوب الصفاء والمروة (۱٦٤۳) صحيح مسلم : كتاب الحج : باب بيان ان السعي بين الصفا والمروة ركن (۱۲۷۷) نسائی : كتاب مناسك الحج : باب ذكر الصفا والمروة (۲۹۷۱) ترمذی : كتاب تفسير القرآن (۲۹٦۰) مسند احمد (٦/۱٤٤)]

روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ علمی بات ہے میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار رضی اللہ عنہم نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا مروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری' ممکن ہے کہ شان نزول دونوں ہی ہوں[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صفا مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری ''اساف'' بت صفا پر تھا اور ''نائلہ'' مروہ پر' مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا' سیرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ''اساف'' اور ''نائلہ'' دو مرد وعورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھر بنا دیا' قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔

صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا' ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔[3] حضرت حبیبہ بنت تجزاۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے۔ (مسند احمد)[4] اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے' امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے' بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ (۱٦٤٣) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب بیان ان السعی بین الصفا والمروۃ (۱۲۷۷)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر: باب قولہ تعالی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (٤٤٩٦)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجۃ النبی ﷺ (۱۲۱۸) ابو داؤد : کتاب المناسک : باب صفۃ حجۃ النبی (۱۹۰۵) ابن ماجہ : کتاب المناسک : باب حجۃ النبی ﷺ (۳۰۷٤)]

[4] [صحیح : مسند احمد(٦/٤٢١) دارقطنی (۲/۲٥٦) حاکم (٤/۷۰) بیہقی (٥/۹۸)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۹٦۸) ارواء الغلیل (۱۰۸۷)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ جبکہ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ' ثوری' شعبی' ابن سیرین رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ حضرت انس' ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے امام مالک رحمہ اللہ سے عتبیہ میں بھی روایت ہے' ان کی دلیل ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْـرًا﴾ ہے' لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو۔[1] پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے' اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی۔[2] غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے ان شرعی احکام میں سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بجا آوری حج کے لیے سکھائے گئے تھے یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حضرت ہاجرہ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ان کے چھوٹے بچے سمیت چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آ بنی تھی تب ام اسماعیل علیہما السلام نہایت بے قراری' بے بسی' ڈر' خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا غم و ہم' رنج و کرب' تکلیف اور دکھ دور ہوا۔

طواف کے دوران سعی: یہاں سے پھیرے کرنے والے حاجی کو بھی چاہیے کہ نہایت ذلت و مسکنت' خضوع و خشوع سے یہاں پھیرے کرے اور اپنی فقیری' حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے مال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی' نیکی فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے حال کو اس مالک نے ادھر سے ادھر کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی سے نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات پھیروں کے آٹھ نو کرے نفل حج و عمرے میں بھی صفا مروہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدر دان اور علم والا ہے' یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے' ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔[3] فَالْحَمْدُ وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ۔

---

[1] [صحیح صحيح مسلم : كتاب الحج : باب استحباب رمی جمرة العقبه يوم النحر (۱۲۹۷) ابو داؤد : كتاب المناسك : باب في رمى الجمار (۱۹۷۰) نسائی : كتاب المناسك : باب الركوب الى الجمار واستظلال المحرم (۳۰۶۲)]

[2] [صحیح بالشواهد مسند احمد (۴۲۱/۶) حاكم (۷۰/۴) بيهقی (۹۸/۵)]

[3] [سورة النسآء : آيت ۴۰]

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡہُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰہُ وَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ بَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ○ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں' میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں ○ جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں' ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ○ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○

کتمانِ حق جرم عظیم: ان آیات میں زبردست دھمکی دی گئی ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی شرعی مسائل چھپالیا کرتے ہیں' اہل کتاب نے نعت نبی ﷺ کو چھپالیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں۔ [۱] جس طرح اس عالم کے لیے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلائے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی' [۲] اسی طرح ان لوگوں پر جو حق کی بات کو جانتے ہوئے گونگے بہرے بن جاتے ہیں ہر چیز لعنت بھیجتی ہے' صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی' [۳] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ [۴]

کتمانِ حق کے مرتکب ملعون: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھاکہ سنتے ہیں

---

[۱] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۷۰)]

[۲] [صحیح: ابو داؤد: کتاب العلم: باب الحث علی طلب العلم (۳۶۴۱) ابن ماجہ: مقدمہ: باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (۲۲۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[۳] [حسن صحیح: ابو داؤد: کتاب العلم: باب کراھیۃ منع العلم (۳۶۵۸) ترمذی: کتاب العلم: باب ماجاء فی کتمان العلم (۲۶۴۹) ابن ماجہ: مقدمہ: باب من سئل عن علم فکتمہ (۲۶۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[۴] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب العلم: باب حفظ العلم (۱۱۸) صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ: باب من فضائل ابی ہریرۃ (۲۴۹۲)]

سوائے جن وانس کے۔ پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی' حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿لاَعِنُونَ﴾ سے مراد تمام جانور اور کل جن وانس ہیں' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برستی تو چوپائے' جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گناہگار کے گناہ کی شومی قسمت سے ہے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گناہگاروں پر لعنت نازل کرے۔[1]

بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں' حدیث میں ہے عالم کے لیے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔[2] اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں پر اللہ لعنت کرتا ہے' اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر بازبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی۔ واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو الگ کرلیا گیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کرلیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کریں ان لوگوں کی توبہ اللہ تواب الرحیم قبول فرمالیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرلے تو اس کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی لیکن نبی التوبۃ اور نبی الرحمہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں ان پر اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے' یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ ہی رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور وہ عذاب بھی ہمیشہ ہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہوگی نہ کبھی موقوف ہوگی بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت عذاب میں رہیں گے۔ ﴿نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللهِ﴾ حضرت ابو العالیہ اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں' قیامت کے دن کافر کو ٹھہرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ۔

کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے' لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماءِ کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لیے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور اس آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے۔ معین کافر دلیل ہے کسی پر لعنت نہ بھیجنے کی' ایک دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابوبکر بن عربی مالکی رحمہ اللہ لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے' بعض نے اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا اس پر

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۷۵)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب العلم: باب الحث علی طلب العلم (۳٦٤١) ترمذی: کتاب العلم: باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة (۲٦٨٢) ابن ماجه: مقدمه: باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (۲۲۳) مسند احمد (۱۹٦/۵)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے [1] اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ' رسول سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ‌ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۳﴾

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ○

عبادت کا اکیلا حقدار: یعنی الوہیت میں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس جیسا کوئی ہے وہ واحد اور احد ہے وہ فرد اور صمد ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ رحمٰن اور رحیم ہے' سورۂ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے' ایک یہ آیت دوسری آیت ﴿الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ﴾ [2] [3] اس کے بعد اس کی توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے اسے بھی توجہ سے سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

آسمان اور زمین کی پیدائش' رات دن کا ہیر پھیر' کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا' آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا' ہواؤں کے رخ بدلنا' تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا عقلمندوں کے لیے قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں ○

مضبوط اور روشن دلائل: مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرماں روائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی' لطافت' کشادگی' جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو' پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے' جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بہ فلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں جس میں انواع واقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے' جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب مایکره من لعن شارب الخمر (٦٧٨٠)]

[2] [سورة آل عمران : آیت ١-٢]

[3] [صحیح: ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب الدعاء (١٤٩٦) ترمذی : کتاب الدعوات : باب جامع الدعوات عن النبی (٣٤٧٦) ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب اسم الله الاعظم (٣٨٥٥) مسند احمد (٦/٤٦١) طحاوی (١٧٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحه (٧٤٦)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو' پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی۔ دن گیا۔ رات آ گئی۔ نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر۔ ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں' کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جائے' پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال واسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں' جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں' یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا' چاروں طرف ریل پیل کر دینا' زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا' ان سب کی حفاظت کرنا' انہیں روزیاں پہنچانا ان کے لیے سونے بیٹھنے' چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا' ہواؤں کو پورب پچھم چلانا' کبھی ٹھنڈی کبھی گرم' کبھی کم کبھی زیادہ' بادلوں کو آسمان وزمین کے درمیان مسخر کرنا' انہیں ایک طرف سے دوسری کی طرف لے جانا' ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقل منداپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پالیتے ہیں' جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان وزمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں' جو اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں آپ نے فرمایا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو' آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں اللہ! تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں تو پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت ﴿وَاِلٰهُكُمْ﴾ الخ' اتری تو مشرکین کہنے لگے ایک اللہ تمام جہان کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور قدرت کے نشان ہائے ان پر ظاہر کیے گئے۔

---

[1] [سورۃ آل عمران : آیت ۱۹۰-۱۹۱]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ع

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے، ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ یہ مشرک لوگ جانتے کہ جب اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سخت ہیں (تو ہرگز شرک نہ کرتے) ○ جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے ○ اور تابع دار لوگ کہنے لگیں گے کاش کہ ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے، اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کو دکھائے گا ان پر حسرت وافسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے ○

اللہ سے محبت کی بجائے اوروں سے محبت: اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے، یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی ہی جماتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہیے حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے، وہ شریک اور حصہ داری سے پاک ہے بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے۔[1] پھر فرمایا ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں، وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے کسی اور طرف التجا کرتے ہیں نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر شرک کے بوجھ کا ظلم کرتے ہیں انہیں اس عذاب کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسے دیکھ لیں تو یقین ہو جائے کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اسکا عذاب بھی بڑا بھاری ہے، جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کو پکڑ ہو سکتی ہے[2] دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التوحید: باب وما ذکر فی خلق العباد (۷۵۲۰) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان کون الشرك اقبح الذنوب (۷۶) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن سورة الفرقان (۳۱۸۲) نسائی: کتاب المحاربة (۴۰۱۹) مسند احمد (۴۳۴/۱)]

[2] [سورة الفجر: آیت ۲۵-۲۶]

منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک وکفر پر ہرگز نہ اڑتے۔

اس دن ان لوگوں نے جن جن کو اپنا پیشوا بنا رکھا تھا وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے' فرشتے کہیں گے اللہ ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اللہ تیری ذات پاک ہے تو ہی ہمارا ولی ہے' یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے ہیں انہی پر ایمان رکھتے تھے' اسی طرح جنات بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ ایک اور جگہ قرآن میں ہے کہ یہ لوگ جن جن کی عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن ﴿سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ (مریم / ۸۲) ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا﴾ (العنکبوت / ۲۵) الخ' تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہو گا' اسی طرح اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سبا / ۳۱) الخ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے' وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے' وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں' تمہارے کفرانہ احکام' تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا' اب سب دل سے نادم ہوں گے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ (ابراهیم / ۲۲) الخ' یعنی اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اب اپنی جانوں کو لعنت' ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ تم میری۔ میرا تمہارے اگلے شرک سے کوئی واسطہ نہیں جان لو کہ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی' نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں کٹ جائیں گے۔ رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

بلا دلیل باتیں ماننے والے' بے وجہ اعتقاد رکھنے والے' پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت ویاس سے کہیں گے کہ اگر اب ہم دنیا میں لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے نہ ان کی طرف التفات کریں' نہ ان کی باتیں مانیں' نہ انہیں اللہ کے شریک سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں۔ حالانکہ اگر درحقیقت یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا ﴿لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ (انعام / ۲۸) اسی لیے یہاں فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا ان پر حسرت وافسوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ بھی ضائع ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا﴾ (الفرقان / ۲۳) الخ' اور جگہ ہے ﴿اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ (النور / ۳۹) الخ' اور جگہ ہے ﴿اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ﴾ (ابراهیم / ۱۸) الخ' یعنی ان کے اعمال

برباد ہیں ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں' ان کے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودا ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ نہ چلو' وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ○

حلال روزی کی ترغیب وفوائد: اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لیے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے' فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھولو کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں' جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں نہ صحت کو نہ عقل و ہوش کو ضرر دیں' میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ پر نہ چلو۔ جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں' صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اسے ان کے لیے حلال کر دیا ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔ [1]

حضور ﷺ کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا حضور ﷺ میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے' آپ نے فرمایا اے سعد رضی اللہ عنہ پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے حرام کا لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔ [2] پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے' جیسے اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو اس کی اور اس کے دوستوں کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں [3] اور جگہ فرمایا ﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوْلِيَآءَ﴾ (الکھف / ٥٠) الخ'

---

[1] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الجنة : باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا (٢٨٦٥) طیالسی (١٠٧٩) عبدالرزاق (٢٠٠٨٨) مسند احمد (٢٦٦/٤)]

[2] [ضعیف جمع (٢٩٠/١٠)، (١٨١٠١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (١٨١٢)] حافظ منذریؒ نے اس کے ضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [الترغیب (١٢/٣)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس میں حسن بن عبدالرحمٰن احتیاطی راوی سخت ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [سورة فاطر : آیت ٦]

کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔

خطوات شیطان کا مفہوم: ﴿خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے [1] جس میں شیطان کا بہکاوا شامل ہوتا ہے شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا حضرت مسروق رحمہ اللہ کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک مینڈھا ذبح کر دے ورنہ نذر شیطان کے نقش قدم سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن بکری کا پایا نمک لگا کر کھا رہے تھے ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا' آپ نے فرمایا کھاؤ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو۔

ابو رافع رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے' اب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی ہے' پھر میں حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں سے بھی یہی جواب ملا' عاصم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی فتویٰ دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے اس کا کفارہ قسم کے کفارے کے برابر دے دے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زناکاری اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ سے ان باتوں کو جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو ان باتوں کو اللہ سے متعلق کرتا ہے جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا' لہٰذا ہر کافر اور بدعتی ان میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں ○ کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے' گونگے اور اندھے ہیں انہیں عقل نہیں ○

ضلالت و جہالت کا مفہوم: یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۲۲۱)]

اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم وہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے صرف آواز کانوں میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں اسی طرح بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں' نہ ان میں زندگی ہے' نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے' حق کہنے سے بے زبان ہے' حق کی راہ چلنے سے اندھی ہے عقل وفہم سے دور ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ﴾ [1] یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے' گونگے اور اندھیرے میں ہیں جسے اللہ چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو○ تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے پھر بھی جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (ان کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے○

رزقِ حلال اور رزقِ حرام کی پہچان: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو' لقمہ حلال دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے اس نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ [2] اور فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرہ / ۱۷۲) پھر آپ نے فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا' غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس

---

[1] [سورۃ الانعام : آیت ۳۹]

[2] [سورۃ المومنون : آیت ۵۱]

اور غذا سب حرام کے ہیں اس لیے اس کی اس وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی [1] حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو کہیں سے گر پڑا ہو اور مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کر دیا ہو درندوں نے اسے مار ڈالا ہو یہ سب میتۃ میں داخل ہیں اور حرام ہیں لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائیں تو بھی حلال ہیں۔ قرآن کہتا ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ (المائدہ/۹۶) اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

عنبر نامی جانور کا مرا ہوا ملنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسے کھانا پھر حضور ﷺ کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا یہ سب باتیں حدیث میں ہیں۔ [2] ایک اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے، [3] ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی کلیجی اور تلی، [4] سورۂ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل وار آئے گا۔ ان شاء اللہ

مسئلہ مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اس لیے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے، امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت میں شامل کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے، اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو بطورِ اعتراض ان پر وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بہنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

---

[1] [صحیح] صحیح مسلم : کتاب الزکوۃ : باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب (۱۰۱۵) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ البقرۃ (۲۹۸۹)]

[2] [صحیح] صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوۃ سیف البحر (۴۳۶۰۔ ۴۳۶۱) صحیح مسلم : کتا ب الصید : باب اباحۃ میتات البحر (۱۹۳۵)]

[3] [صحیح] ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب الوضوء بمآء البحر (۸۳) ترمذی : کتاب الطھارۃ : باب ما جآء فی ماء البحر (۹۹) ابن ماجہ : کتاب الطھارۃ : باب الوضوء بمآء البحر (۳۸۶) نسائی : کتاب الطھارۃ : باب فی ماء البحر (۵۹) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داؤد (۷۶) السلسلۃ الصحیحۃ (۴۸۰)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روایت کے متعلق امام بخاریؒ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح ہے، نیز امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور امام ابن مندہؒ نے بھی اس کی صحت کو ہی ترجیح دی ہے۔[دیکھئے: خلاصۃ البدر المنیر لابن الملقن (۷/۱)]

[4] [صحیح] ابن ماجہ : کتاب الاطعمۃ : باب الکبد والطحال (۳۳۱۴) مسند شافعی : کتاب الصید والذبائح (۱۷۳/۲) مسند احمد (۹۸/۲) دارقطنی (۲۷۲/۴) بیہقی (۲۵۴/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلۃ الصحیحہ (۱۱۱۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

نبی ﷺ سے گھی اور پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ [1] پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو' سور کی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لیے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی' دوسرے اس لیے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ اپنے معبودانِ باطل کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصری رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہیے اس لیے کہ وہ ایک تصویر کے لیے ذبح کیا گیا ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہیے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔ [2]

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جبکہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھالینا مباح کیا ہے اور فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے مگر باغی اور سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے باغ اور عاد کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں' ڈاکو' راہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا' سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا سبھی کے لیے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں' غیر باغ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حیان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو [3] اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو' اسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لیے کھالے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی اسے پھینک دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لیے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر آیا' اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہیے مردار نہ کھائے'

---

[1] [حسن ترمذی: کتاب اللباس: باب ماجآء فی لبس الفراء (۱۷۲۶) ابن ماجہ: کتاب الاطعمة: باب اکل الجبن والسمن (۳۳۶۷)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ جبکہ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۳۱۹۵) غایة المرام (۲۔۳) صحیح ابن ماجہ (۲۷۱۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر قرطبی (۲/۲۲٤)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۲۳٦)]

پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے۔

حضرت عباد بن شرحبیل غبری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی، میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا، نہ اس کے لیے کوئی اور کوشش کی، نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دے دو۔[1] (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان میں سے کچھ کھالے لے کر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔[2] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے، یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اس کے لیے حلال ہے حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو، یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ

---

[1] صحیح: ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب فی ابن السبیل یاکل من التمر (۲٦۲۰) نسائی: کتاب آداب القضاة: باب الاستعداد (۵٤۱۱) ابن ماجه: کتاب التجارات: باب من مر علی ماشية (۲۲۹۸) حاکم (٤/۱۳۳) بيهقی (۲/۱۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۲۲۲۹)]

[2] حسن: ابو داؤد: کتاب اللقطه: باب التعریف باللقطه (۱۷۱۰) نسائی: کتاب السارق: باب الثمر یسرق بعد (٤۹٦۱)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔[ارواء الغليل (۲٤۱۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] ضعیف: بيهقی (۹/۳۵۷)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

میں آگ بھر رہے ہیں قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لیا ہے' یہ لوگ عذاب کی آگ کو کیسے برداشت کرنے والے ہیں ○ ان (عذابوں) کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپالیا اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ○

کتمانِ حق کے مرتکب کا انجام: یعنی جو یہودی نبی ﷺ کی صفات کی آیتوں کو جو توراۃ میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور نقدی سمیٹتے رہتے ہیں وہ اس گھٹیا دنیا کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں' انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضور ﷺ کی نبوت کی سچائی اور آپ ﷺ کے دعوے کی تصدیق کی آیتیں (جو توراۃ میں ہیں) لوگوں پر ظاہر ہوگئیں تو لوگ آپ ﷺ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے اس خوف سے وہ ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس کے باعث دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی' آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا' وقتاً فوقتاً وہ آیتیں جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہتے تھے ظاہر ہوتی رہیں' علاوہ ازیں خود حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادت نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی ان لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا' قرآن کریم میں ان کی حقائق چھپانے والی حرکتوں کو جگہ جگہ بیان کیا گیا' اور فرمایا ہے کہ جو مال تم کماتے ہو اللہ کی باتوں کو چھپا کر یہ دراصل آگ کے انگارے ہیں' جنہیں تم پیٹ میں بھر رہے ہو۔

ناحق یتیموں کا مال کھانے والوں کا انجام: قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو یتیموں کا مال ظلم سے ہڑپ کر لیں۔ ان کے لیے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ [1] صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ [2] پھر فرمایا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہیں کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا کرے گا اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے نظر رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے رہیں گے۔

حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا' نہ ان کی طرف دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہیں زانی بڈھا' جھوٹا بادشاہ' متکبر فقیر۔ [3] فرمایا کہ ان لوگوں نے ہدایت کے

---

[1] [سورۃ النسآء : آیت ۱۰]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاشربۃ : باب آنیۃ الفضۃ (۵۶۳۴) صحیح مسلم : کتاب اللباس : باب تحریم استعمال اوانی الذھب والفضۃ (۲۰۶۵)]

[3] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (۱۰۷) مسند احمد (۲/۴۳۳)]

بدلے گمراہی لے لی انہیں چاہیے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور ﷺ کی نسبت تھیں انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپالیا اور انہوں نے خود بھی آپ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور آپ ﷺ کی تکذیب کی' ان کے اظہار پر جو نعمتیں اور رحمتیں انہیں ملنے والی تھیں ان کے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لے لئے۔

پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق اس لیے ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کا نابود کرنے کے لیے اتری تھی انہوں نے اس کی مخالفت کی' ظاہر کرنے کی باتیں چھپائیں اللہ کے نبی ﷺ سے دشمنی کی آپ ﷺ کی صفتوں کو ظاہر نہ کیا فی الواقع اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر' قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو' جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے' غلاموں کو آزاد کرے' نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے' جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے' تنگ دستی' دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○

نیکی کیا ہے؟ اس پاک آیت میں صحیح عقیدے اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی' پھر یہی سوال کیا آپ نے فرمایا سنو نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے۔ [1] لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے' مجاہد رحمہ اللہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا سن ایک شخص نے یہی سوال حضور ﷺ سے کیا آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمادی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ

---

[1] [**ضعيف ومنقطع**: حاكم (۲/۲۷۲) تفسير ابن أبي حاتم (۱/۲۸۷)]

ہوا تو آپ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے۔ (ابن مردویہ) یہ روایت بھی منقطع ہے اب اس آیت کی تفسیر سنیے۔ مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گزرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اس کا اصل مقصد اطاعتِ فرمان اللہ ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کر لو اہل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہو اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (الحج / ٣٧) یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور لہو اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی بھلائی نہیں۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض و احکام نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا' مشرق و مغرب کو اس کے لیے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے' پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف لفظی ایمان ہے ایمان کی حقیقت تو عمل ہے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے' فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں' تمام بھلائیوں کا عامل ہو' حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا اس نے کامل اسلام پا لیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی' اس کا ذات باری پر ایمان ہے یہ وہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں یہ مانتا ہے' کل آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ تمام اگلی کتابوں کو سچا کہنے والی' تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت پر مشتمل ہے وہ مانتا ہے' اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی اس کا ایمان ہے' بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے راہِ اللہ میں خرچ کرتا ہے۔

افضل صدقہ: صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام دے' باوجود یہ کہ مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت بھی ہو۔[1] (بخاری و مسلم)

مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الزکوة: باب فضل صدقة الشحيح الصحيح (۱۴۱۹) صحیح مسلم: کتاب الزکوة: باب بیان ان افضل الصدقة صدقة الصحيح الشحيح (۱۰۳۲) نسائی: کتاب الزکوة: باب ای الصدقة افضل (۲۵۴۳) ابو داؤد: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی کراهية الاضرار فی الوصية (۲۸۶۵) مسند احمد (۲/۲۵- ۴۱۵)]

ہوئے صدقہ کرو' (۱) لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے' اصل میں یہ فرمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے' قرآن کریم میں سورۂ دہر میں فرمایا: ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ﴾ (الدھر/۸) الخ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ اور جگہ فرمایا ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (ال عمران/۹۲) جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پاسکتے۔ ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر/۹) یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج تھے دوسروں کو دے دی' اور اپنی حاجت مندی کا خیال بھی نہ کیا۔

ذوی القربیٰ معنیٰ: ﴿ذَوِي الْقُرْبَىٰ﴾ انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دیتے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں' حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابت دار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہے' ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں' قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے۔ (۲)

یتامیٰ کا مفہوم: یتیم سے مراد چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور ان کا کمانے والا کوئی نہ ہو' نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت و طاقت ہو' حدیث شریف میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ (۳)

مساکین کی تعریف: مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا ہو جو ان کے کھانے پینے' پہننے اوڑھنے' رہنے سہنے کو کافی نہ ہو سکے' ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں' بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا ایک ایک دو دو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ ان کے سب کام نکل جائیں نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے

---

(۱) [موقوف :حاکم (۲/۲۷۲۔ ۲۷۳)]

(۲) [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصوم : باب ما یفطر علیه (۲۳۵۵) ترمذی : کتاب الزکوۃ : باب ما جآء فی الصدقة علی ذی القرابة (۶۵۸) نسائی : کتاب الزکاۃ : باب الصدقة علی الاقارب (۲۵۸۳) ابن ماجه : کتاب الزکاۃ : باب فضل الصدقة (۱۸۴۴) ابن خزیمه (۲۳۸۵) مسند احمد (۴/۱۷' ۲۱۴) ابن حبان (۳۳۴۴) بیهقی (۴/۱۷۴) دارمی (۱۶۸۰) طبرانی کبیر (۶۲۰۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۸۸۳)]

(۳) [سنده ضعیف وله شواهد :ابو داؤد : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی متی ینقطع الیتم (۲۸۷۳) طحاوی فی مشکل الآثار (۱/۲۸۰) بیهقی (۷/۳۲۰) طبرانی کبیر (۳۵۰۲) مسند احمد (۱/۲۹۴)] اس کی سند میں جو یبر راوی متروک الحدیث ہے۔ لیکن اس کے متن کا صحیح شاہد ان لفظوں میں موجود ہے ﴿ لا یتم بعد احتلام ﴾ دیکھئے: ارواء الغلیل (۱۲۴۴)]

لوگوں کو علم ہو جائے اور انہیں کوئی کچھ دے دیں۔ [1]

ابن سبیل کون؟ ﴿ابن السبیل﴾ مسافر کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ باطمینان اپنے وطن پہنچ جائیں' اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت اللہ میں سفر کر رہا ہو اسے جانے آنے کا خرچ دینا۔ مہمان بھی اسی حکم میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔ [2]

سوال کرنے والے: سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں' انہیں صدقہ' زکوۃ دینا چاہئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے۔ [3]

فی الرقاب کا مفہوم: ﴿فی الرقاب﴾ سے مراد غلاموں کو آزادی دلانا ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو مقرر قیمت کی ادائیگی کا لکھ دیا کہ اتنی رقم ہم تمہیں ادا کر دیں گے تو ہم آزاد ہیں لیکن اب ان بیچاروں سے ادا نہیں ہو سکی تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا' ان تمام قسموں کی اور دوسرے اسی قسم کے لوگوں کی پوری تفسیر سورۂ برات میں ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ﴾ [4] کی تفسیر میں بیان ہوگی۔ ان شاء اللہ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی' اس حدیث کا ایک راوی ابو حمزہ میمون اعور ضعیف ہے۔

اقامت صلاۃ اور ادائے زکوٰۃ کی ترغیب: پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع' سجدے' اطمینان اور آرام' خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح ادائیگی کا شریعت میں حکم ہے اور زکوۃ کو بھی ادا کرے یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو بے معنی باتوں اور رذیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ (الشمس/۹-۱۰) یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی میں لتھیڑنے (لت پت کرنے) والا تباہ ہو گیا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی فرمایا تھا کہ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾ (النزعت/۱۸) الخ۔ اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ (فصلت/۶-۷) یعنی ان مشرکوں کو ویل ہے جو زکوۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے' پس

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الزکوة : باب قول الله عزو جل لایسئلون الناس الحافا (۱۴۷۶) و کتاب التفسیر : سورة البقرة (۴۵۳۹) صحیح مسلم : کتاب الزکوة : باب المسکین الذی لا یجد غنی (۱۰۳۹) ابو داؤد : کتاب الزکوة : باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی (۱۶۳۱)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲۵۹/۱)]

[3] [حسن مسند احمد (۲۰۱/۱) ابو داؤد : کتاب الزکوة : باب حق السائل (۱۶۶۵) ابو یعلی (۶۷۸۴) ابو نعیم (۳۷۹/۸) طبرانی .کبیر (۲۸۹۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ جبکہ مولانا مبشر احمد ربانی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یعلی بن ابی یحیٰ مجہول ہے۔]

[4] [سورة التوبة : آیت ۶۰]

یہاں مندرجہ بالا آیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک وکفر سے پاک کرنا ہے اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو تو اور احکام نفلی صدقہ سے متعلق سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ (۱) پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿یُوفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ (الرعد/۲۰) الخ، یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

عہد توڑنا منافقت: وعدے توڑنا نفاق کی خصلت ہے، جیسے حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں، بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا (۲) ایک اور حدیث میں ہے جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ (۳) پھر فرمایا فقر وفاقہ میں مال کی کمی کے وقت بدن کی بیماری کے وقت، لڑائی کے موقعہ پر دشمن دین کے سامنے میدانِ جنگ میں جہاد کے وقت صبر وثابت قدم رہنے والے اور فولادی چٹان کی طرح جم جانے والے۔ ﴿صَابِرِينَ﴾ کا نصب بطور مدح کے ہے، ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے ہمارا بھروسہ اسی پر ہے۔ پھر فرمایا: ان اوصاف والے ہی لوگ سچے ایمان والے ہیں ان کا ظاہر باطن، قول فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گزار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کر دیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے، جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے، تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا ○ عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق) سے رکو گے ○

---

(۱) **[ضعیف:** ترمذی: کتاب الزکاۃ: باب ماجاء ان فی المال حقا سوی الزکوۃ (۶۵۹۔۶۶۰) دارقطنی (۲/۱۲۵)] امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں ابوحمزہ راوی ضعیف راوی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۴۳۸۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

(۲) **[صحیح:** صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب علامة المنافق (۳۳) و کتاب الشهادات (۲۵۳۶) و کتاب الوصایا (۲۵۹۸) و کتاب الادب (۵۷۴۴) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب خصال المنافق (۵۹) ترمذی: کتاب الایمان: باب ماجاء فی علامة المنافق (۲۶۳۱) نسائی: کتاب الایمان: باب علامة المنافق (۵۰۳۶) مسند احمد (۲/۳۵۷)]

(۳) **[صحیح:** صحیح بخاری (۳۴) مسلم (۵۸) ابوداؤد (۴۶۸۸) ترمذی (۲۶۳۲)]

قصاص کی توضیح: یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت اس کے بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور اللہ کا حکم بدل دیا' اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضیری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضیری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جائے تو دوگنی دیت یعنی دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا' ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدل لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے قرآن فرماتا ہے ﴿اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ [1] پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ (المائدہ/ ۴۵) نازل ہوئی۔

پس آزاد لوگ سب برابر ہیں جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو اسی طرح مقتولی خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہو گا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے' حضرت امام مالک رحمہ اللہ بھی اس آیت کو ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ سے منسوخ بتلاتے ہیں۔

مسئلہ: امام ثوری' امام ابن ابی لیلیٰ اور داؤد رحمہم اللہ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا' حضرت علی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت سعید بن مسیّب' حضرت ابراہیم نخعی حضرت قتادہ اور حضرت حکم رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے' حضرت امام بخاری' علی بن مدینی' ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری رحمہم اللہ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کی ناک کاٹ دے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا۔ [2]

---

[1] [سورة المائدة : آیت ٤٥]

[2] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الدیات : باب من قتل عبده (٤٥١٥) ترمذی : کتاب الدیات : باب ماجآء فی الرجل یقتل عبده (١٤١٤) نسائی : کتاب القسامة : باب القود من السید للمولی (٤٧٤٠) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب هل یقتل الحر بالعبد (٢٦٦٣) طیالسی (٩٠٥) بیهقی (٣٥/٨)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (٧٥٤٩) ضعیف ابن ماجه (٥٧٩) ضعیف ترمذی (٢٣٦) مشکاة المصابیح (٣٤٧٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

کافر کے بدلے مسلمان کا قتل: لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماءِ امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ ﴿لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ﴾ [1] مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے' اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو' لیکن تاہم صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

مسئلہ: حضرت حسن بصری اور حضرت عطا رحمہما اللہ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماءِ اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورۂ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ موجود ہے علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے ﴿اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ﴾ [2] یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں' حضرت لیث رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاصتہ اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص کو سات شخص مل کو مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے فرمان کے خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا۔ پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کئے جائیں' حضرت معاذ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما عبدالملک بن مروان زہری' ابن سیرین حبیب بن ابی ثابت رحمہم اللہ سے بھی یہ قول مروی ہے' ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب العلم : باب کتابة العلم (۱۱۱) و کتاب الدیات : باب الحاقله (۶۹۰۳) وباب لا یقتل مسلم بکافر (۶۹۱۵) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب لا یقتل مسلم بکافر (۲۶۵۸) ترمذی : کتاب الدیات : باب ما جآء لا یقتل مسلم بکافر (۱۴۱۲) نسائی : کتاب القسامة : باب سقوط القود من المسلم للکافر (۴۷۴۸)]

[2] [صحیح ابو داؤد : کتاب الجهاد : باب فی السریة ترد علی اهل العسکر (۲۷۵۱) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب المسلمون تتکافأ دماؤهم (۲۶۸۵) مسند احمد (۱۹۱/۲۔ ۲۱۱) بیهقی (۲۹/۸)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۲۲۰۸) المشکاة (۳۴۷۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے' اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا تو قاتل کو مشکل میں نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہیے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے' حیل وحجت نہ کرے۔

مسئلہ: امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ علیہم کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن' قتادہ' زہری' ابن شبرمہ' لیث اور اوزاعی رحمہ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔

پھر فرماتا ہے کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں قصاص دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی دیت نہ تھی' بعض لوگ کہتے ہیں اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پھر قتل کے درپے ہوا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص یعنی بدلہ لے لے یا درگزر کرے۔ معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہو جائے گا۔ [1]

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کر لی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ [2]

---

[1] [ضعیف ابو داؤد : کتاب الدیات : باب الامام یامر بالعفو فی الدم (٤٤٩٦) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب من قتل له قتیل فهو بالخیار (٢٦٢٣) دارمی (٢٢٦٢) دارقطنی (٩٦/٣) مسند احمد (٣١/٤)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٢٧٨/٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں سفیان بن ابی العوجاء راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف ابو داؤد : کتاب الدیات : باب من قتل بعد اخذ الدیة (٤٥٠٧)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابو داود (٩٧١) ضعیف الجامع الصغیر (٦١٧٦) السلسلة الضعیفه (٤٧٦٧)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو! قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دو مرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زندگی ہے' قاتل کو خود خیال ہوگا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل وخون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ ﴿اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ﴾ قتل' قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا زمین پر امن وامان' سکون وسلام رہے گا' تقویٰ کل نیکیوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ ع ۲۲ / ۶

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ○ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس میں اصلاح کرا دے اس پر گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

وصیت کے احکام: اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے' میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا ٹھیک قول یہی ہے' لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا' ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لے گا' سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے اب کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں'[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۂ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں جب آپ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے۔ (مسند احمد)[2] آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور

---

[1] [حسن: ترمذی: کتاب الوصایا: باب ما جاء الوصیة لوارث (۲۱۲۱) نسائی: کتاب الوصایا: باب ابطال الوصیة للوارث (۳۶۷۱) ابن ماجه: کتاب الوصایا: باب لا وصیة لوارث (۲۷۱۲) طیالسی (۱۲۱۷) مسند احمد (۴/۱۸۶) بیهقی (۶/۲۶۴) طبرانی کبیر (۱۷/۳۲)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔[ارواء الغلیل (۶/۸۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو بہت سے زواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔]

[2] [حاکم (۲/۲۷۳)]

کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا اوروں کے لیے صرف وصیت ہوتی تھی پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ﴾ [1] الخ، ہے، حضرت ابن عمر، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، [2] عکرمہ، [3] زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور زہری رحمہ اللہ علیہم یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتاتے ہیں، لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابومسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [4] الخ، میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا ہے بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد رحمہ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے، میں کہتا ہوں سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر پہلے فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لیے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لیے ہوئی جو وارث نہیں اور ان کے حق میں نہ رہی جو وارث ہوں، یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداءِ اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری، دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا۔

لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق وسباق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاءِ کرام کا قول ہے، پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے حدیث شریف میں آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں، آیتِ میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب وفرض ہے ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیۃً اٹھ گیا، باقی رہے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لیے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آ چکا ہے۔

وصیت کے متعلق فرمانِ نبوی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے ہوئے گزارے راوی حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا

---

[1] [سورۃ النساء : آیت ۷]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۰۲ ـ ۳۰۱)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۳۹۱)]
[4] [سورۃ النساء : آیت ۱۱]

وصیت نہیں گذاری[1] قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک واحسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں' ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔[2]

خیرا کا مفہوم: ﴿خَیْرًا﴾ سے مراد یہاں مال ہے اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی' بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک قریشی مر گیا اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنْ تَرَكَ خَیْرًا﴾ فرمایا ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے اس سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اولاد کے لیے ہی چھوڑ جا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں' طاؤس رحمہ اللہ اسی دینار بتاتے ہیں قتادہ رحمہ اللہ ایک ہزار بتاتے ہیں۔

معروف کا مفہوم: ﴿مَعْرُوْف﴾ سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اس میں بھلائی کرے' برائی نہ کرے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپ اجازت دیجیے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں آپ نے فرمایا نہیں کہا آدھے کی اجازت دیجیے فرمایا نہیں کہا ایک تہائی کی اجازت دیجیے فرمایا خیر تہائی مال کی وصیت کرو گو یہ بھی بہت ہے تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگ دست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔[3]

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوصایا : باب الوصایه (۲۷۳۸) صحیح مسلم : کتاب الوصیة : باب وصیة الرجل عنده (۱۶۲۷) ترمذی : کتاب الجنائز : باب ما جآء فی الحث علی الوصیة (۹۷٤) ابن ماجه : کتاب الوصایا : باب الحث علی الوصیة (۲۶۹۹)]

[2] [ضعیف : عبد بن حمید (۷۶۹) دارقطنی (۱٤۸/٤)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند مبارک بن حسان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں مبارک بن حسان لین الحدیث ہے، امام ابوداودؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، امام نسائیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ قوی نہیں، امام ازدیؒ اسے متروک کہتے ہیں اور امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بہت سی غیر محفوظ اشیاء روایتیں کرتا ہے۔[تهذیب (۲٤/۱۰)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الفرائض : باب میراث البنات (۶۷۳۳) صحیح مسلم : کتاب الوصیة : باب الوصیة بالثلث (۱۶۲۸) ابن ماجه : کتاب الوصایا : باب الوصیة بالثلث (۲۷۰۸) ترمذی : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی الوصیة بالثلث (۲۱۱۶) نسائی : کتاب الوصایا : باب الوصیة بالثلث (۳۶۵۶) مسند احمد (۱۷۹/۱)]

صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آ جائیں اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے [1] مسند احمد میں ہے حنظلہ بن جذیم بن حنیفہ کے دادا حنیفہ نے ایک یتیم بچے کے لیے جوان کے ہاں پلتے تھے سواونٹوں کی وصیت کی ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گزرا معاملہ حضور ﷺ تک پہنچا حضور ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں نہیں صدقہ میں پانچ دو ورنہ دس دو ورنہ پندرہ ورنہ بیس ورنہ پچیس دو ورنہ تیس دو ورنہ پینتیس دو اگر اس پر بھی نہ مانو تو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو۔ [2] پھر فرمایا جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپالے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی' نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ' نہ کوئی راز۔ جنف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں [3] مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا مثلاً کہہ دیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ اب یہ خواہ بطورِ غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت و شفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے ردوبدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی شرع کے مطابق پوری ہو ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت گناہ کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے' یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن مزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے' ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے [4] لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے' اس بارے میں سب سے اچھی وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی نیک اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل وانصاف کرتے ہیں

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الوصایا : باب ان یترك ورثته اغنیاء (۲۷۴۲)]

[2] [حسن :مسند احمد (۵/۶۷۔ ۶۸) طبرانی کبیر (۳۵۰۰)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲۱۰۔۲۱۱)]

[4] [موقوف صحیح :دارقطنی (۴/۱۵۱) العقیلی فی الضعفاء (۳/۱۸۹) نصب الرایه (۴/۴۰۲) نسائی فی السنن الکبریٰ (۱۱۰۹۲) عبدالرزاق (۱۶۴۵۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ روایت موقوفاً صحیح ہے۔]

اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں' [1] پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ (البقرہ/٢٢٩) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم بچ جاؤ○ گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے' طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں' اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو○

فرضیتِ روزہ کا مقصد: اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو' روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں اس سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب وطاہر ہو جاتا ہے ردی اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے' اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا' اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدہ/٤٨) الخ' یعنی ہر ایک کے لیے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے تمہیں چاہیے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو' یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرنے والوں پر تھے' روزے سے بدن کو پاکیزگی ملتی ہے اور عمل شیطانی راہ پر چلنے سے رک جاتا ہے' بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کر

---

[1] [**ضعیف**: ابوداؤد: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی کراهیة الاضرار فی الوصیة (٢٨٦٧) ترمذی: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی الفرار فی الوصیة (٢١١٧) ابن ماجه: کتاب الوصایا: باب الحیف فی الوصیة (٢٧٠٤) عبدالرزاق (١٦٤٥٥) بیهقی (٢٧١/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (١٤٥٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن کہا ہے۔]

لے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے اس کے لیے یہ جوش کو سرد کر دیتے ہیں [1] پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تاکہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق وشوق سے اس الٰہی فریضہ کو بجالائے' پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا اس کا مفصل بیان آ رہا ہے ان شاءاللہ تعالیٰ۔

حضرت معاذ' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم عطا' قتادہ' ضحاک رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے۔ [2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا' عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے' مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں' ہاں ابتداءِ اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے' خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا' ابن مسعود' ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد' طاؤس' مقاتل رحمہ اللہ وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔

نماز کی تبدیلیاں: مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔

① **پہلی تبدیلی:** پہلے تو سولہ سترہ ماہ تک مدینہ میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی پھر ﴿قَدْ نَرٰى﴾ والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپ نے منہ پھیرا۔

② **دوسری تبدیلی:** یہ ہوئی کہ نماز کے لیے ایک دوسرے کو پکارا جاتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم (٥٠٦٦) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب استحباب النکاح لمن نفسه الیه (١٤٠٠) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب التحریض علی النکاح (٢٠٤٦) ترمذی : کتاب النکاح : باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیه (١٠٨١) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب ماجآء فی فضل النکاح (١٨٤٥) نسائی: کتاب الصیام (٢٢٤١) مسند احمد (٣٧٨/١)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (١٦٢٥) ، (٣٠٤/١)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔[فتح الباری (١٧٨/٨)] وہ راوی ابو ربیع ہے۔ دیکھئے: المیزان (٥٢٣/٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں ﴿قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ﴾ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ سکھاؤ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا۔ لیکن ان سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ آ چکے تھے۔

③ تیسری تبدیلی: یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں وہ جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضور ﷺ کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو' یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں۔

روزوں کی تبدیلیاں:

① پہلی تبدیلی: جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ الخ' نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کیے۔

② دوسری تبدیلی: ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے پھر یہ آیت اتری ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرہ/۱۸۵) تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو' مسافر نہ ہو' تندرست ہو بیمار نہ ہو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لیے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا انتہائی جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔

③ تیسری تبدیلی: یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا سو گیا تو پھر گو رات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لیے منع تھا۔

پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی دوسرے دن کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا' ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا سے مجامعت کر لی اور حضور ﷺ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ سے ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرہ/۱۸۷) تک نازل ہوئی [1] اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے

---

[1] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الصلوۃ: باب کیف الاذان (۵۰۶_۵۰۷) مسند احمد (۵/۲۴۶) حاکم (۲/۲۷۴) ابن خزیمۃ (۱/۱۹۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی ؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی، بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا جو چاہتا رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا، [1] حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے۔

بوڑھے آدمی، حاملہ اور مرضعہ کے لیے رخصت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يَطِيْقُوْنَهُ﴾ کا مطلب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ﴾ اتری اور یہ آیت ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ﴾ منسوخ ہوئی، [2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسے منسوخ کہتے ہیں [3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو، [4] ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں میں عطا رحمہ اللہ کے پاس رمضان میں گیا دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا، اب یہ حکم صرف بہت زیادہ، بے طاقت بوڑھے بڑے کے لیے ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لیے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا ہاں ایسے بوڑھے، بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا یہ بھی مثل بچے کے ہے نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، دوسرا قول حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے، اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرتے، [5] مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ جب

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب صیام یوم عاشوراء (۲۰۰۲) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب صوم یو م عاشوراء (۱۱۲۵) ترمذی : کتاب الصوم : باب ما جاء فی الرخصة فی ترك صوم یوم عاشوراء (۷۵۳) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب فی صوم یوم عاشوراء (۲۴۴۲) مسند احمد (۱۶۲/۶)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورة البقرة : باب فمن شهد منکم الشهر فلیصمه (۴۵۰۷) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب بیان نسخ قوله تعالی وعلی الذین یطیقونه (۱۱۴۵)]

[3] [صحیح بخاری (۴۵۰۶)]

[4] [صحیح :صحیح بخاری (۴۵۰۵)]

[5] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله تعالی ایاما معدودات (۴۵۰۵)]

حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے۔ [1]

اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو علماء میں سخت اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دے دیں اور جب خوف جائے قضا بھی کر لیں بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں، بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں امام ابن کثیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے فالحمد للہ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔ نہ فدیہ دیں۔ مترجم)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۚ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۚ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں تم میں سے جو شخص اس مہینے میں مقیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو ○

نزول قرآن کے سبب ماہِ رمضان کی فضیلت: ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہِ مبارک میں قرآن کریم اترا مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ کو نازل ہوا۔ [2] ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارھویں کو اور انجیل اٹھارھویں کو اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور جس پیغمبر پر اتریں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمانِ دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا یہی مطلب ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [3] اور ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ [4] اور

---

[1] [صحیح: مسند ابی لیلی (۲۰۴/۷) بخاری تعلیقا : کتاب التفسیر : باب قوله تعالی ایاما معدودات (۴۵۰۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۲۱/۴)]

[2] [ضعیف: مسند احمد (۱۰۷/۴) بیهقی فی الکبری (۱۸۸/۹) طبرانی کبیر (۱۸۵)، (۷۵/۲۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۶۴۹)، (۳۱۰/۱) تفسیر ابن جریر (۴۴۶/۳)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں عمران بن داؤد قطان راوی ہے جسے امام نسائیؒ اور امام ابوداؤد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔[مجمع الزوائد (۴۶۵/۱) المیزان (۶۲۸۲)] حافظ زبیر علی زئی رقمطراز ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں قتادہ مدلس ہے اور عن سے روایت بیان کر رہا ہے۔]

[3] [سورة القدر : آیت ۱] [4] [سورة الدخان : آیت ۳]

﴿أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلہ مبارکہ بھی کہا گیا ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہی مروی ہے' آپ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اترتا رہا پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپ نے یہی مطلب بیان کیا۔ (ابن مردویہ وغیرہ) آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آدھے رمضان میں قرآن کریم دنیا کے آسمان کی طرف اترا بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسبِ ضرورت واقعات اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں مکمل ہوا اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارا کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا ﴿لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ [۱] الخ' یہ اس لیے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں۔

قرآن کریم کی فضیلت: پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے یہ حق و باطل' حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں علیحدگی کرنے والا ہے' بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہیے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو' [۲] حضرت مجاہد اور محمد بن کعب رحمہ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب اس کے خلاف ہے' رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ کمزور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے اس کے سبب اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ۔ [۳]

مریض اور مسافر کے لیے رخصت: غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے کوئی شخص اپنے گھر ہو' سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں' پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی وہ اٹھ گئی اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کے لیے رخصت کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا

---

[۱] [سورة الفرقان : آیت ۳۲-۳۳]

[۲] **[موضوع:** ابن عدی (۵۳/۷)] امام ابن جوزیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔[الموضوعات (187/2) تذکرة الموضوعات (ص : 70)] امام شوکانیؒ اور امام سیوطیؒ نے بھی اسے موضوعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔[الفوائد المجموعة (س : 87) اللآلئ المصنوعة (82/2)] امام ابن ملقنؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[البدر المنیر (116/7) فتح الباری (113/4)] شیخ البانیؒ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔[السلسلة الضعيفة (6768)]

[۳] **صحیح:** صحیح البخاری : کتاب الایمان : باب صوم رمضان احتسابا من الایمان (۳۸) نسائی : کتاب الصیام : باب ثواب من قام رمضان وصامه (۲۲۰۴) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب ماجاء فی فضل شهر رمضان (۱۶۴۱) مسند احمد (۲/۲۳۳)]

تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے رہ جائیں اتنے دن پھر قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے' اب یہاں چند مسائل بھی سنئے۔

① سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور چاند چڑھ جائے رمضان شریف کا مہینہ آ جائے پھر درمیان میں اسے سفر درپیش ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے' ہاں ان لوگوں کو بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آ جائے' لیکن یہ قول غریب ہے' ابو محمد بن حزم نے اپنی کتاب "محلی" میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے واللہ اعلم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لیے نکلے روزے سے تھے "کدید" میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں۔ (متفق علیہ) [1]

② صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لیے کہ ماہِ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلتے تھے بعض روزے سے ہوتے تھے بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا [2] اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا' بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' بخاری و مسلم میں ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے۔ [3]

③ ایک علماء کی جماعت کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے' اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں [4] ایک اور

---

① [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب من افطر فی السفر لیراہ الناس (۱۹۴۸) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب جواز الصوم والفطر فی شھر رمضان (۱۱۱۳) مسند احمد (۱/۲۱۹)]

② [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب جواز الصوم والفطر فی شھر رمضان (۱۱۱۶) ترمذی: کتاب الصوم: باب ماجآء فی الرخصة فی السفر (۷۱۲) نسائی: کتاب الصیام (۲۳۱۴)]

③ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم (۱۹۴۵) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر (۱۱۲۲)]

④ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر (۱۱۲۱) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب الصوم فی السفر (۲۴۰۳) نسائی: کتاب االصیام (۲۲۹۶) مسند احمد (۳/۴۹۴)]

حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں تم لے لو۔ [1] تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں فرمایا اگر چاہو تو رکھو۔ [2] (بخاری و مسلم)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا اس پر سایہ کیا گیا ہے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور ﷺ یہ روزے سے ہے آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ [3] (بخاری و مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ [4]

چند روزے کے مسائل: چوتھا مسئلہ: آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لیے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہیے، ایک کے پیچھے ایک یونہی لگاتار روزے رکھنے چاہئیں دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ رکھے اختیار ہے جمہور سلف وخلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے، رمضان میں پے در پے رکھنا اس لیے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو اسی لیے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے، مسند احمد میں ہے رسول

---

[1] [صحیح: نسائی: کتاب الصوم: باب العلة التی من اجلها قبل ذالك (۲۲۵۸) صحیح ابن حبان (۳۵۶۷-۳۵۶۸)] امام ابن قطانؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۴۰۷۷) صحیح الترغیب (۱۰۵۴)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب التخییر فی الصوم والفطر (۱۱۲۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب الصوم فی السفر والافطار (۱۹۴۲) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب الصوم فی السفر (۲۴۰۲) نسائی: کتاب الصیام: باب سرد الصیام (۲۳۸۶) مسند احمد (۴٦/٦)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب قول النبی لمن ظلل علیه واشتد البحر (۱۹۴٦) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان (۱۱۱۵) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب اختیار الفطر (۲۴۰۷) نسائی: کتاب الصیام: باب ذکر اسم الرحل (۲۲٦۴)]

[4] [ضعیف: مسند احمد (۷۱/۲)، (۵۳٦۹) مجمع الزوائد (۴۹۳٦)] اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔ مسند احمد میں یہ روایت ایک دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے مگر اس میں بھی ابن لہیعہ راوی ہے اور اس کا شیخ رزیق ثقفی مجہول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ البانیؒ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۱۹۴۹)] مسند احمد کے محقق شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (۵۳۹۲)]

اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو، بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ [1]

مسند میں ہی ایک اور حدیث میں ہے ابوعروہ کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور ﷺ کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا دین آسانیوں والا ہے' تین مرتبہ یہی فرمایا' [2] مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو آسانی کرو سختی نہ کرو' تسکین دو نفرت نہ دلاؤ' [3] بخاری و مسلم کی حدیث میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا' نفرت نہ دلانا' آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا' آپس میں اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا [4] سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ [5]

محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا غور سے آپ اسے دیکھتے رہے پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تمام اہلِ مدینہ میں سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے آپ نے فرمایا اسے نہ سناؤ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں' [6] پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی کا ہے سختی کا نہیں اور قضا کا حکم گنتی کے پورا

---

[1] [حسن : مسند احمد (۴۷۹/۳) مجمع الزوائد (۶۱/۱) طبرانی کبیر (۵۷۳/۱۷) الادب الفرد (۳۴۱)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے رجاء کے، اسے بھی امام ابن حبانؒ نے ثقہ اور حافظ نے مقبول کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اس روایت کو حسن کہتے ہیں۔[صحیح الجامع الصغیر (۳۳۰۹)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

[2] [ضعیف : مسند احمد (۶۹/۵) مسند ابو یعلی (۶۸۶۳) مجمع الزوائد (۶۱/۱-۶۲)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عاصم بن ہلال راوی ہے جسے امام نسائیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عاصم بن ہلال راوی ہے، تقریب میں ہے کہ اس میں کمزوری ہے۔ اور اس میں غاضرہ راوی ہے جسے امام ابن مدینیؒ نے مجہول کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الادب : باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا (۶۱۲۵) صحیح مسلم : کتاب الجهاد : باب فی الامر بالتیسیر (۱۷۳۴) مسند احمد (۱۳۱/۳)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری (۶۱۲۴) مسلم (۱۷۳۳) مسند احمد (۴۱۷/۴)]

[5] [حسن : مسند احمد (۲۶۶/۵) ترمذی : کتاب المناقب : باب مناقب معاذ بن جبل (۳۷۹۳) بخاری تعلیقا : کتاب الایمان باب الدین یسر] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۲۹۲۴)]

[6] [ضعیف : مسند احمد (۳۲/۵)، (۲۰۳۹۸)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

کرنے کے لیے ہے اور اس رحمت، نعمت، ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہیے، جیسے اور جگہ حج کے موقع پر فرمایا: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ (البقرہ/ ۲۰۰) الخ، یعنی جب احکام حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو۔ اور جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تا کہ تمہیں فلاح ملے[1] اور جگہ فرمایا ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾[2] الخ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے سورج کے ڈوبنے سے پہلے رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو، اسی لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے،[3] یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں، داؤد بن علی اصبہانی ظاہری رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اس عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس میں صیغہ امر کا ہے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ﴾ اور اس کے بالکل برخلاف حنفی مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں، باقی بزرگانِ دین اسے مستحب بتاتے ہیں گو بعض تفصیلوں میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تا کہ تم شکر کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے حرام کردہ کاموں سے بچ کر اس کی حدود کی حفاظت کر کے تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ
فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں پس لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے ○

دعا کا طریقہ اور قبولیت کی شرائط: ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کر لیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اس پر یہ آیت اتری۔[4] (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری۔[5] (ابن جریر) حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آیت

---

[1] [سورة الجمعه : آیت ۱۰] [2] [سورة ق : آیت ۳۹ ـ ۴۰]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب الذکر بعد الصلوة (۸۴۳) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب الذکر بعد الصلوة (۵۸۳) ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب التکبیر بعد الصلوة (۱۰۰۲) نسائی : کتاب السهو : باب التکبیر بعد تسلیم الامام (۱۳۳۶) مسند احمد (۱/۲۲۲)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۴۸۰)] [5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۴۸۱)]

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [1] الخ' نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے ؟ اس پر یہ آیت اتری۔ [2] (ابن جریج) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جارہے تھے نبی ﷺ ہمارے پاس آکر فرمانے لگے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے' اے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سن جنت کا خزانہ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ہے۔(مسند احمد) [3] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں۔ [4] (مسند احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ [5] اس مضمون کی آیت کلام پاک میں بھی ہے فرمان ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل / ۱۲۸) جو تقویٰ و احسان و خلوص والے لوگ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے' حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے ﴿اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی﴾ (طه/٤٦) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو ضائع نہیں کرتا' نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے یا نہ سنے اس نے دعا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم

---

[1] [سورۃ مؤمن : آیت ٦٠]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢٩١٥)]

[3] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الدعوات : باب الدعاء اذا علا عقبة (٦٣٨٤) و کتاب القدر (٦٦١٠) و کتاب التوحید (٧٣٨٦) صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب استحباب خفض الصوت بالذکر (٢٧٠٤) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ما جآء فی فضل التسبیح (٣٤٦١) ابو داؤد : کتاب الوتر : باب فی الاستغفار (١٥٢٦) ابن ماجه : کتاب الادب (٣٨٢٤)]

[4] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب فضل الذکر و الدعا (٢٦٨٦) ترمذی : کتاب الزهد : باب ما جآء فی حسن الظن باللّٰه تعالیٰ (٢٣٨٨) مسند احمد (٣/٢١٠)]

[5] [صحیح ابن ماجه : کتاب الادب : باب فضل الذکر (٣٧٩) مسند احمد (٢/٥٤٠)، (١٠٥٩٣)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [بلوغ المرام (١/٣١٠)] شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح الجامع (١٩٠٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے۔ [1] (مسند احمد) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناطے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے' لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے آپ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ [2] (مسند احمد)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ٹلتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو۔ [3] (مسند احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا۔ [4] (موطا امام مالک)

بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے' صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ نامقبولیت کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے یہ جلدی کرنا ہے' [5] ابوجعفر طبری کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں' اے لوگو! تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الصلوۃ : باب الدعاء (۱۴۸۸) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ان اللہ حی کریم (۳۵۵۶) ابن ماجہ : کتاب الدعا : باب رفع الیدین فی الدعاء (۳۸۶۵) مسند احمد (۴۳۸/۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المشکاۃ (۲۲۴۴)]

[2] [حسن : مسند احمد (۱۸/۳) الادب المفرد (۷۱۰) ابو یعلی (۱۰۱۹) بزار (۳۱۴۳۔۳۱۴۴) حاکم (۴۹۳/۱) مجمع (۱۴۸/۱۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[3] [حسن صحیح : ترمذی : کتاب الدعوات : باب فی انتظار الفرج وغیرہ ذلک (۳۵۷۳) مسند احمد (۳۲۹/۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (۲۷۱/۲۔ ۲۷۲)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الدعوات : باب یستجاب للعبد مالم یعجل (۶۳۴۰) صحیح مسلم : کتاب الدعوات : باب بیان انہ یستجاب للداعی ما لم یعجل (۲۷۳۵) ابن ماجہ : کتاب الدعاء : باب یستجاب لاحدکم مالم یعجل (۳۸۵۳) ابو داؤد : کتاب الصلوۃ : باب الدعاء (۱۴۸۴) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ماجاء فیمن یستعجل فی دعائہ (۳۳۸۷) مسند احمد (۴۸۷/۲)]

[5] [صحیح : صحیح مسلم (۲۷۳۵) الادب المفرد (۶۵۵) بیہقی (۳۵۳/۳)]

تو قبولیت کا یقین رکھا کرو سنو غفلت والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی قبول نہیں فرماتا[1] (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ الٰہ العالمین عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے اس سوال کا جواب کیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مراد اس سے وہ شخص ہے نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں[2] (ابن مردویہ) یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اے اللہ! تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے میں حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں حمد ونعت اور ملک تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں میری گواہی ہے کہ تو نرالا یکتا بے مثل اور ایک ہی ہے تو پاک ہے' بیوی بچوں سے دور ہے تیرا ہم پلہ کوئی نہیں' تیری کفو کا کوئی نہیں' تجھ جیسا کوئی نہیں میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا' تیری ملاقات حق' جنت دوزخ قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں۔[3] (ابن مردویہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے اے ابن آدم! ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک مجھ اور تجھ میں مشترک ہے خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ گویا میرے لیے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا مشترک کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں تیرا کام دعا کرنا اور میرا کام قبول کرنا۔[4] (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۲/۱۷۷)، (٦٦١٧) ترمذی : کتاب الدعوات (۳٤۷۹) ابن عدی (٤/٦٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الترغیب (١٠٢٦) ضعیف الجامع الصغیر (٢٠٢٧)] شیخ شعیب ارناؤوط نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[مسند احمد محقق (٦٦٥٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[2] [باطل وضعیف جدا : شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ اس میں اسحٰق بن ابراہیم راوی سخت ضعیف ہے۔[دیکھئے: المیزان (۱/۱۸۰ - ۷۲۹)]

[3] [ضعیف جدا : الدیلمی فی مسند الفردوس (١٧٩٨) ابن ابی الدنیا فی الدعاء کما فی الدر المنثور (۱/٤٧٤)] اس کی سند میں محمد بن سائب کلبی راوی متروک الحدیث ہے۔ اسی راوی کی وجہ سے شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[4] [ضعیف : بزار فی کشف الاستار (۱/۱۸) مختصر زوائد البزار (۱۹)] امام ہیثمی ؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں صالح مری راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۱/٥١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں صالح مروی راوی ہے جسے ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

کریں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے۔ (ابوداود طیالسی) [1] ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابی کی یہ دعا منقول ہے۔ ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ بِرَحۡمَتِکَ الَّتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ اَنۡ تَغۡفِرَلِیۡ﴾ [2] یعنی اے اللہ! میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے اور حدیث میں ہے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ، روزے دار شخص اور مظلوم اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا مظلوم کی بددعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا گو دیر سے کروں۔ [3] (مسند، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)

اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ ؕ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ وَعَفَا عَنۡکُمۡ ۚ فَالۡئٰنَ بَاشِرُوۡھُنَّ وَابۡتَغُوۡا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ ۪ وَکُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوۡھُنَّ وَاَنۡتُمۡ عٰکِفُوۡنَ ۙ فِی الۡمَسٰجِدِ ؕ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا تَقۡرَبُوۡھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیے حلال کیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو، تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگذر فرما لیا، اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں ○

---

[1] [ضعیف : طیالسی (۲۲۶۲) بیہقی فی شعب الایمان (۳۹۰۷)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ملیکی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [ضعیف : ابن ماجہ : کتاب الصیام : باب فی الصائم لاترد دعوتہ (۱۷۵۳) حاکم (۴۲۲/۱) الترغیب والترھیب (۱۴۴۹)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۹۲۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن کہا ہے۔]

[3] [ضعیف : ترمذی : کتاب الدعوات (۳۵۹۸) ابن ماجہ : کتاب الصیام : باب فی الصائم لا ترد دعوتہ (۱۷۵۲) مسند احمد (۳۰۵/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلۃ الضعیفۃ (۱۳۵۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

رمضان میں کھانے پینے اور جماع کے مسائل: ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا، جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا، اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو قدرے مشقت ہوئی جس پر یہ رخصت کی آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔

رفث سے کیا مراد ہے؟: ﴿رفث﴾ سے مراد یہاں جماع ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطا، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، سالم بن عبداللہ، عمرو بن دینار، حسن، قتادہ، زہری، ضحاک، ابراہیم نخعی، سدی، عطا خراسانی، مقاتل بن حیان رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ [۱] لباس سے مراد سکون ہے، ربیع بن انس رحمہ اللہ لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں [۲] مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ جس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھا پی نہیں سکتا اب اسے یہ رات اور دوسرا دن گذار کر مغرب سے پہلے کھانا پینا حلال ہو گا۔

حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں وہ تو گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس ہوا کہ اب یہ رات اور دوسرا دن بھوکے پیٹوں کیسے گزرے گا؟ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ بھوک کے مارے بے ہوش ہو گئے حضور علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا اس پر یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے، [۳] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان بھر عورتوں کے پاس نہ جاتے تھے لیکن بعض لوگوں سے کچھ ایسے قصور بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ [۴]

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی ایک حضرات سے ہو گیا تھا جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کی تھی پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئیں اور یہ رحمت کی آیتیں اتریں۔ [۵] ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا عمر! تم سے تو ایسی امید نہ تھی اسی وقت یہ آیت اتری، ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے بیدار ہو کر کھا پی لیا تھا، اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے نیند آ گئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا، [۶] اس رات آپ دیر تک مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا۔ [۷]

---

[۱] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳٦۷)] [۲] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۳۸۱)]

[۳] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب قوله تعالی احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم (۱۹۱۵) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب مبدا فرض الصیام (۲۳۱٤) مسند احمد (٤/۲۹۵)]

[٤] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورة البقره : باب احل لکم لیلة الصیام (٤۵۰۸)]

[۵] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۹٤۸)] [٦] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۹٤۳)]

[۷] [حسن : تفسیر ابن جریر الطبری (۲۹٤۹) مسند احمد (۳/۳٦۰)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

﴿مَا كَتَبَ اللّٰهُ﴾ سے مراد اولاد ہے، بعض نے کہا جماع مراد ہے بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سبھی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی بھی اجازت ہے۔

رمضان میں سحر وافطار: صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لیے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی کھاتے پیتے رہے اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات سے دن ہے[1] مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے تکیے تلے رکھ لیے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے، یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے[2] مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امرِ قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے اگر تیرے تکیہ تلے یہ دونوں آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک کی ہے، صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے[3] بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے، [4] بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کیے ہیں کہ کند ذہن ہے لیکن یہ معنی غلط ہیں، بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہی ہوگی واللہ اعلم۔ بخاری شریف میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا سوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح کا جواب تفصیل وار یہی ہے۔

آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے۔[5] (بخاری و مسلم) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے۔ (مسلم)[6] سحری کا کھانا برکت ہے اسے نہ چھوڑو اگر کچھ نہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب قول اللہ تعالی و کلو واشربوا حتی یتبین لکم الخیط (۱۹۱۷) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب بیان ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۱)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب قول اللہ تعالی و کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط (۱۹۱۶) و کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ (۴۵۰۹) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۰) ابو داؤد : کتاب الصوم : باب وقت السحور (۲۳۴۹) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن سورۃ البقرۃ (۲۹۷۰) مسند احمد (۳۷۷/۴)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورۃ البقرہ (۴۵۰۹)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری (۴۵۱۰)]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب برکۃ السحر (۱۹۲۳) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب فضل السحور وتاکید استحبابہ (۱۰۹۵) نسائی : کتاب الصوم : باب الحث علی السحور (۲۱۸۴) ترمذی : کتاب الصوم : باب ماجآء فی فضل السحور (۷۰۸) مسند احمد (۲۱۵/۳)]

[6] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب فضل السحور وتاکید استحبابہ (۱۰۹۶) ابو داؤد : کتاب الصوم : باب فی توکید السحور (۲۳۴۳) نسائی : کتاب الصوم (۲۱۶۸) ترمذی : کتاب الصوم : باب ماجآء فی فضل السحور (۷۰۹) مسند احمد (۲۰۲/۴)]

ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ (مسند احمد) [1] اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں سحری کو دیر کر کے کھانا چاہیے ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں۔ [2] (بخاری و مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے تب تک بھلائی میں رہے گی۔ [3] (مسند احمد) یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام غذا مبارک رکھا ہے۔ [4]

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا [5] لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ [6] الخ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب ہو یہی مراد یہاں اس حدیث سے بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا ہو گئی کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی، اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب تک ہی سحری کھانا مروی ہے، جیسے محمد بن علی بن حسین، ابومجلز، ابراہیم نخعی، ابوالضحیٰ، ابووائل وغیرہ، شاگردانِ ابن مسعود، عطا، حسن، حاکم بن عینیہ، مجاہد، عروہ بن زبیر، ابوالشعثاء جابر بن زید، اعمش اور جابر بن راشد اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، ہم نے ان سب کی اسناد اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام میں بیان کر دی ہیں۔ وللہ الحمد۔

---

[1] [صحیح بالشواهد: مسند احمد (٣/٤٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح الترغيب (١٠٦٦) السلسلة الصحيحة (٣٤٠٩)] شیخ شعیب ارناؤوط نے فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے مگر اس سند سے ضعیف ہے (یعنی دیگر شواہد کی بنا پر صحیح ہے)۔ [مسند احمد محقق (١١٠٨٦)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب قدر کم بین السحور وصلوة الفجر (١٩٢١) صحیح مسلم (١٠٩٧)]

[3] [صحیح بالشواهد: مسند احمد (٥/١٤٧) مجمع الزوائد (٣/١٥٤)] اس کے شواہد کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری (١٩٥٧)، (١٩٢٠) ترمذی (٦٩٩)]

[4] [صحیح بالشواهد: ابو داؤد: کتاب الصیام: باب من سمی السحور الغداء (٢٣٤٤) نسائی: کتاب الصیام: باب دعوة السحور (٢١٦٥) احمد (٤/١٢٧)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

[5] [صحیح: نسائی: کتاب الصیام: باب تاخیر السحور (٢١٥٤) ابن ماجه: کتاب الصیام: باب ماجآء فی تاخیر السحور (١٦٩٥)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه]

[6] [سورة الطلاق: آیت ٢]

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا' لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کرسکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے قرآن میں خیط کا لفظ موجود ہے' بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کی اذان سن کرتم سحری سے نہ رک جایا کرو وہ رات باقی ہونے میں اذان دیا کرتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان نہ سن لو وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے [1] مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمان کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے [2] ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے' [3] ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے [4] ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح کی سفیدی کے ستون کی مانند بتایا ہے' دوسری روایت میں اس پہلی اذان کو جس کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز (تہجد) [5] پڑھنے والوں اور قضا لوٹانے کے لئے ہوتی ہے فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو [6] (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی)۔

ایک مرسل حدیث میں ہے فجر دو میں ایک تو بھیڑیے کی دم کی طرح ہے اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ صبح کی نماز اور روزے دار کا کھانا موقوف کرنے کا وقت ہے [7] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں لیکن فجر جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب الاذن قبل الفجر (۶۲۳)، (۱۹۱۹) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب بیان ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۲)]

[2] [حسن : مسند احمد (۲۳/۴)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۲۰۳۱)]

[3] [حسن صحیح : ابو داؤد : کتاب الصیام : باب وقت السحور (۲۳۴۸) ترمذی : کتاب الصوم : باب ما جآء فی بیان الفجر (۷۰۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب بیان ان الدخول فی الصوم (۱۰۹۴'۴۴)]

[5] [صحیح : صحیح مسلم (أیضا) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب وقت السحور (۲۳۴۶) ترمذی : کتاب الصوم : باب ما جآء فی بیان الفجر (۷۰۶) نسائی : کتاب الصیام : باب کیف الفجر (۲۱۷۴) مسند احمد (۱۳/۵ ـ ۱۴)]

[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب الاذان قبل الفجر (۶۲۱) ابو داؤد (۲۳۴۷) صحیح مسلم (أیضا) مسند احمد (۳۸۶/۲)]

[7] [جید : تفسیر ابن جریر الطبری (۳۰۰۳) دارقطنی (۶۵/۲)]

وقت آیا ہوا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لیے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کے لیے نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ: چونکہ جماع کا اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لیے صبح صادق کا مقرر کیا ہے اس سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے اس پر کوئی حرج نہیں، چاروں اماموں اور سلف وخلف کے جمہور علماءِ کرام رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جماع کرتے صبح کے وقت جنبی اٹھتے پھر غسل کر کے روزہ رکھتے آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے، نہ قضا کرتے تھے۔[1]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صبح نماز کا وقت آ جانے تک جنبی ہوتا ہوں تو پھر کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں اس نے کہا یا رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو آپ جیسے نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپ نے فرمایا واللہ! مجھے تو امید ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا میں ہوں۔[2] مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے،[3] اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور یہ حدیث شرطِ شیخین پر ہے جیسے کہ ظاہر ہے، یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے[4] سنن نسائی میں یہ حدیث بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، وہ اسامہ بن زید سے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں اور بعض دیگر علماء کا یہی مذہب ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سالم، عطا، ہشام بن عروہ اور حسن بصری رحمہم اللہ یہی کہتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور آنکھ کھلے تو صبح صادق ہو گئی ہو تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما والی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر اس نے عمداً غسل نہیں کیا

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب الصائم یصبح جنبا (۱۹۲۵) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب صحة صوم من طلع علیه الفجر (۱۱۰۹)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب صحة صوم من طلع علیه الفجر وھو جنب (۱۱۱۰) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب فی من اصبح جنبا فی شھر رمضان (۲۳۸۹) مسند احمد (۶۷/۶)]

[3] [صحیح: مسند احمد (۳۱۴/۲) ابن حبان (۳۴۹۹)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ [مسند احمد محقق (۸۱۴۵)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب الصائم یصبح جنبا (۱۹۲۵-۱۹۲۶) صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب صحة صوم من طلع علیه الفجر وھو جنب (۱۱۰۹-۷۵)]

اور اسی حالت میں صبح صادق ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ہو گا حضرت عروہ' طاؤس اور حسن ﷭ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں' ابراہیم نخعی ﷫ یہی کہتے ہیں' خواجہ حسن بصری ﷫ سے بھی ایک روایت ہے بعض کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ ﷜ والی حدیث حضرت عائشہ ﷞ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔ ابن حزم ﷫ فرماتے ہیں اس کی ناسخ یہ آیتِ قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لیے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے' بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ ﷜ والی حدیث میں 'لا' کمال نفی کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ ﷞ اور حضرت ام سلمہ ﷞ والی حدیث سے جواز صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے یہی مسلک ٹھیک بھی ہے۔ اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ بخاری و مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کر لے [1] بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے' [2] مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں' [3] امام ترمذی ﷫ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں' مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ ﷜ کی بیوی صاحبہ حضرت لیلیٰ ﷞ فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرانیوں کا ہے تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ [4] اور بھی بہت سی احادیث میں روزے سے روزے کو ملانے کی ممانعت آئی ہے۔

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب متی یحل فطر الصائم (۱۹۵٤) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب بیان وقت انقضاء الصوم (۱۱۰۰) ترمذی : کتاب الصوم : با ب ماجاء اذا اقبل اللیل (٦۹۸) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب وقت فطر الصائم (۲۳۵۱) مسند احمد (۲۸/۱)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب تعجیل الافطار (۱۹۵۷) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب فضل السحور و تاکید استحبابه (۱۰۹۸) ترمذی : کتاب الصوم : باب ما جآء فی تعجیل الافطار (٦۹۹) مسند احمد (۳۳۷/۵)]

[3] [ضعیف بسند احمد (۳۲۹/۲) ترمذی (۷۰۰)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں قرہ بن عبدالرحمٰن راوی ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (۸۳٦۰)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الترغیب (٦٤۹)]

[4] [صحیح بسند احمد (۲۲۵/۵) مجمع (۱۵۸/۳)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (۲۱۹۵۵)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [فتح الباری (۲۰۲/٤)]

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا روزے سے روزہ نہ ملاؤ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خود آپ تو ملاتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں میں رات گزارتا ہوں میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپ نے دو دن، دو راتوں کا برابر روزہ رکھا پھر چاند دکھائی دیا تو آپ نے فرمایا اگر چاند نہ چڑھتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا گویا آپ اپنی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ (۱) بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور اسی طرح روزے کو بے افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انس حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں (۲) پس ثابت ہوا کہ امت کو تو منع کیا گیا ہے لیکن آپ ﷺ کی ذات اس سے مستثنٰی تھی آپ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی مدد کی جاتی تھی، یہ بھی خیال رہے کہ مجھے میرا رب کھلا پلا دیتا ہے اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے ؎

لَهَا اَحَادِيْثُ مِنْ ذِكْرَاكَ تُشْغِلُهَا عَنِ الشَّرَابِ وَتُلْهِيْهَا عَنِ الزَّادِ

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزے کو روزے سے مت ملاؤ جو ملانا ہی چاہے تو سحری تک کو ملا لے لوگوں نے کہا آپ تو ملا دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والا پلا دیتا ہے۔ (۳) (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں آپ ﷺ سحری کھا رہے تھے فرمایا آؤ تم بھی کھا لو اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں آپ نے فرمایا تم روزہ کس طرح رکھتی ہو اس نے بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا آلِ محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتیں؟ (۴) (ابن جریر) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے (۵) ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت کے طور پر نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لیے ریاضت کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے سمجھا ہو کہ حضور ﷺ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا

---

(۱) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب التنكيل لمن اكثر الوصال (١٩٦٥، ١٩٦٦) صحيح مسلم : كتاب الصيام : باب النهى عن الوصال (١١٠٣) مسند احمد (٣١٥/٢)]

(۲) [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الصيام : باب الوصال (١٩٦٤) صحيح مسلم : كتاب الصيام : باب النهى عن الوصال (١١٠٥) مسند احمد (٨٩/٦، ٢٤٢)]

(۳) [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الصيام : باب الوصال الى السحر (١٩٦٧) ابو داؤد : كتاب الصيام : باب فى الوصال (٢٣٦١) مسند احمد (٨/٣، ٣)]

(۴) [ضعیف : تفسیر ابن جرير الطبری (٣٠٤٢) اس کی سند میں ابواسرائیل راوی ضعیف ہے۔]

(۵) [ضعیف : عبدالرزاق (٧٧٥٢) مسند احمد (١٤١/١)] اس کی سند عبدالاعلیٰ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

نہ کہ ناجائز بتانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا' پس ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے صاحبزادے عامر رحمہ اللہ اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے' یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تاکہ پہلے غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں' مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے اس اثناء میں دن کو یا رات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے' ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا۔ رہی رات تو جو چاہے کھالے جو نہ چاہے نہ کھائے۔

اعتکاف کے مسائل: پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کیے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں [1] پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لیے گھر میں جائے مثلاً پیشاب' پاخانہ کے لیے یا کھانا کھانے کے لیے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے' نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لیے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لیے بھی جانا جائز نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں بعض میں اختلاف بھی ہے جن سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب ''کتاب الصیام'' کے آخر میں بیان کیا ہے۔ وللّٰہ الحمد و المنة

چونکہ قرآن پاک میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لیے اکثر مصنّفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کیے ہیں اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہیے یا رمضان کے آخر میں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن (آپ کی بیویاں) اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ [2] (بخاری و مسلم)

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی تو وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ہو لیے کہ پہنچا آئیں۔ راستہ میں دو

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵٤۱/۳)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاعتکاف: باب الاعتکاف فی العشر الاواخر (۲۰۲٦) صحیح مسلم: کتاب الاعتکاف: باب اعتکاف العشر الاواخر فی رمضان (۱۱۷۲) ابو داؤد: کتاب الصیام: باب الاعتکاف (۲٤٦۲) مسند احمد (۹۲/٦)]

انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ سنو یہ میری بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہوسکتا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کردے۔ [1]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں واللہ اعلم۔ آیت میں مباشرت سے مراد جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس وکنار وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر میری طرف جھکا دیا کرتے تھے میں آپ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی آپ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے رفع کے سوا اور وقت میں گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کرلیا کرتی ہوں۔ [2]

پھر اللہ فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کیے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اور اس میں جو کوئی جائز ہیں یا جو ناجائز ہیں غرض یہ سب ہماری حد بندیاں ہیں خبردار! ان کے قریب بھی نہ آنا' نہ ان سے تجاوز کرنا' نہ ان کے آگے بڑھنا۔ بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام ومسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کردی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لیے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کرسکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس بنا پر وہ متقی بن جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖٓ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الحدید/۹)۔ وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اللہ تعالیٰ تم پر رافت ورحمت کرنے والا ہے۔

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الاعتکاف (۲۰۳۵) وباب زیارة المراة زوجها فی اعتکافه (۲۰۳۸) صحیح مسلم : کتاب السلام : باب بیان انه یستحب من رؤی خالیا (۲۱۷۵) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب فی المعتکف (۱۷۷۹) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب المعتکف یدخل البیت لحاجته (۲٤۷۰) مسند احمد (۳۳۷/٦)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الاعتکاف : باب لا یدخل البیت الا لحاجة (۲۰۲۹) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز غسل الحائض راس زوجها (۲۹۷) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب فی المعتکف یعود المریض (۱۷۷٦) ابو داؤد : کتاب الصیام : باب المعتکف یدخل البیت لحاجته (۲٤٦۸) مسند احمد (۸۱/٦)]

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۲

ایک دوسروں کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کرلیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو ○

دوسرے کا مال غصب کرنے کی حرمت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہیے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر ساتھی کا حق ہے اور وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے آپ کو گنہگاروں میں کر رہا ہے' [1]

حضرت مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' حسن' قتادہ' سدی' مقاتل بن حیان' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر' [2] بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو اور میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے' [3] میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک نہیں بدلتا' فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا' لیکن اس فیصلہ کی بنا پر ناحق کو حق بنا لینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا' جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے' کہ تم اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لیے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گزار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لیے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے' قاضی تو اپنی عقل' سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھ لو یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۵۱/۳)]　[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳۹۳/۱)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الشهادات: باب من اقام البینة بعد الیمین (۲۶۸۰) صحیح مسلم: کتاب الاقضیة: باب الحکم بالظاهر واللحن بالحجة (۱۷۱۳) نسائی: کتاب آداب القضاة: باب ما یقطع القضآء (۵۴۲۴) ابن ماجه: کتاب الاحکام: باب قضیة الحاکم لا تحل حراما (۲۳۱۷) ترمذی: کتاب الاحکام: باب باب ما جاء فی التشدید علی من یقضی له (۱۳۳۹) ابو داؤد: کتاب الاقضیة: باب فی قضآء القاضی اذا احطاء (۳۵۸۳) مسند احمد (۲۰۳/۶)]

اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔ (۱)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو' گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ○

چاند سے ماہ و سال کا تعین : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد معلوم ہو جاتی ہے' عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے' حج کا وقت معلوم ہوتا ہے' (۲) مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے' مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لیے بنایا ہے اسے دیکھ کر روزے رکھو' اسے دیکھ کر عید مناؤ اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو' (۳) اس روایت کو حضرت امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے (۴) یہ حدیث اور سندوں میں بھی مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے گھروں میں دروازوں سے آؤ' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی' (۵) ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے (۶) انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے میں نہیں گھستے تھے دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ میں قریشیوں نے اپنے لیے ایک اور امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حمس رکھا تھا احرام کی حالت میں یہ تو براہِ راست اپنے گھروں میں آ سکتے تھے لیکن دوسرے لوگ سیدھے راستے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے'

---

(۱) [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۵۰)]
(۲) [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۵٤)]
(۳) [عبدالرزاق (۷۳۰٦) حاکم (۱/٤۲۳)]
(٤) [حاکم (۱/٤۲۳)]
(۵) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر سورة البقرة (٤۵۱۲) مسلم : کتاب التفسیر : باب فی تفسیر آیات و تفرقة (۳۰۲٦)]
(٦) [صحیح علی شرط الشیخین : طیالسی (۷۱۷)]

آنحضرت ﷺ ایک باغ سے اس کے دروازے سے نکلے آپ ﷺ کے ایک انصاری صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے اس پر لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح اس دروازے سے کیوں نکلے ؟ انہوں نے آپ ﷺ سے پہلے جواب دیا کہ میں نے تو حضور ﷺ کو جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح کیا۔ مانا کہ آپ حمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1] (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے' حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا [2] محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کیا' عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کر دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجالانا اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک جانا اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو' اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے' مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں' اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو' کافروں کا بدلہ یہی ہے ○ اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آجائے' اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے ○

جہاد کے احکام وشرائط: حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا تھا'

---

[1] صحیح : حاکم (۱/۴۸۳) حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [فتح الباری (۳/۲۲۷)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۴۰۱)]

حضور علیہ السلام اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں جو آپ سے نہ لڑیں خود ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورۂ براءت نازل ہوئی ① بلکہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ (التوبہ/٥) ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انہیں قتل کرو لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے اس لیے کہ اس سے تو مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ایسے دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں، جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو، جیسے اور جگہ فرمایا: ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً﴾ (توبہ/٣٦) ② یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے سب کے سب مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا قصد تمہارے قتل کا اور تمہیں جلاوطن کرنے کا ہے تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی قصد رہنا چاہیے۔

پھر فرمایا تجاوز کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ناک، کان وغیرہ نہ کاٹو، خیانت اور چوری نہ کرو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو، ان بوڑھے بڑے لوگوں کو بھی نہ مارو جو لڑنے کے لائق نہیں، نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں درویشوں اور تارکِ دنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کاٹو، نہ حیوانوں کو ضائع کرو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، خیانت نہ کرو، بدعہدی سے بچو، ناک کان وغیرہ اعضا نہ کاٹو، بچوں کو اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔ ③ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو، اللہ کی راہ میں جہاد کرو، کفار سے لڑو، ظلم و زیادتی نہ کرو، دھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاءِ بدن نہ کاٹو، درویشوں کو قتل نہ کرو، ④ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت برا جانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا۔ ⑤

---

① [تفسیر ابن جریر الطبری (٣/٥٦١)] ② [تفسیر ابن جریر الطبری (٣/٥٦٢)]

③ [صحیح صحیح مسلم : كتاب الجهاد : باب تامير الامام الامراء على البعوث (١٧٣١) ابن ماجه : كتاب الجهاد : باب وصية الامام (٢٨٥٧) ابو داؤد : كتاب الجهاد (٢٦١٣) ترمذی : كتاب الديات (١٤٠٨) مسند احمد (٥/٣٥٢)]

④ [ضعیف مسند احمد (١/٣٠٠) ابو يعلى (٢٥٤٩) بزار (١٦٧٧) بيهقى (٩/٩٠)] اس کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

⑤ [صحیح صحیح بخاری : كتاب الجهاد والسير : باب قتل الصبيان فى الحرب (٣٠١٤) صحیح مسلم : كتاب الجهاد : باب تحريم قتل النساء والصبيان فى الحرب (١٧٤٤) ترمذی : كتاب السير (١٥٦٩) ابوداود : كتاب الجهاد : باب فى قتل النساء (٢٦٦٨) مسند احمد (٢/١٠٠)]

مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک، تین، پانچ، سات، نو، گیارہ مثالیں دیں ایک تو ظاہر کر دی باقی چھوڑ دیں فرمایا کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے کہ ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان طاقتوروں پر انہیں غالب کر دیا اب ان لوگوں نے ان پر ظلم وزیادتی شروع کر دی جس باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لیے ناراض ہو گیا۔ ① یہ حدیث اسناداً صحیح ہے، مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آ گئی تو انہوں نے ظلم وزیادتی شروع کر دی فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا، اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم وزیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے، چونکہ جہاد کے احکام میں بظاہر قتل وخون ہوتا ہے اس لیے یہ بھی فرمادیا کہ ادھر اگر قتل وخون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ شرک وکفر ہے اور مالک کی اس راہ سے ایک مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے، ابو مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہاری یہ خطا کاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ زبوں تر ہیں۔

پھر فرمان جاری ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے بخاری ومسلم میں ہے کہ یہ شہر حرمت والا ہے، آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانے سے لے کر قیامت تک باحرمت ہی ہے صرف تھوڑے سے وقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اسے حلال کر دیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑے سے وقت کے لیے اجازت دی تھی لیکن تمہیں کوئی اجازت نہیں، ②

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مراد فتح مکہ کا دن ہے، جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے، گو بعض علماءِ کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ارشاد فرمادیا تھا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے، جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے، جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے۔ ③ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی یہیں ان سے لڑو تاکہ یہ ظلم دفع ہو سکے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے لڑائی کی بیعت لی جب قریشیوں نے اپنے ساتھیوں سے مل کر یورش کی تھی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت تلے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا چنانچہ اس نعمت کا بیان اس آیت میں ہے کہ ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ﴾ (الفتح / ۲۴) میں ہے۔

---

① [ضعیف : مسند احمد (۵/۴۰۷) مجمع الزوائد (۵/۲۳۲)] اس کی سند میں اجلح کندی راوی ضعیف ہے۔ اسی لیے شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[مسند احمد محقق (۲۳۴۶۲)] امام ہیثمیؒ بھی اس راوی کو ضعیف کہتے ہیں۔]

② [صحیح : صحیح بخاری : کتاب جزاء الصید : باب لا یعضد شجر الحرم (۱۸۳۲۔ ۱۸۳۴) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب تحریم مکة و تحریم صیدها (۱۳۵۳، ۱۳۵۴)]

③ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الجهاد : باب فتح مکة (۱۷۸۰) مسند احمد (۲/۲۹۲)]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا گو انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے [1] اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور بلند ہو جائے اور تمام دین پر ظاہر ہو جائے، جیسے بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک اپنی بہادری جتانے کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص حمیت و غیرتِ قومی سے لڑتا ہے، ایک شخص ریا کاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے تو فرمایئے کہ ان میں سے کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو صرف اس کے لیے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو، اس کے دین کا بول بالا ہو۔[2] بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہیں ان کی جان و مال کا تحفظ میرے ذمہ ہوگا مگر اسلامی احکام اور ان کے باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں۔[3] پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ اس کے بعد جو قتال کرے گا وہ ظالم ہوگا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے یہی معنی ہیں حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے اس قول کے کہ جو لڑیں ان سے ہی لڑا جائے۔[4] یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ و جدال ہو۔

یہاں لفظ ﴿عُدْوَانَ﴾ جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لیے ہے حقیقتاً وہ زیادتی نہیں جیسے فرمایا ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾[5] یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کر لو۔ اور جگہ ہے ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾[6] یعنی برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾[7] یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کیے گئے ہو، پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی، برائی اور سزا ''بدلے'' کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا، عذاب نہیں، حضرت عکرمہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۴۱۵۔۴۱۶)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجهاد (۲۸۱۰) و کتاب فرض الخمس (۳۱۲۶) و کتاب التوحید (۷۴۵۸) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (۱۹۰٤) نسائی: کتاب الجهاد: باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (۳۱۳۸) ابن ماجه: کتاب الجهاد: باب النیة فی القتال (۲۷۸۳) ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب من قاتل لتکون کلمة الله هلی العلیا (۲۵۱۷) ترمذی: کتاب فضائل الجهاد: باب ما جآء فیمن یقاتل ریاء وللدنیا (۱٦٤٦) مسند احمد (٤/۳۹۲)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب فان تابوا واقاموا الصلوة (۲۵) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الامر بقتال الناس (۲۲)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۷٤)]

[5] [سورة البقره: آیت ۱۹٤]

[6] [سورة الشوریٰ: آیت ٤۰]

[7] [سورة النحل: آیت ۱۲٦]

اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے اصلی ظالم وہی ہے جو ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔ [1]

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس دو شخص آئے جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر لوگوں نے چڑھائی کر رکھی تھی اور انہیں گھیر کر کہا کہ لوگ تو مر مٹ رہے ہیں آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے ؟ آپ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے' انہوں نے کہا کیا جناب باری کا یہ فرمان نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے آپ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کیوں چھوڑ رکھا ہے اور یہ کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں ؟

آپ نے فرمایا بھتیجے سنو! اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' زکوٰۃ دینا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا' اس نے کہا قرآن پاک کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ ایمان والوں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرا دو اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمانبردار بن جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تاوقتیکہ فتنہ مٹ جائے آپ نے فرمایا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی تعمیل کر لی جبکہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے جو اسلام قبول کرتا تھا اس پر فتنہ آ پڑتا تھا یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذاب میں پھنس جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بکثرت ہو گئے اور فتنہ برباد ہو گیا اس نے کہا اچھا تو پھر فرمائیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟ فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا گو تم اس معافی سے برا مناؤ اور علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ [3]

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ○

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۷۳)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة (۴۵۱۳)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری (۴۵۱۴ ـ ۴۵۱۵)]

حرمت والے مہینے اور بیعت رضوان: ذوالقعدہ سن ۶ ہجری میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ ﷺ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ ﷺ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی‘ [1] مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آ جاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے‘ [2] حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضور ﷺ کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپ نے اپنے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔

پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے‘ پھر جو واقعہ ہوا وہ ہوا‘ اسی طرح آپ جبکہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس (قلعہ) کا محاصرہ کر لیا چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا بالآخر کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذوالقعدہ میں ہوا یہ سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے‘ اللہ تعالیٰ آپ پر درود سلام بھیجے۔ [3] پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو‘ یعنی مشرکین سے بھی عدل کا خیال رکھو‘ یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے اور جگہ عذاب و سزا کے بدلے میں برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت و شان نہ تھی‘ نہ جہاد کا حکم تھا پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی‘ لیکن امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت رہتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

مع

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۵۷۵)]

[2] [صحیح مسند احمد (۳۳۴/۴ ۔ ۳۴۵)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۶۶/۶)] شیخ شعیب ارناؤوط نے فرمایا ہے کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [مسند احمد محقق (۱۴۵۸۳)]

[3] [صحیح صحیح مسلم : باب بیان عدد عمر النبی ﷺ (۳۰۳۳) صحیح بخاری مع الفتح : باب غزوة الطائف (۵۶/۸)]

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک و احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

مالی جہاد کی ترغیب: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [1] (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے، حضرت ابو عمران رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے اب بحمد للہ اسلام پھیل گیا، مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا، لڑائی ختم ہو گئی ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی، نہ مال کی دیکھ بھال کی، نہ کھیتیوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا پس اب ہمیں چاہیے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کی ہلاک کرنا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ) [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے اور شامیوں کے سردار فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ تھے، [3] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہاں گر جاؤں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا ؟ آپ نے جواب دیا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:
﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ﴾ (النساء / ۸۴) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں لڑتا رہ، تو اپنی جان کا ہی مالک ہے اسی کو تکلیف دے یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (ابن مردویہ وغیرہ) [4] ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله تعالى وانفقوا فى سبيل الله (٤٥١٦)]

[2] [صحیح ابو داؤد : كتاب الجهاد : باب فى قوله تعالىٰ ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة (٢٥١٢) ترمذی : كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٢) حاکم (٢/٢٧٥)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

[3] [صحیح ترمذی: كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٢)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [مسند احمد (٤/٢٨١)]

دمشق کا محاصرہ کیا اور ازدشنوہ قبیلہ کا ایک آدمی جرأت کر کے دشمنوں میں گھس گیا ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ شکایت کی چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا لیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا اپنی جان کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے' حضرت ضحاک بن ابوجبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی' حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بخل کرنا ہے' حضرت نعمان بن بشیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا ہے' اور حضرات مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا اپنے ہاتھوں پر آپ ہلاک ہونا ہے ﴿تَهْلُكَة﴾ سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے' قرطبی وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے۔ حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقعہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے' پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو' اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو' اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے' ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے' خواہ صدقہ دے دے' خواہ قربانی کر لے' ہاں امن کی حالت میں جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے وہ جو

قربانی میسر ہوا سے کر ڈالے۔ جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں یہ پورے دس ہو گئے' یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے ○

حج وعمرہ کے مسائل: اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا پھر جہاد کا بیان ہوا اب حج کا تذکرہ ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کرو' ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کے شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہیے' تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج وعمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے گو عمرے کے واجب ہونے اور مستحب ہونے میں علماء کے دو قول ہیں جنہیں ہم نے پوری طرح کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فللّٰہ الحمد والمنة۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا تمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو تمہارا سفر صرف حج وعمرے کی غرض سے ہو۔ میقات پہنچ کر لبیک پکارنا شروع کر دو تمہارا ارادہ تجارت یعنی کسی اور دنیوی غرض کا نہ ہو' کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آؤ حج وعمرہ بھی کرتا چلوں گو اس طرح بھی حج وعمرہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ پورا کرنا نہیں۔ پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو' حضرت مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرے کو حج کے مہینوں میں نہ کرے اس لیے کہ قرآن شریف میں ہے ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ [2] حج کے مہینے مقرر ہیں۔ [3] قاسم بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے لیکن اس قول میں شبہ ہے اس لیے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے ایک سن ٦ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں' دوسرا ذوالقعدہ سن ٧ ہجری میں عمرۃ القضاء' تیسرا ذوالقعدۃ سن ٨ ہجری میں عمرۃ الجعرانہ' چوتھا ذوالقعدہ سن ١٠ ہجری میں حج کے ساتھ' [4] ان عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا' ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے' [5] یہ آپ نے اس لیے فرمایا تھا کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ کے ساتھ حج کے لیے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں جیسے کہ بخاری شریف میں یہ واقعہ منقول ہے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے لیے ہی مخصوص ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (١/٤٣٧)] [2] [سورۃ البقرۃ : آیت ١٩٧] [3] [أیضا]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب المناسك : باب العمرة (١٩٩٣) ترمذی: کتاب الحج : باب ما جآء کم اعتمر النبی (٨١٦) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب کم اعتمر النبی (٣٠٠٣) ابن حبان (٣٩٤٦) بیهقی (١٢/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[5] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب فضل العمرة فی رمضان (١٢٥٦) صحیح بخاری : کتاب العمرة : باب عمرة فی رمضان (١٧٨٤) مسند احمد (١/٢٢٩)]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حج وعمرے کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کیے چھوڑنا جائز نہیں، حج اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو کنکر مار لے اور بیت اللہ کا طواف کر لے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ لے اب حج ادا ہو گیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت یہ ہے کہ ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ﴾ عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات بھی یہی تھی، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں [1] ابراہیم رحمہ اللہ سے مروی ہے ﴿وَاَقِيْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ﴾ حضرت شعبی رحمہ اللہ کی قرات میں ﴿وَالْعُمْرَةُ﴾ ہے وہ فرماتے ہیں عمرہ واجب نہیں گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے، بہت سی احادیث میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرے دونوں کو جمع کیا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے، [2] ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لیے داخل ہو گیا [3] ابو محمد بن ابی حاتم نے اپنی کتاب میں ایک روایت وارد کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا اس نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت اتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہوں فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار ڈال اور خوب مل کر غسل کر لو اور جو اپنے حج میں کرتا ہے وہی عمرے میں بھی کر۔ [4] یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے بعض روایتوں میں غسل کا اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں، [5] ایک روایت میں اس کا نام یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ آیا ہے دوسری روایت میں صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ ہے واللہ اعلم۔

احرام والے کے راستے میں رکاوٹ: پھر فرمایا اگر تم گھیر لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کر ڈالو۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ۶ ہجری میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورۂ فتح اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں چنانچہ ستر اونٹ ذبح کیے گئے، سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ اوّل مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٧)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الحج : باب کیف تهل الحائض والنفساء (١٥٥٦) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب بیان وجوه الاحرام (١٢١١)]

[3] [صحیح :مسند احمد (٤/١٧٥) ترمذی (٩٣٢) صحیح مسلم (١٢١٨)]

[4] [التمهید لابن عبد البر (٢/٢٥١)]

[5] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الحج : باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب (١٥٣٦)، (١٧٨٩) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب بیان للمحرم بحج او عمرة (١١٨٠) ابو داؤد : کتاب الحج (١٨١٩ - ١٨٢٠) ترمذی (٨٣٦) مسند احمد (٤/٢٢٤)]

فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناسخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپ ﷺ باہر آئے اور اپنا سر منڈوایا پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے بعض نے سر منڈوا لیا' بعض نے کچھ بال کتروا لیے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے لوگوں نے کہا حضور ﷺ بال کتروانے والوں کے لیے بھی دعا کیجیے کہ آپ نے پھر سر منڈوانے والوں کے لیے یہی دعا کی' تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لیے بھی دعا کر دی' [1] سات سات شخص ایک ایک اونٹ میں شریک تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد چودہ سو تھی [2] حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حدِ حرم سے باہر تھا گو یہ بھی مروی ہے کہ حدِ حرم کے کنارے پر تھے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لیے ہی ہے جنہیں دشمن گھیرے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لیے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوالے اور قربانی کر دے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لیے ہی بتاتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما طاؤس' زہری اور زید بن اسلم رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں' لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا وہ اگلے سال حج کر لے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا انہوں نے بھی فرمایا سچ ہے سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے' [3] حضرت ابن مسعود' ابن زبیر رضی اللہ عنہما علقمہ' سعید بن مسیب' عروہ بن زبیر' مجاہد' نخعی' عطاء اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے [4] حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ ہر مصیبت وایذاء کو ایسا ہی عذر بتاتے ہیں' بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں آپ نے فرمایا حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہو گی جہاں میں مرض کی وجہ سے رک جاؤں' [5] اسی حدیث کی بنا پر بعض علماء کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے'

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الحج : باب الحلق والتقصیر عندالاحلال (۱۷۲۷) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب تفضیل الحلق علی التقصیر (۱۳۰۱) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء فی الحلق والتقصیر (۹۱۳) مسند احمد (۲/۷۹)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوة حدیبیه (۱٤٥۱)]

[3] [صحیح :ابو داؤد : کتاب المناسك : باب الاحصار (۱۸٦۲) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء فی الذی یهل بالحج (۹٤۰) نسائی : کتاب المناسك : باب فیمن احصر بعدو (۲۸٦۲-۲۸٦۳) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب المحصر (۳۰۷۷) مسند احمد (۳/٤٥۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱/٤٤٥)]

[5] [صحیح صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب الاکفاء فی الدین (٥۰۸۹) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب جواز اشتراط المحرم (۱۲۰۷) مسند احمد (٦/۱٦٤)]

امام شافعی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے' حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے پس امام صاحب کا مذہب بھی یہی ہوا۔ فالحمد للّٰہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہوا سے قربان کر دے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے'[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اونٹ ہو' گائے ہو' بکری ہو' بھیڑ ہو ان کے نر ہوں۔ ان آٹھوں قسموں میں سے جسے چاہے ذبح کرے'[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف بکری بھی مروی ہے اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے' غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں' گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کیے ہیں' بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں'[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہوا سے ذبح کر ڈالے' اگر مالدار ہے تو اونٹ' اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے' جمہور کے اس قول کی کہ ''بکری کافی ہے'' کی یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ' گائے' بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حبر البحر۔ ترجمان قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔[4] پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ' اس کا عطف ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ﴾ الخ پر ہے' ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾ پر نہیں امام ابن جریر رحمہ اللہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں' لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے اگر وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والا ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو' خواہ

---

[1] [موطأ (۱/۳۸۵)] [2] [تفسیر ابن ابیؒ حاتم (۱/۴۵۰)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب المناسك: باب الاشتراك فی الهدی (۱۳۱۸) ابو داؤد: کتاب الاضاحی: باب البقرة الجزور (۲۸۰۹) ابن ماجه: کتاب الاضاحی: باب کم تجزیء البدنة والبقرة (۳۱۳۲) ترمذی: کتاب الحج: باب ما جآء فی الاشتراك فی البدنة والبقرة (۹۰۴)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب تقلید الغنم (۱۷۰۳) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب استحباب بعث الهدی الی المحرم (۱۳۲۱) ترمذی: کتاب الحج: باب ماجآء فی تقلید الغنم (۹۰۹) نسائی: کتاب المناسك: باب فتل القلائد (۲۷۷۸)]

تمتع کی نیت کی ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپ تو احرام میں ہی ہیں آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوالیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔ [1] پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دے دے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے عبداللہ بن معقل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں کوفے کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی میں خیال بھی نہیں کرسکتا کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ہی ذبح کرڈالو؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو مفلس آدمی ہوں آپ نے فرمایا جاؤ اپنا سر منڈوا دو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سوا سیر سوا چھٹانک) اناج جو دے دینا یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے' [2] ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا' [3] ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہوگئی تھیں' [4] ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا دیا اور ایک بکری ذبح کردی' ایک اور حدیث میں ہے ﴿نسك﴾ یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین رکھے اگر صدقہ دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کردینا ہے' [5] حضرت علی رضی اللہ عنہ' محمد بن کعب' علقمہ' ابراہیم' مجاہد' عطا' سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے' ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو تینوں مسئلے بتا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کرو کافی ہے' [6]

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الحج : باب التمتع والقرآن والافراد (١٥٦٦) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب بیان ان القارن (١٢٢٩) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی الاقران (١٨٠٦) نسائی : کتاب المناسك : باب التلبیة عند الاحرام (٢٦٨٣) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب من لبد رأسه (٣٠٤٦) مسند احمد (٢٨٣/٣)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب فمن کان منکم مریضاً (٤٥١٧) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب جواز حلق الرأس (١٢٠١) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٣) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب فدیة المحصر (٣٠٧٩) مسند احمد (٢٤٢/٤)]

[3] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المرضی : باب مارخص للمریض ان یقول ان وجع (٥٦٦٥) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب جواز حلق الرأس (١٢٠١) ترمذی : کتاب تفسیر القران : باب ومن سورة البقرة (٢٩٧٤) مسند احمد.(٢٤١/٤)]

[4] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوة الحدیبیة (٤١٩٠ـ ٤١٩١) مسند احمد (٢٤١/٤)]

[5] [الدر المنثور للسیوطی (٥١٥/١)]

[6] [صحیح :ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی الفدیة (١٨٦١) تفسیر ابن جریر الطبری (٣٣٥٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جہاں دو تین صورتیں لفظ ''اَوْ'' کے ساتھ بیان ہوئی ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے' حضرت مجاہد' عکرمہ' عطا' طاؤس' حسن' حمید اعرج' ابراہیم نخعی اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے چاروں اماموں کا اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے' اگر چاہے صدقہ کر دے' اگر چاہے قربانی کر لے روزے تین ہیں صدقہ ایک فرق (یعنی تین صاع یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹانک کم) ہے چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور قربانی ایک بکری کی ہے' ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے' پروردگار رحمٰن و رحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لیے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے' پھر صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لیے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا پھر تین روزے رکھنے کا۔ سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں۔ ﴿ فالحمد للہ ﴾

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کر دیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے' حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے' روزے دس ہیں' صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا ہر ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں اس لیے کہ مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ روزے تین ہیں اور چھ مسکینوں کا کھانا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے قربانی کی بکری کر دے خواہ تین روزے رکھ لے' خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے' ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے' طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ میں ہی کرے لیکن روزے جہاں چاہے رکھ لے' ایک اور روایت میں ہے ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ (غلام) ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حج کو نکلے آپ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے میں ابو جعفر کے ساتھ تھا ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے میں نے اسے جگایا دیکھا تو وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوا لو پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا' تو اگر اس اونٹ کا نحر کرنا احرام سے حلال ہونے کے لیے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لیے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔

حج تمتع کے مسائل: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے' خواہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو یا اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو' اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں میں شامل ہے' جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج تمتع کیا تھا' بعض کہتے ہیں آپ قارن تھے اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی

کے جانور آپ کے ساتھ تھے، پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں [1] (ابن مردویہ) اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضور ﷺ نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج وعمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ لیکن یہ یاد رہے کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج وعمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپ ﷺ سے صراحۃً مروی ہے۔

پھر فرمایا جو شخص قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے یہ پورے دس ہو جائیں گے، یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو وہ روزے رکھ لے۔ تین تو ایامِ حج میں اور بقیہ بعد میں، علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے۔ حضرت عطا رحمہ اللہ کا قول یہی ہے یا احرام باندھتے ہی رکھ لے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول یہی ہے کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاؤس، مجاہد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں، حضرت شعبی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا، ایک عرفہ کا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی ہے۔ [2] اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام التشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آ جائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے [3] (بخاری)

امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی پہلا قول یہی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے، حضرت عکرمہ، حسن بصری اور

---

[1] [صحیح: ابو داؤد: کتاب المناسك: باب فی هدی البقر (۱۷۵۱) ابن ماجه: کتاب الاضاحی: باب عن کم تجزی البدنة والبقرة (۳۱۳۳) حاکم (۱/ ٤٦٧)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ البتہ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/ ٩٤۔ ٩٧)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب صیام ایام التشریق (۱۹۹۷۔ ۱۹۹۸)]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔[1] حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا نیا قول یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔[2] پھر سات روزے لوٹنے کے وقت اس سے مراد تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ پس لوٹتے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہد اور عطا رحمہما اللہ یہی کہتے ہیں یا مراد وطن میں پہنچ جانے سے ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریر رحمہ اللہ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرے کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی۔ ذوالحلیفہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی ساتھ لے لی تھی عمرے کے لیے پھر حج کی تہلیل کی لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ ہی رکھ لی تھی۔ بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے مکہ شریف پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر کے صفا مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے سر کے بال منڈوالے یا کتروا لے پھر حج کا احرام باندھے اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے۔[3] (بخاری و مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔

پھر فرمایا یہ پورے دس ہیں یہ فرمان تاکید کے لیے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سنا ہاتھ سے لکھا اور قرآن میں بھی ہے ﴿وَلَا طَائِرٍ يَّطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾[4] نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ﴾[5] تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا نہیں اور جگہ ہے "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور دس۔ اور اس کے ساتھ پورا کیا اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا"۔[6] پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے ایسے ہی جملہ بھی تاکید کے لیے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تمام وکمال کرنے کا حکم ہے اور ((كاملة)) کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔

حج تمتع کن کے لیے؟ اس کے بعد فرمایا گیا ہے یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے مکہ والو! تم تمتع نہیں کر سکتے باہر والوں کے لیے تمتع ہے تم کو ذرا سی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٩٨، ٩٩)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: كتاب الصيام: باب تحريم صوم ايام التشريق (١١٤١) ابو داؤد: كتاب الضحايا: باب حبس لحوم الاضاحى (٢٨١٣) مسند احمد (٥/٧٥، ٧٦)]

[3] [صحیح: صحيح بخارى: كتاب الحج: باب من ساق البدن معه (١٦٩١) صحيح مسلم: كتاب الحج: باب وجوب الدم على المتمتع (١٢٢٧) ابو داؤد: كتاب المناسك: باب فى الاقران (١٨٠٥) مسند احمد (٢/١٤٠)]

[4] [سورة الانعام: آيت ٣٨]

[5] [سورة العنكبوت: آيت ٤٨]

[6] [سورة الاعراف: آيت ١٤٢]

دور جانا پڑتا ہے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا پھر عمرے کا احرام باندھ لیا' حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی تفسیر بھی یہی ہے[1] لیکن حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کے اندر ہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں' ان کے لیے بھی تمتع کرنا جائز نہیں' مکحول رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں' تو عرفات والوں کا' مزدلفہ والوں کا' عرفہ اور رجیع کے رہنے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکہ شریف سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو یا اس کے قریب وہ تو تمتع کر سکتا ہے اور لوگ نہیں کر سکتے' حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ دو دن بھی فرماتے ہیں' امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں مکی لوگوں کے لیے نمازِ قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لیے یہی حکم ہے اس لیے کہ یہ سب حاضر کہے جائیں گے ان کے علاوہ سب مسافر' اور ان سب کے لیے حج میں تمتع کرنا جائز ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے احکام بجا لاؤ' جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اس کے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ڼ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ١٩٧

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے مہینے مقرر ہیں جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے' گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے' تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو' سب سے بہتر تو اللہ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○

احرام اور زادِ راہ: عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں' پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے' گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے' امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام احمد' امام اسحاق' امام ابراہیم نخعی' امام ثوری' امام لیث (اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمتیں نازل فرمائے) فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے ان بزرگوں کی دلیل ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾[2] الخ' ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام ہر مہینہ میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہو گا۔

ہاں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہو گا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں حضرت ابن عباس' حضرت جابر رضی اللہ عنہم حضرت عطا' حضرت مجاہد رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾[3] ہے عربی دان حضرات

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١١١)]

[2] [سورة البقرہ : آیت ١٨٩]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١١٥)]

کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے ہیں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی انہوں نے ابن جریج سے سنا اور انہیں عمر بن عطاء نے کہا ان سے عکرمہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے' صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے' اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے۔

پس یہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں' علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوا حج کے مہینوں کے لائق نہیں' اسکی اسناد بھی اچھی ہیں' لیکن شافعی اور بیہقی رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں'[1] یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے۔ واللہ اعلم۔ ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شوال' ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری)[2] یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے' مستدرک حاکم میں بھی ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ اسے صحیح بتلاتے ہیں'[3] حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے' حضرت عطا' حضرت مجاہد' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت شعبی' حضرت حسن' حضرت ابن سیرین' حضرت مکحول' حضرت قتادہ' حضرت ضحاک بن مزاحم' حضرت ربیع بن انس' حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں'[4] حضرت امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام احمد بن حنبل' ابو یوسف اور ابوثور رحمہم اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔

اشہر کی تشریح: ﴿اشھر﴾ کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے' جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریباً) ایسا بول دیا کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی اغلباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے' قرآن میں بھی ہے ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾[5] حالانکہ وہ جلدی

---

[1] [الام للشافعی (۲/۱۳۲) بیهقی (۴/۳۴۳)]

[2] **[صحیح موقوفا ولا اصل له مرفوعا:** بخاری تعلیقا : کتاب الحج : باب قول الله تعالی الحج اشهر معلومات ، دارقطنی (۲/۲۲۶۔ ۲۲۷) بیهقی (۴/۳۴۲۔ ۳۴۳)]

[3] [حاکم (۲/۲۷۶)] [4] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۴۸۶۔ ۴۸۸)]

[5] [سورة البقره : آیت ۲۰۳]

ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے' امام مالک' امام شافعی رحمہ اللہ علیہما کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے' ابن شہاب' عطا رحمۃ اللہ علیہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے' طاؤس' مجاہد' عروہ' ربیع اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے' کیونکہ اس کا راوی حصین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے' بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں' امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گزرتے ہی جاتا رہا' محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہلِ علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو' قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ (اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں چاروں عمرے ادا فرمائے ہیں' اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔

فرض سے مراد یہاں واجب ولازم کر لینا ہے [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے' ابراہیم اور ضحاک رحمہ اللہ علیہما کا بھی یہی قول ہے [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکار لینے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے' بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفث سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ [3] یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے' احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا' بوسہ لینا' ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا۔ گو بعض نے مردوں کی محفلوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفث میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف مروی ہے' انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنا رفث ہے۔ رفث کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔ فحش باتیں کرنا' دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا' اشاروں

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۱۲۱)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۱۲۳)]
[3] [سورة البقرہ : آیت ۱۸۷]

کنایوں میں جماع کا ذکر' اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے' چھیڑ چھاڑ کرنا' مساس کرنا وغیرہ۔ یہ سب رفث میں داخل ہے اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں۔

مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان ونافرمانی' شکار' گالی گلوچ وغیرہ' بد زبانی ہے جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے' [1] اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [2] بدالقاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے قرآن فرماتا ہے ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ [3] مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ [4] ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اس طرح حرم میں بھی یہ حرمت بڑھ جاتی ہے ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [5] یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اسے ہم المناک عذاب دیں گے' امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں فسق سے مراد وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا' بال منڈوانا یا کتروانا ناخن لینا وغیرہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے [6] واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے' نہ رفث کرے' نہ فسق تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ [7] پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان وغیرہ میں جھگڑا نہ کرو اور اسکا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے' حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں ان میں کمی زیادتی نہ کرو' موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم میں اور جگہ فرما دی گئی ہے' اسی طرح قریش مشعرِ حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر آپس میں

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب خوف المومن من ان یحبط عمله (٤٨) و کتاب الادب (٦٠٤٤) و کتاب الفتن (٧٠٧٦) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان قول النبی سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (٦٤) ترمذی: کتاب البر والصلة (١٩٨٣) ابن ماجه: کتاب السنة (٦٩) نسائی: کتاب المحاربة: باب قتال المسلم (٤١١٠) مسند احمد (٣٨٥/١)]

[2] [سورة الانعام: آیت ١٤٥]

[3] [سورة الحجرات: آیت ١١]

[4] [سورة التوبه: آیت ٣٦]

[5] [سورة حج: آیت ٢٥]

[6] [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٦/٤)]

[7] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب فضل الحج المبرور (١٥٢١) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب فضل الحج والعمرة ویوم عرفة (١٣٥٠) ابن ماجه: کتاب المناسك: باب فضل الحج والعمرة (٢٨٨٩) ترمذی: کتاب الحج: باب ما جآء فی ثواب الحج والعمرة (٨١١) نسائی: کتاب المناسك: باب فضل الحج (٢٢٢٨) مسند احمد (٢٦١/٢)]

جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ہاتھوں وقت حج' ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے' نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے بس یہ جھگڑے اب ختم کر دو۔ واللہ اعلم۔

یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ نہ کسی کو گالیاں دو' بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں' ہاں مارے نہیں' لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر' خوف نہیں' مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفرِ حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خادم کے پاس تھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس کا انتظار کر رہے تھے تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا حضرت کل رات کو گم ہو گیا آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے' [1] بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے ایذا نہ پائیں اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ [2] پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے' چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو' نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ سفرِ حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے جس پر یہ حکم ہوا' [3] حضرت عکرمہ حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہما بھی یہی فرماتے ہیں' بخاری' نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یمنی لوگ ایسا کرتے

---

[1] [**حسن**: مسند احمد (۳۴٤/٦) ابو داؤد : كتاب المناسك : باب المحرم يودب غلامه (١٨١٨) ابن ماجه : كتاب المناسك : باب التوقي في الاحرام (٢٩٣٣)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحيح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ابن اسحاق (مدلس راوی) کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [**ضعيف**: عبد بن حميد (١١٥٠)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔[الكامل لابن عدى (٤٤/٢) المطالب العالية (١٠٨٧)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [تفسير ابن جرير الطبرى (٣٧٣٦) نسائى فى التفسير (٥٣)]

تھے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے' [1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھنا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو آٹا' ستو وغیرہ توشے ہیں ساتھ لے لو [2] دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامانِ سفر ساتھ رکھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کرلیا کرتے تھے چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی فرمایا ہے کہ آخرت کے توشہ کی تیاری بھی کرلو یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف اللہ لے کر جاؤ۔ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ [3] پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے' یعنی خشوع خضوع' طاقت وتقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو' بلکہ یہ لباس اس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے' ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر کچھ کھوؤ گے تو آخرت میں پاؤ گے یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا۔ [4] (طبرانی) اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں آپ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہیے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ (ابن ابی حاتم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو' یعنی میرے عذابوں سے' میری پکڑ دھکڑ سے' میری گرفت سے' میری سزاؤں سے ڈر ڈب کر میرے احکام کی تعمیل کرو' میرے ارشاد کے خلاف نہ کرو تا کہ نجات پا سکو یہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو۔ اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ○

حج کے دوران تجارت: صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عکاظ' مجنہ اور ذوالمجاز نامی بازار تھے اسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایام حج میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے تو انہیں اجازت دی گئی کہ ایامِ حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں۔ [5] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الحج : باب قول اللہ تعالیٰ وتزودو فان خیر الزاد اللتقویٰ (۱۵۲۳) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب التزود فی الحج (۱۷۳۰)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۶/٤)] [3] [سورۃ الاعراف : آیت ۲٦]

[4] [صحیح :طبرانی کبیر (۲۲۷۱)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۳۱۱/۱۰)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں مروان بن معاویہ اور اسماعیل بن ابی خالد دونوں مدلس ہیں۔]

[5] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الحج : باب التجارۃ ایام المواسم (۱۷۷۰)، (۲۰۹۸)]

مسئلہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کے لیے خرید و فروخت حلال ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ کے بعد ﴿فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ﴾ کا لفظ بھی ہے' ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے [1] دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی تجارت بھی کرتا ہے تو اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ (ابن جریر) [2] مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہ تیمی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے' کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سنو! ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ الخ' لے کر اترے اور حضور ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو تمہارا حج ہو گیا ' [3] مسند عبدالرزاق میں بھی یہ روایت ہے اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی۔ بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی بھی ہے' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ [4] امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کون سا تھا؟ [5]

عرفہ' مزدلفہ میں داخل ہونے اور خرچ کی وضاحت: ﴿عرفات﴾ کو منصرف (یعنی تصرف کر کے) پڑھا گیا ہے حالانکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی (اسم علم) اور تانیث' اس لیے کہ دراصل یہ جمع ہے ''جیسے مسلمات اور مومنات'' ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے' اس لیے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا' [6] عرفہ وہ جگہ ہے جہاں پر ٹھہرنا حج کا بنیادی رکن ہے' مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے تین مرتبہ حضور ﷺ نے یہی فرمایا جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پا لیا' منیٰ کے تین دنوں میں جلدی یا دیر کی جا سکتی ہے اس پر کوئی گناہ نہیں' [7] ٹھہرنے کا وقت عرفے کے دن سورج ڈھلنے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٧٧١ـ ٣٧٧٥)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١٦٥)]

[3] [صحیح مسند احمد (٢/١٥٥) ابو داؤد : کتاب المناسك (١٧٣٣) حاکم (١/٤٤٩)] شیخ شعیب ارنائوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ھے ـ [مسند احمد محقق (٦٤٣٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[4] [أیضا]
[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١٦٨)]

[6] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/١٧١)]

[7] [صحیح ابو داؤد : کتاب المناسك : باب من لم یدرك عرفة (١٩٤٩) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء فیمن ادرك الامام (٨٨٩) نسائی : کتاب المناسك : باب فیمن لم یدرك صلاة الصبح مع الامام (٣٠٤٦) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب من اتی عرفة قبل الفجر (٣٠١٥) بیهقی (٥/١٥٢) حاکم (٢/٢٧٨) مسند احمد (٤/٣٠٩)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٠٦٤)]

کے بعد سے لے کر عید کی صبح کے طلوع ہونے تک ہے' نبی ﷺ حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو'[1] حضرت امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے' اس نے حج پالیا' حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لیے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں طی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں' اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو' خواہ دن کو اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا۔[2] (مسند احمد وسنن) امام ترمذی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ ﴿عرفت﴾ کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جواب دیا ﴿عرفت﴾ میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آ چکے تھے اس لیے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا'[3] حضرت عطاء رحمہ اللہ حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور حضرت ابومجلز رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے[4] واللہ اعلم۔ عرفات کا نام ''مشعر الحرام'' ''مشعر الاقصیٰ'' اور ''الال'' بھی ہے' اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمۃ ہے' ابوطالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے' اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضور ﷺ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا' پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت' رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ ﷺ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہو گئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپ ﷺ نے وہاں سے کوچ کیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد وثنا کے بعد ''اما بعد'' کہہ کر فرمایا حج اکبر آج ہی کا دن ہے دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الحج : باب استحباب امی جمرة العقبة یوم النحر راکبا (١٢٩٧) نسائی : کتاب المناسك : باب الرکوب الی الحمار (٣٠٦٤) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی رمی الحمار (١٩٧٠)]

[2] [صحیح: ابو داؤد : کتاب المناسك : باب من لم یدرك عرفة (١٩٥٠) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جاء فیمن ادرك الامام (٨١٩) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب من اتی عرفة قبل الفجر لیلة جمع (٣٠١٦) نسائی : کتاب المناسك : باب فیمن لم یدرك صلوة الصبح مع الامام (٣٠٤٦) مسند احمد (١٥/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

[3] [عبد الرزاق (٩٧/٥)] [4] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥١٩/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (١٨٣/٤۔١٨٤)]

پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے۔ [1] (ابن مردویہ و مستدرک حاکم) امام حاکم نے اسے شرطِ شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے' اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا نہیں۔

حضرت معرور بن سوید رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے' آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے آپ اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم واضح روشنی میں لوٹے۔ صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو' نرمی' اطمینان' سکون اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کرتے تاکہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے' مزدلفہ میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت' نوافل کچھ نہیں پڑھے پھر لیٹ گئے' صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نمازِ فجر ادا کی جس میں اذان و اقامت ہوئی پھر قصوانامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا' سورج نکلنے سے پہلے ہی آپ یہاں سے روانہ ہو گئے' [2]

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں سے چلے تو کس چال چلتے تھے فرمایا درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے۔ (بخاری و مسلم) [3]

---

[1] [صحیح :طبرانی کبیر (۲۰/۲۸) حاکم (۳/۵۲۳-۵۲٤)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (۳/۲۵۵)]

[2] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی ﷺ (۱۲۱۸)]

[3] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الحج : باب السیر اذا دفع من عرفة (۱٦٦٦) و کتاب الجهاد (۲۹۹۹) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب الافاضة من عرفات الی المزدلفة (۱۲۸٦) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب الدفعة من عرفة (۱۹۲۳) نسائی : کتاب المناسك : باب کیف السیر من عرفة؟ (۳۰۲٦) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب الدفع من عرفة (۳۰۱۷) مسند احمد (۵/۲۰۵)]

پھر فرمایا: عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں، عمرو بن میمون رحمہ اللہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے؟ یہ ہے مشعر الحرام۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے، پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ، آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے، اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے۔ [1] حضرت عطاء رحمہ اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا وادی محسّر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے، مشاعر ظاہری نشانوں کو کہتے ہیں مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے۔

سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحابِ شافعی کا مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ سے اس معنی کی مروی ہے، بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی، امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں، پس یہ تین قول ہوئے ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے واللہ اعلم۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں واللہ اعلم۔ مترجم) ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے، عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے ہاں وادی محسر نہیں۔ [2] مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ شریف کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں۔ [3] لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لیے کہ سلیمان بن موسیٰ اشدق نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکامِ حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کو واضح کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے، یعنی اس ہدایت سے پہلے، اس قرآن سے پہلے، اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فی الواقع تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی۔ فالحمد للہ

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۵۲۱/۲)]

[2] [مرسل وضعیف: موطا (۳۸۸/۱) مسند احمد (۸۲/۴) بزار (۱۱۲۶) بیھقی (۱۱۵/۵)]

[3] [صحیح لغیرہ: مسنداحمد (۸۲/۴) طبرانی کبیر (۱۵۸۳)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے البتہ یہ سند منقطع ہے۔ [مسند احمد محقق (۱۶۷۵۱)]

واپس لوٹنے کی جگہ: ﴿ ثُمَّ ﴾ یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لیے ہے تا کہ ترتیب ہو جائے گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تا کہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشانِ امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرالیا تھا کہ وہ حدِ حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی شہر کے رئیس ہیں اور اسی گھر کے مجاور ہیں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے اسی لیے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم بھی وہیں سے لوٹا کرو[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مجاہد حضرت عطا حضرت قتادہ حضرت سدی رحمہ اللہ وغیرہ یہی فرماتے ہیں[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا میں اسے ڈھونڈنے کے لیے نکلا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا کہنے لگا یہ کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿افاضہ﴾ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لیے منیٰ کو جانا ہے[4] واللہ اعلم۔ اور ﴿النَّاس﴾ سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں بعض کہتے ہیں مراد امام ہے ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول راجح رہتا۔

پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔[5] (مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، اللّٰہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)[6]

یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے استغفار کیا۔[7] (ابن

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ثم افیضوا من حیث افاض الناس (٤٥٢٠) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب فی الوقوف وقولہ تعالیٰ ثم افیضوا من حیث أفاض الناس (١٢١٩) ابو داؤد: کتاب المناسك: باب الموقف بعرفة (١٩١٠)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٨٦/٤)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الحج: باب الوقوف بعرفة (١٦٦٤) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب فی الوقوف (١٢٢٠) مسند احمد (٨٠/٤)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ثم افیضوا من حیث افاض الناس (٤٥٢١)]

[5] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلوة (٥٩١)]

[6] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الذکر بعد الصلوة (٨٤٣) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلوة (٥٩٥)]

[7] [ضعیف: ابن ماجہ: کتاب المناسك: باب الدعاء بعرفة (٣٠١٣) بیهقی فی شعب الایمان (٣٤٦) تفسیر ابن جریر الطبری (٣٨٤٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجہ]

جریر) آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے ﴿اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ﴾ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے اگر اسی رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہو گا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا وہ بھی جنتی ہے [۱] (بخاری) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی دعا سکھایئے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں آپ نے فرمایا یہ پڑھو ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ ۔ [۲] (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

النصف

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ○ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

حج مکمل ہونے کے بعد ذکر الٰہی: یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو، اگلے جملے کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے' دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت حج کے موقع پر ٹھہرتے وقت کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا' کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا' سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں بڑائیاں عظمتیں اور عزتیں بیان کرو' اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے' غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو' اسی لیے ﴿اَوْ اَشَدَّ﴾ پر زبر تمیز کی بنا پر لائی گئی ہے' یعنی اس طرح اللہ کی یاد کرو

---

[۱] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدعوات: باب افضل الاستغفار (٦٣٠٦) ترمذی: کتاب الدعوات (٣٣٩٣) مسند احمد (١٢٢/٤)]

[۲] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الدعاء قبل السلام (٨٣٤) و کتاب الدعوات (٦٣٢٦) صحیح مسلم: کتاب الدعوات: باب استحباب خفض الصوت بالذکر (٢٧٠٥) ابن ماجه: کتاب الدعاء: باب دعاء رسول الله (٣٨٣٥) ترمذی: کتاب الدعوات (٣٥٣١) مسند احمد (٤/١)]

جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

﴿اَوْ﴾ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے ﴿اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ [1] میں اور ﴿اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ [2] میں اور ﴿اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ [3] میں اور ﴿اَوْ اَدْنٰى﴾ [4] میں ان تمام مقامات میں لفظ ﴿اَوْ﴾ ہرگز ہرگز شک کے لیے نہیں ہے بلکہ ((مخبر عَنْهُ)) کی تحقیق کے لیے ہے یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

دنیا وآخرت کی حسنات پر مشتمل دعا: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقعہ قبولیت کا ہے ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بھی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلبی کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھہر کر صرف یہی دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہ اس سال بارشیں اچھی برسا تاکہ غلے اچھے پیدا ہوں اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائیوں کی ہوتی تھیں اس لیے ان کی تعریفیں کی گئیں اس دعا میں تمام بھلائیاں دین ودنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے اس لیے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت راحت آسانی تندرستی گھر بار بیوی بچے روزی علم عمل اچھی سواریاں نوکر چاکر لونڈی غلام عزت وآبرو وغیرہ تمام چیزیں آ گئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا گھبراہٹ سے نجات پانا نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا سرخرو ہونا بالآخر عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب آ گیا پھر اس کے بعد عذاب جہنم سے نجات چاہنا اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ قاسم بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جسے شکر گزار اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا [5] بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے [6] اس حدیث میں ہے ﴿رَبَّنَا﴾ سے پہلے ﴿اَللّٰهُمَّ﴾ بھی ہے حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے؟ تو آپ نے جواب میں یہی دعا بتائی۔ [7] (احمد) حضرت انس رضی اللہ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے اس دعا کو نہ چھوڑتے چنانچہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لیے دعا کریں آپ نے یہی دعا ﴿اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا﴾ الخ پڑھی پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت

---

[1] [سورة البقرة : آيت ٧٤] [2] [سورة النسآء : آيت ٧٧]

[3] [سورة الصافات : آيت ١٤٧] [4] [سورة النجم : آيت ٩]

[5] [تفسير ابن ابی حاتم (٢/٥٤٢)]

[6] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب التفسير : باب ومنهم من يقول ربنا (٤٥٢٢) صحيح مسلم : كتاب الذكر والدعاء : باب فضل الدعاء باللهم اتنا فی الدنيا (٢٦٩٠) ابو داؤد : كتاب صلاة الوتر : باب الاستغفار (١٥١٩) مسند احمد (٣/٢٠٩)]

[7] [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الذكر والدعاء : باب فضل الدعاء باللهم ربنا (٢٦٩٠) مسند احمد (٣/١٠١)]

کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو؟ اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آ گئیں۔ (ابن ابی حاتم)

آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے آپ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے؟ اس نے کہا ہاں میری یہ دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے؟ تو نے یہ دعا ﴿رَبَّنَا آتِنَا﴾ (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ (احمد) [1] رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان حضور ﷺ اس دعا کو پڑھا کرتے تھے۔ [2] (ابن ماجہ وغیرہ) لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ فرماتے ہیں: میں جب کبھی رکن کے پاس سے گزرتا ہوں دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے تم جب کبھی یہاں سے گزرو تو ﴿رَبَّنَا آتِنَا﴾ الخ پڑھا کرو۔ [3] (ابن مردویہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کی ملازمت کر لی ہے اس اجرت پر کہ وہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقعہ پر مجھے وہ رخصت دے دیں کہ میں حج ادا کر لوں ویسے اور دنوں میں میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کیا اس طرح میرا حج ادا ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں بلکہ تو تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ﴾ الخ۔ (مستدرک حاکم) [4]

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۰۳

اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو، دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب کراهية الدعاء بتعجيل العقوبة في الدنيا (۲۶۸۸) ترمذی: کتاب الدعوات: باب ما جاء في عقد التسبيح باليد (۳۴۸۷) مسند احمد (۱۰۷/۳) الادب المفرد (۷۲۷)]

[2] [حسن: ابو داؤد: کتاب المناسك: باب الدعاء في الطواف (۱۸۹۲) عبدالرزاق (۸۹۶۳) مسند احمد (۴۱۱/۳) حاکم (۴۵۵/۱)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف: اس میں عبداللہ بن مسلم بن ہرمز مکی راوی ضعیف ہے۔ [میزان الاعتدال (۴۶۰۲)] حافظ زبیر علی زئی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

[4] [حاکم (۲۷۷/۲)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں اعمش راوی مدلس ہے اور وہ عن سے روایت بیان کر رہا ہے۔]

اس پر کوئی گناہ نہیں پرہیز گاروں کے لئے یہ ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ○

ایامِ تشریق میں ذکرِ الٰہی: ایامِ معدودات سے مراد ایامِ تشریق اور ایامِ معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں[1] ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایامِ تشریق میں فرض نمازوں کے بعد ﴿اَللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ﴾ کہیں[2] آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عرفے کا دن قربانی کا دن اور ایامِ تشریق ہمارے یعنی اہلِ اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں۔[3] (احمد) اور حدیث میں ہے ایامِ تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔[4] (احمد) پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات کل ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایامِ تشریق سب قربانی کے دن ہیں' اور یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ منیٰ کے دن تین ہیں دو دن میں جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں' ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایامِ تشریق کھانے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں'[5] حضور ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ منیٰ میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں کوئی روزہ نہ رکھیں یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں'[6] ایک اور مرسل روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لیے یہ زائد نیکی ہے'[7] ایک اور روایت میں ہے کہ منادی بشر بن سحیم رضی اللہ عنہ تھے[8] اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے[9] ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب

---

[1] [تفسیر قرطبی (۳/۳)] [2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۵٤۵)]

[3] [**صحیح** : ابو داؤد : کتاب الصیام : باب صیام ایام التشریق (۲٤۱۹) ترمذی : کتاب الصوم : باب ما جاء فی کراهیة الصوم فی ایام التشریق (۷۷۳) نسائی : کتاب المناسك (۳۰۰۷) مسند احمد (٤/۱۵۲)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[تغلیق التعلیق (۲/۳۸۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۸۱۹۲) صحیح ابو داود] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔[مسند احمد محقق (۱۷۳۷۹)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی کی بھی یہی رائے ہے۔]

[4] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب تحریم صوم ایام تشریق (۱۱٤۱) مسند احمد (۵/۷۵)]

[5] [**صحیح** : مسند احمد (۲/۲۲۹) تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱۳) صحیح مسلم (أیضا)]

[6] [**صحیح** : مسند احمد (۲/۵۱۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱٤) طحاوی (۱/۳۲۸) نسائی فی السنن الکبری] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے مگر اس کی یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں صالح بن ابی الاخضر راوی ضعیف ہے۔[مسند احمد محقق (۱۰٦٦٤)]

[7] [**صحیح بالشواهد** : تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱۸)]

[8] [**صحیح** : تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱۷) نسائی (٤۹۹۷) ابن ماجه (۱۷٤۰) مسند احمد (۲/۵۳۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[9] [**صحیح** : تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے صحیح کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علامہ احمد شاکر نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں دسویں ذی الحجہ کا دن اور تین دن اس کے بعد کے یعنی دس سے تیرہ تک [2] ابن عمر، ابن زبیر، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم عطاء، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ابراہیم نخعی، یحییٰ بن ابی کثیر، حسن، قتادہ، سدی، زہری، ربیع بن انس، ضحاک، مقاتل بن حیان، عطاء خراسانی، امام مالک رحمہ اللہ علیہم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں [3] حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں، ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے مگر مشہور قول یہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ دو دن میں جلدی یا دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے، اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب اس میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے، اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر بھی اللہ کا ذکر مراد ہے، اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماءِ کرام سے اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عمل درآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفے کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک، اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا، اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت تکبیر اور اللہ کا ذکر کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا، ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف، صفا مروہ کی سعی، شیطانوں کو کنکریاں مارنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے ہے۔ [4] چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا پھر اسی کی طرف حشر ہوگا [5] پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

---

[1] [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (۳۹۱۹) حاکم (۴۳٤/۱) ابن خزیمة (۲۱۷٤) مسند احمد (۹۲/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مسند احمد پر تعلیق لگاتے ہوئے شیخ احمد شاکر نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۱۳/٤)] [3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۵٤۷/۲)]

[4] [ضعیف : ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فی الرمل (۱۸۸۸) ترمذی : کتاب الحج : باب ما جآء کیف ترمی الجمار (۹۰۲) مسند احمد (۱۳۹/٦) ابن خزیمة (۲۷۳۸)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود] اس میں عبیداللہ بن ابی زیاد قداح راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ البتہ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[5] [سورۃ المؤمنون : آیت ۷۹]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے ○ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے ○ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر اور آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے کو جہنم ہی بس ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے ○ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے ○

دوغلے لوگ منافقین: سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس ابن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا لیکن باطن میں مخالف تھا' [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کیے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں ﴿مَنْ يَّشْرِيْ﴾ والی آیت اتری اور ان منافقین کی مذمت کے بارے میں ﴿مَنْ يُّعْجِبُكَ﴾ الخ' والی آیت نازل ہوئی' بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے' [2] قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے' حضرت نوف بکالی جو توراۃ وانجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصبّر) سے زیادہ کڑوے ہیں لوگوں کے لیے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑوں جیسے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا وہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔

قرظی کہتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے پڑھئے آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ﴾ الخ' [3] حضرت سعید المقبری نے بھی جب یہ بات اور کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٢٢٩)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٢٣٠)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٢٣٢)]

ساری آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا سنیے آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن محیصن کی قرات میں ﴿يَشْهَدُ اللهُ﴾ ہے معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ [1] الخ، یعنی منافق تیرے پاس آ کر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں، لیکن جمہور کی قرات ﴿يُشْهِدُ اللهَ﴾ ہے تو معنی یہ ہوا کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللهِ﴾ [2] الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہ ہی ان کے دل میں ہے، صحیح معنی آیت کے یہی ہیں اور عبدالرحمٰن بن زید اور مجاہد رحمہ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے [3] ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ ﴿أَلَدُّ﴾ کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا۔ جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا﴾ [4] یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے، سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افترا اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے بیوفائی کرے، جب جھگڑا کرے گالیاں بکے، [5] ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو [6] اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے، عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

سعی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ﴾ [7] الخ اور فرمان ہے ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللهِ﴾ [8] یعنی جمعہ کی نماز کا قصد اور ارادہ کرو، یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر جانا ممنوع ہے، حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کے لیے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکینت

---

[1] [سورة المنافقون : آیت ۱]
[2] [سورة النساء : آیت ۱۰۸]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۳۳/٤)]
[4] [سورة مریم : آیت ۹۷]
[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب علامات المنافق (۳٤) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب خصال المنافق (۵۹) ترمذی : کتاب الایمان : باب ما جاء فی علامة المنافق (۲٦۳۲)]
[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب قول الله تعالی وهو الدالخصام (۲٤۵۷) صحیح مسلم : کتاب العلم : باب فی الالدالخصم (۲٦٦۸) ترمذی : کتاب تفسیر القران (۲۹۷٦) نسائی : کتاب آداب القضاة (۵٤۲۵) مسند احمد (٦/۵۵)]
[7] [سورة النازعات : آیت ۲۲]
[8] [سورة الجمعة : آیت ۹]

ووقار کے ساتھ آؤ۔ (۱)

غرض یہ کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا' کھیتی باڑی' زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے' جس سے کھیتیوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ ونصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ (۲) الخ' یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں' سنو اس سے بھی بڑھ کر سنو' کافروں کے لیے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے' یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے یعنی سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کی تعریف: منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں' یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے' آپ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لیے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا' بڑے نفع کی تجارت کی (۳) آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے آخر بتاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں؟ ان بزرگوں نے فرمایا آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ہے' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔

قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے آپ کے پاس مال نہ تھا یہ سب مال یہیں کمایا اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آن کر گھیر لیا آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لیے اور فرمایا اے مکہ والو! تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیرانداز ہوں؟ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا اس کے بعد تلوار کے ساتھ تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو پھر جو چاہو کر لو۔ اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں سب لے لو

---

(۱) [صحیح صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب لا یسعی الی الصلوة (۶۳۶) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب استحباب ایتان الصلوة بوقار وسکینة (۶۰۲) ابو داؤد (۵۷۲) ترمذی (۳۲۷) ابن ماجه (۷۷۵) مسند احمد (۲/۲۳۸)]

(۲) [سورة الحج : آیت ۷۲]

(۳) [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۲۴۸)]

اور مجھے جانے دو وہ مال لینے پر رضا مند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی آپ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے مبارک باد دی۔ [1]

اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿إِنَّ اللَّـهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ [2] الخ، یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراۃ انجیل اور قرآن میں موجود ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا؟ تو اے ایماندارو! اس خرید و فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ یہی بڑی کامیابی ہے، حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت ﴿مَن يَشْرِي﴾ کی تلاوت کر کے سنادی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّـهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی کامل اطاعت میں ہی: اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی ﷺ کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کل احکام کو بجا لائیں، کل ممنوعات سے بچ جائیں، کامل شریعت پر عمل کریں ﴿سِلْم﴾ سے مراد اسلام ہے اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ ﴿كَافَّةً﴾ کے معنی سب کے سب، پورے پورے، عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام، اسد بن عبید ثعلبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضور ﷺ سے گزارش کی ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو، لیکن اس میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام کچھ ٹھیک نہیں ہے معلوم ہوتا ہے وہ اعلیٰ عالم تھے اور پورے مسلمان تھے انہیں مکمل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے اس کے بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں۔

بعض مفسرین نے ﴿كَافَّةً﴾ کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ، لیکن پہلی بات

---

[1] [صحیح: حاکم (۳/۴۰۰) تفسیر ابن جریر طبری (۴۰۰۴)] شیخ البانیؒ نے اس واقعہ کو صحیح کہا ہے۔ [فقہ السیرة (ص: ۱۶۶)]

[2] [سورۃ التوبہ: آیت ۱۱۱]

زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح آ جاؤ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو' توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو' شیطان کی نہ مانو وہ تو برائیوں اور بدکاریوں پر اور اللہ پر بہتان باندھنے پر اکساتا ہے [1] اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ [2] وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بھی بدلہ لینے میں غالب ہے' نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے' نہ اس پر کوئی غالب ہے اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے [3] اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٢١٠﴾ ع

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں O

اہل ایمان کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت: اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کیے کو بھگت لے گا' جیسے اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ﴾ الخ [4] یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتوں کی صفیں کی صفیں بندھ جائیں گی اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ الخ' [5] یعنی کیا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود اللہ تعالیٰ آئے اس کی بعض نشانیاں آ جائیں اگر یہ ہو گیا تو پھر انہیں نہ ایمان نفع دے' نہ نیک اعمال کا وقت رہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا جائیں گے انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔

یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے آپ ﷺ جواب دیں گے میں تیار ہوں میں ہی اس کا اہل ہوں' پھر آپ جائیں گے اور عرش تلے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ۱۶۹]
[2] [سورۃ فاطر : آیت ٦]
[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۵۹۱/۲)]
[4] [سورۃ الفجر : آیت ۲۱۔ ۲۳]
[5] [سورۃ النحل : آیت ۳۳]

آئے گا دنیا کا آسمان ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آ جائیں گے پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آ جائیں گے اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آ جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ جل شانہ تشریف لائے گا۔

فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے، ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی ﴿سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ، سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِی لَا يَمُوْتُ، سُبْحَانَ الَّذِیْ يُمِيْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا يَمُوْتُ، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ، سُبْحَانَ رَبِّنَا الْأَعْلٰى، سُبْحَانَ ذِی السُّلْطَانِ وَالْعَظَمَةِ، سُبْحَانَهُ سُبْحَانَهُ اَبَدًا اَبَدًا﴾ [1] حافظ ابو بکر بن مردویہ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو اس دن جمع کرے گا جس کا وقت مقرر ہے وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے آنکھیں پتھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا۔ [2]

ابن ابی حاتم میں ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے نور کی چکا چوند کے اور پانی کے۔ اور پانی سے وہ آوازیں آ رہی ہوں گی جس سے دل ہل جائیں، زہیر بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر وزبرجد والا ہوگا، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس میں چاہے آئے گا، [3] چنانچہ بعض قراءتوں میں یوں بھی ہے ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ (الفرقان/ ۲۵) یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۭ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

وقف لازم

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۴۰۴۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: حاکم (۳۷۶/۲) الدر المنثور (۴۳۳/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الترغیب والترهیب (۳۵۹۱)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۶۴/۴)]

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے ○ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی وہ ایمانداروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے' اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ○

بنی اسرائیل کی سرکشی: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی' ان کے ہاتھ کی روشنی' ان کے لیے دریا کو چیر دینا' ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا' من و سلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ۔ جن سے میرا خود مختار' فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی پھر بھلا میرے سخت عذاب سے یہ کیسے بچ سکتے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے ارشاد ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ (ابراھیم/۲۸-۲۹) الخ' کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرارگاہ میں پہنچا دیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیا کی زندگی پر دیوانے ہوئے ہیں مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ کے خرچ میں بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے' بلکہ جو ایمان دار اس دنیائے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضامندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں' حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آجائے گی۔ دنیا کی روزی جسے اللہ جتنی چاہے دے دے' جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے۔ حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا چلا جاؤں گا' [1] آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا راہ اللہ میں دیتے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو' [2] قرآن میں ہے ﴿وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ﴾ [3] تم جو کچھ خرچ کرو اللہ اس کا بدلہ دے گا۔

صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ایک دعا کرتا ہے اے اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کی عزت فرما دوسرا کہتا ہے بخیل کے مال کو برباد کر۔ [4] ایک اور حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے میرا مال' میرا مال

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب النفقات : باب فضل النفقة على الاهل (۵۳۵۲) صحیح مسلم : کتاب الزكاة : باب الحث على النفقة و تبشيرا المنفق بالخلف (۹۹۳)]

[2] [صحیح: طبرانی کبیر (۱۰۲۰) مسند شهاب (۷۴۹)] امام منذریؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [الترغیب والترهيب (۵۱/۲)] شیخ حوتؒ نے بھی اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [أسنى المطالب (ص : ۹۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح الجامع (۱۵۱۲) صحيح الترغيب (۹۲۲) السلسلة الصحيحة (۲۶۶۱)]

[3] [سورة سبا : آیت ۳۹]

[4] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الزكوة : باب قول الله تعالى فاما من اعطى واتقى (۱۴۴۲) صحیح مسلم : کتاب الزكوة : باب في المنفق والممسك (۱۰۱۰)]

حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھالیا وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو دوسروں کے لیے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا' [1] مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو' دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو' دنیا کے لیے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔ [2]

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمادی تا کہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض وعناد سے اس میں اختلاف کیا' پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی' اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ○

پہلی امتوں پر امتِ محمدیہ کی فضیلت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس زمانے تھے ان زمانوں کے لوگ حق پر اور شریعت کے پابند تھے پھر اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ﴾ [3] الخ۔ ابی بن کعب کی قرات بھی یہی ہے' [4] قتادہ رحمہ اللہ نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام [5] حضرت مجاہد رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے' لیکن اول قول معنی کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے' پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا' ان کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی تھی تا کہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانونِ الٰہی سے ہو سکے' لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض' تعصب وضد اور نفسانیت کی بنا پر پھر اتفاق نہ کر

---

[1] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الزھد : باب الدنیا سجن المومن (۲۹۵۸۔ ۲۹۵۹)]

[2] [ضعیف :مسند احمد (۶/۱۷) ابن ابی الدنیا (۱۸۲) مجمع الزوائد (۱۸۰۷۸)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفه (۱۹۳۳)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔[مسند احمد محقق (۲۴۴۱۹)]

[3] [حاکم (۲/۵۴۶)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۷۸)]

[5] [عبد الرزاق (۱/۸۲)]

سکے' لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوں گے' اہل کتاب کو اللہ کی کتاب ہم سے پہلے دی گئی' ہمیں اس کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ پاک نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی نا اتفاقی رہی لیکن ہمیں ہدایت نصیب ہوئی یہ کل کے کل اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں (۱) جمعہ ہمارا ہے ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا' (۲) زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا۔ انصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا یہود نے بھی' ان میں سے بعض کی نماز میں رکوع ہے اور سجدہ نہیں' بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں' بعض نماز میں بولتے' چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمد ﷺ کی نماز سکون و وقار والی ہے نہ یہ بولیں' نہ چلیں پھریں' روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمد ﷺ کو ہدایت نصیب ہوئی ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے' کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے نصرانیوں نے انہیں نصاریٰ کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت صحیح خیال تک ہم کو پہنچا دیا گیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی' نصرانیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط تفریط سے بچا لیے گئے اور انہیں روح اللہ کلمۃ اللہ اور نبی برحق مانا۔ (۳)

ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ اللہ واحد کی عبادت کرنے والے نیکیوں کے عامل' برائیوں سے مجتنب تھے' بیچ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگا دیا یہ امت اور امتوں پر گواہ ہو گی یہاں تک کہ امت نوح علیہ السلام پر بھی ان کی شہادت ہو گی' قوم یہود' قوم صالح' قوم شعیب اور آل فرعون کا بھی حساب کتاب انہی کی گواہیوں پر ہو گا یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات میں ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِىْ﴾ الخ' سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ﴿وَلِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ الخ' ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ' گمراہی' اور فتنوں سے بچنا چاہیے' یہ ہدایت اللہ کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی وہ جسے چاہے راہ استقامت سمجھا دیتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے : ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

---

(۱) [عبد الرزاق (۱/۸۲)]

(۲) صحیح صحیح بخاری : کتاب الجمعة : باب فرض الجمعة (۸۷۶) صحیح مسلم : کتاب الجمعة : باب هداية هذه الامة ليوم الجمعة (۸۵۵) مسند احمد (۲/۲۷٤)]

(۳) [تفسير ابن جرير الطبري (٤/۲۸٤)]

بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِىْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِىْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [1] یعنی اے اللہ! اے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کے اللہ عزوجل! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے الٰہ العالمین! اے چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ جل شانہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا تو جسے چاہے راہِ راست دکھلا دیتا ہے' حضور ﷺ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيْنَا فَنَضِلَّ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں اے اللہ ہمیں نیکوکار اور پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے' انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے ○

مشکل کے بعد آسانی: مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں اگلی امتوں کا بھی امتحان لیا گیا' انہیں بھی بیماریاں مصیبتیں پہنچیں' ﴿بَاْسَآءُ﴾ کے معنی فقیری [2] ﴿وَضَرَّآءُ﴾ کے معنی سخت بیماری بھی کیا گیا ہے ﴿زُلْزِلُوْا﴾ ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگے ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے' صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دئے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن تاہم

---

[1] [صحیح: صحيح مسلم : كتاب صلوة المسافرين وقصرها : باب الدعاء فى صلوة الليل وقيامه (۷۷۰) ابوداؤد : كتاب الصلوة : باب ما يستفتح به الصلوة من الدعاء (۷٦۷) ترمذى : كتاب الدعوات : باب ما جآء فى الدعاء عند افتتاح الصلوة بالليل (۳٤۲۰) ابن ماجه : كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها : باب ما جآء فى الدعاء (۱۳۵۷) نسائى : كتاب قيام الليل : باب بأى شىء تستفتح صلاة الليل (۱٦۷٦) مسند احمد (٦/۱۵٦)]

[2] [تفسير ابن ابى حاتم (۲/۲۱۷)]

وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے' لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچ جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے' اللہ کی قسم ! اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضر موت تک سوار تنہا سفر کرنے لگے گا اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہو گا' البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔ [1]

قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ﴿الٓمٓ ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا﴾ [2] الخ' کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی ہم نے تو اگلوں کی بھی آزمائش کی۔ سچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ہم نکھار کر رہیں گے' چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری آزمائش ہوئی یوم الاحزاب کو یعنی جنگ خندق میں جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمان ہے ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ [3] الخ یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں دل حلقوم تک آ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جبکہ منافقوں کو اور ڈھیل مل گئی یقیناً لوگ کہنے لگے کہ اللہ اور رسول کے وعدے تو غرور کے ہی تھے۔

ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدارِ نبوت سے ہوئی ہے؟ ابوسفیان نے کہا ہاں پوچھا پھر کیا رنگ رہا؟ کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے' تو ہرقل نے کہا انبیاء علیہم السلام کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہیں کا ہوتا ہے [4] مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ [5] الخ' اگلے مومنوں نے مع نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنہیں جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کی امداد بہت ہی نزدیک ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ [6] الخ' یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے برائی کے ساتھ بھلائی ہے' ایک حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو آ پہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے پس اللہ تعالیٰ ان کی عجلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔ [7]

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الاکراہ (٦٩٤٣) و کتاب المناقب (٣٦١٢) ابو داؤد : کتاب الجهاد (٢٦٤٩) مسند احمد (١٠٩/٥)]

[2] [سورة العنكبوت : آیت ١-٣]   [3] [سورة الاحزاب : آیت ١٠-١٢]

[4] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب بدء الوحی (٧) صحیح مسلم : کتاب الجهاد (١٧٧٣)]

[5] [سورة الزخرف: آیت ٨]   [6] [سورة الانشراح : آیت ٥-٦]

[7] [ضعیف :مسند احمد (١١/٤) ابن ماجه: مقدمه : باب فیما انكرت الجهمية (١٨١)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں مقال ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ بے اصل ہے۔]

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے' تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے ○

صدقہ کے مستحق لوگ: مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے' [1] سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اسے آیتِ زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے' مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی ﷺ لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں؟ تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر اور قریبی لوگوں سے [2] یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طبلوں' باجوں' تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ [3] پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وہ ذرے برابر ظلم نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو' ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لیے بری ہو' حقیقی علم اللہ ہی کو ہے تم محض بے خبر ہو ○

فرضیتِ جہاد: دشمنانِ اسلام سے دینِ اسلام کے بچاؤ کے لیے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے' زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے سب پر فرض ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد کریں' جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں' جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں' صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو نہ اپنے دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا [4] اور حدیث میں ہے' فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/ ۶۱۹)]

[2] [صحیح دارقطنی (۳/ ۴۴_۴۵) ابن حبان (۳۳۴۱)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/ ۶۲۰)]

[4] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث (۱۹۱۰) ابو داؤد : کتاب الجهاد : باب کراهیة ترك الغزو (۲۵۰۲) نسائی : کتاب الجهاد : باب التشدید فی ترك الجهاد (۳۰۹۹) ابن الجارود (۱۰۳۶)]

موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو یہ حکم آپ نے مکہ کی فتح کے دن فرمایا تھا۔ [1]

پھر فرمایا ہے حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی ممکن ہے قتل بھی کیے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ پھر سفر کی تکلیف، دشمنوں کی یورش کا مقابلہ ہو لیکن سمجھو تو ممکن ہے تم برا جانو اور ہو تمہارے لیے اچھا کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے ان کے مال، ان کے ملک بلکہ ان کے بال بچے بھی تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لیے اچھا جانو اور وہ ہی تمہارے لیے برا ہو عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے، نہ خیر و برکت۔ اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو دراصل وہ تمہارے لیے زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور دنیا میں قدم ٹکانے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی، تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے وہ جانتا ہے کہ کون سا کام تمہارے لیے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کون سا برا ہے، وہ اسی کام کا حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لیے دونوں جہان کی بہتری ہو اس کے احکام دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر ہر حکم کو کشادہ پیشانی سے مان لیا کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۱۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۱۸

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے، یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں

---

[1] [صحیح] صحیح بخاری : کتاب الجهاد والسیر : باب فضل الجهاد والسیر (۲۷۸۳) صحیح مسلم : کتاب الحج و کتاب الامارة (۸٦٤) ، (۱۳۵۳) نسائی : کتاب البیعة : باب ذکر الاختلاف فی انقطاع الهجرة (٤۱۷٤) ابو داؤد : کتاب الجهاد : باب فی الهجرة هل انقطعت (۲٤۸۰) ترمذی : کتاب السیر : باب ما جاء فی الهجرة (۱۵۹۰) مسند احمد (۱/۲۲٦)]

گے ○ ایمان لانے والے ہجرت کرنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت اللہ کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

حرام مہینے اور حضرمی کا قتل : رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضور ﷺ سے جدائی کے صدمہ سے رو دیئے آپ نے انہیں روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو سردارِ لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمانِ نبی ﷺ پڑھا اور انا للہ الخ' پڑھ کر کہا میں نے حضور ﷺ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کے لیے تیار ہوں پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا دو شخص تو لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن ہے انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت وہاں سے واپس ہوئی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری۔ [1] (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسر' حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عتبہ بن غزوان سلمی' حضرت سہیل بن بیضاء' حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ یربوعی رضی اللہ عنہم تھے۔ بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ جحش رضی اللہ عنہ نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزومند ہو وہی آگے بڑھے یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہما تھے' ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں وہ رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان' عثمان بن عبداللہ وغیرہ تھے۔ حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مالِ غنیمت لے کر لوٹی۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو قیدیوں کو اور مالِ غنیمت لے کر واپس آئی۔ مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا۔ (یہاں اصل عربی میں کچھ عبارت چھوٹ گئی ہے) اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت ﷺ کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہِ رجب میں جدال وقتال کرتے ہیں' مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخریٰ کی آخری شب تھی رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہو گئی تھیں' مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرکو! تمہاری بداعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں' تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی ﷺ اور ان کے

---

[1] **[صحیح** : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٠٨٧) ابویعلی (١٥٣٤) طبرانی (١٦٧٠) بیهقی فی السنن الکبری (٩/١١-١٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[فقه السیرة (ص : ٢٢٧)]

ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو، تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں، انہی حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور وہ مجبوراً واپس ہوئے تھے اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی ﷺ کے ہاتھ فتح کروایا۔ انہیں ان آیتوں میں لاجواب کیا گیا عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آ رہا تھا، گو رجب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات جانتے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے آٹھویں حضرت رباب اسدی رضی اللہ عنہ تھے انہیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضور ﷺ نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا دو دن چل کر حضور ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سب ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لیے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرع کے اوپر معدن پر پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا، قریشیوں کے اس قافلہ میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے مسلمان اول تو انہیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے حملہ یہ سوچ کر کیا کہ اگر نہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آ جائے گا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے راستہ میں ہی سردارِ لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول ﷺ کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور اب تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے، جب یہ لشکر سرکارِ نبوی میں پہنچا تو آپ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا؟ نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا حضور ﷺ کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور اپنی گناہگاری کا انہیں یقین ہو گیا۔

پھر اور مسلمانوں نے بھی انہیں کچھ کہنا سننا شروع کیا، ادھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفالی نکالی چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا انہوں نے کہا ((عَمَّرَتِ الْحَرْبُ)) لڑائی پُر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہو گی اس کے باپ کا نام حضرمی تھا اس سے انہوں نے فال لی کہ ((حَضَرَتِ الْحَرْبُ)) وقتِ لڑائی آ پہنچا، قاتل کا نام واقد رضی اللہ عنہ تھا جس سے انہوں نے کہا ((وَقَدَتِ الْحَرْبُ)) لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اعتراض کے جواب

میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی ہو تو اس سے بھی بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں تمہارا یہ فتنہ کہ تم اللہ کے دین سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم نہ تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے اس رنج و افسوس سے نجات پائی۔ اور حضور ﷺ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لیا' قریشیوں نے پھر آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجیے مگر آپ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان (رضی اللہ عنہما) جب آ جائیں تب آؤ مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذاء نہ پہنچاؤ چنانچہ جب وہ آ گئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں ہی رہ گئے آخر بئر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ ہاں عثمان بن عبداللہ مکہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا' ان غازیوں کو یہ آیت سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضور ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے' حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کے سبب سے دوسرے صحابی کی چشمک کی بنا پر' کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں ہم غازیوں میں بھی شمار ہوں گے یا نہیں؟ جب حضور ﷺ سے یہ سوالات کیے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ' نازل ہوئی [1] اور ان کی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں' اسلام اور کفر کے مقابلہ میں کافروں میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا' کفار کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے؟ اس پر یہ آیت ﴿یَسْئَلُوْنَكَ﴾ الخ نازل ہوئی یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الٰہی بھی اس طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے' اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہیں لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے اللہ ان سے خوش ہو۔ (آمین)

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں' تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے گو لوگوں کو اس سے دنیوی فائدہ

[1] [سیرۃ ابن ھشام (۲/۱۸۳-۱۸۶) فقه السیرۃ (ص : ۲۲۶)]

بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں، تو کہہ حاجت سے زائد چیز اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو ○ امور دینی اور دنیوی کو، اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے، تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے، اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

حرمت شراب اور اس کے اسباب: جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا اللہ تو اس کا واضح بیان فرما ان پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ﴾ الخ، نازل ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ یا اللہ اسے ہمارے لیے اور زیادہ صاف بیان فرما اس پر سورۂ نساء کی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [1] الخ، نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپ نے پھر بھی یہی دعا کی یا اللہ ہمارے لیے اس کا بیان اور واضح کر۔ اس پر سورۂ مائدہ کی آیت ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ [2] اتری، جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [3] پڑے تو آپ بول اٹھے ((اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا)) ہم رک گئے، ہم باز آئے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد، ابوداود، ترمذی اور نسائی وغیرہ، [4] ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی روایت ہے لیکن اس کا راوی ابومیسرہ ہے جن کا نام عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی ہے، ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند صالح اور صحیح ہے، امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں، ابن ابی حاتم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ((اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا)) کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اور روایتیں سورۂ مائدہ کی آیت ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ [4] الخ، کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] [سورة نسآء : آیت ٤٣] [2] [سورة مائده : آیت ٩٠]

[3] [سورة مائده : آیت ٩١]

[4] [صحیح: ابو داؤد : كتاب الاشربة : باب تحريم الخمر (٣٦٧٠) ترمذی : كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة المائدة (٣٠٤٩) نسائی : كتاب الاشربة : باب تحريم الخمر (٥٥٤٢) مسند احمد (٥٣/١) تفسير ابن ابی حاتم (٣٨٨/٢)] شیخ احمد شاکر نے مسند احمد پر تعلیق لگاتے ہوئے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس روایت کو اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے اور امام ابن مدینیؒ اور امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [فتح البارى (٢٧٩/٨)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ترمذی ، صحيح نسائی] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

[4] [سورة مائده : ٩٠]

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اس کا پورا بیان بھی سورۂ مائدہ میں ہی آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

میسر کہتے ہیں جوے بازی کو' جوئے بازی کے گناہ کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلے برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا جاہلیت کے زمانہ کا شعر ہے شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں' اسی طرح اس کی خرید وفروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے ہو جائے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے جیت ہو جائے' لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں نقصانات ان کے بکثرت ہیں کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا' ہوش وحواس کا بیکار ہونا ضروری ہے' ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔

یہ آیت گویا شراب کی حرمت کا پیش خیمہ تھی مگر اس میں صاف صاف حرمت بیان نہیں ہوئی تھی اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو' چنانچہ آخر کار سورۂ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جوا اور پانسے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں' اے مسلمانو! اگر نجات کے طالب ہو تو ان سب سے باز آ جاؤ۔ شیطان کی تمنا ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت وبغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کا ذکر اور نماز سے روک دے کیا تم ان شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ اس کا پورا بیان ان شاء اللہ سورۂ مائدہ میں آئے گا' مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی' پھر سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی پھر سورۂ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہو گئی۔[1]

عفو کی وضاحت: ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کی ایک قرأت ﴿قُلِ الْعَفْوُ﴾ بھی ہے اور دونوں قرأتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بند بھی بیٹھ سکتے ہیں' حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے غلام بھی ہیں' بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں کیا کچھ اللہ کی راہ دیں جس کے جواب میں ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کہا گیا[2] یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے' بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے' حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں ہر چیز میں تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں دیتے رہا کرو' ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو' سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو' حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لیے بیٹھ جاؤ' چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ کہا میرے پاس ایک اور ہے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو' کہا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات پر لگاؤ کہا ایک اور بھی ہے فرمایا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٣٣١)] [2] [الدر المنثور (١/٤٥٣)]

اسے تو اپنی عقل سے خود بھی خرچ کر سکتا ہے۔[1]

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر' پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر' پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر' پھر بچے تو اور حاجت مندوں پر[2] اسی کتاب میں ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ میں دے اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے۔ پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے[3] ایک اور حدیث میں ہے اے ابن آدم! جو تیرے پاس اپنی ضروریات سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لیے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لیے برا ہے ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں'[4] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا' حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے' ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے' وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تا کہ تم دنیائے فانی کی طرف بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے' حضرت حسن رحمہ اللہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور و تدبر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہیے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم کے مال کے متعلق احکام: پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ﴾ (الانعام/ ۱۵۲) یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِي بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (النساء/ ۱۰) یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے تو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے یتیموں کا کھانا اور ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا اب اگر ان کا پکا ہوا کھانا بچ رہتا تو اسے یا تو وہ خود ہی دوسرے وقت

---

[1] [صحیح : ابو داؤد : كتاب الزكاة : باب فی صلة الرحم (۱۶۹۱) مسند احمد (۲/ ۲۵۱) تفسیر ابن جریر الطبری (۴۱۷۰) حاكم (۱/ ۴۱۵) صحیح مسلم (۹۹۵_ بمعناه)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : كتاب الزكاة : باب الابتداء فی النفقة بالنفس (۹۹۷)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب النفقات : باب وجوب النفقة علی الاهل (۵۳۵۵)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : كتاب الزكاة : باب بيان ان اليد العليا خير من اليد السفلىٰ (۱۰۳۶) ترمذی : كتاب الزهد (۲۳۴۳)]

کھائے یا خراب ہو جائے۔ تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا دوسری جانب والیانِ یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضور ﷺ سے عرض کی جس پر یہ آیت ﴿قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ الخ نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی' [1] ابوداؤد نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف وخلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شانِ نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو ﴿اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ الخ' سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ﴾ فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دی گئی اس لیے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں ہاں نیت نیک ہونی چاہیے' قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف ومشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لیے مباح قرار دیا' بلکہ یتیم کا نگران اگر تنگ دست مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لا سکتا ہے' اور اگر کسی مالدار نے اپنے بوقتِ ضرورت اس کی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے' یہ مسائل ان شاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورۂ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷ ۱۱

شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو' ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو' اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں' ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے یہ لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلا رہا ہے' وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرما رہا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

یہودی عیسائی عورتوں سے نکاح: بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے' گو آیت کا

[1] [حسن: ابو داؤد: كتاب الوصايا: باب مخالطه اليتيم فى الطعام (۲۸۷۱) نسائى: كتاب الوصايا: باب ماللوصى من مال اليتيم اذا اقام عليه (۳۶۹۹) تفسير ابن جرير الطبرى (٤١٨٦) حاكم (۲۷۸/۲) مسند احمد (۳۲۵/۱) تفسير ابن ابى حاتم (۳۹۵/۲) بيهقى (۲۵۸/۵)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [1] الخ یعنی تم سے پہلے جو لوگ اللہ کی کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتوں سے بھی جو زنا کاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب عورتیں مخصوص ہیں' [2] مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' مکحول' حسن' ضحاک' زید بن اسلم اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے' [3] بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بت پرست مشرکہ عورتوں ہی کے لیے نازل ہوئی ہے یوں کہہ لو یا مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز قرار دیا سوائے ایمان دار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ [4] یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں' ان دونوں بزرگوں نے کہا امیر المومنین! آپ ناراض نہ ہوں' ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہیے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کروں گا' [5] لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بالکل ہی غریب ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تاکہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ آپ اسے حرام کہتے ہیں' خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟ اس روایت کی سند بھی صحیح ہے۔ [6]

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا [7] اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے' ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی سند کے ساتھ مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔ [8]

---

[1] [سورۃ مائدہ : آیت ۵]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۳۵۰)]
[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۶۶۹)]
[4] [سورۃ المائدہ : آیت ۵]
[5] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۴۲۲۴)] اس کی سند میں شہر بن حوشب راوی ضعیف ہے۔]
[6] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۳۶۶)]
[7] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۳۶۶)]
[8] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۴۲۲۷)] اس کی سند میں اشعث بن سوار ضعیف ہے۔]

لیکن اس سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے' ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اہلِ کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی' امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے اللہ ہیں (۱) حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے یہ فرمان عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے' ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا آپ نے پوچھا اس کا کیا خیال ہے؟ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ روزے رکھتی ہے' نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابوعبداللہ! پھر تو وہ ایماندار ہے کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کردوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کرلوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا' وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرادیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تاکہ شرافتِ نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے مسلم بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ (۲)

نکاح کے لیے ملحوظ رکھے جانے والے اُمور: مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کرلیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کردے' عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کرلیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کردے نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے' (۳) لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے' بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے ایک تو مال دوسرے حسب ونسب تیسرے جمال وخوبصورتی چوتھے دین' تم دینداری ٹٹولو۔ (۴) مسلم شریف میں

---

(۱) [**صحیح** :صحیح بخاری : کتاب الطلاق : باب قول الله تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات (۵۲۸۵)]

(۲) [تفسیر ابن جریر الطبری (٤٢٢٨)]

(۳) [**ضعیف** :ابن ماجه : کتاب النکاح : باب تزویج ذات الدین (١٨٥٩) مسند عبد بن حمید (٣٢٨)]
اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی راوی ضعیف ہے۔ حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (٧١/٢)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعيفة (١٠٦٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔]

(۴) [**صحیح** :صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب الاکفاء فی الدین (٥٠٩٠) صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب استحباب نکاح ذات الدین (١٤٦٦) نسائی : کتاب النکاح : باب کراهية تزويج الزناة (٣٢٣٢) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب تزويج ذات الدين (١٨٥٨) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب ما یومر به من تزويج ذات الدين (٢٠٤٧) مسند احمد (٤٢٨/٢)]

ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے' متاعِ دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ [1] پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنہ/ ۱۰) نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لیے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لیے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد گو چاہے حبشی غلام ہو پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول' ان کی صحبت' محبتِ دنیا حفاظتِ دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو وعظ ونصیحت اور پند وعبرت کے لیے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما دیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۙ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝۲۲۲ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۲۳

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے' کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ' ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو' ایمان والوں کو خوشخبری سنا دے ○

ایام ماہواری اور ہم بستری کے مسائل: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے' نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے' صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے' حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے آپ کا چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی بزرگ تحفۃً دودھ لے کر آئے آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا اب معلوم

---

[1] [**صحیح**: صحیح مسلم : كتاب الرضاع : باب خير متاع الدنياء المراة الصالحة (١٤٦٩) مسند احمد (١٦٨/٢) صحيح ابن حبان (٤٠٣١)]

ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا۔ [1] (مسلم) پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لیے کہ اور سب حلال ہے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔

احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ملتے جلتے لیکن وہ تہبند باندھے ہوئے ہوتی تھیں۔ (ابوداؤد) [2] حضرت عمارہ بن غراب کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سوسکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی آپ کو جاڑا لگنے لگا تو آپ نے مجھ سے فرمایا ادھر آؤ میں نے کہا حضور ﷺ میں تو حیض سے ہوں آپ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی۔ [3] ((صلی اللہ علیہ وعلی ازواجه واصحابه وسلم))۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَعَلٰى اَهْلِهٖ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دے کر مرحبا مرحبا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی آپ نے کہا ام المومنین! ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا سن میں تیری ماں ہوں اور تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ۔ کہا فرمایئے آدمی کے لیے اپنی حائضہ بیوی حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے۔ (ابن جریر) [4] اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ قول مروی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، حسن اور عکرمہ رحمہم اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے، مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سر دھویا کرتی آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۳۰۲) ابو داؤد: کتاب الطهارة: باب مؤاكلة الحائض ومجامعتها (۲۵۸) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن (۲۹۷۷) نسائی: کتاب الطهارة: باب تاویل قول الله عزوجل ویسئلونك عن الحیض (۲۸۹) ابن ماجه: کتاب الطهارة: باب ما جآء فی مؤاكلة الحائض وسؤرها (٦٤٤)]

[2] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الطهارة: باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع (۲۷۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف: ابو داؤد: کتاب الطهارة: باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع (۲۷۰)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳۷۸/٤)]

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی[1] میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی[2] ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھوڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھوڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے[3] ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریئے پر آ جاتی نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں[4] تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہبند ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے' حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہبند باندھ لیں۔[5] (بخاری) اس طرح بخاری ومسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کی حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تہبند کے اوپر کا کل[6] (ابوداؤد وغیرہ) ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے[7] حضرت

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحیض : باب مبا شرة الحیض (۳۰۱)، (۲۹۷) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز غسل الحائض (۳۰۱) مسند احمد (۲۶۱/۶)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز غسل الحائض (۳۰۰) نسائی : کتاب الطھارة : باب سؤر الحائض (۷۰) ابن ماجه : کتاب الطھارة : باب ما جآء فی مؤا کلة الحائض (۶۴۳) مسند احمد (۶۲/۶)]

[3] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطھارة : باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع (۲۸۵) نسائی : کتاب الطھارة : باب مضاجعة الحائض (۲۸۵) مسند احمد (۴۴/۶)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[4] [ضعیف : ابو داؤد (۲۷۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابو داود] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ابو یمان راوی مجہول ہے۔]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحیض : باب مباشرة الحائض (۳۰۳) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب مباشرة الحائض (۲۹۳) ابو داؤد : کتاب الطھارة : باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع (۲۶۷) ترمذی (۱۳۲) مسند احمد (۵۵/۶)]

[6] [صحیح : ابو داؤد: کتاب الطھارة باب فی المذی (۲۱۲) ترمذی (۱۳۳) مسند احمد (۳۴۳/۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[7] [ضعیف : ابو داؤد : کتاب الطھارة : باب فی المذی (۲۱۳)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (۵۱۱۵)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف ہی کہا ہے۔]

عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور حضرت شریح رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے' امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لیے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہیے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔

حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ [1] ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار۔ [2] مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار [3] دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے' امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں گو یہ حدیث روایتاً مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یہ فرمان کہ "جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ" ۔ یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "طہر" یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہبند باندھ لیتی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی [4] اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان "ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ" اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو' امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی کفارة من اتی حائض (۲۱۶۸) و کتاب الطهارة (۲٦٤) ترمذی: کتاب الطهارة: باب ماجآء فی الکفارة فی ذلك (۱۳٦) نسائی: کتاب الطهارة: باب ما یجب علی من اتی حلیلة (۲۹۰) ابن ماجه: کتاب الطهارة: باب فی کفارة من اتی حائضاً (٦٤۰) مسند احمد (۱/ ۲۳۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود، صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح موقوفا: ترمذی: کتاب الطهارة: باب ماجاء فی الکفارة فی ذلك (۱۳۷)]

[3] [ضعیف: مسند احمد (۱/۳٦۷)] یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالکریم ابوامیہ راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[4] [صحیح: صحیح بخاری (۳۰۲۔ ۳۰۳) صحیح مسلم (۲۹٤۔ ۲۹۳)]

کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے اس کی دلیل لفظ ﴿ فَأْتُوهُنَّ ﴾ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں' علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لیے ہوتا ہے ان لوگوں کو امام ابن حزم رحمہ اللہ کا جواب بہت گراں ہے' بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لیے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے لیکن یہ غور طلب بات ہے' دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر یعنی پہلے منع ہو پھر "حکم" ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا' جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ ﴾ (التوبہ / ۵) یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے ﴿ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ﴾ (المائدہ / ۲) جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو۔ اور جگہ ہے ﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ ﴾ (الجمعہ / ۱۰) یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

ان علماء کرام کا یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں' غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح ہے' یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے' مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے ہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان تمام علماء کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری میعاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو' واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ کہا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے اور ﴿ تَطَهَّرْنَ ﴾ سے مراد غسل کرنا ہے' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت مقاتل بن حیان' حضرت لیث بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں'[1] پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے مراد اس سے آگے کی جگہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے[2] اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لیے حلال ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ وطی کرنی حرام ہے اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے ان شاء اللہ' یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اسی لیے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/ ٦٨٢)]
[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/ ۲۸٤)]

کرنے والوں‘ اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں‘ گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں‘ حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ۔ تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہ ہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے [1] ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے‘ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی‘ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے‘ خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن جگہ ایک ہی رہے [2] ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہ آ‘ ہاں اس کے منہ پر نہ مار‘ زیادہ برا نہ کہہ‘ اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا‘ ایک ہی گھر میں رہ۔ [3] (احمد و سنن) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتائیے اس پر یہ حکم نازل ہوا [4]

مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا تھا [5] طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے الٹا لٹا کر مباشرت کی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [6]

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابط رحمہ اللہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے فرمایا بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو کہا

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب نساؤ کم حرث لکم فاتوا حرثکم (٤٥٢٨) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب جواز جماعة امراته (١٤٣٥) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی جامع النکاح (٢١٦٣)]

[2] [صحیح : تفسیر ابن ابی حاتم (٢/٦٩٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٦٢/٧)]

[3] [حسن صحیح : ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی حق المراة علی زوجها (٢١٤٣) مسند احمد (٣/٥) نسائی فی السنن الکبری (٩١٦٠)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] شیخ عبد الرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[4] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٣٥١) تفسیر ابن ابی حاتم (٢/٤٠٤) طبرانی کبیر (١٢/٢٣٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[5] [ضعیف : مسند احمد (١/٢٦٨)] اس کی سند رشدین بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے شواہد کی بنا پر اسے حسن کہا ہے۔]

[6] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٣٣٧) ابو یعلی (١١٠٣)] اس کی سند ہشام بن سعد مدنی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

فرمایئے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کرلوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بٹھایا اور کہا ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انصاریہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنین رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' آپ نے فرمایا انصاریہ عورت کو بلالو پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو۔ (۱)

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہلاک ہو گیا آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کردی آپ نے کچھ جواب نہ دیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا سامنے سے آ پیچھے سے آ اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ' (۲) انصار والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اللہ بخشے انہیں کچھ وہم سا ہو گیا' بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے یہی عادت ان انصار کی بھی تھی ان کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں جب اترے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی بات بڑھتے بڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا' پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے' اور جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔ (۳)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن شریف سیکھا اول سے آخر تک

---

(۱) [حسن : مسند احمد (۳۰۵/۶) دارمی (۲۵۶/۱) طحاوی (۴۲/۳) ترمذی : کتاب التفسیر : باب ومن سورة البقرة (۲۹۷۹)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲) [حسن : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (۲۹۸۰) مسند احمد (۲۹۷/۱) تفسیر ابن جریر الطبری (۴۳۵۰)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، آداب الزفاف (۲۸-۲۹)]

(۳) [حسن : ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی جامع النکاح (۲۱۶۴) مستدرك حاکم (۲۷۹/۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۴۰۹/۴) بیھقی فی السنن (۱۹۵/۷) طبرانی کبیر (۷۷/۱۱)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ جبکہ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

انہیں سنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا۔ اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گزرا) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافع رحمہ اللہ سے فرمایا جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وطی کے بارے میں اتری ہے [1] ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔

لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی سنداً صحیح نہیں بلکہ انہیں حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وطی دبر کو جائز کیا ہے؟ تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے' اس روایت کی سند بھی بالکل صحیح ہے' اور اس کے خلاف سند صحیح نہیں معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی مروی ہے وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی ان شاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے' نہ حلال ہے بلکہ حرام ہے۔

گو یہ جواز کا قول بعض فقہاءِ مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول ہرگز یہ نہیں' صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں ایک روایت میں ہے لوگو! شرم وحیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتے' عورت کے پاخانہ کی جگہ وطی نہ کرو' [2] دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا۔ [3] (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ (ترمذی) [4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپ سے آ کر کہا کہ میں نے ﴿اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم (٤٥٢٦ـ ٤٥٢٧)]

[2] [صحیح :مسند احمد (٥/٢١٣ـ ٢١٥) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب النهی عن اتیان النسآء فی ادبارهن (١٩٢٤) ابن حبان (٤١٩٨)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٢٠٠٥)]

[3] [صحیح بالشواهد :مسند احمد (٥/٢١٣)]

[4] [حسن :ترمذی : کتاب الرضاع : باب ما جآء فی کراهية اتيان النسآء فی ادبارهن (١١٦٥) ابویعلی (٢٣٧٨) ابن حبان (٤٢٠٣) نسائی فی السنن الکبری (٩٠٠١)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں۔[صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

کر خواہ بیٹھ کر' خواہ چت' خواہ پٹ۔ لیکن جگہ وہی ایک ہو' ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے وہ چھوٹا لوطی ہے۔ [1] (مسند احمد) ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے' [2] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ' ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر والا ہو خواہ نیچے والا ہو' اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی کرنے والا' اور چوپائے' جانور سے یہ کام کرنے والا اور عورت کی دبر میں وطی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا اور ہمسایہ کو ستانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے' [3] لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں' مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے وطی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ [4] (مسند)

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اتری ہے۔ [5] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو ضعیف بتاتے ہیں' ترمذی میں روایت ہے کہ ابوسلمہ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے۔ (نسائی) [6] ایک مرفوع حدیث بھی اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے' اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا وہ شخص بڑا کمینہ ہے دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی' پس صحیح احادیث سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایتوں اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے' یہ

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۲/ ۲۱۰)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [موقوف: مسند احمد (۲/ ۲۱۰) بزار (۱۴۵۵)]

[3] [ضعیف جدا: ارواء الغلیل (۸/ ۵۹)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

[4] [صحیح: مسند احمد (۲/ ۲۷۲۔ ۳۴۴) ابن ماجه : كتاب النكاح : باب النهی عن اتيان النسآء فی ادبارهن (۱۹۲۳)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ البتہ حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن کہا ہے۔]

[5] [صحیح: ابوداؤد : كتاب الطب : باب فی الكهان (۳۹۰۴) ترمذی : كتاب الطهارة : باب ما جآء فی كراهية اتيان الحائض (۱۳۵) ابن ماجه : كتاب الطهارة : باب النهی عن اتيان الحائض (۶۳۹) مسند احمد (۲/ ۴۰۸) دارمی (۱/ ۲۵۹)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۲۰۰۶)]

[6] [نسائی فی السنن الكبرى (۹۰۱۰)]

بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسے حرام کہتے ہیں' چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کیا مسلمان بھی ایسا کر سکتا ہے؟ [1] اس کی سند صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں' گو روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں' امام مالک رحمہ اللہ سو ان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے' اسرائیل بن روح نے آپ سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو' بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے' خبردار۔ شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو سائل نے کہا حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں مجھ پر تہمت باندھتے ہیں' امام مالک رحمہ اللہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہ' شافعی' احمد رحمہم اللہ اور ان کے تمام شاگرد اور ساتھی' سعید بن مسیّب' ابوسلمہ' عکرمہ' طاؤس' عطاء' سعید بن جبیر' عروہ بن زبیر' مجاہد' حسن رحمہم اللہ وغیرہ سلف صالحین سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں' جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے گو بعض لوگوں نے فقہاءِ مدینہ بلکہ امام مالک سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں' عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے تو اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا' پھر ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ پڑھ کر فرمایا خود یہ لفظ حرث ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی جگہ نہیں' کھیتی میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا' گو امام مالک رحمہ اللہ سے اس کے مباح ہونے کی روایتیں بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔

ٹھیک اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑ لی ہے حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے اپنے لیے کچھ آگے بھی بھیجو یعنی ممنوعات سے بچو نیکیاں کرو تاکہ ثواب آگے جائے اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب کتاب لے گا' ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا﴾ یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچا لے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ [2]

---

[1] [دارمی (۱/۲۷۷)، (۱۱٤۳)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب التسمیة فی کل حال (۱٤۱) و کتاب الدعوات : باب ما یقول اذا اتی اهله (٦۳۸۸) و کتاب النکاح (٥۱٦٥) و کتاب بدء الخلق (۳۲۷۱) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب ما یستحب ان یقوله عند الجماع (۱٤۳٤) ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی جامع النکاح (۲۱٦۱) ترمذی : باب ما یقول اذا دخل علی اهله (۱۰۹۲) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب ما یقول الرجل اذا دخلت علیه اهله (۱۹۱۹)]

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیز گاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے ○

قسم اور اس کا کفارہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کا ذریعہ اللہ کی قسموں کو نہ بناؤ، جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ [1] الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں وہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں انہیں چاہیے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کی عادت ڈالیں کیا تمہاری خود خواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے، اگر کوئی ایسی قسم کھا بیٹھے تو اسے چاہیے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے، صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھانے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑا رہے وہ بڑا گنہگار ہے" [2] یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں، حضرت مسروق رحمہ اللہ وغیرہ بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے، جمہور کے ان اقوال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کی قسم ان شاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا [3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عبدالرحمٰن! سرداری امارت اور امامت کو طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سونپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھا لے اور اس کے خلاف میں بھلائی دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ

---

[1] [سورة النور: آيت ۲۲]

[2] [صحيح: صحيح بخاری: كتاب الايمان والنذور: باب قول الله تعالى لا يؤاخذكم الله باللغو (٦٦٢٤ـ ٦٦٢٥) صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب النهى عن الاصرار على اليمين (١٦٥٥)]

[3] [صحيح: صحيح بخاری: كتاب الايمان والنذور (٦٦٢٣) وكتاب كفارات الايمان (٦٧١٨) صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب ندب من حلف يمينا (١٦٤٩) ابن ماجه: كتاب الكفارات: باب من حلف عن يمين (٢١٠٧) ابو داؤد: كتاب الايمان والنذور: باب الحنث اذا كان ضيرا ينخث (٣٢٧٦) نسائى: كتاب الايمان والنذور: باب الكفارة قبل الحنث (٣٨١١) مسند احمد (٣٩٨/٤)]

دے دے اور اس نیک کام کو کرلے (۱) (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھالے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہیے کہ اس خوبی والے کام کو کرلے اور اپنی اس قسم کو توڑ دے اس کا کفارہ دے دے' (۲) مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے' (۳)

ابوداؤد میں ہے نذر اور قسم اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہے' نہ رشتوں ناتوں کو توڑتی ہے جو شخص کوئی قسم کھالے اور نیکی اس کے کرنے میں ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرے' اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے' امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کل کی کل صحیح احادیث میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے' (۴) ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے اور اس سے رجوع کرے' (۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن مسیّب' مسروق اور شعبی رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے وہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پڑھ لے' (۶) یہ ارشاد حضور ﷺ کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تاکہ بدلہ

---

(۱) [صحیح :صحیح بخاری : کتاب کفارات الایمان : باب الکفارة قبل الحنث وبعده (٦٧٢٢) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ندب من حلف یمینا (١٦٥٢) ترمذی : کتاب النذور والایمان : باب ما جآء فیمن حلف علی یمین (١٥٢٩) ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الحنث اذا کان خیرا (٣٢٧٧) مسند احمد (٥/٦٢)]

(۲) [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ندب من حلف یمینا (١٦٥٠) ترمذی : کتاب النذور والایمان : باب ماجآء فی الکفارة قبل الحنث (١٥٣٠) مسند احمد (٢/٣٦١)]

(۳) [صحیح بالشواهد :مسند احمد (٢/٢١١)]

(۴) [حسن :ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین فی قطیعة الرحم (٣٢٧٤) نسائی : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین فیما لا یملك (٣٨٧٣)] شیخ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے سوائے ان الفاظ ﴿من حلف﴾ کے، یہ منکر ہیں۔[صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

(۵) [ضعیف :تفسیر ابن جریر الطبری (٤٤٥٦) ابن ماجه : کتاب الکفارات : باب من قال کفارتها ترکها (٢١١٠)] اس کی سند میں حارثہ بن محمد راوی متروک ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

(۶) [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٨٦٠) و کتاب الایمان والنذور : باب لا یحلف باللات والعزیٰ (٦٦٥٠) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب من حلف باللات والعزی (١٦٤٧) نسائی : کتاب الایمان : باب الحلف بللات (٣٨٠٦) ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین بغیر الله (٣٢٤٧) ترمذی : کتاب النذور والایمان (١٥٤٥) مسند احمد (٢/٣٠٩)]

ہو جائے۔ پھر فرمایا ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے دوسری آیت کے لفظ ﴿بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ (المائدہ/۸۹) ہیں' ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھر بار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم'[1] غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں' ان پر کفارہ نہیں ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا' آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے'[2] یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں' یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانے پر لگے گا کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا آپ کے صحابی نے کہا دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ نے فرمایا یہ تو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے'[3] بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا' یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بد دعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے وہ بھی لغو میں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہیے کہ ان قسموں کی پرواہ نہ کرے اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے' حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کو تقسیم کر دو دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کے لیے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے توڑنے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو ان کے بارے میں قسم اور نذر نہیں۔[4] پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ (المائدہ/۸۹) یعنی جو تم

---

[1] [صحیح: ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب لغو الیمین (۳۲۵۴)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۷۱۵ ـ ۷۱۶) تفسیر ابن جریر الطبری (۴/۴۲۸)]

[3] [ضعیف و مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (۴۴۶۱)]

[4] [ضعیف: ابوداؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین فی قطعیة الرحم (۳۲۷۲) حاکم (۴/۳۰۰) بیهقی (۱۰/۳۳)] شیخ البانی اسے ضعیف الاسناد کہتے ہیں۔ [ضعیف ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

مضبوط اور تاکیدوالی قسمیں کھالو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر حلم و کرم کرنے والا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

جولوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○ اور اگر طلاق کا ہی قصد کرلیں تو اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○

ایلاء کا مفہوم اور مدت: ایلا کہتے ہیں ''قسم'' کو اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لیے قسم کھالے تو دوصورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان عورت بھی صبر کرے اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کرسکتی پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں، جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لیے قسم کھالی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے [1] اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لیے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضا اور مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کرلے یا طلاق دے دے اور اس خاوند کو حاکم ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تا کہ عورت کو ضرر نہ پہنچے یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جولوگ اپنی بیویوں سے ایلا کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ''ایلا'' خاص بیویوں کے لیے ہے لونڈیوں کے لیے نہیں، یہی مذہب جمہور علماء کرام کا ہے، یہ لوگ چار مہینہ تک آزاد ہیں اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے مل لیں یا طلاق دے دیں یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں، پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ اشارہ جماع کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اسے اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا، [2] اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کفارہ کچھ بھی نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی پہلا قول یہی ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگلی آیت کی تفسیر میں گزر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے۔ یہی اس کا کفارہ ہے، [3] اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اس کی حدیثیں بھی اوپر گزر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گزر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الطلاق : باب فی الایلاء واعتزال النسآء (۱۹۱۰) صحیح مسلم : کتاب الطلاق : باب قول الله تعالیٰ للذين يؤلون من نسائهم (۱٤۷۹) مسند احمد (۱/۳۳)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٤٦٦)]

[3] [**صحیح**: ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب الیمین فی قطعیة الرحم (۳۲۷٤)]

[4] [**صحیح**: موطأ (۲/٥٥٦)، (۱۸) کتاب الطلاق] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

مہینے گزرتے ہی طلاق نہیں ہوگی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلاجماع چار ماہ گذرنے کے بعد طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے (لیکن یہ یاد رہے کہ راجح اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی' بعض کہتے ہیں بائن ہوگی' جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالشعثاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آ گئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلا کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑے یا طلاق دے۔ موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے [1] صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے [2] امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر صحابیوں رضی اللہ عنہم سے سنا کہ وہ کہتے تھے چار ماہ کے بعد ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا گیا تو کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور یہی حضرت عمر' حضرت ابن عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابوالدرداء' حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب' حضرت عمر بن عبدالعزیز' حضرت امام شافعی' حضرت امام احمد رحمہم اللہ اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں' لیث' اسحاق بن راہویہ' ابوعبید' ابوثور' داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا اگر طلاق نہ دے تو حاکم خود اس کی طرف سے طلاق دے دے گا مگر یہ طلاق رجعی ہوگی' عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے' ہاں صرف امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہاءِ کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے افسوس! ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں' بولوں اللہ کی قسم! اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے' آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا بتاؤ زیادہ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطلاق: باب قول اللہ تعالیٰ للذین یؤلون من نسائھم (۵۲۹۰)]

سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں' بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ ع

طلاق والی عورتیں اپنے تیئں تین حیض تک روکے رکھیں' انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہوا سے چھپائیں' اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو' ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو' عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ○

طلاق اور عدت کے مسائل: ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغہ ہوں حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں پھر اگر چاہیں تو اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہیں' ہاں چاروں اماموں نے اس میں لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے وہ دو حیض عدت گزارے کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت کا ادھورا ٹھیک نہیں بیٹھتا اسی لیے وہ دو حیض گزارے' ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لونڈی کی طلاقیں بھی دو ہیں اور اسکی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر) لیکن اس کے راوی حضرت مظاہر ضعیف ہیں' یہ حدیث ترمذی' ابوداود اور ابن ماجہ میں بھی ہے [1] امام حافظ دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے' لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوع مروی ہے گو اس کی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہی ہے' اسی طرح خود خلیفۃ المسلمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' [2]

بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا' ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں

---

[1] [ضعیف :ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی سنة طلاق العبد (۲۱۸۹) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب فی طلاق الامة وعدتها (۲۰۸۰) ترمذی : کتاب الطلاق و اللعان : باب ما جآء ان طلاق الامة تطلیقتان (۱۱۸۲) دارقطنی (۳۹/٤) دارمی (۲۲۰۹) بیهقی (۳۶۹/۷) حاکم (۲۰۵/۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (۳۶۵۰)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اہل علم کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔[بلوغ المرام (۲۳۶/۱)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف :ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب فی طلاق الامة وعدتها (۲۰۷۹) دارقطنی (۳۹/٤) بیهقی (۳۱۹/۷)] اس کی سند میں عمر بن شبیب اور عطیہ عوفی دونوں راوی ضعیف ہیں۔ شیخ البانی ؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه]

آزاد اور لونڈی برابر ہے' کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لیے بھی کہ یہ فطری امر ہے لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں' محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اسی سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔ [1]

قروء کی تفسیر: ﴿قُـرُوٓءٍ﴾ کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں حضرت عروہ رحمہ اللہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرہ نے جو صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بھتیجی ہیں' اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا اقراء سے مراد طہر ہیں۔ [2] (موطا امام مالک) بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھدار علماء' فقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگئی اور خاوند اس سے الگ ہوا۔ (موطا) [3] امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی متحقق امر یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' سالم' قاسم' عروہ' سلیمان بن یسار' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' ابان بن عثمان' عطاء' قتادہ' زہری اور باقی ساتوں فقہاء رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے' امام مالک' امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے' داؤد اور ابوثور رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں' امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ [4] یعنی انہیں عدت میں یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں طلاق دو' چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروء سے مراد حیض کے سوا یعنی پاکی کی حالت ہے' اسی لیے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہوگئی' اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہوگیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے' بتیس دن اور دو لحظہ ہیں' عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں' اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہولے تب تک وہ عدت میں ہی ہے بعض نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس

---

[1] [حسن] ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی عدة المطلقة (۲۲۸۱) تفسیر ابن ابی حاتم (۴۱۴/۲)، (۲۱۸٦) بیهقی (۴۱۴/۷)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[2] [مؤطا (۵۷٦/۲)، (۵۴)]

[3] [مؤطا (۵۷۸/۲)، (۵۸)]

[4] [سورة الطلاق : آیت ۱]

وقت آیا جب کہ میں اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کیے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائیے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہو گیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید کی، [1] حضرت صدیق اکبر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابو درداء' حضرت عبادہ بن صامت' حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت معاذ' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن میسب' علقمہ' اسود' ابراہیم' مجاہد' عطا' طاؤس' سعید بن جبیر' عکرمہ' محمد بن سیرین' حسن' قتادہ' شعبی' ربیع' مقابل بن حیان' سدی' مکحول' ضحاک' عطاء خراسانی رحمہ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ ثوری' اوزاعی' ابن ابی لیلیٰ' ابن شبرمہ' حسن بن صالح' ابوعبید اور اسحاق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے' ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا نماز کو اپنے ﴿اقراء﴾ کے دنوں میں چھوڑ دو [2] پس معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں' ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتاتے ہیں' امام ابن جریر فرماتے ہیں لغتاً ﴿قرء﴾ کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ واللہ اعلم۔ اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو' ابوعمرو بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض اور طہر دونوں کو قرء کہتے ہیں ابوعمر بن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں کے معنی قرء کے ہیں البتہ اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف' (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے) پھر فرمایا ان کے رحم میں جو ہو اس کا چھپانا حلال نہیں حمل ہو تو' اور حیض آئے تو۔ پھر فرمایا اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو' اس میں دھمکایا جا رہا ہے کہ حق کے خلاف نہ کہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جا سکتی اس لیے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لیے (حیض نہ آیا ہو) اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لیے (حیض) آیا مگر اسے چھپا نہ لیں اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقوں کے بعد بھی' باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/٥٠٢)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الطھارۃ: باب فی المراۃ تستحاض (٢٨٠) نسائی: کتاب الحیض: باب ذکر الاقراء (٣٥٨) وفی السنن الکبری (٢١٢) مسند احمد (٦/٤٢٠)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک جب چاہے طلاق ہو جائے سب رجعی ہی تھیں طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا' جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماءِ اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا کہ ضمیر لوٹانے سے پہلے کے عام لفظ کی خصوصیت ہوتی ہے یا نہیں اس لیے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل تھی ہی نہیں طلاق کی ایک ہی صورت تھی۔ واللہ اعلم۔

حقوق زوجین: پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں' ہر ایک کو دوسرے کا پاس ولحاظ عمدگی سے رکھنا چاہیے' صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے اللہ کی امانت کہہ کر انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو' ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھاؤ' پلاؤ' پہناؤ' اڑھاؤ' [1] ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ' اس کے منہ پر نہ مارو' اسے گالیاں نہ دو' اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو ہاں گھر میں رکھو' [2] اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لیے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ [3] پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے' جسمانی حیثیت سے بھی' اخلاقی حیثیت سے بھی' مرتبہ کی حیثیت سے بھی حکمرانی کی حیثیت سے بھی' خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی' غرض دنیوی اور اخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے' جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [4] الخ' یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی (۱۲۱۸)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب النکاح : باب حق المرأة علی زوجها (۲۱٤۲) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب حق المراة علی زوجها (۱۸۵۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۲۰۳۳)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤/۵۳۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۷۵۰)]

[4] [سورة النسآء : آیت ۳٤]

اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہو اس میں سے کچھ بھی لو ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت جو کچھ بدلہ دے کر چھوٹے اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں' یہ ہیں حدیں اللہ کی خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا' اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں' وہ ظالم ہیں ○ پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کر لے' پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان فرما رہا ہے۔

شرعی طلاق اور شرعی خلع: اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق دی عدت گزرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی اس طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں تیسری طلاق کے بعد لوٹا لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔

سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں[1] ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا' نہ چھوڑوں گا اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دے دوں گا اور جہاں عدت ختم ہونے کا وقت آیا تو رجوع کر لوں گا پھر طلاق دے دوں گا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا یونہی کرتا چلا جاؤں گا۔ وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا

[1] [حسن صحیح : ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث (۲۱۹۵) نسائی : کتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد لطلیقات الثلاث (۳۵۸٤)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [مرسل و ضعیف : موطا (۵۸۸/۲) تفسیر ابن جریر الطبری (٤٧٨٣) ترمذی : کتاب الطلاق (۱۱۹۲) حاکم (۲۷۹/۲)]

شروع کیا اور وہ سنبھل گئے[1] اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرما دیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جانے دو تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان وسلوک کے ساتھ ورنہ اس کا کوئی حق نہ مارو اس پر کوئی ظلم نہ کرو اسے ضرر ونقصان نہ پہنچاؤ۔[2]

ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے آپ نے فرمایا ﴿اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ میں[3] جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے یہ مردوں پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ﴾ (النساء/۱۹) الخ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے۔ جیسے فرمایا ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا﴾ (النساء/۴) یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لیے حلال طیب ہے اور جب میاں بیوی میں نا اتفاقی بڑھ جائے، عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق کو نہ بجا لاتی ہو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے تو اسے دینے میں اور اسے لینے میں کوئی گناہ نہیں، یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلا وجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گناہ گار ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ یہ جو عورت اپنے خاوند سے بے سبب طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے"[4] اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے، اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافق ہیں"[5] ائمہ سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے جیسے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کی صورت میں یہ بات جائز نہیں، بلکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں

---

[1] [حسن : ترمذی : کتاب الطلاق (۱۱۹۲)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۴۳/۴)]

[3] [مرسل و ضعیف : عبدالرزاق فی التفسیر (۲۸۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۴۷۹۵)]

[4] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی الخلع (۲۲۲۶) ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جاء فی المختلعات (۱۱۸۷) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب کراهية الخلع للمرأة (۲۰۵۵) مسند احمد (۲۷۷/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[5] [صحیح : ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جآء فی المختلعات (۱۱۸۶) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب کراهية الخلع للمرأة (۲۰۵۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۶۶۸۱) صحیح الترغیب (۲۰۱۸) السلسلة الصحیحة (۶۳۳) المشکاة (۳۲۹۰)]

جائز ہے تو حالتِ اتفاق میں بطور اولیٰ جائز ٹھہرے گا' بکر بن عبداللہ مدنی رحمہ اللہ کہتے ہیں سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (النساء/ ۲۰) یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مردود ہے۔

اب آیت کا شانِ نزول سنیے! موطا امام مالک میں ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کی نماز کے لیے اندھیرے اندھیرے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہیں آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر میں نہیں رہ سکتی یا وہ نہیں یا میں نہیں' آپ سن کر خاموش ہو رہے جب ثابت رضی اللہ عنہ آئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں' آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا سب لے لو چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا آزاد ہو گئیں۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں فرمایا اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلوا دیجیے وہ مہر کے دونوں باغ واپس کیے گئے اور جدائی ہو گئی۔ [2] ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین میں عیب گیری نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں چنانچہ مال لے کر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی' [3] بعض روایات میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے' [4] بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ و غضب کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ [5] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا' [6] ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا وہ صورت کے اعتبار سے بھی کچھ حسین نہیں۔ [7] ایک روایت میں ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی کی

---

[1] [صحیح : مؤطا : کتاب الطلاق : باب ما جاء فی الخلع (۳۱) ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی الخلع (۲۲۲۷) نسائی : کتاب الطلاق : باب ما جآء فی الخلع (۳۴۹۲) مسند احمد (۶/۴۳۳)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[2] [صحیح : سنن ابودؤد: کتاب الطلاق : باب فی الخلع (۲۲۲۸) تفسیر ابن جریر الطبری (۴۸۱۲) بیهقی (۷/۳۱۵)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الطلاق : باب الخلع و کیف الطلاق فیه (۵۲۷۲)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الطلاق : باب الخلع و کیف الطلاق فیه (۵۲۷۷)]

[5] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب المختلعة تاخذ ما اعطاها (۲۰۵۶)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۲۰۳۶)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[6] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب المختلعة تاخذ ما اعطاها (۲۰۵۶)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[7] [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (۴۸۱۴)]

بہن تھیں اور سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضور ﷺ میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں ان تمام میں یہ سیاہ فام' چھوٹے قد والے اور بدصورت تھے حضور ﷺ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کرو حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں' [1] اور روایت میں ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور ﷺ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی' [2] جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ قرآن نے ﴿فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ فرمایا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کر دو پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے؟ اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں' آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو' ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا' ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے' ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے' ایک مرتبہ جھگڑے کے موقع پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا رضی اللہ عنہ اس قصہ کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو' بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو' پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمر' ابن عباس رضی اللہ عنہم مجاہد' عکرمہ' ابراہیم نخعی' قبیصہ بن ذویب' حسن بن صالح' عثمان بتی رحمہ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں' امام مالک' لیث' امام شافعی اور ابوثور رحمہ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحاب ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہوگا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں گو لے لے تو قضاء جائز ہوگا' امام احمد' ابوعبید اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں' سعید بن مسیب' عطا' عمرو بن شعیب' زہری' طاؤس' حسن' شعبی' حماد بن ابوسلیمان اور ربیع بن انس رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے معمر اور حاکم کہتے

---

[1] [حسن: تفسیر ابن جریر الطبری (٤٨١١)]

[2] [ضعیف: ابن ماجه : كتاب الطلاق : باب المختلعة تاخذ ما اعطاها (٢٠٥٧)] اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں حجاج بن ارطاۃ راوی ضعیف مدلس ہے ۔ شیخ البانی ؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [ارواء الغليل (١٠٣/٧)، (٢٠٣٧)]

ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فیصلہ ہے' اوزاعی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو' مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا [1] اور اس صورت میں ''جو کچھ فدیہ وہ دے گا'' کا لفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو' ربیع کی قرأت میں بِہٖ کے بعد مِنْہُ کا لفظ بھی ہے پھر فرمایا کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہو گے۔

فصل: خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دی ہیں پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں' دیکھو آیت کے اول و آخر طلاق کا ذکر ہے پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے' امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما طاؤس' عکرمہ' احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' ابو ثور' داؤد بن علی ظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے' امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں' بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہو گی تو وہ بھی معتبر ہے' ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سعید بن مسیّب' حسن' عطا' شریح' شعبی' ابراہیم' جابر بن زید' مالک' ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی' ثوری' اوزاعی' ابو عثمان بتی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے' امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی جدید قول یہی ہے' ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی اگر کچھ کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہو گی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی' امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

خلع یافتہ عورت کی عدت: مسئلہ: امام مالک امام ابو حنیفہ' شافعی' احمد' اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے' عمر' علی' ابن عمر رضی اللہ عنہم اور سعید بن مسیّب' سلیمان بن یسار' عروہ' سالم' ابو سلمہ' عمر بن عبدالعزیز' ابن شہاب' حسن' شعبی ابراہیم نخعی' ابو عیاض' خلاس بن عمر' قتادہ' سفیان ثوری' اوزاعی' لیث بن سعد اور ابو عبید رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے' امام ترمذی فرماتے ہیں اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خلع طلاق ہے لہٰذا اس کی عدت طلاق کے مثل ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے' حضرت

---

[1] [مرسل وضعیف: دارقطنی (۳/۲۵۵) بیہقی (۷/۳۱٤)]

عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ ہی فرما دیا کرتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما عکرمہ' ابان بن عثمان رحمہ اللہ علیہ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو' ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا' [1] ترمذی میں ہے کہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض عدت گزارنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صادر ہوا تھا' [2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آ جانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو' مریم مغالیہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کی۔ [3]

خلع یافتہ عورت سے رجوع کرنے میں اختلاف: مسئلہ: جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لیے کہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا ہے' عبداللہ بن ابی اوفی' ماہان حنفی' سعید بن مسیّب اور زہری رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے کہ اگر لیا ہوا واپس پھیر دے تو حق رجعت حاصل ہے بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بیشک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے' داؤد ظاہری رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں' ہاں سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں' ابو عمر بن عبدالبر فرقہ سے یہ قول بھی روایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

مسئلہ: اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے' ابن عباس' ابن زبیر رضی اللہ عنہم عکرمہ' جابر بن زید' حسن بصری' شافعی' احمد' اسحاق' ابو ثور رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں' یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی' ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان کے اصحاب' ثوری' اوزاعی' سعید بن مسیّب' شریح' طاؤس' ابراہیم' زہری' حاکم' حکم اور حماد رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے' ابن مسعود اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔

---

[1] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب فی الخلع (۲۲۲۹) ترمذی: کتاب الطلاق: باب ما جآء فی الخلع (۱۱۸۵) حاکم (۲/۲۰۶)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابو داود]

[2] [صحیح: ترمذی: کتاب الطلاق: باب ما جآء فی الخلع (۱۱۸۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [حسن صحیح: نسائی: کتاب الطلاق: باب عدة المختلعة (۳۵۲۸) ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب عدة المختلعه (۲۰۵۸)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه]

پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں الخ۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو، فرائض کو ضائع نہ کرو، محارم کی بے حرمتی نہ کرو جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ (۱)

اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے، ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے۔ حضور ﷺ کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں، آپ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جانے لگا یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضور ﷺ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔ (۲)

طلاق بائنہ اور نکاح حلالہ: پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو، ہم بستری ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے، پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو سکتی اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں، اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ مجرد (صرف) عقد کو حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں، ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہولیں (مسند احمد، ابن ماجہ وغیرہ) (۳) اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خود امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ ہیں، پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل،

---

(۱) [ضعیف ومنقطع: حاکم (۱۱۵/٤) بیهقی (۱۲/۱۰) دارقطنی (۱۸۳/٤) اس میں انقطاع ہے۔] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (۱۵۹۷) غایة المرام (٤)]

(۲) [صحیح: نسائی : کتاب الطلاق : باب الثلاث المجموعة وما فیه من التغلیظ (۳٤۳۰)] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔[بلوغ المرام (۲۲٤/۱)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ایک مقام پر ضعیف[المشکاة (۳۲۹۲)] اور ایک مقام پر صحیح کہا ہے۔[غایة المرام (۲٦۱)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔]

(۳) [صحیح لغیرہ: نسائی : کتاب الطلاق : باب احلال المطلقة ثلاثا (۳٤٤۳) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب الرجل یطلق امراته ثلاثا (۱۹۳۳) مسند احمد (۸۵/۲)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے۔ ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں صحبت نہیں ہوتی تب بھی یہی حکم ہے' خود آپ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی [1] ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت رفاعہ قرظی نے اپنی کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو آخری تیسری طلاق دے دی تو ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربارِ رسالت مآب میں آئیں اور کہا وہ عورت کے مطلب کے نہیں مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے اگلے خاوند کے گھر چلی جاؤں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو' [2] ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فصل: یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہش مند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے' یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لیے محض حلال ہو جائے اور بس' بلکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو' مثلاً عورت روزے سے نہ ہو' احرام کی حالت میں نہ ہو' اعتکاف کی حالت میں نہ ہو حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو' اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو' محرم یا معتکف نہ ہو اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہو گی' اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کے لیے حلال نہ ہو گی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں' امام حسن بصری رحمہ اللہ تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے' اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہیے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ ((عُيَسْلَـه)) سے منی مراد نہیں۔ یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ ((عسيله)) سے مراد جماع ہے [3] اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس کے ساتھ نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح احادیث میں آ چکی ہے' مسند احمد میں ہے گودنے والی' گدوانے والی' بال ملانے والی' ملوانے والی عورتیں ملعون' حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے' سود خور اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں' [4] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اسی پر ہے' عمر' عثمان اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب۔ تابعین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں' علی' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فرمان ہے

---

[1] [مسند احمد (۲/۲۵) تفسیر ابن جرير الطبری (۴۹۰۷)]

[2] [صحيح: مسند احمد (۳/۲۸۴) ابو يعلى (۴۱۹۹) صحيح بخاری: كتاب الطلاق: باب من جوّز الطلاق الثلاث (۵۲۶۱) صحيح مسلم: كتاب النكاح: باب لا تحل المطلقة ثلاثا (۱۴۳۳)]

[3] [موقوف: مسند احمد (۶/۶۲) ابو يعلى (۴۸۱۳) مجمع الزوائد (۴/۳۴۱)]

[4] [صحيح بالشواهد: ترمذی: كتاب النكاح: باب ما جآء فی المحل والمحلل له (۱۱۲۰) نسائی: كتاب الطلاق: باب احلال المطلقة ثلاثا ومافيه (۳۴۴۵) مسند احمد (۱/۴۴۸)]

اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے' زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے' ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے' نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے' [1] ایک حدیث میں ہے میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈہ کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا ''جو حلالہ کرے'' یعنی طلاق والی عورت سے اس لیے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لیے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے۔ (ابن ماجہ) [2] ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو' [3] مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لیے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا آپ نے فرمایا ہرگز نہیں ہم تو اسے نبی ﷺ کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو' [4] اس حدیث کے پچھلے جملے نے گو اسے موقوف سے حکم میں مرفوع کر دیا' بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کروں گا' [5] خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی' اسی طرح حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گزر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکہ اور مکر وفریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لیے اللہ نے واضح کر دیا' ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا اس سے ہم بستری بھی ہوئی پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے

---

[1] [صحیح بالشواھد مسنداحمد (۴۰۹/۱) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فی التحلیل (۲۰۷۶) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب المحلل والمحلل له (۱۹۳۵) مسند احمد (۸۳/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [حسن ابن ماجه : کتاب النکاح : باب المحلل والمحلل له (۱۹۳۶) حاکم (۱۹۸/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ھے ۔ [ارواء الغلیل (۳۰۹/۶)]

[3] [ضعیف : اگرچہ اس حدیث کا معنی صحیح ہے مگر اس کے یہ الفاظ ثابت نہیں کیونکہ اس میں ابراہیم بن اسماعیل راوی ضعیف ہے۔ [میزان الاعتدال (۱۹/۱)]

[4] [صحیح حاکم (۱۹۹/۲) بیهقی (۲۰۸/۷)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۹۸/٤)]

گا' پہلا مذہب تو ہے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا' اور دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے ساتھیوں کا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہی گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم وزیادتی کے لیے نہ روکو' جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب وحکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ○

شرعی طلاق کی معرفت: مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن حالتوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا عمدگی کے ساتھ لوٹائے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عمدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں بغیر اختلاف' جھگڑے' دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے' جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے ختم کر دیا کہ طلاق دے دی عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا' پھر طلاق دے دی پھر رجوع کر لیا یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ بیوہ۔ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر (ان اصلاحاتِ طلاق کے بارہ میں) سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا' کیوں کہ یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی' میں نے رجوع کیا۔ یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کو عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ [1] اس حکم کا یہ بھی مطلب لیا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دیتا ہے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لیے اور اس کی عدت لمبی کرنے کے لیے رجوع ہی کرتا چلا جاتا ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے پھر کہہ دے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا' ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤٩٢٨)] یہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یزید بن عبدالرحمٰن راوی ضعیف ہے۔]

طلاق ہوگئی [1] (ابن مردویہ) حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ طلاق دے دیتے، آزاد کر دیتے، نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طلاق یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ پختگی کے ساتھ، خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہوگیا [2] (ابن ابی حاتم) یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ پکے ارادے سے ہوں، دل لگی سے ہوں تو تینوں کا اس پر اطلاق ہو جائے گا۔ نکاح، طلاق اور رجعت۔ [3] امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے، ہدایت اور دلیلیں نازل فرمائیں، کتاب اور سنت سکھائی، حکم بھی کیے، منع بھی کیے وغیرہ وغیرہ، جو کام کرو اور جو نہ کرو ہر ایک میں اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر کو بخوبی جانتا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں، یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو۔ اس میں تمہاری بہترین ستھرائی اور پاکیزگی ہے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

مطلقہ کے لواحقین کو نصیحت: اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کو ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے پھر میاں بیوی اپنی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں۔ [4] اس آیت میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی، نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں، [5] دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور

---

[1] [الدرالمنثور (۱/۵۰۹)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۴۹۲۶)]

[3] [حسن] ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی الطلاق علی الهزل (۲۴۳۴) ترمذی : کتاب الطلاق : باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق (۱۱۸۴) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب من طلق او نکح (۲۰۳۹) طحاوی (۲/۵۸) دار قطنی (۳/۲۵۶) ابن الجارود (۷۱۲)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۱۸۲۶)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۲۲)]

[5] [صحیح بدون الجملة] ابن ماجه : کتاب النکاح : باب لا نکاح الا بولی (۱۸۸۲) بیهقی (۷/۱۱۰) دارقطنی (۳/۲۲۷)] شیخ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ زانیہ کے جملہ کے علاوہ باقی روایت صحیح ہے۔ [صحیح ابن ماجه] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس جملہ کے علاوہ باقی روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

دو عادل گواہوں کے نہیں[1] گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں۔ ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ یہ آیت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری بہن کا منگیتر میرے پاس آتا تھا۔ میں نے نکاح کر دیا۔ اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دے دی۔ پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی میں نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیت اتری[2] جسے سن کر حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے۔ اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کر دیا۔[3] اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا نام جمل بنت یسار رضی اللہ عنہا تھا ان کے خاوند کا نام ابو البداح رضی اللہ عنہ تھا' بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسار رضی اللہ عنہا بتایا ہے۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے پھر یہ فرمایا یہ نصیحت و وعظ ان کے لیے ہے جنہیں شریعت پر ایمان ہو اللہ کا ڈر ہو' قیامت کا خوف ہو انہیں چاہیے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں' شریعت کی اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دے دینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لیے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری تعالیٰ کو ہی ہے تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَي الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۳۳

مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو' جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو' ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو' ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اس جیسی ذمہ داری ہے' پس اگر دونوں

---

[1] [دارقطنی (۳/۲۲۵) بیھقی (۷/۱۲٤) ابن حبان (٤۰۷۵)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب و اذا طلقتم النسآء (٤۵۲۹)]

[3] [صحیح: ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی العضل (۲۰۸۷) ترمذی: کتاب تفسیر القران: باب و من سورۃ البقرۃ (۲۹۸۱) تفسیر ابن جریر الطبری (٤۹٤۰)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

(یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوا لینے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم مطابق دستور جوان کو دینا ہو وہ ان کے حوالہ کر دو' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ بھال رہا ہے ○

مدت رضاعت دو سال: یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پینا ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔

رضاعت کے مسائل: ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال سے پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو' [1] یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اس کے بعد کی نہیں' اس حدیث کے راوی شرط بخاری و مسلم پر ہیں۔ حدیث میں ﴿فِی الثُّدْیِ﴾ کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں' یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں۔ اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ [2] حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ [3] ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ [4] خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ [5] الخ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [6] یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تیس ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت جابر' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم حضرت سعید بن مسیب' حضرت عطا اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق' امام ثوری' امام ابو یوسف' امام محمد' امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور

---

[1] [صحیح : ترمذی : کتاب الرضاع : باب ما جاء ما ذکر ان الرضاعة (۱۱۵۲)] شیخ البانی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب ما قیل فی اولاد المسلمین (۱۳۸۲) صحیح مسلم : کتاب الفضائل : باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال (۲۳۱۶) مسند احمد (۳۰۰/۴)]

[3] [موقوف : مؤطا (۶۰۲/۲) دارقطنی (۱۷۴/۴) بیہقی (۴۶۲/۷)]

[4] [طیالسی (۱۷٦۷)] [5] [سورة لقمان : آیت ۱٤]

[6] [سورة الاحقاف : آیت ۱۵]

ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اڑھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال تک کی مدت ہے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے بھی یہ روایت ہے اگر کسی بچہ کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑوا لیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پیے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لیے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے واللہ اعلم۔

ہاں صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں[1] عطا اور لیث رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس شخص کا کسی کے گھر زیادہ آنا جانا جانتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں، حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لیے تھا ہر شخص کے لیے یہ حکم نہیں[2] یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں، کل کے کل بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں؟ رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو[3] باقی رضاعت کا پورا مسئلہ ﴿وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النساء/۲۳) کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان ونفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں نہ تو زیادہ ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا ﴿لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (طلاق/۷) یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں، اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا، ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الرضاع: باب رضاعة الکبیر (۱٤٥۳) نسائی: کتاب النکاح: باب رضاع الکبیر (۳۳۷۱) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب رضاع الکبیر (۱۹٤۳) مسند احمد: (۲۰۱/٦)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فیمن حزم به (۲۰٦۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب من قال لا رضاع بعد حولین (۵۱۰۲) صحیح مسلم: کتاب الرضاع: باب انما الرضاعة فی المجاعة (۱٤۵۵) نسائی: کتاب النکاح: باب القدر الذی یحرم من الرضاعة (۲۳۱۲) ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی رضاعة الکبیر (۲۰۵۸)]

کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے اس لیے کہ یہی اس کی گزران کا سبب ہے' دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بے شک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہیے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے' حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ [1] والی مرفوع حدیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا' یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی' حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر نا کافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے؟ کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۂ طلاق میں فرمایا: ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ [2] الخ اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلواؤ' چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجرت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں' اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں' جب مدت ختم کر لیں پھر جو اچھائی اپنے لیے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے ○

[1] [صحیح] ابوداؤد : کتاب العتق : باب فیمن ملك ذا رحم محرم (۳۹۴۲) ابن ماجه : کتاب العتق : باب من ملك ذا رحم محرم فهو حر (۲۵۲۴) ترمذی : کتاب الاحکام : باب ماجآء فمن ملك ذارحم محرم (۱۳٦۵) مسند احمد (۵/۱۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۱۷٤٦)]

[2] [سورة الطلاق : آیت ۷]

متوفی عنہا زوجہا کی عدت: اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے مجامعت ہوئی یا نہ ہوئی ہو اس بات پر اجماع ہے دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اللہ اور رسول اس سے بری ہیں میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہیے۔ اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ [1] بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لیے یہ عدت نہیں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے قرآن میں ہے: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [2] حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف بخاری و مسلم کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گزار پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا حضرت ابوالسنابل بن بعلک رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں۔ تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو [3] یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ

---

[1] [صحیح ابو داؤد : کتاب النکاح : باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات (٢١١٤) ترمذی : کتاب النکاح : باب ما جاء فی الرجل یتزوج المراة (١١٤٥) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب الرجل یتزوج (١٨٩١) نسائی : کتاب النکاح : باب اباحة التزویج بغیر صداق (٣٣٥٦) مسند احمد (٤٨٠/٣)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (١٩٣٩)] مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [سورة طلاق : آیت ٤]

[3] [صحیح صحیح بخاری : کتاب المغازی (٣٩٩١) و کتاب الطلاق (٥٣١٩) صحیح مسلم : کتاب الطلاق : باب انقضاء عدة المتوفی عنها زوجها (١٤٨٤) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب الحامل المتوفی عنها زوجها (٢٠٢٨) ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی عدة الحامل (٢٣٠٦) نسائی : کتاب الطلاق : باب عدة الحامل المتوفی عنها زوجها (٣٥٣٦) مسند احمد (٤٣٢/٦)]

نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید بن میتب اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ علیہما وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ [1] تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے دس دن احتیاطاً اور رکھ دیئے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے اتنی عدت مقرر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

سعید بن میتب رحمہ اللہ فرماتے ہیں دس دن اس لیے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لیے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لیے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! سنت نبوی کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں [2] یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن میتب' مجاہد' سعید بن جبیر' حسن' ابن سیرین' ابوعیاض' زہری' اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی' اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہم بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ رحمہ اللہ علیہما اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں تین حیض عدت گزار دے۔ حضرت علی' ابن مسعود رضی اللہ عنہما عطا اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے' امام مالک' امام

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب ذکر الملائکة (۳۲۰۸) صحیح مسلم : کتاب القدر : باب کیفیة الخلق الادمی (۲۶۴۳) ترمذی : کتاب القدر : باب ما جآء ان الاعمال بالخواتیم (۲۱۳۷) ابوداؤد : کتاب السنة : باب فی القدر (۴۷۰۸) مسند احمد (۳۸۲/۱)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی عدة ام الولد (۲۳۰۸) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب عدة ام الولد (۲۰۸۳) مسنداحمد (۲۰۳/۴) ابن حبان (۴۳۰۰) دارقطنی (۷۰۹/۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۲۱۴۱)]

شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گزارے واللہ اعلم) ازاں بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگواری ہے، [1] ایک عورت نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ میری بیٹی کا میاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ [2] حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے وہ بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بھسی رہتی تھی سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹنی کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا تھا یہ تھی جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کی ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں [3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ، مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیوہ عورت کو زینت اور خوشبو اور بھڑ کیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع تھا اور یہ سوگواری واجب ہے، ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں، اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں، فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ نابالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں، خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں، خواہ کافرہ ہوں کیونکہ آیت میں عام حکم ہے، ہاں ثوری اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں، اشہب اور ابن نافع رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری علیہما الرحمۃ کم سن نابالغہ عورت کے لیے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے، امام

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطلاق: باب تحد المتوفی عنها اربعة اشهر وعشرا (٥٣٣٤۔ ٥٣٣٥) صحیح مسلم: کتاب الطلاق: باب وجوب الاحداد فی عده الوفاة (١٤٨٦) ترمذی: کتاب الطلاق: باب ما جآء فی عدة المتوفی عنها زوجها (١١٩٥) نسائی: کتاب الطلاق: باب عدة المتوفی عنها زوجها (٣٥٣٠) ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب احداد المتوفی عنها زوجها (٢٢٩٩) مسند احمد (٦/٣٢٤)]

[2] [أیضا] [3] [سورة البقره: آیت ٢٤٠]

ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کی تصفیہ کا یہ موقع نہیں۔ ﴿ واللہ الموفق بالصواب ﴾۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گزر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں یہ سب ان کے لیے حلال طیب ہے۔ حسن زہری اور سدی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃً کنایۃً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور انہیں یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو۔ عقد نکاح کو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو، جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے ۝

پیغام نکاح بھیجنے کا طریقہ: مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے۔ ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں۔ جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں گزارو جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عدت نکل جانے کے بعد حضور ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے جن کے لیے مانگا تھا نکاح کرا دیا،[1] ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے۔ واللہ اعلم۔

یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔[2] دوسری جگہ ہے تمہارے باطل وظاہر کا جاننے والا ہوں[3] پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی، لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زنا کاری سے بچو ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ، عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پہ عدت میں نکاح کر لے اور

---

[1] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الطلاق : باب المطلقة البائن لا نفقة لها (۱٤۸۰)]

[2] [سورة القصص : آیت ٦٩] [3] [سورة الممتحنة : آیت ١]

عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے، پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں اسی لیے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں، اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی، اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص من جملہ اور لوگوں کی طرح نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا، اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی، جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو، برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر، خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق بمطابق دستور اچھا فائدہ دے بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ○

حق مہر کے مسائل: عقدِ نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں ﴿مَسَّ﴾ سے مراد نکاح ہے[1] دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے اسی لیے حکم ہوا کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے' حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا' دوپٹہ' لحاف اور چادر دے دے شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے' ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لے کر دے' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوا دی جائے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہو گا میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت امام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہیے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو بعض تو سب کے لیے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرۃ/ ۲۴۱) الخ' پس اس آیت کے عموم سے سب کے لیے وہ ثابت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے ﴿فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ﴾ الخ[2] یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں' پس یہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آ چکی تھیں' سعید بن جبیر' ابوالعالیہ' حسن بصری رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے' جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ (احزاب/ ۴۹) یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو' سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۸۳۱/۲)]

[2] [سورۃ الاحزاب : آیت ۲۸]

قول ہے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت سورۂ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔

حضرت سہل بن سعد اور ابواسید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیمۃ بنت شراحبیل رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپ نے ابواسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔ [1]

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو۔ اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہو گا ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لیے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا، نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے ان کے سوا جو مہر مقرر کیے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو، یہی مطلب سورۂ احزاب کی اس آیت تخییر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لیے یہاں اس خاص صورت کے لیے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق حضرت شعبی رحمہ اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا؟ تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے، اللہ کی قسم! اس بارے میں کسی کو گرفتار نہ کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے، آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

حق مہر کی مزید تفصیل: اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لیے متعہ مقرر کیا گیا تھا وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطلاق: باب من طلق وهل يواجه الرجل (٥٢٥٦)]

اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے' لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے' گو ہم بستری نہ ہوئی ہو' امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا فیصلہ بھی یہی ہے' لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقررہ ہی دینا پڑے گا' امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ اللہ کی کتاب کے بھی یہی کہتے ہیں' امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ رحمہ اللہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے [1] بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے' محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول بھی یہی ہے' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لیے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا' توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں' دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ' بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما علقمہ' حسن' عطا' طاؤس' زہری' ربیعہ' زید بن اسلم' ابراہیم نخعی' عکرمہ' محمد بن سیرین رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے امام مالک رحمہ اللہ کا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے گو وہ عورت سمجھدار ہو' حضرت شریح رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی رحمہ اللہ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے۔ تمہارا معاف کرنا ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے اس سے مراد مرد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۸۳۹)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۳۵۸) بیہقی (۷/۲۵۱) اس میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔]

اپنے خاوند کو معاف کردے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے' آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔

ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خریدتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے[۱] حضرت عون بن عبداللہ رحمہ اللہ حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی۔ رب العالمین بھی یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لیے دعاءِ خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو ○ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی' ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے ○

نمازوں بطورِ خاص درمیانی نماز کی حفاظت کی نصیحت : اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو' رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا پوچھا پھر' فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر کون سا؟ فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ اور بھی جواب دیتے۔[۲] (بخاری و مسلم)

---

[۱] [ضعیف : ابو داود : کتاب البیوع (۳۳۸۲) مسند احمد (۱۱۶/۱)] اس میں عبداللہ بن ولید راوی ہے جسے یحییٰ اور امام دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ [میزان الاعتدال (۱۷/۳)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[۲] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الادب : باب البر و الصلة (۵۹۷۰) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ (۸۵) ترمذی : کتاب الصلاة : باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل (۱۷۳ ۔ ۱۸۹۸) مسند احمد (۴۵۱/۱)]

حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے اسی میں آپ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ [1] (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں' پھر صلوٰۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے' سلف وخلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے؟ حضرت علی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ نماز پڑھاتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں' پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے' دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی' ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بصرے میں میں نے حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی پھر میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے' اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے' امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لیے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور اس کے بعد بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے' یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرأت پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرأت پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر' عصر بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے' ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں یہی مسئلہ چھڑا لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے۔ [2] (طیالسی) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہ رضی اللہ عنہم پر اور کوئی نہ تھی اس لیے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔ [3]

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عصر ہے پھر دو اور شخصوں نے پوچھا آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے' پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے فرمایا یہ ظہر ہے آپ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے' کوئی نیند میں ہوتا' کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری

---

[1] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب فی المحافظة علی الصلوات (٤٢٦) ترمذی : کتاب الصلاة : باب ما جآء فی الوقت الاول من الفضل (١٧٠) مسند احمد (٣٧٤/٦) حاکم (١٩٠/١)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود ، المشکاۃ (٦٠٧)]

[2] [ضعیف : طیالسی (٦٢٨) اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں زہرہ راوی مجہول ہے۔]

[3] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الصلوة : باب فی وقت صلوة العصر (٤١١) مسند احمد (١٨٣/٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

اور آپ نے فرمایا یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا[1] لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے[2] ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوسعیدؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے' اکثر علماء' صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا یہی قول ہے' جمہور تابعین رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بھی' بلکہ جمہور لوگوں کا' حافظ ابو محمد عبدالمومن دمیاطی نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام ((کشف المغطی فی تبیین الصلوۃ الوسطی)) ہے اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے' حضرت عمرؓ' ابن مسعودؓ' ابوایوبؓ' عبداللہ بن عمروؓ' سمرہ بن جندبؓ' ابوہریرہؓ' ابوسعیدؓ' حفصہؓ' ام حبیبہؓ' ام سلمہؓ' ابن عمرؓ' ابن عباسؓ' عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے' امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے' ابو یوسفؒ' محمد رحمہما اللہ سے بھی یہی مروی ہے ابن حبیب مالکی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں اس قول کی دلیل سنیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب میں فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے روک دیا (مسند احمد)[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔[4] مسند احمد میں ہے کہ حضور نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے' اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے[5] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر گئے اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نمازِ عصر ہے۔[6] (ابن جریر) عبدالعزیز بن

---

[1] [منقطع وضعیف: مسند احمد (۵/۲۰۶)]

[2] [صحیح موقوف: تفسیر ابن جریر الطبری (۵۴۵۳) مؤطا (۱/۱۳۹)، (۲۷)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجهاد (۲۹۳۱) و کتاب المغازی: باب غزوة الخندق (۴۱۱۱) و کتاب الدعوات: باب الدعاء علی المشرکین (۶۳۹۶) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطی هی صلوة العصر (۶۲۷) ابو داؤد: کتاب الصلوة: باب فی وقت صلاة العصر (۴۰۹) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (۲۹۸۴) مسند احمد (۱/۱۲۲)]

[4] [حسن بالشواهد: تفسیر ابن جریر الطبری (۵۴۲۶) بغوی فی التفسیر (۲۷۷) طیالسی (۱۴۶) مسند احمد (۱/۵۰)]

[5] [صحیح المتن: مسند احمد (۵/۸)]

[6] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۴۳۹)]

مروان رحمہ اللہ کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھ آؤ تو ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے سنیے! مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز پھر اس کے پاس والی انگلی تھام کر فرمایا یہ ہوئی ظہر پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ ہوئی عشاء کی نماز پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی؟ میں نے کہا بیچ کی فرمایا اور نماز کون سی باقی رہی؟ میں نے کہا عصر کی فرمایا بس یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ [1] (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے' غرض صلوٰۃ وسطیٰ سے نمازِ عصر مراد ہونا بہت سی احادیث میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے' کوئی صحیح ہے' کوئی ضعیف ہے ترمذی' مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور کی تاکیدیں اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھرانہ تباہ ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا [2] اور حدیث میں ہے ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو' سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں' [3] ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں ''جس کا نام مخمص تھا'' ادا کی پھر فرمایا یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا سنو اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو۔ [4] (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس رحمہ اللہ سے فرماتی ہیں کہ میرے لیے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت ﴿حَافِظُوْا﴾ تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے ﴿وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ کے بعد ﴿وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ﴾ لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے [5] (مسند احمد) ایک روایت میں ﴿وَهِيَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ﴾ کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی صاحبہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤٤٥)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب مواقیت الصلوة : باب اثم من فاتته الصلوة (٥٥٢) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب التغلیظ فی تفویت صلوة العصر (٦٢٦) ترمذی : کتاب الصلوة : باب ما جاء فی السھو عن وقت صلوة الصعر (١٧٥)]

[3] [ابن ماجه : کتاب الصلوة : یاب میقات الصلات فی الغیم (٦٩٤) ابن ابی شیبه (٣٤٢/١) مسند احمد (٣٦١/٥) ابن حبان (١٤٧٠) بیھقی (٤٤٤/١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے [ارواء الغلیل (٢٥٥)] مگر اس طرح کی ایک روایت صحیح بخاری (٥٥٣) وغیرہ میں بھی ہے۔]

[4] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب صلوة المسافرین : باب الاوقات التی نھی عن الصلوة فیھا (٨٣٠) مسند احمد (٣٩٧/٦)]

[5] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطیٰ ھی صلوة العصر (٦٢٩) ابوداؤد : کتاب الصلوة : باب وقت العصر (٤١٠) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقره (٢٩٨٢) مسند احمد (٧٣/٦)]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جو آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی [1] (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریق ہیں اور کئی ایک کتابوں میں مروی ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی الفاظ سنے ہیں' حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی' ابن عباس اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہم کی قرأت بھی یونہی ہے' ان روایات کو مدِنظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لیے ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ اور ہے اور صلوٰۃ عصر اور ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحت موجود ہے رہا واؤ' سو ممکن ہے کہ زائدہ ہو عاطفہ نہ ہو جیسے ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (الانعام / ۵۵) میں اور ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (الانعام / ۷۵) میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لیے ہو عطف ذات کے لیے نہ ہو جیسے ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب / ۴۰) میں اور جیسے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ○ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○﴾ (اعلیٰ / ۱-۴) میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے' سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ﴿مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ﴾ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرأت قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مرتب کردہ قرآن میں اس قرأت کو نہیں لیا' اور نہ ساتوں قاریوں کی قرات میں یہ الفاظ ہیں بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرأت پائی گئی ہے' علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اتری ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ﴾ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شفیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے؟ فرمایا میں تو سن چکا کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی؟ [2] پس اس بناء پر یہ قرأت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرت کے لیے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی' بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔

بعض اور حضرات کا قول بھی یہی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت

---

[1] [صحیح بموطا (۱/۱۳۹) تفسیر ابن جریر الطبری (۵۴۶۵)]

[2] [صحیح صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب الدلیل لمن قال الصلوۃ الوسطیٰ ھی صلاۃ العصر (۶۳۰)]

والی ہیں یا دو رکعت والی' اور اس کی تین رکعتیں ہیں پس یہ درمیانہ نماز ٹھہری' اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لیے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں' بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتلاتے ہیں بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے یہ مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے' بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے' اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے' بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے' بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے' کوئی کہتا ہے صلوۃِ خوف مراد ہے' کوئی کہتا ہے نمازِ عید مراد ہے' کوئی کہتا ہے صلوٰۃ ضحیٰ مراد ہے' بعض کہتے ہیں ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے اس لیے کہ دلیلیں مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک جھگڑا جاری رہا' جس طرح حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بارے میں اس طرح مختلف تھے۔ پھر اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃِ وسطیٰ ہونا ثابت ہے پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ نمازِ عصر ہے' امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی رحمہ اللہ میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے ((كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِخِلَافِ قَوْلِيْ مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيْثُ النَّبِيِّ ﷺ أَوْلَى وَلَا تُقَلِّدُوْنِيْ)) یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے خبردار میری تقلید نہ کرنا' امام شافعی رحمہ اللہ کے اس فرمان کو امام ربیع' امام زعفرانی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ بھی روایت کرتے ہیں' اور موسیٰ ابوالولید بن ابوجارود رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ وَقُلْتُ قَوْلًا فَأَنَا رَاجِعٌ عَنْ قَوْلِيْ وَقَائِلٌ بِذَالِكَ﴾ یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث میں ہو۔

یہ امام صاحب کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ اسی لیے قاضی ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہیے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن یہ سب باتیں طے کرنے کے لیے تفسیر مناسب نہیں' علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب حضور ﷺ نے نماز میں نہ دیا اور فراغت

کے بعد فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے [1] اور حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے جبکہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہیے یہ تو تسبیح اور تکبیر اور اللہ کا ذکر ہے۔ [2] (مسلم) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے، جب یہ اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا، [3] لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے آپ نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا، اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے فرمایا عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو، [4] پس یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے کا ہے۔

اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت جو ابو یعلی میں ہے اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب نہ دینے سے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے آپ نے فارغ ہو کر مجھ سے فرمایا ﴿وَعَلَيْكَ السَّلَامُ أَيُّهَا الْمُسْلِمُ وَرَحْمَةُ اللهِ﴾ نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔ [5] چونکہ نمازوں کی پوری

---

[1] [صحيح : صحيح بخارى : كتاب العمل فى الصلوة : باب ما ينهىٰ من الكلام فى الصلوة (١١٩٩) ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب رد السلام فى الصلوة (٩٢٣) صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب تحريم الكلام فى الصلوة (٥٣٨) مسند احمد (٣٧٦/١)]

[2] [صحيح : صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب تحريم الكلام فى الصلوة (٥٣٧) ابن حبان (٢٢٤٨) بيهقى (٢٤٩/٢)]

[3] [صحيح : صحيح بخارى : كتاب العمل فى الصلوة : باب ما ينهىٰ من الكلام فى الصلوة (١٢٠٠) صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب تحريم الكلام فى الصلاة (٥٣٩) ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب النهى عن الكلام فى الصلوة (٩٤٩) نسائى : كتاب السهو : باب الكلام فى الصلوة (١٢١٨) ترمذى : كتاب الصلاة : باب ما جآء فى نسخ الكلام فى الصلوة (٤٠٥) مسند احمد (٣٦٨/٤)]

[4] [صحيح : ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب رد السلام فى الصلوة (٩٢٤) نسائى : كتاب السهو : باب الكلام فى الصلوة (١٢٢١) مسند احمد (٤١٥/١) صحيح بخارى : كتاب مناقب الانصار : باب هجرة الحبشة (٣٨٧٥) صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب تحريم الكلام فى اللصلاة (٥٣٨)]

[5] [منقطع وضعيف : اس کی سند میں اسحاق بن یحییٰ راوی ضعیف ہے۔ [میزان (٢٠٤١)] نیز ابن مسیبؒ اور ابن مسعودؓ کے درمیان انقطاع بھی ہے۔]

حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لیے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا جس میں تمام ادب وآداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی، یعنی میدانِ جنگ میں جبکہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار، پیدل قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع ہے، [1] مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو گو سواری پر سوار ہو، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سفیان کے قتل کے لیے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نمازِ عصر اشارے سے ادا کی تھی۔ [2] (ابوداود) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

صلوٰۃِ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک۔ [3] (مسلم)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃِ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحاتِ قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کے مڈبھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر فتح قریب آ گئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔

مکحول رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ [4] اس کے بعد حضرت امام المحدثین رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے، پھر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرما دیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ سے ورے نمازِ عصر نہ پڑھے اب جب کہ نمازِ عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٥٣٥)]

[2] [ضعیف ابوداؤد : کتاب صلوۃ السفر : باب صلوۃ الطالب (١٢٤٩) مسند احمد (٤٩٦/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود] تاہم حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح صحیح مسلم : کتاب صلوۃ المسافرین : باب صلوۃ المسافرین وقصرھا (٦٨٧) ابو داؤد : کتاب صلوۃ السفر : باب من قال یصلی بکل طائفۃ (١٢٤٧) مسند احمد (٢٣٧/١)]

[4] [صحیح صحیح بخاری : کتاب صلوۃ الخوف (٩٤٤)]

حضور ﷺ کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تا کہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے نہ پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا وہیں جا کر نماز پڑھی حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں کہا' [1] پس اس سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ سورۂ نساء میں جو نمازِ خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگِ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابو سعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔

لیکن امام بخاری' امام مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو' کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں بجا آوری کا پورا خیال رکھو' جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہیے کہ اس کے شکریہ میں اللہ کا ذکر باطمینان کیا کرو' جیسے کہ نمازِ خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو' نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے [2] صلوٰۃِ خوف کا پورا بیان سورۂ نساء کی آیت ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ﴾ [3] کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۱۵

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے' پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں' اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے ○ طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تا کہ تم سمجھو ○

بیوگان کے مسائل: اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت (یعنی چار مہینے دس رات کی عدت والی آیت) سے منسوخ ہو چکی ہے' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر

[1] [المرجع السابق]
[2] [سورۃ النسآء : آیت ۱۰۳]
[3] [سورۃ النساء : آیت ۱۰۲]

سکتے [۱] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان ونفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے پھر آیتِ میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی [۲] اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے' سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں سورۂ احزاب کی آیت ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ [۳] الخ' نے اسے منسوخ کر دیا' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے' خواہ نہ گزارے اور چلی جائے' میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا وہ جہاں چاہے عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ [۴]

پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں' ﴿وَصِيَّةً﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ الخ [۵] اس کا نصب ((فَلْتُوْصُوْا لَهُنَّ)) کو محذوف مان کر ہے۔ وصیة کی قرأت یہی ہے یعنی ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ وَصِيَّةٌ﴾ پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں' اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لیے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا ان کا کوئی مکان نہیں جس میں میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں آپ نے فرمایا اجازت ہے ابھی تو میں حجرے میں ہی لوٹی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا میں نے پھر قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

---

[۱] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر (۴۵۳۰)]

[۲] [تفسیر ابن ابی حاتم (۸۷۱/۲)] [۳] [سورة الاحزاب : آیت ۴۹]

[۴] [بخاری : کتاب التفسیر : باب والذین یتوفون منکم (۴۵۳۱)]

[۵] [سورة النسآء : آیت ۱۱]

آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سنایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا [1] اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔ مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں' چاہیں نہ دیں اس پر یہ آیت اتری [2] اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے' اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو' اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا' جیسے کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال وحرام اور فرائض وحدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تا کہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت اٹک بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں ○ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے ○ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے' اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے' بعض نو ہزار کہتے ہیں' بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں' بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں' یہ لوگ ذاوردان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے' بعض کہتے ہیں اس بستی کا نام اذرعات تھا' یہ لوگ طاعون کے

[1] [صحیح: مؤطا (۲/۵۹۱) ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب فی المتوفی عنها تنتقل (۲۳۰۰) ترمذی: کتاب الطلاق: باب ما جآء این تعتد المتوفی عنها زوجها (۱۲۰۴) ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب این تعتد المتوفی عنها زوجها (۲۰۳۱) نسائی: کتاب الطلاق: باب مقام المتوفی عنها زوجها (۳۵۵۸) مسند احمد (۶/۳۷۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر طبری (۵/۲٦٤)]

مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے' اتفاق سے ایک اللہ کے نبی کا وہاں سے گزر ہوا' ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا' بعض لوگ کہتے ہیں ایک چٹیل صاف ہوادار کھلے پُر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کیے گئے تھے جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا' اسی جگہ بستی بس گئی تب حزقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست' رگیں پٹھے بھی جوڑ لو چنانچہ اس اللہ کے نبی علیہ السلام کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا پھر آواز آئی کہ اے روحو! اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا ﴿سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ﴾ اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں' [1] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ رضی اللہ عنہم سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں بالآخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب آئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو تم وہاں مت جاؤ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری و مسلم) [2] ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا۔ [3]

پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں' رزق نہ بڑھے' نہ گھٹے موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے' اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے اٹک بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہداء بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں سے بھی موت کو ہٹا دو۔ [4] اور جگہ ہے کہ یہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲٦٦/۵)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الطب : باب ما یذکر فی الطاعون (۵۷۲۹) صحیح مسلم : کتاب السلام : باب الطاعون والطیرۃ (۲۲۱۹) ابو داؤد : کتاب الجنائز : باب الخروج من الطاعون (۳۱۰۳) مسند احمد (۱۹۴/۱)]

[3] [صحیح بالشواھد: مسند احمد (۱۹۳/۱) ابن حبان (۲۹۱۲)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [سورۃ آل عمران : آیت ۱٦۸]

لوگ کہتے ہیں' اللہ نے ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں۔ [1]

اس موقعہ پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا' اللہ کی تلوار' اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہوگا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے لڑائی سے جی چرانے والے نامرد؟ وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا ہے سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر' تلوار' نیزہ' برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر میں فوت ہو رہا ہوں میدانِ جنگ میں نہ رہا۔

قرض حسنہ کا مفہوم: پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے' حدیثِ نزول میں بھی ہے کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم [2] اس آیت کو سن کر حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ دیجیے پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے۔ [3] (ابن ابی حاتم) قرض حسن سے مراد فی سبیل اللہ خرچ ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دوگنا چوگنا کر کے دے گا۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ (البقرہ/ ۲۶۱) الخ' یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کی مثال اس دانہ جیسی ہے' جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سات دانے ہوں اور اللہ اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ پوچھتے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے آپ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو؟ میں نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے۔ [4] (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے زیادہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا' آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا بصرے پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت

---

[1] [سورۃ النسآء : آیت ۷۷۔۷۸]

[2] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب صلوۃ المسافرین : باب الترغیب فی الدعاء والذکر (۷۵۸)]

[3] [**ضعیف** : بزار (۹۴۴) بیھقی فی شعب الایمان (۳۴۵۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[کما فی السلسلۃ الصحیحۃ (۱۱۳۲/۶)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں حمید بن عطاء راوی ضعیف ہے۔]

[4] [**ضعیف** : مسند احمد (۲۹۶/۲)] یہ روایت مبارک بن فضالہ اور علی بن زید بن جدعان راوی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم! سب سے زیادہ آپ کا صحبت یافتہ میں ہوں میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی، پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ لوں چنانچہ میں وہاں سے چلا یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا، وہاں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا واہ! اس میں تعجب کی کون سی بات ہے پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی قول باری بھی پڑھو ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ اِلاَّ قَلِيْلٌ﴾ (التوبہ/۳۸) یعنی ساری دنیا کا اسباب بھی آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے اللہ کی قسم! میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے۔[1] اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔[2] ابن ابی حاتم میں ہے ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ﴾ (البقرہ/۲۶۱) الخ، کی آیت جب اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو اور زیادتی عطا فرما پس ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ﴾ الخ، کی آیت اتری آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر/۱۰) کی آیت اتری۔[3]

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ الخ، کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لیے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں کیا میں اسے سچ مان لوں؟ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ بلکہ بیس اور بھی اور بیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ ﴿اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ فرماتا ہے تو پھر مخلوق اس کی گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی؟ پھر فرمایا رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کرو وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے، تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

---

[1] [ضعیف: یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں زیاد بن ابی زیاد بصری راوی ضعیف ہے۔[میزان (۲۹۳۸)]

[2] [حسن: ترمذی: کتاب الدعوات: باب ما یقول اذا دخل السوق (۳۴۲۸) حاکم (۱/۵۳۸)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ترمذی] تاہم حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں ازہر بن سنان راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف جدا: ابن حبان (۴۶۴۸)] اس میں عیسیٰ بن میتب راوی ہے جسے امام نسائی، امام دارقطنیؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔]

الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

کیا تو نے حضرت موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجیے تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں' پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہم راہ اللہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں' پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے' اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

بنی اسرائیل پر ایک اور انعام: جس نبی علیہ السلام کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے' لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتاً وارد ہوا ہے' اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم۔

سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون علیہ السلام ہیں' [1] مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ شمویل بن بالی بن علقمہ بن ترخام بن یہد بن بہرض بن علقمہ بن ماجب بن عمرصا بن عزریا صفیہ بن علقمہ بن ابویاشف بن قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہیں' واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہِ حق پر رہے پھر شرک وبدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے درپے انبیاء علیہم السلام ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا خوب پٹے کٹے اور اجڑے لٹے' پہلے تو توراۃ کی موجودگی' تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لیے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے میں ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی' ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے' خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل یا شمعون علیہ السلام رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی' نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی' جب آپ نے دعوتِ نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجیے تا کہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر علیہ السلام نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراؤ؟

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۲۹۳)]

قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لیے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کیے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے' تو کہنے لگے بھلا اسے ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی' نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے' بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے' اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

بنی اسرائیل حیلے و بہانے کرنے والی قوم: مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنا بادشاہ بنا دینے کی خواہش اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر علیہ السلام نے بحکم الٰہ حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے ایک لشکری تھے' شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں مفلس شخص ہے' بعض کہتے ہیں یہ سقے تھے کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے' پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبوی کے ساتھ ان سے یہ ہوئی' پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں یہ تو اللہ جل شانہ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے' پھر ظاہراً بھی وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور شکیل و جمیل' شجاع و بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم شکیل' قوی' طاقتور بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے جسے چاہے ملک دے وہ علم و حکمت والا' رافت و رحمت والا ہے' اس سے کس کی مجال کہ سوال کرے؟ جو چاہے کر دے سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستثنیٰ ہے' وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے' وہ علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے؟ اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ ھٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

۳۲ ع ۱۶

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہر نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے' یقیناً یہ تو تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو ○

تابوت سکینہ طالوت و جالوت کی جنگ: نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامتِ برکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا' جس میں وقار و عزت' دلجمعی اور جلالت' رأفت و رحمت ہے جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو' بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا اور جس میں آپ نے توراۃ کی تختیاں رکھی تھیں' کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی' ہوا بھی تھی دو سر تھے دو پَر تھے اور دم بھی تھی' وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی میں فتح ہو جاتی' یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا' اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی علیہ السلام کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا' [2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا صبح جو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی انہیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے۔ واللہ اعلم (لیکن الفاظِ قرآن میں یہ موجود ہیں کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدرہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ عزوجل پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳۳۳)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳۳۵)]

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں' اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے' لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا' (حضرت) طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں' اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

طالوت کے لشکر کی آزمائش: اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے' حضرت سدی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی [1] راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی [2] اس کا نام نہر الشریعہ تھا' طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ کوئی بھی اس نہر کا پانی نہ پیئے اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں' لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا ایک چلو پی لیا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن ایک چلو سے زیادہ پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابلِ جہاد رہے' سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا [3] یعنی تین سو تیرہ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳۳۹)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۳٤۰)]
[3] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب عدة اصحاب البدر (۳۹۵۷)]

کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے' گو سرفروش مجاہد علماءِ کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی وعظ کیے فرمایا کہ قلت وکثرت پر فتح موقوف نہیں صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے' بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے تم صبر کرو' طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو' اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا' لیکن تاہم اُن کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۛ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا' اور حضرت داوٗد کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داوٗد کو مملکت وحکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا' اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل وکرم کرنے والا ہے ۔ یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ بخیر پڑھتے ہیں' بالیقین تو رسولوں میں سے ہے۔

داوٗد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کا قتل: یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر وثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچالے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں' اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داوٗد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے' اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کرلوں گا' چنانچہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا' حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے' اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شمویل علیہ السلام کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی' حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عزوجل نے چاہے اپنے اس نبی علیہ السلام کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو

طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داود علیہ السلام جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہوجاتے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا﴾ (الحج / ٤٠) یعنی اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے توڑ ھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت زیادہ' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سوسو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے پھر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی آیت کی تلاوت کی۔[1] (ابن جریر) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے' ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں[2] ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی[3] ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے' تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہاری مدد کی جائے گی[4] اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسن رحمہ اللہ بھی انہیں ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے' وہی سچا حاکم ہے' اس کے تمام کام حکمت سے پُر ہوتے ہیں وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے' وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور یہ تمام حق کی باتیں اے نبی ﷺ ہماری سچی وحی سے تمہیں معلوم ہوئیں' تم میرے سچے رسول ہو' میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار پُر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

الحمد لله تفسیر محمدی کا دوسرا پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اب تیسرے پارہ کی تفسیر شروع ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرے' اور ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عنایت فرمائے اور اسی پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ الٰہ الحق۔ آمین۔



---

(1) [باطل : تفسیر ابن جریر الطبری (٥٧٥٥) ابن عدی (٣٨٣/٢)]

(2) [باطل : تفسیر ابن جریر الطبری (٥٧٥٦)] اس کی سند میں یحیٰ بن سعید عطار راوی منکر الحدیث ہے۔]

(3) [ضعیف : الدرالمنثور (١/٥٦٨۔ ٥٦٩)]

(4) [منکر : مسند احمد (٣٢٢/٥) طبرانی کبیر کما فی مجمع الزوائد (٦٣/١٠)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے منکر کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (٩٣٦)] امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابدال، قطب اور غوث وغیرہ والی تمام روایات باطل ہیں۔ [المنار المنيف (ص : ١٣٦)]

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دے رکھی ہے' ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی اور بعض کے درجے بلند کیے' اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی' اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے' لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

انبیاء کے مراتب کا بیان: یہاں وضاحت ہو رہی ہے کہ رسولوں میں بھی مراتب ہیں' جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (الاسراء / ۵۵) ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور دی' یہاں بھی اسی کا ذکر کر کے فرماتا ہے ان میں سے بعض کو شرف ہم کلامی بھی نصیب ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام صحیح ابن حبان میں حدیث ہے [۱] جس میں معراج کے بیان کے ساتھ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ کس نبی کو آپ نے الگ الگ کس آسمان میں پایا جو ان کے مرتبوں کے کم و بیش ہونے کی دلیل ہے' ہاں ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہو گئی تو یہودی نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی تو مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھا کر ایک تھپڑ مارا اور کہا خبیث کیا ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آ کر اس کی شکایت کی' آپ نے فرمایا مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو' قیامت کے دن سب بیہوش ہوں گے سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے' مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے؟ یا سرے سے بیہوش ہی نہیں ہوئے تھے' اور طور کی بیہوشی کے بدلے یہاں کی بیہوشی سے بچا لیے گئے' پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو' [۲] ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو [۳] پس یہ حدیث بظاہر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل کوئی تعارض نہیں' ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس سے پہلے ہو کہ آپ کو فضیلت کا علم نہ

---

[۱] [مسند احمد (۵/۱۷۸۔ ۱۷۹) ابن حبان (۳۶۱) بیهقی (۹/۴) نسائی فی الکبری (۷۹۴۴)]

[۲] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب وان یونس لمن المرسلین (۳۴۱۴) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب من فضائل موسیٰ (۲۳۷۳)]

[۳] [أیضا]

ہوا ہو' لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر' تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے اور اختلاف کے وقت ایک کو ایک پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے اس لیے آپ نے منع فرما دیا' چوتھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو یعنی صرف اپنی رائے' اپنے خیال اور اپنے ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو' پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت وتکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جسے جو فضیلت دے تم مان لو تمہارا کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح دلیلیں اور پھر ایسی حجتیں عطا فرمائی تھیں جن سے بنی اسرائیل پر صاف واضح ہو گیا کہ آپ کی رسالت بالکل سچی ہے اور ساتھ ہی آپ کی یہ حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ مثل اور بندوں کے آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور بے کس غلام ہیں' اور روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہم نے ان کی تائید کی۔ پھر فرمایا کہ بعد والوں کے اختلاف بھی ہمارے قضا وقدر کا نمونہ ہیں' ہماری شان یہ ہے کہ جو چاہیں کریں ہمارے کسی ارادے سے مراد جدا نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ایمان والو جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی نہ شفاعت' کافر ہی ظالم ہیں ○

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے' اور پھر فرماتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی خیرات وصدقات کر لو' قیامت کے دن نہ تو خرید وفروخت ہے نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکتی ہے' نہ کسی کا نسب اور دوستی ومحبت کچھ کام آ سکتی ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ﴾ (المومنون/ ۱۰۱) یعنی جب صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہوگا' اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دے گی۔ پھر فرمایا کافر ہی ظالم ہیں یعنی پورے اور پکے ظالم وہ ہیں جو کفر کی حالت میں ہی اللہ سے ملیں' عطا بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں شکر ہے اللہ نے کافروں کو ظالم فرمایا لیکن ظالموں کو کافر نہیں فرمایا۔ [1]

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳/۹۶۶)]

اللہ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو زندہ ہے اور سب کا تھامنے والا' جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں' کون ہے؟ جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے' وہ اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے' اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے' وہ اللہ ان کی حفاظت سے نہ تھکے نہ اکتائے وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے ○

فضائل آیت الکرسی: یہ آیت آیت الکرسی ہے' جو بڑی عظمت والی آیت ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے' آپ پھر یہی سوال کرتے ہیں' بار بار کے سوال پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ابو منذر اللہ تعالیٰ تجھے تیرا علم مبارک کرے' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کی تقدیس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوئی ہوگی۔ (مسند احمد) [1] صحیح مسلم شریف میں بھی حدیث ہے لیکن یہ پچھلا قسمیہ جملہ اس میں نہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے ہاں ایک کھجور کی بوری تھی میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں' ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا' میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا' میں نے اسے سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا' میں نے کہا تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا میں جن ہوں' میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے' اس نے ہاتھ بڑھا دیا میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے' میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہی ہے؟ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت طاقت والا میں ہی ہوں' میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے' ہم نے کہا پھر ہم کیوں محروم رہیں؟ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کون سی چیز ہے؟ اس نے کہا آیت الکرسی۔ صبح کو جب میں سرکار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی۔ [2] (ابو یعلی) ایک بار مہاجرین کے پاس آپ گئے تو ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی کونسی آیت بہت بڑی ہے' آپ نے یہی آیت الکرسی پڑھ کر سنائی۔ [3] (طبرانی) آپ نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک سے پوچھا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا

---

[1] [**صحیح**: مسند احمد (۵/۱۴۱۔ ۱۴۲) صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی (۸۱۰) ابوداؤد : کتاب الوتر : باب ماجاء فی آیۃ الکرسی (۱۴۶۰) السلسلۃ الصحیحۃ (۳۴۱۰)]

[2] [**صحیح**: مستدرک حاکم (۱/۵۶۲)نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ (۹۶۰۔ ۹۶۱) ابن حبان (۷۸۴) بیھقی فی دلائل النبوۃ (۷/۱۰۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلۃ الصحیحۃ (۳۲۴۵) صحیح الترغیب (۶۶۲)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [**صحیح بالشواھد** : طبرانی کبیر (۱/۳۳۴) ابوداؤد : کتاب الحروف والقراءات (۴۰۰۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] تاہم شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس کی تحقیق کے مطابق اس میں مسلم بن خالد راوی ضعیف اور اسی طرح ایک راوی مجہول بھی ہے۔]

حضرت میرے پاس مال نہیں اس لیے نکاح نہیں کیا' آپ نے فرمایا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ (اخلاص / ۱) یاد نہیں؟ اس نے کہا وہ تو یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا' کیا ﴿قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ (الکافرون / ۱) یاد نہیں؟ کہا ہاں وہ بھی یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا' پھر پوچھا کیا ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ﴾ (الزلزال / ۱) بھی یاد ہے؟ کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا' کیا ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ (نصر / ۱) بھی یاد ہے؟ کہا ہاں فرمایا چوتھائی یہ' کیا یہ آیت الکرسی یاد ہے؟ کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ [1] (مسند احمد) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے میں آ کر بیٹھ گیا آپ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا نہیں فرمایا اٹھو نماز ادا کر لو میں نے نماز پڑھی' پھر آ کر بیٹھا تو آپ نے فرمایا ابوذر شیطان انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگ' میں نے کہا حضور کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! نماز کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا وہ سراسر خیر ہے جو چاہے کم حصہ لے جو چاہے زیادہ' میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ؟ فرمایا کفایت کرنے والا فرض ہے اور اللہ کے نزدیک زیادتی ہے' میں نے کہا صدقہ؟ فرمایا بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دلوانے والا' میں نے کہا سب سے افضل صدقہ کون سا ہے؟ فرمایا کم مال والے کا ہمت کرنا یا پوشیدگی سے محتاج کی احتیاج پوری کرنا میں نے سوال کیا سب سے پہلے نبی کون ہیں؟ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام میں نے کہا وہ نبی تھے؟ فرمایا نبی اور اللہ سے ہم کلام ہونے والے۔ میں نے پوچھا رسولوں کی تعداد کیا ہے؟ فرمایا تین سو اور کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت۔ ایک روایت میں تین سو پندرہ کا لفظ ہے۔ میں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سب سے زیادہ بزرگی والی آیت کون سی اتری ہے؟ فرمایا آیت الکرسی ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ الخ۔ [2] (مسند احمد) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خزانہ میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے فرمایا جب تو اسے دیکھے تو کہنا ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَجِيْبِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ جب وہ آیا تو میں نے یہی کہا' پھر اسے چھوڑ دیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا' آپ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا' میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا اور اقرار لے لے کر چھوڑ دیا' میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا' آخر مرتبہ

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۳/۲۲۱) ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجاء اذا زلزلت (۲۸۹۵) مجمع (۷/۱۴۷) ، (۱۱۰۴۵)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ھے۔ [التعلیق الرغیب (۲/۲۲۴)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں سلمہ بن وردان راوی ہے جسے امام احمدؒ، امام دار قطنیؒ، امام ابو حاتمؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ [دیکھئے : میزان الاعتدال (۱۴۱۴)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف : مسند احمد (۵/۱۷۸-۱۷۹) ابن حبان (۳۶۱) بیھقی (۹/۴) بزار (۱۶۰)] اس میں دو راوی ضعیف ہیں، ایک ابو عمرو دمشقی اور دوسرا عبید بن خشخاش۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (۲۱۰۴۶)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

میں نے کہا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا' اس نے کہا چھوڑ دے میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس ہی نہ آ سکے' میں نے کہا اچھا بتاؤ تو کہا وہ آیت الکرسی ہے میں نے آ کر حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا گو وہ جھوٹا ہے۔ [1] (مسند احمد) صحیح بخاری شریف میں کتاب فضائل القرآن اور کتاب الوکالہ اور صفۃ ابلیس کے بیان میں بھی یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ زکوٰۃ رمضان کے مال پر میں پہرہ دے رہا تھا جو یہ شیطان آیا اور سمیٹ سمیٹ کر اپنی چادر میں جمع کرنے لگا' تیسری مرتبہ اس نے بتایا کہ اگر تو رات کو بستر پر جا کر اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ کی طرف سے تجھ پر حافظ مقرر ہو گا اور صبح تک شیطان تیرے قریب بھی نہ آ سکے گا۔ [2] (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ کھجوریں تھیں اور مٹھی بھر لے گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اسے پکڑنا چاہے تو جب وہ دروازے کھولے کہنا ﴿سُبْحَانَ مَنْ سَخَّرَكَ مُحَمَّدٌ﴾ شیطان نے عذر یہ بتایا تھا کہ ایک فقیر جن کے بال بچوں کے لیے میں یہ لے جا رہا تھا۔ [3] (ابن مردویہ) پس یہ واقعہ تین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہوا' حضرت ابی بن کعب کا' حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک انسان کی ایک جن سے ملاقات ہوئی جن نے کہا مجھ سے کشتی کرے گا؟ اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آ سکے' کشتی ہوئی اور اس آدمی نے جن کو گرا دیا' اس شخص نے جن سے کہا تو تو نحیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں یا صرف تو ہی ایسا ہے؟ کہا میں تو ان سب میں سے قوی ہوں' پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس شخص نے گرا دیا' تو ''جن'' نے کہا جو آیت میں نے سکھانے کے لیے کہا تھا وہ آیت الکرسی ہے جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ جس شخص سے کشتی ہوئی تھی وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ (کتاب الغریب) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے وہ آیت آیت الکرسی ہے۔ [4] (مستدرک حاکم) ترمذی میں ہے ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۵/۴۲۳) ترمذی : کتاب فضائل القرآن (۲۸۸۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الترغیب (۱۴۶۹) التعلیق الرغیب (۲/۲۱۲)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔ جبکہ شیخ شعیب ارناؤط کی تحقیق کے مطابق اس کی سند ابن ابی لیلیٰ راوی کے سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۳۵۹۲)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الوکالة : باب اذا وکل رجلا فترك الوکیل شیئا (۲۳۱۱) و کتاب بدء الخلق : باب صفة ابلیس و جنوده (۳۲۷۵)]

[3] [جید: نسائی فی السنن الکبری (۱۰۷۹۴)]

[4] [ضعیف: حاکم (۱/۵۶۰) بیهقی (۲/۸۶)] شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (۱۳۴۸)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔

آیتوں کی سردار ہے[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کون سی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ آیت آیت الکرسی ہے۔[2] (ابن مردویہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی دوسری آیت ﴿الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ (آل عمران / ۱، ۲) (مسند احمد)[3] اور حدیث میں ہے کہ وہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے وہ قبول فرماتا ہے وہ ان تین سورتوں میں ہے سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، اور سورۂ طٰہٰ (ابن مردویہ)[4] ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں سورۂ بقرہ کی آیت آیت الکرسی اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طٰہٰ کی آیت ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ﴾ (طٰہٰ / ۱۱۱) ہے اور حدیث میں ہے جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے۔[5] (ابن مردویہ) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں وارد کیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اس حدیث کی سند شرط بخاری پر ہے لیکن ابو الفرج بن جوزی اسے موضوع کہتے ہیں واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں، ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرو جو شخص یہ کرے گا میں اسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان دوں گا۔ اور اسے نبیوں کا ثواب اور صدیقوں کا عمل دوں گا۔ جس عمل کی پابندی صرف انبیاء علیہم السلام اور صدیقین سے ہی ہوتی ہے۔ یا اس بندے سے جس کا دل میں نے ایمان کے لیے آزمالیا ہو یا اسے اپنی راہ میں شہید کرنا طے کرلیا ہو[6] لیکن یہ حدیث بہت منکر

---

[1] [ضعیف: ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجآء فی فضل سورة البقرة وآیة الکرسی (۲۸۷۸) حاکم (۱/ ۵۶۰)، (۲/ ۲۵۹)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۱۳۴۸)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے (کیونکہ اس میں) حکیم بن جبیر ضعیف راوی ہے۔]

[2] [ضعیف: اس میں عبداللہ بن کیسان راوی ہے جسے امام بخاریؒ، امام ابوحاتمؒ اور دیگر جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ [میزان الاعتدال (۲/ ۴۷۵)]

[3] [حسن: ابوداؤد : کتاب الصلاة : باب الدعاء (۱۴۹۶) ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب اسم اللہ الا عظم (۳۸۵۵) ترمذی : کتاب الدعوات (۳۴۷۸) مسند احمد (۶/ ۴۶۱) دارمی (۳۳۸۹)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[4] [حسن: ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب اسم اللہ الا عظم (۳۸۵۶)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحیحة (۷۴۶)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

[5] [حسن: نسائی فی الیوم واللیلة (۱۰۰) ابن سنی (۱۲۴) طبرانی کبیر (۷۵۳۲)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن غریب کہا ہے۔ [نتائج الافکار (۲/ ۲۷۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۶۴۶۴) صحیح الترغیب (۱۵۹۵)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[6] [ضعیف: شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن حسن نقاش راوی ہے جسے کے متعلق امام برقانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی ہر حدیث منکر ہے، خطیب بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی احادیث منکر ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اس روایت کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

ہے' ترمذی کی حدیث میں ہے جو شخص سورۂ حٰمٓ ○ ﴿اَلْمُؤْمِنِ﴾ کو ﴿اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ تک اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھ لے گا وہ شام تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔ اور شام کو پڑھنے والے کی صبح تک حفاظت ہوگی [1] لیکن یہ حدیث بھی غریب ہے اس آیت کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں لیکن ایک تو اس لیے کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں اور دوسرا اس لیے بھی کہ ہمیں اختصار مدنظر ہے ہم نے انہیں وارد نہیں کیا' اس مبارک آیت میں دس مستقل جملے' پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ کل مخلوق کا وہی ایک اللہ ہے' دوسرے جملے میں ہے کہ وہ خود زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی' دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ قیوم کی دوسری قرات ﴿قیام﴾ بھی ہے پس تمام موجودات اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے' کوئی بھی بغیر اس کی اجازت کے کسی چیز کا سنبھالنے والا نہیں' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾ (الروم/ ٢٥) یعنی اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں پھر فرمایا نہ تو اس پر کوئی نقصان آئے نہ کبھی وہ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر ہو' بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر' ہر شخص کے احوال پر وہ ناظر' دل کے ہر خطرے سے وہ واقف' مخلوق کا کوئی ذرہ بھی اس کی حفاظت اور علم سے کبھی باہر نہیں' یہی پوری ''قیومیت'' ہے' اونگھ' نیند اور بے خبری سے اس کی ذات مکمل پاک ہے صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چار باتیں بتائیں فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ سوتا نہیں نہ نیند اس کی ذات کے لائق ہے' وہ ترازو کا حافظ ہے جس کے لیے چاہے جھکا دے جس کے لیے چاہے نہ جھکائے دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف لیجائے جاتے ہیں اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچے' [2] عبدالرزاق میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ بھی سوتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تین راتوں تک بیدار رکھیں' انہوں نے یہی کیا تین راتوں تک سونے نہ دیا' اس کے بعد دو بوتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے اور ٹوٹنے نہ پائیں' آپ نے انہیں تھام لیا لیکن اجاگا تھا نیند کا غلبہ ہوا اونگھ آنے لگی' آنکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک؟ آخر ایک مرتبہ ایسا جھکولا آیا کہ بوتلیں ٹوٹ گئیں' گویا انہیں بتایا گیا کہ جب ایک اونگھنے اور سونے والا دو بوتلوں کو نہیں سنبھال سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا سوئے تو زمین وآسمان

---

[1] [ضعیف: ترمذی: کتاب ثواب القرآن: باب ماجآء فی فضل سورة البقرة واية الكرسی (٢٨٧٩)] شیخ البانی ؒ اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں ۔ [المشکاۃ (٢١٤٤)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر ملیکی راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب فی قوله علیه السلام ان الله لا ینام (١٧٩) ابن ماجه: مقدمه (١٩٥) مسند احمد (٤/٣٩٥) طیالسی (٤٩١)]

کی حفاظت کس طرح ہو سکے؟ [1] لیکن یہ بنی اسرائیل کی بات ہے اور کچھ دل کو لگتی بھی نہیں اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر عارف باللہ اللہ جل شانہ کی اس صفت سے ناواقف ہوں اور انہیں اس میں تردد ہو کہ اللہ ذوالجلال والاکرام جاگتا ہی رہتا ہے یا سو بھی جاتا ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ غرابت والی وہ حدیث ہے جو ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو منبر پر بیان فرمایا یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرمان پیغمبر ہونا ثابت نہیں بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا اور پھر آپ کو بوتلیں پکڑوائی گئیں اور وہ بوجہ نیند کے نہ سنبھال سکے۔ اور حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی' آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی غلامی میں اور اس کی ماتحتی میں اور اس کی سلطنت میں ہیں جیسے فرمایا ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (مریم/۹۳) الخ' یعنی زمین و آسمان کی کل چیزیں رحمٰن کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں' ان سب کو رب العالمین نے ایک ایک کر کے گن رکھا ہے' ساری مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضر ہو گی' کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش یا شفاعت کر سکے' جیسے ارشاد ہے ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ (النجم/۲۶) الخ یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں لیکن ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی سے ہو' اور جگہ ہے ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الانبیاء/۲۸) کسی کی وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو' پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اسکا جلال اور اس کی کبریائی بیان ہو رہی ہے' کہ بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش میں زبان کھولے' حدیث شفاعت میں بھی ہے کہ میں اللہ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں ہی چھوڑ دے گا جب تک چاہے' پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ۔ کہو' سنا جائے گا' شفاعت کرو' منظور کی جائے گی' آپ فرماتے ہیں پھر میرے لیے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا [2]

وہ اللہ تمام گذشتہ موجودہ اور آئندہ کا عالم ہے اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسے اور جگہ فرشتوں کا قول ہے کہ ﴿مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ (مریم/٦٤) الخ ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے ہمارے آگے پیچھے اور سامنے کی سب چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

کرسی سے مراد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علم منقول ہے' دوسرے بزرگوں سے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ منقول ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مروی ہے' اور یہ بھی ہے کہ اس کا اندازہ بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو

---

[1] [حسن : تفسير عبد الرزاق (۳۲۱) تفسير ابن جرير الطبرى (۵۷۸۲) ابويعلى (٦٦٦٩)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے مگر یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔]

[2] [صحيح : صحيح بخارى : كتاب التوحيد : باب قول الله تعالى : وجوه يومئذ ناظرة (۷٤٤۰) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها (۱۹۳)]

معلوم نہیں، خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے[1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً یہی مروی ہے لیکن رفع ثابت نہیں، ابو مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کرسی عرش کے نیچے ہے، سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں آسمان وزمین کرسی کے جوف میں اور کرسی عرش کے سامنے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر بسیط کر دیا جائے تو بھی کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے ایک حلقہ کسی چٹیل میدان میں[2] ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہی ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں اور حدیث میں ہے کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک لوہے کا حلقہ چٹیل میدان میں، ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہی فرمایا اور فرمایا کہ پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہی ہے، ایک عورت نے آن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی کرسی نے آسمان وزمین کو گھیر رکھا ہے مگر جس طرح نیا پالان چرچراتا ہے وہ کرسی عظمت پروردگار سے چرچرا رہی ہے، گو یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے لیکن کسی سند میں کوئی راوی غیر مشہور ہے کسی میں ارسال ہے، کوئی موقوف ہے، کسی میں بہت کچھ غریب زیادتی ہے، کسی میں حذف ہے اور ان سب سے زیادہ غریب حضرت جبیر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے۔[3] اور وہ روایات بھی ہیں جن میں قیامت کے روز کرسی کا فیصلوں کے لیے رکھا جانا مروی ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں واللہ اعلم۔ مسلمانوں میں سے ہیئت داں متکلمین کہتے ہیں کہ کرسی آٹھواں آسمان ہے جسے فلک ثوابت کہتے ہیں اور جس پر نواں آسمان ہے اور جسے فلک اثیر کہتے ہیں اور اطلس بھی، لیکن دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کرسی اور ہے اور عرش اور ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جیسے کہ آثار واحادیث میں وارد ہوا ہے، علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تو اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت پر اعتماد کیے ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی صحت میں کلام ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ پر ان کی حفاظت بوجھل اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہے وہ ساری مخلوق کے اعمال پر خبردار تمام چیزوں پر نگہبان کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور انجان نہیں، تمام مخلوق اس کے سامنے حقیر متواضع ذلیل پست محتاج اور فقیر، وہ غنی وحمید وہ جو کچھ چاہے کر گذرنے والا، کوئی اس پر حاکم نہیں باز پرس کرنے والا نہیں، ہر چیز پر وہ غالب، ہر چیز کا حافظ اور مالک، وہ علو بلندی اور رفعت والا وہ عظمت بڑائی اور کبریائی والا، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، نہ اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے والا نہ پالنے پوسنے والا وہ کبریائی والا اور فخر والا ہے، اسی لیے فرمایا:

---

[1] [موقوف : الخطیب فی تاریخ بغداد (۹/۲۵۱) ابن جوزی فی العلل (٤)]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۵۷۹۵)]

[3] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب السنة : باب فی الجهمیة (٤٧٢٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [المشکاة (٥٧٢٧)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جبیر بن محمد راوی ضعیف اور محمد بن اسحاق مدلس ہے۔]

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ بلندی اور عظمت والا وہی ہے۔ یہ آیتیں اور ان جیسی اور آیتیں اور صحیح حدیثیں جتنی کچھ ذات وصفات باری میں وارد ہوئی ہیں ان سب پر ایمان لانا بغیر کیفیت معلوم کیے اور بغیر تشبیہ دیئے جن الفاظ میں وہ وارد ہوئی ہیں ضروری ہے اور یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین رحمہم اللہ کا تھا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں' سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو چکی' جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں سے انکار کرے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا' جو کبھی نہ ٹوٹے گا' اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

جبراً اسلام میں داخلہ نہیں: یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا' جس کا سینہ کھلا ہوا دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والہ وشیدا ہو جائے گا' ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ؟ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لیے جبر اور زبردستی نہ کرو' اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنا دیں گے یہودیوں کے سپرد کر دیں گے' اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ کے دین اللہ کے انصار بنے یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لیے سرور رسل علیہ السلام نے یہ حکم جاری فرمایا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا جائے' اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے ان سے طلب کیے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنا لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔[1]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حصینی رضی اللہ عنہ نامی تھا جس کے دو لڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنا لوں ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی' اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کے لیے کشمش لے کر آیا تھا جن کے ہاتھوں پر دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے' ان کے باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کے لیے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بنا لوں' ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کے لیے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی'

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی الاسیر یکره علی الاسلام (۲۶۸۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۵۸۱۸)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام اسبق نصرانی تھا' آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے' علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو نسخ وتبدیل توراۃ وانجیل سے پہلے دین مسیحی اختیار کر چکے تھے اوراب وہ جزیہ پر رضامند ہو جائیں' بعض اور کہتے ہیں آیت قتال نے اسے منسوخ کر دیا تمام انسانوں کواس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے' اگر کوئی انکار کرے تو بیشک مسلمان اس سے جہاد کریں گے' جیسے اور جگہ ہے ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ﴾ (الفتح/۱۶) الخ عنقریب تمہیں اس قوم کی طرف بلایا جائے گا جو بڑی لڑاکا ہے یا تو تم اس سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے' اور جگہ ہے اے نبی (ﷺ) کافروں اور منافقوں سے جہاد کر' اوران پر سختی کر' اور جگہ ہے' ایماندارو! اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو' تم میں وہ سختی پائیں اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے' صحیح حدیث میں ہے' تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں'[۱] یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق وسلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اوران کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضور ﷺ نے کہا مسلمان ہو جا اس نے کہا حضرت میرا دل نہیں مانتا آپ نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو'[۲] یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی آنحضرت ﷺ تک اس میں صرف تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ نے اسے مجبور کیا مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ تو پڑھ لے پھر ایک دن وہ بھی آئے گا اللہ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا دلدادہ ہو جائے حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو' جو شخص بت اور اوثان اور معبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے اللہ کی توحید کا اقراری اور عامل بن جائے وہ سیدھی اور صحیح راہ پر ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿جِبْتُ﴾ سے مراد جادو ہے اور ﴿طَاغُوْت﴾ سے مراد شیطان ہے' دلیری اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر کے بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں ایک دلیر آدمی تو انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈرپوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے انسان کا سچا نسب حسن وخلق ہے گو وہ فارسی ہو یا نبطی'[۳] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لیے کہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تھی بت کی پوجا کرنا ان کی طرف حاجتیں لے جانا ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنا وغیرہ۔ پھر فرمایا اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا' یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے نہ پھوٹے' خوب مضبوط' مستحکم' قوی اور

---

[۱] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب الاساری فی السلاسل (۳۰۱۰) ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی الاسیر یوثق (۲۶۷۷) مسند احمد (۲/۳۰۲)]

[۲] [صحیح : مسند احمد (۳/۱۰۹)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۱۲۰۶۱)]

[۳] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۴۱۷)]

کڑا ہوا' ﴿عُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ سے مراد ایمان [1] اسلام [2] توحید باری قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کے لیے دشمنی کرنا ہے' یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک' اور جگہ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بگاڑتا جب تک خود وہ اپنی حالت نہ بگاڑ لے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے حضرت قیس بن عبادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مسجد نبوی میں تھا جو ایک شخص آیا جس کا چہرہ اللہ سے خائف تھا نماز کی دو ہلکی رکعتیں اس نے ادا کیں لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہیں' جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا کہا سبحان اللہ کسی کو وہ نہ کہنا چاہیے جس کا علم اسے نہ ہو' ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ میں نے کہا میں تو نہیں چڑھ سکتا چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں بآسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا اس نے کہا دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا' بس اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا' میں نے حضور ﷺ سے یہ اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا گلشن باغ اسلام ہے اور ستون ستون دین ہے اور کڑا عروۃ الوثقی ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا' یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ [3] یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں مروی ہے' مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبوی میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے' خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک شخص آیا مجھے لے کر چلا جب ہم ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں پہنچے تو میں نے بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں۔ میں دائیں جانب چلنے لگا' تو اچانک ایک پھسلنا پہاڑ نظر آیا اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھا لیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا مجھے اس نے اس ستون پر چڑھا دیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا اس نے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے میں نے کہا ہاں اس نے زور سے ستون پر اپنا ہاتھ مارا وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا' جب یہ خواب حضور ﷺ کو میں نے سنایا تو آپ نے فرمایا بہت نیک خواب ہے' میدان' میدان محشر ہے' بائیں طرف کا راستہ جہنم کا راستہ ہے تو ان لوگوں میں نہیں' دائیں جانب کا راستہ جنتیوں کی راہ ہے' پھسلنا پہاڑ شہداء کی منزل ہے' کڑا اسلام کا کڑا ہے مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو' اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے گا۔ [4]

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥/٤٢١)] [2] [أيضا]

[3] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب مناقب الانصار : باب مناقب عبد الله بن سلام (٣٨١٣) صحيح مسلم : كتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل عبد الله بن سلام (٢٤٨٤)]

[4] [صحيح : صحيح مسلم : كتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل عبد الله بن سلام (٢٤٨٤) مسند احمد (٥/٤٥٣)]

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾

ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے' اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں' جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○

اندھیروں سے نور کی طرف: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی رضامندی کے طلب گار کو وہ سلامتی کی رہنمائی کرتا ہے اور شک وشبہ کے کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ حق کی صاف روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے' کفار کے ولی شیاطین ہیں جو جہالت وضلالت کو کفر وشرک کو مزین کر کے انہیں ایمان سے اور توحید سے روکتے ہیں اور یوں نورِ حق سے ہٹا کر ناحق کے اندھیروں میں جھونک دیتے ہیں' یہی کافر ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے۔

لفظ نور کو واحد لانا اور ظلمات کو جمع لانا اس لیے ہے کہ حق اور ایمان اور سچا راستہ ایک ہی ہے اور کفر کی کئی قسمیں ہیں' کافروں کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ (الانعام/۱۵۳) الخ میری سیدھی راہ یہی ہے تم اسی کی تابعداری کرو اور راستوں پر نہ چلو ورنہ اس راہ سے بھٹک جاؤ گے یہ وصیت تمہیں تمہارے بچاؤ کے لیے کر دی اور جگہ ہے: ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ (الانعام/۱) اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ایک ہی ہے' اور باطل میں تفرق وانتشار ہے' حضرت ایوب بن خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں' اہل ہوا' یا اہل فتنہ کھڑے کیے جائیں گے جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن صاف اور نورانی ہوگا اور جس کی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیروں والا ہوگا' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥٨﴾

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا؟ جو سلطنت پا کر ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا' جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے وہ کہنے لگا میں جلاتا ہوں اور مارتا ہوں' ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ' اب تو وہ کافر حیران رہ گیا' اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا○

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود: اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا اس کا پایہ تخت بابل تھا اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا کی مشرق ومغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر' حضرت سلیمان بن داؤد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ذوالقرنین' اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر' [1] فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اسے نہیں دیکھا؟ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا' یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا' جیسے اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا رب نہیں جانتا' چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آ رہا تھا اس لیے دماغ میں رعونت اور انانیت آ گئی تھی سرکشی اور تکبر' نخوت' اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا' بعض لوگ کہتے ہیں چار سو سال تک حکومت کرتا رہا تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب اس نے وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا پھر ہونا پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے' موجد اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے' نمرود نے جواباً کہا کہ یہ تو میں بھی کرتا ہوں' یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے' ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا [2] دراصل یہ جواب اور یہ دعویٰ کس قدر لچر اور بے معنی ہے اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا نہ ان کی یا اپنی موت وحیات پر اسے قدرت' لیکن جہلاء کو بھڑکانے کے لیے اور اپنی علمیت جتانے کے لیے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے طریقہ فرار کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی' ابراہیم علیہ السلام بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے اس کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے' چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تصرف تیرا پورا ہونا چاہیے' میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے' اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے اس کا کوئی ظاہری ٹوٹا پھوٹا جواب بھی اس سے نہ بن پڑا اور بے زبان ہو کر اپنی عاجزی کا معترف ہو گیا اور اللہ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی راہ یافتہ نہ ہو سکا ایسے بد وضع لوگوں کو اللہ کوئی دلیل نہیں سمجھاتا اور وہ حق کے مقابلے میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں ان پر اللہ کا غضب وغصہ اور ناراضگی ہوتی ہے' اور ان کے لیے اس جہان میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں' بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی' لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری دلیل کا مقدمہ تھی اور ان دونوں میں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان بالکل واضح ہو گیا' اصل دلیل پیدائش وموت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ ابن ناسمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۴۳۳)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۴۳۳ ـ ۴۳۷)]

میں ہونی چاہیے اور جس طرح موت وحیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں' پھر کیا وجہ؟ کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری نہ کرے اور اس کے کہنے سے مشرق کے بجائے مغرب سے نہ نکلے؟ پس ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس مُباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

زید بن اسلم رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ قحط سالی تھی لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے' حضرت خلیل اللہ بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بدبخت نے آپ کو غلہ نہ دیا آپ خالی ہاتھ واپس آئے گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے' گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے' آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اٹھیں بوریوں کو کھولا تو دیکھا کہ عمدہ اناج سے دونوں پُر ہیں' کھانا پکا کر تیار کیا' آپ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے پوچھا اناج کہاں سے آیا' کہا وہ بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا' آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔

اس نابجار بادشاہ کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا اس نے آ کر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی' دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا۔ اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں' نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آ ڈٹا' ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک دروازہ کھول دیا بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا' اللہ کی یہ فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئی اور سارے کے سارے یہیں ہلاک ہو گئے' ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا' انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا ایسے عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجے بہتر تھی اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا' ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا' یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ اعاذنا اللّٰہ

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

یا مانند اس شخص کے جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو منہ کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی کہنے لگا اسے اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے ماردیا سو سال کے بعد اسے اٹھایا' پوچھا کتنی مدت تجھ پر گذری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ' فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا' اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ' ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھا بٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں' جب یہ سب اس پر ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

موت کے بعد زندگی: اوپر جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ کا گذرا اس پر اس کا عطف ہے' یہ گذرنے والے یا تو حضرت عزیر علیہ السلام تھے [1] جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن خلقیا تھے اور یہ نام حضرت خضر کا ہے' یا خزقیل بن بوار تھے' یا بنی اسرائیل میں سے ایک شخص تھا یہ بستی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے' بخت نصر نے جب اسے اجاڑا یہاں کے باشندوں کو تہہ تیغ کیا مکانات گرادیئے اور اس آباد بستی کو بالکل ویرانہ کر دیا اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گذرے' انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہہ وبالا ہوگئی ہے نہ مکان ہیں نہ مکین' تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا پُر رونق شہر جو اس طرح اجڑا ہے یہ پھر کیسے آباد ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی یہ تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہو گیا بھاگے ہوئے بنی اسرائیل پھر آ پہنچے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا وہی اگلی سی رونق اور چہل پہل ہوگئی اب سو سال کامل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تاکہ اپنا جی اٹھنا خود دیکھ سکیں' جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے پچھوایا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا۔

وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جئے ہیں تو شام کا وقت تھا خیال کیا کہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا توشہ بھتا جو تمہارے ساتھ تھا باوجود سو سال گذر جانے کے بعد ویسا ہی ہے' نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے' یہ توشہ انگور اور انجیر اور شیرہ تھا نہ تو یہ شیرہ بگڑا تھا نہ انجیر کھٹے ہوئے تھے نہ انگور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے' اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑی ہیں انہیں دیکھ تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں' ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لیے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین کامل ہو جائے' چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں اٹھیں اور ایک ایک کے ساتھ جڑیں' مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی ﷺ کی قرات ﴿نُنشِزُهَا﴾ زے کے ساتھ ہے [2] اور اسے ﴿نُنشِرُهَا﴾ رے کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی زندہ کریں گے' مجاہد کی قرات یہی ہے [3] سدی وغیرہ کہتے ہیں یہ ہڈیاں ان کے دائیں بائیں پھیل پڑی تھیں اور

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۰۰۹/۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۴۳۹/۵)]

[2] [ضعیف : مستدرك حاكم (۲۳٤/۲)] اسے امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے مگر امام ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں اسماعیل بن قیس راوی ضعیف ہے۔ [دیکھئے : میزان الاعتدال (۲٤٥/۱)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤٧٦/٥)]

بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی سفیدی چمک رہی تھی، ہوا سے یہ سب یکجا جمع ہوگئیں پھر ایک ایک ہڈی اپنی اپنی جگہ جڑ گئی اور ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ قائم ہوگیا جس پر گوشت مطلق نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت، رگیں، پٹھے اور کھال پہنادی، پھر فرشتے کو بھیجا جس نے اس کے نتھنے میں پھونک ماری، بس اللہ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہوگیا اور آواز نکالنے لگا، [1] ان تمام باتوں کو حضرت عزیر علیہ السلام دیکھتے رہے اور مدت کی یہ ساری کاریگری ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی، جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو کہنے لگے اس بات کا علم تو مجھے تھا ہی کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔ تو میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ علم و یقین والا ہوں، بعض لوگوں نے ﴿اَعْلَمُ﴾ کو ﴿اِعْلَمْ﴾ بھی پڑھا ہے، یعنی اللہ مقتدر نے فرمایا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۠﴿۲۶۰﴾

ع ۳۵

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے جناب باری نے فرمایا کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے؟ لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرندوں کو لو ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے ○

معمہ حیات وموت: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تو آپ نے چاہا کہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل ہو جائے، جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لوں۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کے موقعہ کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیم کے زیادہ ہیں جبکہ انہوں نے کہا ﴿رَبِّ اَرِنِیْ﴾ الخ، [2] تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اللہ کی اس صفت میں شک تھا، اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ (شاید یہ ہوگا کہ ہم خلیل اللہ سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود خلائق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ مترجم) اب رب العالمین خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لے لو، مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرند حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لیے تھے؟ لیکن ظاہر ہے کہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥/٤٦٨)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب واذ قال ابراهیم رب ارنی (٤٥٣٧)، (٤٦٩٤) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب زیادة طمانیة القلب (١٥١) ابن ماجه: کتاب الفتن: باب الصبر علی البلاء (٤٠٢٦) صحیح ابن حبان (٦٢٠٨)]

اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا' کوئی کہتا ہے وہ کلنگ اور مور اور مرغ اور کبوتر تھے کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے کوئی کہتا ہے کبوتر مرغ مور اور کوا تھے۔ پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں اور روایت میں ہے اپنے پاس رکھ لیا' جب ہل گئے انہیں ذبح کر دیا پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے' پس آپ نے چار پرند لیے ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے پھر چاروں پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے' پھر بحکم اللہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزاء بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرند اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا' آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا' خود اس کا سر دیتے تو وہ جڑ جاتا' [1] یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا' پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ تعالیٰ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی جس کام کو وہ چاہے بے روک ہو جاتا ہے ہر چیز اس کے قبضے میں ہے' وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جناب باری کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا اور حضرت خلیل اللہ کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں' یہ آیت مجھے تو اور تمام آیتوں سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے' مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کونسی ہے؟ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿لَا تَقْنَطُوْا﴾ (الزمر/ ٥٣) الخ والی آیت جس میں ارشاد ہے کہ اے میرے گنہگار بندو میری رحمت سے ناامید نہ ہونا میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کے لیے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول پھر رب دو عالم کا سوال اور آپ کا جواب ہے (عبدالرزاق وابن ابی حاتم وغیرہ) [2]

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں' اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

[1] [تفسیر قرطبی (٣/ ٣٠٠)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (٣/ ١٠٣٢) حاکم (٤/ ٢٦٠)]

انفاق فی سبیل اللہ کا فائدہ: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں [1] اپنے مال کو خرچ کرے اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملتے ہیں اور نیکیاں سات سو گنا کر کے دی جاتی ہیں، تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کی فرماں برداری میں جہاد میں گھوڑوں کو پالنے میں، ہتھیار خریدنے میں، حج کرنے وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں۔ [2] اللہ کے نام دیئے ہوئے کی مثال کس پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھپ جائے اور دل میں گھر کر جائے، ایک دم یوں فرمادیتا کہ ایک کے بدلے سات سو ملیں گے اس سے بہت زیادہ لطافت اس کلام اور اس مثال میں ہے اور پھر اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ اللہ کے پاس بڑھتے رہتے ہیں جس طرح تمہارے بوئے ہوئے بیج کھیت میں بڑھتے بڑھاتے رہتے ہیں۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز فی سبیل اللہ دیتا ہے اسے سات سو کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے، جس شخص پر کوئی جسمانی بلا مصیبت دکھ درد بیماری آئے وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے یہ حدیث حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت بیان فرمائی تھی جب کہ آپ سخت بیمار تھے اور لوگ عیادت کے لیے گئے تھے، آپ کی بیوی صاحبہ سرہانے بیٹھی تھیں ان سے پوچھا کہ رات کیسی گذری؟ انہوں نے کہا نہایت سختی سے آپ کا منہ اس وقت دیوار کی جانب تھا یہ سنتے ہی لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا میری یہ رات سختی کی نہیں گذری اس لیے کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے۔ [3] مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا۔ [4] مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے اور پھر وہ بڑھتی رہتی ہیں سات سو تک۔ مگر روزہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ خاص میرے لیے ہی ہے اور میں آپ اس کا اجر وثواب دوں گا۔ روزے دار کو دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری قیامت کے دن روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ [5] دوسری حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ روزے دار اپنے کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑتا ہے۔ آخر میں ہے روزہ ڈھال ہے، روزہ ڈھال ہے۔ [6] مسند کی اور حدیث میں ہے نماز روزہ اللہ کا ذکر اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنے بڑھ جاتے ہیں۔ [7] ابن

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳/۱۰۴۷)] [2] [ایضا]

[3] [**حسن**: مسند احمد (۱/۱۹۵) حاکم (۵۱۵۳) بزار (۷۶۳)]

[4] [**صحیح**: صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ تعالی (۱۸۹۲)]

[5] [**صحیح بالشواھد**: مسند احمد (۱/۴۴۶)]

[6] [**صحیح**: صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب فضل الصیام (۱۱۵۱) ابن ماجہ : کتاب الصیام : باب ماجاء فی فضل الصیام (۱۶۳۸ ۔ ۱۶۳۹)]

[7] [**ضعیف**: ابو داؤد : کتاب الجھاد : باب فی تضعیف الذکر فی سبیل اللہ تعالی (۲۴۹۸)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود]

ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے گو خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کے خرچ کا ثواب ملتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی ﴿وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ یہ حدیث غریب ہے [1] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ﴾ (البقرہ/ ۲۴۵) کی تفسیر میں پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ ایک کے بدلے دو کروڑ کا ثواب ملتا ہے۔ [2] ابن مردویہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما تو ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ﴾ (البقرہ/ ۲۴۵) والی آیت اتری اور آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو آیت ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر/ ۱۰) اتری۔ [3] پس ثابت ہوا کہ جس قدر اخلاص عمل میں ہو اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بڑے وسیع فضل وکرم والا ہے وہ جانتا بھی ہے کہ کون کس قدر مستحق ہے اور کسے استحقاق نہیں۔ فَسُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی ۭ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ۙ کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا ۭ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا ۭ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے ○ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ایذاء رسانی ہو اللہ بے نیاز اور بردبار ہے ○ ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذاء پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے

---

[1] [ضعیف : ابن ماجہ : کتاب الجہاد : باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ تعالی (۲۷۶۱)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔[ضعیف ابن ماجہ ، المشکاۃ (۳۸۵۷)]

[2] [ضعیف : مسند احمد (۲/۲۹۶)] اس کی سند میں مبارک بن فضالہ اور علی بن زید راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف : ابن حبان (۴۶۴۸) بیہقی فی شعب الایمان (۴۲۸۰)] اس میں عیسیٰ بن مسیب راوی ضعیف ہے۔[دیکھئے: میزان الاعتدال (۶۶۰۷)]

ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی' اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا O

خیرات کرنے والوں کے لیے ہدایات: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح وتعریف کرتا ہے جو خیرات وصدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے نہ ہی اپنی زبان یا اپنے کسی فعل سے اس شخص کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں' ان سے ایسے جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر وثواب رب دوعالم کے ذمہ ہے' ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف وخطرہ نہ ہوگا اور نہ دنیا اور بال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم ورنج ہوگا' اس لیے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکالنا' کسی مسلمان بھائی کے لیے دعا کرنا' درگذر کرنا' خطاوار کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہت بہتر ہے جس کی تہہ میں ایذا دہی ہو' ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں' کیا تم نے فرمان باری ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ الخ' نہیں سنا؟[1] اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے' وہ حلیم اور بردبار ہے گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم وکرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہیں' ایک تو دے کر احسان جتانے والا' دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہمد لٹکانے والا' تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا[2] ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔[3] نسائی میں ہے تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں' ماں باپ کا نافرمان' شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا۔[4]
نسائی کی اور حدیث میں ہے یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔[5] اسی لیے اس آیت میں بھی

---

[1] [**ضعیف و مرسل**: الدرالمنثور (۱/۵۹۹)]

[2] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب غلظ تحریم اسبال الازار (۱۰۶) ابو داؤد: کتاب اللباس: باب ماجآء فی اسبال الازار (۴۰۸۷) نسائی: کتاب الزکاۃ: باب المنان بما اعطی (۲۵٦٤) ابن ماجه: کتاب التجارات: باب ماجآء فی کراهية الأیمان (۲۲۰۸) ترمذی: کتاب البیوع: باب ماجآء فیمن حلف علی سلعة کاذبا (۱۲۱۱) مسند احمد (۵/۱٤۸)]

[3] [**حسن**: مسند احمد (٦/٤٤١) ابن ماجه: کتاب الاشربة: باب مدمن الخمر (۳۳۷٦) ابن ابی عاصم (۳۲۱) بزار (۲۱۸۲)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔[الزوائد (۳/۱۰۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [**صحیح**: نسائی: کتاب الزکاۃ: باب المنان بما اعطی (۲۵٦۳) مسند احمد (۲/۱۳٤) حاکم (٤/٦٤٦) بزار (۱۸۷۵) ابن حبان (۷۳٤۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح نسائی] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[5] [**ضعیف** نسائی فی السنن الکبری (٤۹۲۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الترغیب (۱٤۱۲)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے صدقات وخیرات کو من واحسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو اس احسان کے جتانے اور تکلیف کے پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھتا۔ پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف دہی کے صدقے کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لیے دیا جائے اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مدنظر ہو لوگوں میں تعریف وستائش کی چاہت ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب نہ ہو نہ اس کے ثواب پر نظر ہو اسی لیے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو' تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی بھی پڑی ہوئی ہو پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی دھل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی' اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گو لوگ سمجھتے ہوں کہ اس کے صدقہ کی نیکی اس کے پاس ہے جس طرح بہ ظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی تھی لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی اسی طرح اس کے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا' اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا اللہ تعالیٰ کافر گروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو اور پوری بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر بارش اس پر نہ بھی برسے تو شبنم ہی کافی ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے○

ہمیشہ کا فائدہ: یہ مثال مومنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے' جیسے حدیث میں ہے جس شخص نے رمضان کے روزے ایمانداری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے[1] ﴿رَبْوَہ﴾ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہیں اس لفظ کو ﴿بِرُبْوَةٍ﴾ اور ﴿بِرِبْوَةٍ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ ﴿وَابِلٌ﴾ کے معنی سخت بارش کے ہیں' وہ دوگنا پھل لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے' یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہو تاہم صرف شبنم سے ہی پھلتا پھولتا ہے یہ ناممکن ہے کہ موسم خالی جائے اسی طرح ایمانداروں کے اعمال کبھی بھی بے اجر نہیں رہتے وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں' ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے کہ ہر ایماندار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے۔

---

[1] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب الصوم : باب من صام رمضان ايمانا (۱۹۰۱) صحيح مسلم : كتاب صلاة المسافرين : باب الترغيب فی قيام رمضان (۷٦۰)]

اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندے کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں اس شخص کو بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں، اور اچانک باغ میں تند آندھی آئے جس میں آگ بھی ہو اور باغ کو وہ جلا ڈالے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو ○

بڑھاپے میں عذاب کی مثال: صحیح بخاری شریف میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا ہے، آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں اس کا صاف جواب دو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا امیر المومنین میرے دل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو، فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے پوچھا کون سا عمل ہے؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھو دیتا ہے[1] پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداء اچھے عمل کئے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا، اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خالی ہاتھ رہ گیا، جس طرح ایک شخص ہے جس نے باغ لگایا پھل اتارتا رہا لیکن جبکہ بڑھاپے کے زمانے پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے اتفاقاً آندھی چلی اس میں آگ بھی تھی اور وہ ہرا بھرا الہلہاتا باغ دم بھر میں لاکھ کا خاک ہو گیا۔

اسی طرح یہ شخص ہے کہ پہلے تو نیکیاں کر لیں پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا کافر شخص بھی جب اللہ کے پاس جاتا ہے وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں ہے جس طرح اس بڈھے کو اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی[2] مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی تھی ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِضَاءِ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله ایود احدكم ان (۴۵۳۸)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۰۷۴/۳)]

عُمْرِیْ ﴾ [1] اے اللہ اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرما دیں تم بھی غور و فکر تدبر تفکر کرو سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو جیسے فرمایا ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴾ (العنکبوت / ۴۳) ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کے لئے بیان فرما دیا۔ انہیں علماء ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے ○ شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔ وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا' نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں ○

ردّی اور حرام مال کا صدقہ قبول نہیں: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ جل شانہ نے تمہیں دیا ہے سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تمہیں زمین سے نکال کر دیئے ہیں اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ کی راہ میں دو۔ ردی' واہیات' سڑی گلی' گری پڑی' بے کار' فضول اور خراب چیزیں راہ اللہ نہ دو' اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول نہیں کرتا' تم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جسے اگر تم کو دی جاتی تو نہ قبول کرتے پھر اللہ کیسے لے لے گا؟ ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور بات ہے لیکن اللہ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا' یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ کر حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو' مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں' دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی ہاں دین صرف دوستوں کو ہی

[1] [ضعیف : مستدرك حاكم (۱/ ۵۴۲)، (۱۹۸۷) ابن عدی (۱/ ۱۶۶)] اس کی سند میں عیسیٰ بن میمون راوی ہے، امام ذہبیؒ نے اسے متہم کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اس روایت کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔]

عطا فرماتا ہے اور جسے دین مل جائے وہ اللہ کا محبوب ہے اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں' لوگوں کے سوال پر آپ نے فرمایا ایذاء سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم وستم ہے' جو شخص حرام وجہ سے مال حاصل کرے اس میں اللہ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اس کے لیے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے' اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے' خباثت سے خباثت نہیں مٹتی' [1] پس دو قول ہوئے ایک تو ردی چیزیں دوسرے حرام مال۔ اس آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق کھجوروں کے خوشے لا کر دو ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے جسے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردی کھجور کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی [2] کہ اگر تمہیں ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لو گے' ہاں اگر شرم ولحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا۔ [3] (ابن جریر) ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور واہی (خراب) پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا' [4] حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی مراد یہ ہے کہ بیکار چیز صدقہ میں نہ دو' مسند میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ کا گوشت لایا گیا آپ نے نہ کھایا نہ کسی کو کھانے سے منع فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کسی مسکین کو دے دیں؟ آپ نے فرمایا جو تمہیں پسند نہیں اور جسے تم کھانا گوارا نہیں کرتی اسے کسی اور کو کیا دو گی؟ [5] حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تمہیں وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے مگر اس وقت جب تمہیں اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۱/۳۸۷) مجمع (۱/۱۰۳)، (۱٦٤)] اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں صباح بن محمد بن ابی حازم راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦١٣٨)]

[3] [صحیح : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (۲۹۸۷) ابن ماجه : کتاب الزکاة : باب النهی ان یخرج فی الصدقة شر ماله (۱۸۲۱) تفسیر ابن جریر الطبری (٦١٣٩)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الزکاة : باب ما لا یجوز من الثمرة فی الصدقة (۱٦۰۷) تفسیر ابن جریر (٦١٤٢) دارقطنی (۲/۱۳۰) حاکم (۱/٤۰۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[5] [ضعیف : مسند احمد (٦/۱۰۵)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں کیونکہ اس میں حماد بن ابی سلیمان اور ابراہیم نخعی کا عنعن ہے۔]

نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ (آل عمران / ۹۲) کے بھی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا۔ کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے، نہیں نہیں وہ تو محض بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو، یہ حکم صرف اس لیے ہے کہ غرباء بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں گے، جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ﴾ [1] الخ اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لے نہ گوشت وہ تو تمہارے تقوے کی آزمائش کرتا ہے، وہ کشادہ فضل والا ہے، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، صدقہ اپنے چہیتے حلال مال سے خرچ کر اللہ کے فضل اس کی بخشش اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو وہ اس کا بدلہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تمہیں عطا فرمائے گا وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں۔ وہ حمید ہے، تمام اقوال افعال تقدیر شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ ہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک چوکا شیطان مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے، شیطان تو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر، جس کے دل میں یہ خیال آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وہ وسوسہ پیدا ہو وہ ﴿اَعُوْذُ﴾ پڑھے، پھر حضور ﷺ نے آیت ﴿اَلشَّيْطَانُ﴾ الخ کی تلاوت فرمائی۔ [2] (ترمذی) یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف بھی مروی ہے، مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے شیطان روکتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس طرح ہم فقیر ہو جائیں گے، اس نیک کام سے روک کر پھر بے حیائیوں اور بدکاریوں کی رغبت دلاتا ہے، گناہوں پر نافرمانیوں پر حرام کاریوں پر اور مخالفت حق پر اکساتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے برخلاف حکم دیتا ہے کہ خرچ فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اور شیطان کی دھمکی کے خلاف وہ فرماتا ہے کہ اس صدقہ کے باعث تمہاری خطاؤں کو بھی معاف کر دوں گا اور جو تمہیں فقیری سے ڈراتا ہے میں اس کے مقابلہ میں تمہیں اپنے فضل کا یقین دلاتا ہوں، مجھ سے بڑھ کر رحم و کرم، فضل و لطف کس کا زیادہ وسیع ہوگا؟ اور انجام کار کا علم بھی مجھ سے زیادہ اچھا کسے حاصل ہو سکتا ہے؟

حکمت سے مراد یہاں پر قرآن کریم اور حدیث شریف کی پوری مہارت ہے جس سے ناسخ منسوخ، محکم متشابہ، مقدم، موخر، حلال و حرام کی اور مثالوں کی معرفت حاصل ہو جائے، [3] پڑھنے کو تو اسے ہر برا بھلا پڑھتا ہے لیکن اس کی تفسیر اور اس کی سمجھ وہ حکمت ہے جسے اللہ چاہے عنایت فرماتا ہے کہ وہ اصل مطلب کو پالے اور بات کی تہہ کو

---

[1] [سورة الحج : آیت ۳۷]

[2] [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (۲۹۸۸) تفسیر ابن جریر الطبری (۶۱۶۹) ابن حبان (۹۹۷) شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں عطاء بن سائب مختلط راوی ہے۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۵۷۶)]

پہنچ جائے اور زبان سے اس کے صحیح مطلب ادا ہو سچا علم صحیح سمجھ اسے عطا ہو اللہ کا ڈر اس کے دل میں ہو' چنانچہ ایک مرفوع حدیث بھی ہے کہ حکمت کا راز اللہ کا ڈر ہے [1] اور ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کے علم کے بڑے ماہر ہیں ہر امر دنیوی کو عقلمندی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن دین میں بالکل اندھے ہیں' اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیوی علم میں کمزور ہیں لیکن علوم شرعی میں بڑے ماہر ہیں' پس یہ ہے وہ حکمت جسے اللہ نے اسے دی' اور اسے اس سے محروم رکھا' سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہاں حکمت سے مراد نبوۃ ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ حکمت کا لفظ ان تمام چیزوں پر شامل ہے اور نبوۃ بھی اس کا اعلیٰ اور بہترین حصہ ہے اور اس سے بالکل خاص چیز ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان کے تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی طرف سے محرومی نہیں' سچی اور اچھی سمجھ کی دولت سے یہ بھی مالا مال ہوتے ہیں' بعض احادیث میں ہے جس نے قرآن کریم کو حفظ کر لیا اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان نبوت چڑھ گئی وہ صاحب وحی نہیں' [2] لیکن دوسرے طریق سے کہ وہ ضعیف ہے منقول ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے مسند کی حدیث میں ہے کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں جسے اللہ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اسی کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ [3] وعظ و نصیحت اسی کو نفع پہنچاتی ہے جو عقل سے کام لے سمجھ رکھتا ہو بات کو یاد رکھے اور مطلب پر نظریں رکھے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾

تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اللہ اسے بخوبی جانتا ہے' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○ اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے' اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں

---

[1] [ضعیف : بیهقی فی شعب الایمان (٧٤٤)] امام بیہقیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ حوتؒ، امام سیوطیؒ، امام سخاویؒ اور امام عجلونیؒ نے بھی اسے ضعیف اور موضوع روایات کے ضمن میں ہی ذکر کیا ہے۔ [أسنی المطالب (ص : ١٤٩) الدرر المنتثرة (ص : ١١) المقاصد الحسنة (ص : ٣٥٩) کشف الخفاء (١/٢١٢)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعيف الجامع الصغير (٣٠٦٦)]

[2] [ضعیف : حاکم (١/٥٥٢)، (٢٠٢٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں اسماعیل بن راوی مدنی راوی ہے جسے امام احمدؒ، امام ابن معینؒ اور امام نسائیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی تمام احادیث میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔]

[3] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب العلم : باب الاغتباط فی العلم والحكمة (٧٣) صحيح مسلم : كتاب صلاة المسافرين : باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه (٨١٦) ابن ماجه : كتاب الزهد : باب الحسد (٤٢٠٨) مسند احمد (١/٣٥٨)]

بہتر ہے' اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دے گا' اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے ○

اعلانیہ اور چھپا کر خرچ کرنا: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر ایک خرچ اور نذر کو اور ہر بھلے عمل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کا حکم بجالاتے ہیں اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں' بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور ان کے خلاف جو لوگ اس کی حکم برداری سے جی چراتے ہیں گناہ کے کام کرتے ہیں اس کی خبروں کو جھٹلاتے ہیں اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' یہ ظالم ہیں قیامت کے دن قسم قسم کے سخت بدترین اور الم ناک عذاب انہیں ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑائے یا ان کی مدد میں اٹھے۔

پھر فرمایا کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقراء مساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے اس لیے کہ یہ ریا کاری سے کوسوں دور ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی فائدہ ہو مثلاً اس لیے کہ اور لوگ بھی دیں وغیرہ' حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے۔ (۱)

پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے اس کی افضلیت ثابت ہوتی ہے' بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات شخصوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا' عادل بادشاہ' وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گذارے' وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت رکھیں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں' وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک' وہ شخص جو خلوت میں اللہ کا ذکر کر کے رو دے' وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔ (۲)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہو گیا' فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت چیز بھی کوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا' پوچھا اس سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا ہاں آگ' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی' (۳) آیت الکرسی کی تفسیر میں وہ حدیث گذر چکی

---

(۱) [صحیح : ابوداؤد : کتاب الصلاۃ : باب رفع الصوت بالقرأۃ فی صلاۃ اللیل (۱۳۳۳) نسائی : کتاب الصلاۃ : باب فضل السر علی الجهر (۱٦٦٤) ترمذی : کتاب فضائل القران (۲۹۱۹) مسند احمد (٤/۱۵۱) ابن حبان (۷۳٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [المشکاۃ (۲۲۰۲)]

(۲) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ (٦٦۰) صحیح مسلم : کتاب الزکاۃ : باب فضل اخفاء الصدقة (۱۰۳۱) مسند احمد (۲/٤۳۹)]

(۳) [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن (۳۳٦۹) مسند احمد (۳/۱۲٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی ، التعلیق الرغیب (۲/۳۱)]

ہے جس میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے۔ باوجود مال کی قلت کے پھر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے' پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ [1] (ابن ابی حاتم)

ایک اور حدیث میں ہے پوشیدگی کا صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے [2] حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں اتری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اپنا آدھوں آدھ مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا آپ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اتنا ہی' صدیق رضی اللہ عنہ گو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کا سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کافی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیق رضی اللہ عنہ آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں' [3] آیت کے الفاظ عام ہیں صدقہ خواہ فرض ہو خواہ نفلی زکوٰۃ ہو یا خیرات اس کی پوشیدگی اظہار سے افضل ہے' لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ تو پوشیدہ دینا ستر گنی فضیلت رکھتا ہے لیکن فرضی زکوٰۃ کو اعلانیہ ادا کرنا پچیس گنی فضیلت رکھتا ہے۔

پھر فرمایا صدقے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کر دے گا بالخصوص اس وقت جبکہ وہ چھپا کر دیا جائے تمہیں بہت سی بھلائی ملے گی درجات بڑھیں گے گناہوں کا کفارہ ہوگا ﴿يُكَفِّرُ﴾ کو ﴿يُكَفِّرْ﴾ بھی پڑھا گیا ہے اس میں صورتاً یہ جواب شرط کے محل پر عطف ہوگا جو ﴿فَنِعِمَّا هِيَ﴾ ہے۔ جیسے ﴿فَاَصَّدَّقَ وَاَكُوْنَ﴾ میں ﴿وَاَكُنْ﴾۔ اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی بدی' سخاوت' بخیلی' پوشیدگی اور اظہار نیک نیتی اور دنیا طلبی پوشیدہ نہیں وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۱۷۸/۵) بزار (۱۶۰) ابن حبان (۳۶۱) ابن عدی (۲۶۹/۷)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف : ترمذی : کتاب الزکاۃ : باب ماجاء فی فضل الصدقۃ (۶۶۴)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے (کیونکہ اس میں) عبداللہ بن عیسیٰ خزار راوی ضعیف ہے۔]

[3] [حسن : ابوداود (۱۶۷۸) ترمذی (۳۶۷۵)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے حسن کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۷۳﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۴﴾

وقف منزل الربع

انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہے تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کی طلب کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا○ صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو راہ اللہ میں روک دیئے گئے ہیں جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں تو ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انہیں پہچان لے گا وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے تم جو کچھ مال خرچ کرو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگینی○

صدقات کے حقدار: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی[1] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا ہر سائل کو دو گو وہ کسی مذہب کا ہو۔[2] (ابن ابی حاتم) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا والی روایت آیت ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ﴾ (الممتحنہ/۸) الخ کی تفسیر میں آئے گی انشاء اللہ۔ یہاں فرمایا تم جو نیکی کرو گے اپنے لیے ہی کرو گے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ﴾ (الجاثیہ/۱۵) اور اس جیسی اور آیتیں بھی بہت ہیں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایماندار کا ہر خرچ اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے گو وہ خود کھائے پئے[3] عطا خراسانی رحمہ اللہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے مرضی مولا اور رضائے رب کے لیے دیا تو لینے والا خواہ کوئی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو[4] یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے مستحق یا غیر مستحق کے اسے اپنے قصد اور اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا جبکہ اس نے دیکھ بھال کر لی پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا اسی لیے آیت کے آخر میں بدلہ ملنے کی بشارت دی گئی۔

اور بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا صبح لوگوں میں باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر اپنے جی میں کہا آج رات اور صدقہ دوں گا لے کر چلا

[1] [نسائی فی التفسیر (۷۲) بزار (۲۱۹۳) مستدرك حاکم (۲/۲۸۵) تفسیر ابن جریر الطبری (۶۲۰۲)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۶۱۹۹)]
[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳/۱۱۱۵)]
[4] [ایضا]

اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا' صبح سنتا ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج شب ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا' اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا دے آیا' دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی' مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کے دینے پر بھی' خواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مالدار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔ [1]

پھر فرمایا صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جو دنیوی تعلقات کاٹ کر ہجرتیں کر کے وطن چھوڑ کر کنبے قبیلے سے منہ موڑ کر اللہ کی رضامندی کے لیے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آ گئے ہیں' جن کی معاش کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو انہیں کافی ہو اور نہ وہ سفر کر سکتے ہیں کہ چل پھر کر اپنی روزی حاصل کریں۔ ﴿ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ﴾ کے معنی مسافرت کے ہیں جیسے ﴿وَاِنْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ [2] اور ﴿یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ (المزمل/ ۲۰) میں ان کے حال سے جو لوگ ناواقف ہیں وہ ان کے لباس اور ظاہری حال اور گفتگو سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں ایک حدیث میں ہے مسکین وہی نہیں جو در بدر جاتے ہیں کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں کہیں سے دو ایک لقمے مل گئے' کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا بلکہ وہ بھی مسکین ہے جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پرواہ ہو جائے اور اس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں [3] تو انہیں' ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر مخفی نہیں رہتی' جیسے اور جگہ ہے ﴿سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ﴾ (الفتح/ ۲۹) ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ (محمد/ ۳۰) ان کے لب ولہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے مومن کی دانائی سے بچو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے [4] سنو قرآن کا فرمان ہے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ: باب اذا تصدق علی غنی (۱۴۲۱) صحیح مسلم: کتاب الزکاۃ: باب ثبوت اجر المتصدق (۱۰۲۲) مسند احمد (۲/ ۳۵۰)]

[2] [سورۃ النساء: آیت ۱۰۱]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ: باب قول اللّٰہ تعالی "لا یسئلون الناس الحافا" (۱۴۷۹) صحیح مسلم: کتاب الزکاۃ: باب المسکین الذی لا یجد غنی (۱۰۳۹)]

[4] [ضعیف: ترمذی: کتاب التفسیر: باب ومن الحجر (۳۱۲۷)] حافظ ابن عراقؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔[تنزیہ الشریعۃ (۲/ ۳۰۵)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ [۳/ ۱۴۵] امام زرکشیؒ نے اسے مشہور ضعیف روایات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔[التذکرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ (ص: ۱۸۱)] امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن کثیر کوفی راوی سخت ضعیف ہے اور امام ابن قیمؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[الفوائد المجموعۃ (ص: ۲۴۳)] امام سیوطیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[اللآلی المصنوعۃ (۲/ ۲۷۸)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔[ضعیف الجامع (۱۲۷)]

﴿اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾ (الحجر/ ۷۵) بالیقین اس میں اہل بصیرت کے لیے نشانیاں ہیں' یہ لوگ کسی پر بوجھل نہیں ہیں کسی سے ڈھٹائی کے ساتھ سوال نہیں کرتے نہ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں' جس کے پاس ضرورت کے مطابق ہو اور پھر بھی وہ سوال کرے وہ چپک کر مانگنے والا کہلاتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتاً مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خودداری برتیں اور سوال سے بچیں دیکھو قرآن کہتا ہے ﴿لَا يَسْـئَـلُوْنَ النَّـاسَ اِلْحَافًا﴾ یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے' قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں تم بھی جا کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں وہ فرماتی ہیں جب گیا تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچا لے گا' جو شخص بے پرواہی برتے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی فی الواقع بے نیاز کر دے گا' جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا وہ چمٹنے والا سوالی ہے' میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت بہتر ہے' ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کیے بغیر واپس چلا آیا [1] اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا ہے اس میں ہے کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا اللہ اسے آپ کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے' ان کی اونٹنی کا نام یاقوتہ تھا۔ [2] ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ چالیس درہم کے تقریباً دس روپے ہوتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بے پرواہی کے لائق ہو پھر بھی وہ سوال کرے قیامت کے دن اس کے چہرہ پر اس کا سوال زخم بنا ہو گا اس کا منہ نچا ہوا ہو گا' لوگوں نے کہا حضرت ﷺ کتنا پاس ہو تو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا' [3] یہ حدیث ضعیف ہے' شام میں ایک قریشی تھے جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ضرورت مند ہیں تو تین سو گنیاں انہیں بھجوائیں آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا؟ جو میرے پاس یہ بھیجیں میں نے تو نبی ﷺ سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں' [4] ایک روایت میں ہے حضور ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ چالیس درہم

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۱۳۸/۴) امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۴۵۱۷)]

[2] [حسن : مسند احمد (۹/۳ ـ ۴۴) ابوداؤد : کتاب الزکاۃ : باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی (۱۶۲۸)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

[3] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الزکاۃ : باب من یعطی من الصدقة (۱۶۲۶) ابن ماجه : کتاب الزکاۃ : باب من سأل عن ظهر غنی (۱۸۴۰) ترمذی : کتاب الزکاۃ : باب ما جآء من تحل لهٗ الزکاۃ (۶۵۰) نسائی : کتاب الزکاۃ : باب حد الغنی (۲۵۹۳) حاکم (۴۰۷/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (۴۹۹) صحیح ابو داود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [طبرانی کبیر (۱۵۰/۲)، (۱۶۳۰) مجمع الزوائد (۳۳۱/۹)]

ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے۔ (۱) پھر فرمایا تمہارے تمام صدقات کا اللہ کو علم ہے اور جبکہ تم پورے محتاج ہو گئے اللہ پاک اس وقت تمہیں اس کا بدلہ دے گا اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

پھر ان لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو ہر وقت اللہ کے فرمان کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں انہیں اجر ملے گا اور ہر خوف سے امن پائیں گے بال بچوں کے کھلانے پر بھی انہیں ثواب ملے گا۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے سال جبکہ آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے تو فرمایا ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع والے سال فرمایا تو جو کچھ اللہ کی خوشی کے لیے خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تیرے درجات بڑھائے گا یہاں تک کہ تو جو اپنی بیوی کو کھلائے پلائے اس کے بدلے بھی۔ (۲) مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے بال بچوں پر بھی جو خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے (۳) حضور ﷺ فرماتے ہیں اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدوں کا وہ خرچ ہے جو وہ اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں۔ (۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چار درہم تھے جن میں سے ایک راہ اللہ رات کو دیا ایک دن کو ایک پوشیدہ ایک ظاہر تو یہ آیت اتری۔ (۵) یہ روایت ضعیف ہے دوسری سند سے یہی مروی ہے (۶) اطاعت الٰہی میں جو مال ان لوگوں نے خرچ کیا اس کا بدلہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے لیں گے یہ لوگ نڈر اور بے غم ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؁

وقف لازم

سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے یہ اس لیے کہ یہ کہا

(۱) [حسن بالشواهد : نسائی : کتاب الزکاة : باب من الملحف (۲۵۹۰)]

(۲) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الفرائض : باب میراث البنات (۶۷۳۳) صحیح مسلم : کتاب الوصیة : باب الوصیة بالثلث (۱۶۲۸)]

(۳) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان (۵۵) و کتاب النفقات : باب فضل النفقة علی الاهل (۵۳۵۱) صحیح مسلم : کتاب الزکاة : باب فضل النفقة والصدقة (۱۰۰۲) ترمذی : کتاب البر والصلة باب ماجآء فی النفقة فی الاهل (۱۹۶۵) مسند احمد (۴/۱۲۰ـ ۱۲۲)]

(۴) [ضعیف جدا : طبرانی کبیر (۱۷/۱۸۸) ابن سعد (۷/۴۳۳)] اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں یزید بن عبداللہ اور اس کا والد دونوں مجہول ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

(۵) [ضعیف جدا : یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ارسال ہے اور ابن مجاہد عبدالوہاب راوی متروک الحدیث ہے۔ [دیکھئے : میزان الاعتدال (۲/۶۸۲)]

(۶) [ضعیف جدا : طبرانی (۱۱۱۶۴) الدرالمنثور (۱/۶۴۲) عبد الرزاق (۳۴۴)]

کرتے تھے کہ بیوپار بھی تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیوپار حلال کیا اور سود حرام' جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ ہے ○ جو گزرا' اور اس کا کام اللہ کی طرف ہے' اور جس نے پھر بھی کیا وہ جہنمی ہے' ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ○

تجارت اور سود ایک چیز نہیں: چونکہ پہلے ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو نیک کام صدقہ خیرات کرنے والے زکوتیں دینے والے حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنے والے غرض ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو اب ان کا بیان ہو رہا ہے جو کسی کو دینا تو ایک طرف دوسروں سے چھیننے ظلم کرنے اور ناحق اپنے پرایوں کا مال ہضم کرنے والے ہیں' تو فرمایا کہ یہ سود خور لوگ اپنی قبروں سے دیوانوں اور پاگلوں خبطیوں اور بیہوشوں کی طرح اٹھیں گے' پاگل ہوں گے' کھڑے بھی نہ ہو سکتے ہوں گے' ایک قرات میں ﴿مِنَ الْمَسِّ﴾ کے بعد ﴿يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ کا لفظ بھی ہے' ان سے کہا جائے گا کہ لو اب ہتھیار تھام لو اور اپنے رب سے لڑنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔

شب معراج میں حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھڑوں کی مانند تھے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا سود اور بیاج لینے والے ہیں اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو ڈستے رہتے تھے [1] اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا اس میں کچھ لوگ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں تو ایک فرشتہ بہت سے پتھر لیے بیٹھا ہے وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر ان کے منہ میں اتار دیتا ہے وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے پوچھا تو معلوم ہوا یہ سود خواروں کا گروہ ہے [2] ان پر یہ وبال اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے تجارت بھی تو سود ہی ہے ان کا یہ اعتراض شریعت اور احکام الٰہی پر تھا وہ سود کو تجارت کی طرح حلال جانتے تھے' جب کہ بیع پر سود کا قیاس کرنا ہی غلط ہے حقیقت تو یہ ہے کہ مشرکین تو تجارت کا شرعاً جائز ہونے کے بھی قائل نہیں ورنہ یوں کہتے کہ سود مثل بیع کے ہے ان کا کہنا یہ تھا کہ تجارت اور سود دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام؟ پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ حلت وحرمت اللہ کے حکم کی بنا پر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو' تو بھی انتہائی اچھے انداز سے جواباً کہا گیا اس میں مصلحت الٰہیہ کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھہرایا اور دوسرے کو حلال پھر اعتراض کیسا؟ علیم وحکیم اللہ کے حکموں پر اعتراض کرنے والے تم کون؟ اس سے باز پرس کرنے کی کس کی ہستی ہے؟ تمام کاموں کی حقیقت کو جاننے والا تو وہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ میرے بندوں کا حقیقی نفع کس چیز میں اور فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے تو وہ نفع والی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان پہنچانے والی چیزیں

---

[1] [ضعيف جدا : ابن ماجه : كتاب التجاوزات : باب التغليظ فى الربا (٢٢٧٣)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں علی بن زید بن جدعان راوی پر کلام ہے اور اس پر ضعف غالب ہے۔[مجمع الزوائد (١١/٤ ٢١)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے۔[الزوائد (٣٤/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه (٤٩٦) المشكاة (٢٨٢٨)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (٨٦٤٠)]

[2] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب التعبير : باب تعبير الرؤيا بعد صلاة الصبح (٧٠٤٧)]

حرام کرتا ہے‘ کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہوگی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے وہ روکتا ہے تو بھی مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو بھی مصلحت سے‘ اپنے رب کی نصیحت سن کر جو باز آ جائے اس کے پہلے کیے ہوئے تمام گناہ معاف ہیں‘ جیسے فرمایا ﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ﴾ (المائدہ/ ۹۵) اور جیسے حضور ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا جاہلیت کے تمام سود آج میرے ان دونوں قدموں تلے دفن کر دیئے گئے ہیں‘ چنانچہ سب سے پہلا سود جس سے میں دست بردار ہوتا ہوں وہ عباس رضی اللہ عنہ کا سود ہے[1] پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے ان کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ ام محبہ حضرت زید بن ارقم کی ام ولد تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں آٹھ سو کا اس شرط پر بیچا کہ جب ان کے پاس رقم آئے تو وہ ادا کر دیں اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت پڑی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے میں نے چھ سو کا خرید لیا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بالکل خلاف شرع کیا بہت برا کیا جاؤ زید سے کہہ دو اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت ہوگا جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا ہے‘ میں نے کہا اگر وہ دو سو جو مجھے اس سے لینے ہیں چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کر لوں تا کہ مجھے میری رقم آٹھ سو کی مل جائے آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں پھر آپ نے ﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ﴾ والی آیت پڑھ کر سنائی۔[2] (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی مشہور ہے اور ان لوگوں کی دلیل ہے جو عینہ کے مسئلے کو حرام بتاتے ہیں اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں ہے اور احادیث بھی ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

پھر فرمایا کہ حرمت کا مسئلہ کانوں میں پڑنے کے بعد بھی سود لے تو وہ سزا کا مستحق ہے ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے‘ جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا جو مخابرہ کو اب بھی نہ چھوڑے وہ اللہ کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ (ابوداود)[3] ''مخابرہ'' اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں کھیتی بوئے اور اس سے یہ طے ہو کہ زمین کے اس محدود ٹکڑے سے جتنا اناج نکلے وہ میرا باقی تیرا‘ اور ''مزابنہ'' اسے کہتے ہیں کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں وہ میری اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں‘ اور ''محاقلہ'' اسے کہتے ہیں کہ کھیت میں جو اناج خوشوں میں ہے اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا‘ ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تا کہ سود کی جڑیں کٹ جائیں‘ اس لیے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر کیفیت تبادلہ کا اندازہ

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: کتاب البیوع: باب فی وضع الربا (۳۳۳۴) ابن ماجہ: کتاب المناسك: باب الخطبة یوم النحر (۳۰۵۵) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة التوبة (۳۰۸۷)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۵/۲۷۹)]

[2] [دارقطنی (۳/۵۲) بیهقی (۵/۲۳۰) ابن سعد (۴٦۸۷)]

[3] [ضعیف: ابوداؤد: کتاب البیوع: باب فی المخابرة (۳۴۰٦) ابن حبان (۵۲۰۰) حاکم (۳۱۲۹)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

نہیں ہوسکتا' پس بعض علماء نے اس کی کچھ علت نکالی بعض نے کچھ' ایک جماعت نے اسی قیاس پر ایسے تمام کاروبار کو منع کیا' دوسری جماعت نے برعکس کہا۔ لیکن دوسری علت کی بنا پر' حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ذرا مشکل ہے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں افسوس کہ تین مسئلے پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے دادا کی میراث کا' کلالہ اور سود کی صورتوں کا۔ [1]

یعنی بعض کاروبار کی ایسی صورتیں جن پر سود کا شبہ ہوتا ہے اور وہ ذرائع جو سود کی مماثلت تک لے جاتے ہوں جب یہ حرام ہیں تو وہ بھی حرام ہی ٹھہریں گے جیسے کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس طرح حلال ظاہر ہے اسی طرح حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے بھی ہیں' ان شبہات والے کاموں سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ حرام میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے اس چرواہے کی طرح جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو تو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی منہ مار لے۔ [2] سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اسے لے لو جو شک شبہ سے پاک ہے۔ [3] دوسری حدیث میں ہے گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے طبیعت میں تردد ہو اور اس کے بارے میں لوگوں کا واقف ہونا اسے برا لگتا ہو۔ [4] ایک اور روایت میں ہے اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لو لوگ چاہے کچھ بھی فتویٰ دیتے ہوں' [5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ [6] (بخاری) حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرما کر کہتے ہیں افسوس کہ اس کی پوری تفسیر بھی مجھ تک نہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاشربة : باب ماجآء فی ان الخمر ما خامر العقل من الشراب (٥٥٨٨) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب نزول تحریم الخمر (٣٠٣٢)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب فضل من استبرأ لدینه (٥٢) و کتاب البیوع (٢٠٥١) صحیح مسلم : کتاب المساقاة : باب اخذ الحلال و ترك الشبهات (١٥٩٩) ترمذی : کتاب البیوع : باب ماجآء فی ترك الشبهات (١٢٠٥) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب الوقوف عند الشبهات (٣٩٨٤) ابو داؤد : کتاب البیوع : باب فی اجتناب الشبهات (٣٣٢٩)]

[3] [صحیح : ترمذی : کتاب صفة القیامة و الرقائق (٢٥١٨) نسائی : کتاب الاشربة : باب الحث علی ترك الشبهات (٥٧١٤) ابن حبان (٧٢٢) حاکم (١٣/٢) طیالسی (١١٧٨)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (٢٠٧٤/١٢)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب البر و الصلة : باب تفسیر البر و الاثم (٢٥٥٣) ترمذی : کتاب الزهد : باب ماجآء فی البر و الاثم (٢٣٨٩) مسند احمد (١٨٢/٤)]

[5] [حسن : مسند احمد (٢٢٧/٤ـ ٢٢٨) طبرانی (١٤٧/٢٢)] امام نوویؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [الاذکار للنووی (٣٥٢/١)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔ [صحیح الترغیب (١٧٣٤)]

[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٥٤٤)]

پہنچ سکی اور حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ لوگو سود کو بھی چھوڑو اور ہر اس چیز کو جس میں سود کا کچھ بھی شائبہ ہو۔ (مسند احمد) [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا شاید میں تمہیں بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لیے نفع والی ہوں اور ممکن ہے میں تمہیں کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کے خلاف ہوں۔ سنو! قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ و جو تمہیں شک میں ڈالتی ہو۔ [2] (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے، [3] سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے۔ [4] (مستدرک حاکم) فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کیا سب کے سب؟ فرمایا جو نہ کھائے گا اسے بھی غبار تو پہنچے گا ہی، [5] (مسند احمد) پس غبار سے بچنے کے لیے ان اسباب کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہیے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرت ﷺ نے مسجد میں آ کر اس کی تلاوت کی اور شراب کے کاروبار اور شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا، [6] بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس طرح کی تمام خرید و فروخت وغیرہ وہ وسائل (ذرائع) ہیں جو اس تک پہنچانے والے ہیں سب حضور ﷺ نے حرام کیے ہیں، صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت اس لیے کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے چربی کو پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی غرض دھوکہ بازی اور حیلہ سازی کر کے حرام کو [7] حلال بنانے کی کوشش کی چنانچہ یہ کوشش کرنا بھی حرام ہے

---

[1] [**صحیح**: ابن ماجہ : کتاب التجارات : باب التغلیظ فی الرباء (۲۲۷۶) تفسیر ابن جریر الطبری (۶۳۰۵) مسند احمد (۳۶/۱)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ سند صحیح ہے۔[الزوائد (۱۹۸/۲)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجہ] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۶۳۰۶)]

[3] [**صحیح**: ابن ماجہ : کتاب التجارات : باب التغلیظ فی الرباء (۲۲۷۴) ابن عدی (۲۷۵/۵) عقیلی (۷/۲) بیہقی (۵۵۲۲) ابن الجارود (٦٤٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (۵۰/۳)]

[4] [مستدرك حاكم: (۳۷/۲) بیہقی فی شعب الایمان (۵۵۱۹)]

[5] [**ضعیف**: ابوداؤد : کتاب البیوع : باب فی اجتناب الشبہات (۳۳۳۱) نسائی : کتاب البیوع : باب اجتناب الشبہات فی الکسب (٤٤٦٠) ابن ماجہ : کتاب التجارات : باب التغلیظ فی الرباء (۲۲۷۸) مسند احمد (٤٩٤/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، التعلیق الرغیب (۵۳/۳)]

[6] [**صحیح**: صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب اکل الرباء وشاھدہ وکاتبہ (۲۰۸٤) صحیح مسلم : کتاب المساقاۃ : باب تحریم بیع الخمر (۱۵۸۰) ابوداؤد : کتاب البیوع والاجارۃ : باب فی ثمن الخمر والمیتۃ (۳٤٩٠) نسائی : کتاب البیوع : باب بیع الخمر (٤٢٢٩) ابن ماجہ : کتاب الاشربۃ : باب التجارۃ فی الخمر (۳۳۸۲)]

[7] [**صحیح**: صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب یذاب شحم المیتۃ ولا یباع ودکہ (۲۲۲۳) صحیح مسلم : کتاب المساقاۃ : باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر (۱۵۸۲)]

اور موجب لعنت ہے' اسی طرح پہلے وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاقوں والی عورت سے اس لیے نکاح کرے کہ پہلے خاوند کے لیے وہ حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر اللہ کی پھٹکار اور اس کی لعنت ہے' آیت ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ (البقرہ/ ۲۳۰) کی تفسیر میں دیکھ لیجیے۔
حدیث شریف میں ہے سود کھانے والے' پر کھلانے والے' پر شہادت دینے والوں پر' گواہ بننے والے پر لکھنے والے پر' اللہ کی لعنت ہے۔ [1] ظاہر ہے کاتب و شاہد کو کیا ضرورت پڑی ہے جو وہ خواہ مخواہ اللہ کی لعنت اپنے اوپر لے۔
اسی طرح بظاہر عقد شرعی کی صورت کا اظہار اور نیت میں فساد رکھنے والوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں۔ [2] حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان حیلوں حوالوں کے رد میں ایک مستقل کتاب ''ابطال التحلیل''، لکھی ہے جو اس موضوع میں بہترین کتاب ہے اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔ آمین

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے' اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان کے ساتھ سنت کے مطابق کام کرتے ہیں نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' ان پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ اداسی اور غم ○

سود کا خاتمہ اور صدقات میں اضافہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سود کو برباد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا سودی کاروبار سے خیر و برکت ہٹا دیتا ہے علاوہ ازیں دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب' جیسے ہے ﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ﴾ (المائدہ/ ۱۰۰) الخ یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تمہیں ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے۔ ارشاد فرمایا ﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰي بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ﴾ (انفال/ ۳۷) خباثت والی چیزوں کو تہہ و بالا کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا اور جگہ ہے ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا﴾ (الروم/ ۳۹) الخ یعنی سود دے کر جو مال تم بڑھانا چاہتے ہو وہ دراصل بڑھتا نہیں۔
اسی واسطے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ سود سے اگر مال میں اضافہ ہو بھی جائے لیکن انجام کار کمی ہوتی ہے۔ (مسند احمد) [3] مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد

---

[1] [صحیح صحیح مسلم : كتاب المساقاة : باب لعن اكل الربا ومؤكلة (۱۵۹۸)]

[2] [صحیح صحیح مسلم : كتاب البر و الصلة : باب تحريم ظلم المسلم (۲۵٦٤) مسند احمد (۲/ ۴۳۹)]

[3] [صحیح بمسند احمد (۱/ ۳۹۵ ـ ۴۲٤) ابن ماجه : كتاب التجارات : باب التغليظ فى الربا (۲۲۷۹) حاكم (۲/ ۳۷)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابن ماجه ، التعليق الرغيب (۳/ ۵۲)]

سے نکلے اور اناج پھیلا ہوا دیکھا پوچھا یہ غلہ کہاں سے آیا لوگوں نے کہا بکنے کے لیے آیا ہے' آپ نے دعا کی کہ اللہ اس میں برکت دے' لوگوں نے کہا یہ گراں بھاؤ بیچنے کے لیے پہلے ہی جمع کر لیا تھا پوچھا کس نے جمع کیا تھا لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے' آپ نے دونوں کو بلوایا' اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں اور جب چاہیں بیچیں ہمیں اختیار ہے آپ نے فرمایا سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے' اسے اللہ مفلس کردے گا' یہ سن کر حضرت فروخ رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے میں اللہ سے اور پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے پھر بھی یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ فرماتے ہیں میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی (کوڑھ) بنا پھرتا تھا۔ [1] ابن ماجہ میں ہے جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لیے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کردے گا یا جذامی۔ [2] پھر فرماتا ہے وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے ﴿يُرْبِيْ﴾ کی دوسری قرات ﴿يُرَبِّيْ﴾ بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور بھی خیرات کرے اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے (جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو) اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے [3] اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک کھجور کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ملتا ہے' [4] اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے' [5] پس تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ پھر فرمایا ناپسندیدہ کافروں نافرمان زبان زور اور نافرمان فعل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ کی طرف سے صدقہ خیرات کے سبب مال میں اضافہ کا وعدہ کی پرواہ کیے بغیر دنیا کا مال جمع کرتے پھریں اور

---

[1] [ضعیف مسند احمد (۲۱/۱)، (۱۳۶)] شیخ شعیب ارناؤوط نے تحقیق کے مطابق اس کی سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۱۳۵)]

[2] [ضعیف ابن ماجه : كتاب التجارات : باب الحكرة والجلب (۲۱۵۵)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے ۔[ضعيف ابن ماجه ، التعليق الرغيب (۲۶/۳، ۲۷)]

[3] [صحیح صحيح بخارى : كتاب الزكاة : باب الصدقة من كسب طيب (۱۴۱۰) صحيح مسلم : كتاب الزكاة : باب قبول الصدقة من الكسب الطيب (۱۰۱۴) مسند احمد (۵۳۸/۲)]

[4] [صحیح صحيح مسلم (أيضا) ترمذى : كتاب الزكاة : باب ماجآء فى فضل الصدقة (۶۶۱) نسائى : كتاب الزكاة : باب الصدقة على غلول (۲۵۲۵-۲۵۲۶) ابن ماجه : كتاب الزكاة : باب فضل الصدقة (۱۸۴۲) مسند احمد (۵۳۸/۲)]

[5] [حسن صحيح ترمذى (۶۶۲) مسند احمد (۲۶۸/۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحيح ترمذى] جبکہ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس میں عباد بن منصور ضعیف ہے۔]

بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں لوگوں کے مال باطل اور ناحق طریقوں سے کھا جائیں یہ اللہ کے دشمن ہیں ان ناشکروں اور گنہگاروں سے اللہ کا پیار ممکن نہیں۔

پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں مخلوق کے ساتھ سلوک واحسان کریں نمازیں قائم کریں، زکوٰۃ دیتے رہیں، یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے کوئی کھٹکا بھی ان کے دل پر نہ گذرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام واکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾ ع

ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایماندار ہو۔ اور اگر نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے کے لیے ہوشیار ہو جاؤ، ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اپنا اصل مال تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک کی مہلت دینی چاہیے، اور معاف کر دینا تو بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

سود اور قرض کے چند مسائل: ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایماندار بندوں کو تقوے کا حکم دے رہا ہے اور ایسے کاموں سے روک رہا ہے جن سے وہ ناراض ہو اور لوگ اس کی قربت سے محروم ہو جائیں تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرو اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تمہارا سود جن مسلمانوں پر باقی ہے خبردار اس سے اب نہ لو جبکہ وہ حرام ہو گیا، یہ آیت قبیلہ ثقیف بنو عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم کے قبیلے بنو مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جاہلیت کے زمانہ میں ان کا سودی کاروبار تھا اسلام کے بعد بنو عمرو نے بنو مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے آخر جھگڑا بڑھا حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جو مکہ شریف کے نائب تھے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں قابل وصول سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ تائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا[1] اس آیت میں زبردست وعید ہے ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جمے رہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سود خور سے قیامت کے دن کہا جائے گا اپنے ہتھیار لے لے اور اللہ سے لڑنے کے لیے آمادہ ہو جا آپ فرماتے ہیں امام وقت پر فرض ہے کہ سود خور لوگ جو اسے نہ چھوڑیں ان سے

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳/۱۱۴۰)]

توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے'[1] حسن اور ابن سیرین رحمہ اللہ کا فرمان بھی یہی ہے' حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں دیکھو اللہ نے انہیں ہلاکت کی دھمکی دی انہیں ذلیل کیے جانے کے قابل ٹھہرایا' خبردار سود سے اور سودی لین دین سے بچتے رہو حلال چیزوں اور حلال خرید وفروخت بہت کچھ ہے' فاقے گذرتے ہوں تاہم اللہ کی معصیت سے رکو' وہ روایت بھی یاد ہو گی جو پہلے گذر چکی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسے معاملہ کی نسبت جس میں سود تھا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا جہاد بھی برباد ہو گیا اس لیے کہ جہاد اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا نام ہے اور سود خواری خود اللہ سے مقابلہ کرنا ہے لیکن اس کی اسناد کمزور ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کر لو تو اصل مال جو کسی پر قرض ہے بیشک لے لو۔ نہ تول میں زیادہ لے کر اس پر ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرے۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا جاہلیت کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں۔ اصلی رقم لے لو' سود لے کر نہ کسی پر ظلم کرو نہ کوئی تمہارا مال مار کر تم پر زیادتی کرے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا تمام سود میں ختم کرتا ہوں۔[2]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تنگی والا شخص اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت کے بعد ادا کر دے یہ نہ کرو کہ سود در سود لگائے چلے جاؤ کہ مدت گذر گئی اب اتنا اتنا سود لیں گے' بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غرباء کو اپنا قرض معاف کر دو۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو تو وہ یا تو ایسے تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے'[3] مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے اس کو جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے' اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا یہ سن کر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ پہلے تو آپ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا آج دو مثل فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب تک میعاد ختم نہیں ہوئی مثل کا ثواب اور میعاد گذرنے کے بعد دو مثل کا'[4] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہتے اور نہ ملتے ایک دن آئے گھر سے ایک بچہ نکلا آپ نے اس سے پوچھا اس

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٢٥،٢٦)]

[2] [صحیح :ابوداؤد : کتاب البیوع : باب فی وضع الربا (٣٣٣٤) ترمذی: کتاب التفسیر : باب ومن سورة التوبة (٣٠٨٧) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب الخطبة یوم النحر (٣٠٥٥)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

[3] [ضعیف :طبرانی (٨٩٩)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے(کیونکہ اس میں عاصم بن عبیداللہ راوی ضعیف ہے)۔]

[4] [صحیح :ابن ماجه : کتاب الصدقات : باب انظار المعسر (٢٤١٨) حاکم (٢/٢٩) مسند احمد (٥/٣٥١)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٨٦)]

نے کہا ہاں گھر میں موجود ہیں کھانا کھا رہے ہیں' اب حضرت ابو قتادہ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو' آؤ باہر آؤ' جواب دو' وہ بیچارے باہر نکلے آپ نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں اس وقت میرے پاس رقم نہیں بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا' آپ نے کہا قسم کھاؤ اس نے قسم کھالی' آپ روئے اور فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص نادار قرض دار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوگا۔ (صحیح مسلم)[1] ابو یعلیٰ نے ایک حدیث روایت کی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک بندہ اللہ کے سامنے لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتا میرے لیے تو نے کیا نیکی کی ہے' وہ کہے گا اے اللہ ایک ذرے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں اللہ اس سے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی جواب دے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی کہے گا پروردگار ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا میں تجارت پیشہ شخص تھا لوگ ادھار سدھار لے جاتے تھے میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض نہ ادا کر سکا تو میں اسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا عیال داروں پر سختی نہ کرتا زیادہ تنگی والا اگر کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں جا میں نے تجھے بخشا جنت میں داخل ہو جا[2] مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرض دار بے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ کر دیا ہو کہ اتنی رقم دے دوں تو آزاد ہوں اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔[3] مسند احمد میں ہے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے اسے چاہیے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے[4] عباد بن ولید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلب علم میں نکلے اور ہم نے کہا کہ انصاریوں سے حدیثیں پڑھیں سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں ایک دفتر تھا اور غلام و آقا کا ایک ہی لباس تھا' میرے باپ نے کہا چچا آپ تو اس وقت غصہ میں نظر آتے ہیں فرمایا ہاں سنو فلاں شخص پر میرا کچھ قرض تھا' مدت ختم

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المساقاة : باب فضل نظار المعسر (١٥٦٣) و کتاب الزهد (٣٠٠٦) مسند احمد (٥/٣٠٠، ٣٠٨)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب من انظر موسرا (٢٠٧٧) و کتاب الاستقراض : باب حسن التقاضی (٢٣٩١) صحیح مسلم : کتاب البیوع : باب فضل انظار المعسر (١٥٦٠) ابن ماجه : کتاب الصدقات : باب انظار المعسر (٢٤٢٠)]

[3] [ضعیف : حاکم (٢/٨٩) مسند احمد (٣/٤٨٧) بیهقی (١٠/٣٢٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عمرو بن ثابت راوی رافضی متروک ہے۔]

[4] [ضعیف : مسند احمد (٢/٢٣) ابو یعلی (٥٧١٣)] اس کی سند میں زید عمی راوی ضعیف ہے۔]

ہوچکی تھی میں قرض مانگنے گیا سلام کیا اور پوچھا کہ کیا وہ مکان پر ہیں گھر میں سے جواب ملا کہ نہیں' اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا بچہ باہر آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ اس نے کہا آپ کی آواز سن کر چارپائی تلے جا چھپے ہیں میں نے پھر آواز دی اور کہا کہ تمہارا اندر ہونا مجھے معلوم ہوگیا ہے اب چھپو نہیں آؤ جواب دو' وہ آئے میں نے کہا کیوں چھپ رہے ہو کہا محض اس لیے کہ میرے پاس روپیہ تو اس وقت ہے نہیں آپ سے ملوں گا تو کوئی جھوٹا عذر حیلہ بیان کروں گا یا غلط وعدہ کروں گا اس لیے سامنے ہونے سے جھجکتا تھا آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں آپ سے کیا کہوں؟ میں نے کہا سچ کہتے ہو اللہ کی قسم تمہارے پاس روپیہ نہیں اس نے کہا ہاں سچ کہتا ہوں اللہ کی قسم کچھ نہیں تین مرتبہ میں نے قسم کھلائی اور انہوں نے کھائی میں نے اپنے دفتر میں سے ان کا نام کاٹ دیا اور رقم جمع کر لی اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہارے نام سے یہ رقم کاٹ دی ہے اب اگر تمہیں مل جائے تو دے دینا ورنہ معاف ہے سنو میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے اس دل نے اسے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی سختی والے کو ڈھیل دے یا معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔[1] مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو شخص کسی نادار پر آسانی کر دے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچا لے گا' سنو جنت کے کام مشقت والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے اور خواہش نفس کے مطابق ہیں' نیک بخت وہ لوگ ہیں جو فتنوں سے بچ جائیں' وہ انسان جو غصے کا گھونٹ پی لے اس کو اللہ تعالیٰ ایمان سے نوازتا ہے۔[2]

طبرانی میں ہے جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کر کے اپنے قرض کی وصولی میں اس پر سختی نہ کرے اللہ بھی اس کے گناہوں پر اس کو نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔[3] اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے انہیں دنیا کے زوال' مال کے فنا' آخرت کا آنا' اللہ کی طرف لوٹنا' اللہ کو اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان تمام اعمال پر جزاء وسزا کا ملنا یاد دلاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے' یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت یہی ہے[4] اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف نو راتوں تک زندہ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ کا انتقال ہوگیا۔[5] ﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الزهد : باب حديث جابر الطويل (٣٠٠٦)]

[2] [ضعیف جدا : مسند احمد (٣٢٧/١)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٣٠١٥)]

[3] [ضعیف : طبرانی کبیر (١١٣٣٠)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں حکم بن الجارود ضعیف اور اس کا شیخ مجہول ہے۔[مجمع الزوائد (١٣٥/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف الجامع الصغير (٥٤٩٠) السلسلة الضعيفة (٥١٨٥)]

[4] [نسائی فی السنن الکبری (٧٨٧٧) تفسير ابن جرير الطبری (٦٣٠٨)]

[5] [ضعیف : تفسير ابن جرير الطبری (٦٣١٢)] یہ روایت ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے ابن جریج رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ نوراتیں زندہ رہے ہفتہ کے دن سے ابتداء ہوئی اور پیر والے دن انتقال ہوا۔ الغرض قرآن کریم میں سب سے آخر یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے وہ بھی لکھ دے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسکا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے گواہوں کو چاہیے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو اور نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

لین دین کے معاملات لکھنا اور گواہ: یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیتوں سے بڑی ہے' حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت یہی آیت الدین ہے' [1] یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی ان کی تمام اولاد نکالی آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ الٰہی ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری نے فرمایا یہ تمہارے لڑکے داؤد علیہ السلام ہیں پوچھا اللہ ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا اے اللہ اس کی عمر کچھ اور بڑھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے انہیں کچھ دینا چاہو تو دے دو کہا اے اللہ میری عمر میں سے چالیس سال اسے دے دیئے جائیں چنانچہ دے دیئے گئے' حضرت آدم علیہ السلام کی اصلی عمر ایک ہزار سال کی تھی اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا حضرت آدم علیہ السلام کی موت جب آئی کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے حضرت داود علیہ السلام کو دے دیئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گذری' دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داود علیہ السلام کی ایک سو سال کی۔ [2] (مسند احمد) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔ [3]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور میعاد خوب یاد رہے گواہ کو بھی غلطی نہ ہو' اس سے ایک وقت مقررہ کے لیے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضور ﷺ نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔ [4] قرآن حکم دیتا ہے کہ لکھ لیا کرو اور حدیث شریف میں ہے کہ ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب [5] ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٤١)]

[2] [**حسن لغیرہ** : مسند احمد (١/٢٥١) ابویعلی (٢٧١٠) طبرانی کبیر (١٢/٦٨) ابن ابی شیبة (١٤/١١٨) ابن سعد (١/٢٨) طیالسی (٢٦٩٢)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے ان الفاظ ﴿ فأتمها لداود مائة سنة وأتمها لآدم عمره ألف سنة ﴾ کے علاوہ۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢٧١٣)]

[3] [مستدرك حاكم (٢/٥٨٦)]

[4] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب السلم : باب السلم فی کیل معلوم (٢٢٣٩) صحیح مسلم : کتاب المساقاة : باب السلم (١٠٦٤) ابوداؤد : کتاب البیوع : باب فی السلف (٣٤٦٣) نسائی : کتاب البیوع : باب السلم فی الثمار (٤٦٢٠) ابن ماجه : کتاب التجارات : باب السلف فی کیل معلوم (٢٢٨٠) ترمذی : کتاب البیوع : باب ماجآء فی السلف فی الطعام والتمر (١٣١١)]

[5] [**صحیح** :صحیح بخاری : کتاب الصوم : باب قول النبی ﷺ لا نکتب ولا نحسب (١٩١٣) صحیح مسلم : کتاب الصیام : باب وجوب صوم رمضان (١٠٨٠)]

دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بے حد آسان اور بالکل سہل کر دیا گیا قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتاً لوگوں پر سہل ہے، لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں ان کی بابت بیشک لکھ لینے کا حکم ہوا اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوباً نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کا ہے۔ بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ہیں، ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے، ابو سلیمان مرعشی رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی صحبت بہت اٹھائی تھی انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لیے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے لکھت پڑھت کرتا ہے پھر مدت گذرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے اب یہ اللہ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا اس لیے کہ اس نے کام اس کے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے، حضرت ابو سعید، شعبی، ربیع بن انس، حسن، ابن جریج، ابن زید وغیرہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا [1] اور فرمایا گیا کہ اگر ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہیے کہ ادا کر دے، اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں اس پر انکار نہ ہو۔ اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کیے جانے پر شارع علیہ السلام نے انکار نہیں کیا۔

مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ، جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے کہا ضمانت لاؤ، جواب دیا اللہ کی ضمانت کافی ہے کہا تو نے سچ کہا ادائیگی کی میعاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اسے بیچ سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ کو بند کر دیا اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن بنایا اور وہ اس پر خوش ہو گیا گواہ مانگا میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا وہ اس پر بھی خوش ہو گیا اب جبکہ اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے، پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آ جانا چاہیے تو وہ بھی دریا کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا مگر

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٤٧)]

جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس کی طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی ہاتھ تو جا ہی رہا ہوں آؤ اس لکڑی کو لے چلو پھاڑ کر سکھا لوں گا جلانے کے کام آئے گی گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے، پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے یہ لیجیے آپ کی رقم معاف کیجیے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی، آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا، اس نے پوچھا کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے اس نے کہا میں کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توَکَّل عَلَی اللہ ڈال دی تھی اسے اللہ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی رقم پوری وصول پالی۔[1] اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، صحیح بخاری شریف میں سات جگہ یہ حدیث آئی ہے۔[2]

پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل وحق کے ساتھ لکھے کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے ادھر ادھر کچھ کمی وبیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر لکھوائیں وہی لکھے، لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے، جس طرح اللہ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے۔ حدیث میں ہے یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دو کسی گرے پڑے کا کام کر دو۔[3] اور حدیث میں ہے کہ جو علم کو جان کر پھر اسے چھپائے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔[4] حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی رو سے واجب ہے۔ جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اللہ سے ڈرے نہ کمی بیشی کرے نہ خیانت کرے۔ اگر یہ شخص بے سمجھ ہے اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یعنی بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کند ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو وہ لکھوائے۔ پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہیے تاکہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اگر نہ مل سکیں تو خیر ایک مرد اور دو عورتیں سہی، یہ حکم مال کے اور مقصود مال کے بارے میں ہے۔

---

[1] [صحیح: بخاری: کتاب الکفالة: باب الکفالة فی القرض (۲۲۹۱) و کتاب البیوع: باب التجارة فی البحر (۲۰۶۳) مسند احمد (۳۴۸/۲)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الزکاة (۱۴۹۸) و کتاب البیوع (۲۰۶۳) و کتاب الکفالة (۲۲۹۱) و کتاب الاستقراض (۲۴۰۴) واللقطة (۲۴۳۰) و کتاب الشروط (۲۷۳۴) و کتاب الاستئذان (۶۲۶۱)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب العتق: باب ای الرقاب افضل (۲۵۱۸) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان کون الایمان باللّٰہ تعالیٰ افضل الاعمال (۸۴)]

[4] [حسن صحیح: ابوداؤد: کتاب العلم: باب کراهیة منع العلم (۳۶۵۸) ترمذی: کتاب العلم: باب ماجآء فی کتمان العلم (۲۶۴۹) ابن ماجه: کتاب السنة: باب من سئل عن علم فکتمه (۲۶۱) حاکم (۱۰۲/۱) ابن حبان (۹۵)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

دوعورتوں کو ایک عورت کے قائم مقام کرنا عورت کی عقل کے نقصان کے سبب ہے، جیسے صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے عورتو صدقہ کرو اور بکثرت استغفار کرتی رہو میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی، ایک عورت نے پوچھا حضور ﷺ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔ [1]

گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے، وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو ان کی دلیل بھی یہ آیت ہے وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہیے۔ دوعورتیں مقرر ہونے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی کہ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی ((فَتُذَكِّرَ)) کی دوسری قرات ((فَتُذْكِرَ)) بھی ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر مثل شہادت مرد کے کر دے گی انہوں نے مکلّف کیا ہے، صحیح بات پہلی ہی ہے واللہ اعلم۔

گواہوں کو چاہیے کہ جب وہ بلائے جائیں انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ پر گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے، یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے، [2] اور یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لیے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ خاموش نہ رہے، چنانچہ حضرت ابومجلز مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ بننے کے لیے بلائے جاؤ تو تمہیں اختیار ہے خواہ گواہ بننا پسند کرو یا نہ کرو نہ جاؤ لیکن جب گواہ ہو چکے پھر گواہی دینے کے لیے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا، [3] صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں، [4] بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں [5] اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی، [6] اور

---

[1] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان نقصان الایمان (٧٩)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٦٨)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (١١٨١/٣) تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٧١)]

[4] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الاقضیة : باب بیان خبر الشهود (١٧١٩) ابوداؤد : کتاب القضآء : باب الشهادات (٣٥٩٦) ترمذی : کتاب الشهادات : باب ماجآء فی الشهداء ایهم خیر (٢٢٩٥) ابن ماجه : کتاب الشهادات : باب الرجل عند الشهادة (٢٣٦٤)]

[5] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الرقاق (٦٤٢٨) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة (٢٥٣٥)]

[6] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الشهادات : باب لا یشهد علی شهادة جور اذا اشهد (٢٦٥٢) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب فضل الصحابة (٢٥٣٣)]

روایت میں آیا ہے کہ ان سے گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے [1] تو یاد رہے (مذمت جھوٹی گواہی دینے والوں کی ہے اور تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے) اور یہی ان مختلف احادیث میں تطبیق ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں آیت دونوں حالتوں پر شامل ہے یعنی گواہی دینے کے لیے بھی اور گواہ رہنے کے لیے بھی انکار نہ کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے کسمساؤ نہیں بلکہ مدت وغیرہ بھی لکھ لیا کرو۔ ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور گواہی کو خوب ثابت رکھنے والا ہے کیونکہ اپنی تحریر دیکھ کر بھولی بسری بات بھی یاد آ جاتی ہے نہ لکھا ہو تو ممکن ہے کہ بھول جائے۔ جیسے اکثر ہوتا ہے' اور اس میں شک وشبہ کے نہ ہونے کا بھی زیادہ موقعہ ہے کیونکہ اختلاف کے وقت تحریر دیکھ سکتے ہیں اور بغیر شک وشبہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا جبکہ نقد خرید وفروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا اس لیے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں' لہٰذا کتابت کی شرط تو ہٹا دی گئی اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کرو' دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ ﴿فَإِنْ أَمِنَ﴾ الخ' فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں' بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید وفروخت کی جب کہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا' چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لیے چلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے انہوں نے قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ کو آواز دے کر کہا حضرت یا تو گھوڑا اسی وقت نقد دے کر لے لو یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر رکے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلط کہتا ہے' میرے تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے' اب لوگ ادھر ادھر سے بیچ میں بولنے لگے' اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بد بخت آپ تو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو' اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آ گئے اور اعرابی کے اس قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے آپ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت دی ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ''آج سے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے'' [2] پس اس حدیث سے خرید وفروخت پر گواہی ضروری نہ رہی لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی گواہ ہوں۔ کیونکہ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری (۲۶۵۱) صحیح مسلم (۲۵۳۵)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الاقضیة: باب اذا علم الحاکم (۳۶۰۷) نسائی: کتاب البیوع: باب التسهیل فی ترك الاشهاد علی البیع (۴۶۵۱) حاکم (۲/۱۸) مسند احمد (۵/۲۱۶)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی ایک تو وہ کہ جس کے گھر بداخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت کے پہلے اسے سونپ دے تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے [1] امام حاکم اسے شرط بخاری و مسلم پر صحیح بتلاتے ہیں بخاری و مسلم اس لیے اسے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر موقوف بتاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کاتب کو چاہیے کہ جو لکھا گیا وہی لکھے اور گواہ کو چاہیے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے اور نہ گواہی کو چھپائے حسن قتادہ وغیرہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً انہیں بلانے کے لیے گئے وہ کسی اپنے کام کاج میں مشغول ہوں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے اپنا حرج کرو اور چلو یہ حق انہیں نہیں اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہ مروی ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں اس کا کرنا اور جو کام کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے جس کا وبال تم سے چھٹے گا نہیں۔ پھر فرمایا اللہ سے ڈرو اس کا لحاظ رکھو اس کی فرمانبرداری کرو اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ ہے: ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال / ۲۹) اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں دلیل دے دے گا اور جگہ ہے ایمان والو اللہ سے ڈرو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھو وہ تمہیں دوہری رحمتیں دے گا اور تمہیں نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ [2] پھر فرمایا تمام کاموں کے انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ آگاہ ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے پر امن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ جو اسے چھپا لے وہ گنہگار دل والا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ○

گروی کے مسائل: یعنی بحالت سفر اگر ادھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو اسے حقدار کے قبضے میں دیدو۔ ﴿مَقْبُوْضَةٌ﴾ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے لازم نہیں ہوتا جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کا مذہب ہے اور دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے امام احمد رحمہ اللہ اور ایک دوسری جماعت سے یہی منقول ہے ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف سفر میں ہی مشروع ہے جیسے

[1] [مستدرک حاکم (۳۰۲/۲)]
[2] [سورة الحديد : آيت ۲۸]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ لیکن صحیح بخاری، صحیح مسلم، شافعی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابوشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے کھانے کیلئے لیے تھے۔[1] ان مسائل کے بسط و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ اس سے بعد کے جملے ﴿فَاِنْ اَمِنَ﴾ سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔[2] شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب نہ دینے کا خوف نہ ہو تو نہ لکھنے اور نہ گواہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔[3] جسے امانت دی جائے اسے خوف الٰہی رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ادا کرنے کی ذمہ داری اس ہاتھ پر ہے جس نے کچھ لیا۔ ارشاد ہے شہادت کو نہ چھپاؤ، نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کے اظہار کرنے سے رکو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے۔[4] یہاں بھی فرمایا اس کا چھپانے والا خطا کار دل والا ہے جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ﴾ (المائدہ/۱۰۶) یعنی ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپاتے اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہیں اور جگہ فرمایا ایمان والو عدل وانصاف کے ساتھ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی گواہیوں پر ثابت قدم رہو گو اس کی برائی خود تمہیں پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے، خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اور اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبردار ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ اس کا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؁

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے، تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا، پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے○

انسان کے ضمیر سے خطاب: یعنی آسمان وزمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے چھوٹی، بڑی، چھپی یا کھلی ہر بات کو وہ

---

[1] [صحیح صحیح بخاری: کتاب البیوع: باب شراء النبی ﷺ بالنسیئة (۲۰۶۹) و کتاب الرھن: باب فی الرھن فی الحضر (۲۵۰۸) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ (۱۶۰۳) ترمذی: کتاب البیوع: باب ماجآء فی الرخصة فی الشراء الی اجل (۱۲۱۵) نسائی: کتاب البیوع: باب الرھن فی الحضر (٤٦١٤) ابن ماجه: کتاب الرھون (۲٤۳۷) مسند احمد (۳/۱۳۳_۲۰۸)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳/۱۲۰۲)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۳/۱۲۰۳)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/۱۰۰)]

جانتا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر عمل کا وہ حساب لینے والا ہے' جیسے اور جگہ فرمایا ہے ﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ (ال عمران / ۲۹) الخ کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور فرمایا وہ ہر چھپی ہوئی اور علانیہ بات کو خوب جانتا ہے' مزید اس معنی کی بہت سی آیتیں ہیں' یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا' جب یہ آیت اتری تو صحابہ رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہوئے کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہوگا اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز' روزہ' جہاد' صدقہ وغیرہ کا ہمیں حکم ہوا وہ ہماری طاقت میں تھا ہم نے حتی المقدور کیا لیکن اب جو یہ آیت اتری ہے اسے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں آپ نے فرمایا کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا تم کو چاہئے کہ یوں کہو ہم نے سنا اور مانا اے اللہ ہم تیری بخشش چاہتے ہیں ہمارے رب' ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے تسلیم کر لیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ الخ اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ﴾ نازل ہوئی۔ (مسند احمد)[1] صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تکلیف کو ہٹا کر آیت ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ﴾ الخ' اتاری[2] اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اے اللہ ہماری بھول چوک اور خطا پر ہماری پکڑ نہ کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نعم یعنی میں یہی کروں گا' انہوں نے کہا ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا﴾ الخ اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول' پھر کہا ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا﴾ اے اللہ ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال' اسے بھی قبول کیا گیا' پھر دعا مانگی اے اللہ ہمیں معاف فرما ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا' یہ حدیث اور بھی بہت سے انداز سے مروی ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا﴾ کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے' آپ نے فرمایا اس آیت کے اترتے ہی یہی حال صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہوا تھا وہ سخت غمگین ہو گئے اور کہا کہ دلوں کے مالک تو ہم نہیں۔ دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو یہ تو بڑی مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ کہو چنانچہ صحابہ نے کہا اور پھر بعد والی آیتیں اتریں اور عمل پر تو پکڑ طے ہوئی لیکن دل کے خطرات اور نفس کے وسوسے سے پکڑ منسوخ ہو گئی'[3] دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مرجانہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصلہ کر دیا کہ تم اپنے نیک و بد اعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان تجاوز الله تعالیٰ عن حدیث النفس (۱۲۵) مسند احمد (۲/۴۱۲)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان تجاوز الله تعالی عن حدیث النفس (۱۲۵-۱۲۶) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقره (۲۹۹۲) حاکم (۲/۲۸۶)]

[3] [صحیح : مسند احمد (۱/۳۳۲) مستدرك حاکم (۲/۲۸۷)]

زبانی ہوں خواہ دوسرے اعضاء کے گناہ ہوں لیکن دلی وسواس معاف ہیں اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے، صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگذر فرمالیا گرفت اسی پر ہوگی جو کہیں یا کریں۔ [1]

بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک اس سے برائی سرزد نہ ہوا گر کر گذرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ سے ہی نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو۔ (مسلم) [2] اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں [3] اور روایت میں ہے کہ جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رکے رہو جب تک کر نہ لے اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھو اگر کرے تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا کیونکہ مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے اس کی ایک ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی [4] بڑھادی جاتی ہے۔ [5]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو باوجود اس رحم و کرم کے بھی برباد ہو۔ ایک مرتبہ اصحاب رضی اللہ عنہم نے آ کر عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گذرتا ہے آپ نے فرمایا ایسا ہونے لگا؟ انہوں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے۔ [6] (مسلم وغیرہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن جب تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ میں تمہیں تمہارے دلوں کے ایسے بھید بتاتا ہوں جس سے میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں مومنوں کو تو بتانے کے بعد پھر معاف فرما دیا جائے گا لیکن

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب العتق : باب الخطا والنسیان فی العتاقة (۲۵۲۸) و کتاب الطلاق (۵۲۶۹) و کتاب الایمان والنذور (۶۶۶۴) صحیح مسلم : کتاب الایمان: باب تجاوز اللہ فی حدیث النفس (۱۲۷) ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی الوسوسة بالطلاق (۲۲۰۹) نسائی : کتاب الطلاق : باب من طلق فی نفسه (۳۴۶۵) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب من طلق فی نفسه ولم یتکلم به (۲۰۴۰) ترمذی : کتاب الطلاق : باب ماجاء فیمن یحدث نفسه (۱۱۸۳)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب قول اللہ تعالی یریدون ان یبدلوا کلام اللہ (۷۵۰۱) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب اذا ھم العبد بحسنة (۱۲۸) مسند احمد (۲/۲۴۲)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب اذا ھم العبد بحسنة (۱۲۸) ابن حبان (۳۸۳)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم (۱۲۹) مسند احمد (۲/۳۱۵) صحیح ابن حبان (۳۷۹)]

[5] [صحیح : صحیح مسلم (۱۳۱) صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب من ھم بحسنة او بسیئة (۶۴۹۱)]

[6] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان الوسوسة فی الایمان (۱۳۲) ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی رد الوسوسة (۵۱۱۱)]

منافق اور شک وشبہ کرنے والے لوگوں کو ان کے کفر کی در پردہ اطلاع دے کر بھی ان کی پکڑ ہوگی۔ ارشاد ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (البقرہ/ ۲۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دل کی کمائی پر پکڑے گا یعنی دلی شک اور دلی نفاق پر، حسن بصری رحمہ اللہ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی روایت سے متفق ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے عذاب اور چیز ہے حساب لیے جانے اور عذاب کیا جانا لازم نہیں ممکن ہے حساب کے بعد معاف کر دیا جائے اور ممکن ہے سزا ہو چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم نے حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلائے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا پھر اس سے کہے گا بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا؟ فلاں فلاں گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا جب بہت سے گناہ ہونے کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا سن دنیا میں بھی میں نے تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن بھی میں ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا اور ان کے گناہ ظاہر کیے جائیں گے اور پکارا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر تہمت لگائی ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ [1]

حضرت زید رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا مگر آج تو نے پوچھا تو سن اس سے مراد بندے کو دنیاوی تکلیفیں مثلاً بخار وغیرہ تکلیفیں پہنچانا ہے، یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی اور بھول گیا تھوڑی پریشانی ہوئی مگر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہاں سے نقدی مل گئی اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو۔ [2] ترمذی وغیرہ۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا
وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب قول اللّٰہ تعالی " الا لعنة اللّٰہ علی الظلمین "(۲٤٤١) صحیح مسلم : کتاب التوبة : باب فی سعة رحمة اللّٰہ تعالی علی المومنین (۲۷٦۸)]

[2] [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (۲۹۹۱) تفسیر ابن جریر الطبری (٦٤۹۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے یہ سب اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے' انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور مانا' ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے ہے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے' اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا' اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے' اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر فرما' اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر' تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما ○

سورہ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت: ان دونوں آیتوں کی فضیلت کی حدیثیں سنیئے' صحیح بخاری میں ہے جو شخص ان دونوں آیتوں کو رات کو پڑھ لے اسے یہ دونوں کافی ہیں۔ [1] مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش تلے کے خزانہ سے دیا گیا ہوں مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں دی گئیں۔ [2] صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک ہی پہنچتی ہے اور یہاں سے ہی لے جائی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے نازل ہوتی ہے وہ بھی یہیں تک پہنچتی ہے پھر یہاں سے آگے لے لی جاتی ہے اور اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں وہاں حضور ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں پانچ وقت کی نمازیں سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش۔ [3] مسند میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ کی ان دونوں آخری آیتوں کو پڑھتے رہا کرو میں انہیں عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں [4] ابن مردویہ میں ہے کہ ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں' میں سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیتیں عرش تلے کے خزانوں سے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن: باب فضل سورۃ البقرۃ (۵۰۰۹) صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب فضل الفاتحہ وخواتیم البقرۃ (۸۰۷) ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ: باب ماجاء فی ما یرجی ان یکفی (۱۳۶۸-۱۳۶۹) ابوداؤد: کتاب شھر رمضان (۱۳۹۷) ترمذی: کتاب فضائل القرآن: باب ماجاء فی آخر سورۃ البقرۃ (۲۸۸۱) مسند احمد (۱۲۱/۴)]

[2] [صحیح: مسند احمد (/۱۵۱)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[الموسوعۃ الحدیثیۃ (۲۱۵٦٤)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ (۱۷۳)]

[4] [صحیح لغیرہ: مسند احمد (۱٤۷/٤)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[الموسوعۃ الحدیثیۃ (۱۷۳۲٤)]

دیا گیا ہوں جو نہ میرے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی‘[1] ابن مردویہ میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر سو جائے یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرش تلے کے خزانہ سے دیئے گئے ہیں۔[2]
اور حدیث ترمذی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیتیں اتار کر سورۂ بقرہ ختم کی جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جا سکتا‘[3] امام ترمذی اسے غریب بتاتے ہیں لیکن حاکم رحمہ اللہ اپنی مستدرک میں اسے صحیح کہتے ہیں‘ ابن مردویہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ بقرہ کا خاتمہ اور آیت الکرسی پڑھتے تو ہنس دیتے اور فرماتے یہ دونوں رحمٰن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں‘ اور جب آیت ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (النساء / ۱۲۳) اور آیت ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى﴾ (النجم / ۳۹۔۴۱) پڑھتے تو زبان سے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ نکل جاتا اور سست ہو جاتے‘[4] ابن مردویہ میں ہے کہ مجھے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں‘ اور مزید مفصل کی سورتیں بھی وہاں سے ہی دی گئیں ہیں‘[5] ایک اور حدیث میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکے کی آواز کے ساتھ آسمان کا وہ دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اس سے ایک فرشتہ اترا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کو خوشی مبارک ہو آپ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں ان کے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا۔ (مسلم)[6] پس یہ دس حدیثیں ان مبارک آیتوں کی فضیلت ہیں۔
مطلب آیت کا یہ ہے کہ رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا‘ اسے سن کر آپ نے فرمایا وہ ایمان لانے کا پورا مستحق ہے[7] اور دوسرے ایماندار بھی ایمان لائے‘ ان سب نے مان لیا کہ اللہ ایک ہے وہ وحدانیت کا مالک ہے وہ تنہا ہے‘ وہ بے نیاز ہے‘ اس کے سوا کوئی

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۵/۳۸۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۴۲۲۳)]
[2] [موقوف : ابن الضریس فی فضائل القرآن (۱۶۹)]
[3] [صحیح : ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجآء فی آخر سورۃ البقرۃ (۲۸۸۲) نسائی فی السنن الکبری (۱۰۸۰۲) ابن حبان (۲۸۲) مستدرک حاکم (۲/۲۶۰) مسند احمد (۴/۲۷۴)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق الرغیب (۲/۲۱۹) المشکاۃ (۲۱۴۵)]
[4] [ضعیف : الدر المنثور للسیوطی (۲/۷)] یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابن ابی مریم راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔]
[5] [ضعیف : مستدرک حاکم (۱/۵۶۸) مجمع (۱/۱۶۹)] اس میں عبید اللہ بن ابی حمید راوی ضعیف ہے۔]
[6] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب فضل الفاتحہ و خواتیم سورۃ البقرۃ (۸۰۶)]
[7] [منقطع و ضعیف : مستدرک الحاکم (۲/۲۸۷)] یحییٰ بن ابی کثیر اور انس بن مالک کے درمیان انقطاع ہے۔]

عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے' یہ (ایمان والے) تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں' آسمانی کتابوں کو انبیاء علیہم السلام پر جو اتری ہیں سچی جانتے ہیں' وہ نبیوں میں فرق نہیں سمجھتے کہ ایک کو مانیں دوسرے کو نہ مانیں بلکہ سب کو سچا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پاکباز طبقہ رشد و ہدایت والا اور لوگوں کی خیر کی طرف رہبری کرنے والا ہے' گو بعض احکام ہر نبی کے زمانہ میں تبدیل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی شریعت سب کی ناسخ ٹھہری' خاتم الانبیاء و مرسلین آپ تھے' قیامت تک آپ کی شریعت باقی رہے گی اور ایک جماعت اس کی اتباع بھی کرتی رہے گی انہوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے اللہ کا کلام سنا اور احکام الٰہی ہمیں تسلیم ہیں انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہمیں مغفرت رحمت اور لطف عنایت فرما' تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے یعنی حساب والے دن' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کی اور آپ کی تابعدار امت کی یہاں ثناء و صفت بیان ہو رہی ہے' آپ اس موقعہ پر دعا کیجیے قبول کی جائے گی مانگئے کہ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ [1]

پھر فرمایا اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا یہ اس کا لطف و کرم اور احسان و انعام ہے' صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو کھٹکا ہوا تھا اور ان پر جو یہ فرمان گراں گذرا تھا کہ دل کے خطرات پر بھی حساب لیا جائے گا وہ دھڑکا اس آیت سے اٹھ گیا' مطلب یہ ہے کہ گو حساب ہو سوال ہو لیکن جو چیز طاقت سے باہر ہے اس پر عذاب نہیں' کیونکہ دل میں کسی خیال کا دفعتہً آ جانا روکے رک نہیں سکتا' بلکہ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی' اعمال صالحہ کرو گے جزا پاؤ گے برے اعمال کرو گے تو سزا بھگتو گے۔

پھر دعا کی تعلیم دی اور اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا' کہ اے اللہ بھولے چوکے جو احکام ہم سے چھوٹ گئے ہوں یا جو برے کام ہو گئے ہوں یا شرعی احکام میں غلطی کر کے جو خلاف شرع کام ہم سے ہوئے ہوں وہ معاف فرما۔ پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث گذر چکی ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں نے اسے قبول فرما لیا' [2] میں نے یہی کیا اور حدیث میں بھی آ چکا کہ میری امت کی بھول چوک معاف ہے اور جو کام زبردستی کرائے جائیں وہ بھی معاف ہیں۔ [3] (ابن ماجہ) اے اللہ ہم پر مشکل اور سخت اعمال کی مشقت نہ ڈال جیسے اگلے دین والوں پر سخت سخت احکام تھے جو آنحضرت ﷺ کو نبی رحمت بنا کر بھیج کر دور کیے گئے اور آپ کو ہر طرح سہولت اور آسانی دی گئی اسے بھی پروردگار نے قبول فرمایا' [4] حدیث میں بھی ہے کہ میں یکسوئی والا اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اے اللہ وہ تکلیفیں بلائیں اور مشقتیں ہم پر نہ ڈال جن کی برداشت کی طاقت ہمیں نہ ہو' حضرت

---

[1] [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (٦٤٩٨)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم (١٢٥) مسند احمد (١٢/٢)]

[3] [صحیح: ابن ماجہ : کتاب الطلاق : باب طلاق المکرہ والناسی (٢٠٤٣) بیهقی (٣٥٦/٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٨٢)]

[4] [صحیح بالشواهد: خطیب (٢٠٩/٧) طبرانی (٧٧١٥) مسند احمد (٢٦٦/٥)]

مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد فریب اور غلبہ شہوت ہے۔ [1] اس کے جواب میں بھی قبولیت کا اعلان رب عالم کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اور ہماری تقصیروں کو معاف فرما جو تیری راہ میں ہوئی ہیں اور ہمارے گناہوں کو بخش ہماری برائیوں اور بداعمالیوں کی پردہ پوشی کر' ہم پر رحم کرتا کہ ہم سے پھر تیری نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو' اس لیے بزرگوں کا قول ہے کہ گنہگار کو تین باتوں کی ضرورت ہے ایک تو اللہ کی معافی تا کہ عذاب سے نجات پائے' دوسرے پردہ پوشی تا کہ رسوائی سے بچے' تیسرے عصمت کی تا کہ دوسری بار گناہ میں مبتلا نہ ہو' اس پر بھی جناب باری نے قبولیت کا اعلان کیا۔ تو ہمارا ولی و ناصر ہے' تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے' تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں تو ہی ہمارا سہارا ہے' تیری مدد کے سوا نہ تو ہم کسی نفع کے حاصل کرنے پر قادر ہیں نہ کسی برائی سے بچ سکتے ہیں' تو ہماری ان لوگوں پر مدد فرما جو تیرے دین کے منکر ہیں تیری وحدانیت کو نہیں مانتے تیرے نبی کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے' تیرے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' مشرک ہیں اے اللہ تو ہمیں ان پر غالب کر دینا اور دین میں ہم ہی ان پر فاتح رہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا ہاں میں نے یہ بھی دعا قبول فرمائی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب اس آیت کو ختم کرتے آمین کہتے۔ (ابن جریر) [2] اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سورہ بقرہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

سورہ آل عمران کی تفسیر

یہ سورۃ مدنی ہے اس کے شروع کی تراسی آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سن ۹ ہجری کو حاضر ہونے والے نجران کے عیسائیوں کے ایلچی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا مفصل بیان مباہلہ کی آیت ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا﴾ (آل عمران / ٦١) الخ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ' اس کی فضیلت میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دی گئی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ
الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے ○ جس نے تجھ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جو اپنے سے پہلے کی سچائی کرنے والی ہے اسی نے اس سے پہلے توراۃ و انجیل کو اتارا تھا ○ اس سے پہلے' لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر' اور قرآن بھی اسی نے اتارا ○ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے' اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے ○

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (١٢٣٥/٣)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٤٦/٦)]

اسم اعظم کا بیان: آیت الکرسی کی تفسیر کے بیان میں پہلے بھی یہ حدیث گذر چکی ہے کہ اسم اعظم اس آیت اور آیت الکرسی میں ہے اور ﴿الٓـمّٓ﴾ کی تفسیر سورۂ بقرہ کے شروع میں بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ (البقرہ/۲۵۵) کی تفسیر بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم لکھ آئے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اے محمد ﷺ قرآن کریم کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس میں کوئی شک نہیں بلکہ یقیناً وہ اللہ کی طرف سے ہے، جسے اس نے اپنے علم کی وسعتوں کے ساتھ اتارا ہے فرشتے اس پر گواہ ہیں اور اللہ کی شہادت کافی وافی ہے۔

یہ قرآن اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے، اور وہ کتابیں بھی اس قرآن کی سچائی پر گواہ ہیں، اس لیے کہ ان میں جو اس نبی ﷺ کے آنے اور اس کتاب کے اترنے کی خبر تھی وہ سچی ثابت ہوئی۔ اسی نے حضرت موسیٰ بن عمران ﷺ پر توراۃ، اور عیسیٰ بن مریم ﷺ پر انجیل اتاری، وہ دونوں کتابیں بھی اس زمانے کے لوگوں کے لیے ہدایت دینے والی تھیں۔

اس نے فرقان اتارا جو حق و باطل ہدایت وضلالت، گمراہی اور راہ راست میں فرق کرنے والا ہے، اس کی واضح روشن دلیلیں اور زبردست ثبوت ہر معترض کے لیے مثبت جواب ہیں، حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ فرقان سے مراد یہاں قرآن ہے، گو یہ مصدر ہے لیکن چونکہ قرآن کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے اس لیے یہاں فرقان فرمایا، ابوصالح رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے توراۃ ہے مگر یہ ضعیف ہے اس لیے کہ توراۃ کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے واللہ اعلم۔

قیامت کے دن منکروں اور باطل پرستوں پر سخت عذاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے بڑی شان والا ہے اعلیٰ سلطنت والا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام اور محترم رسولوں کے مخالفوں سے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں سے جناب باری تعالیٰ زبردست انتقام لے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ○ وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بناتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے ○

اللہ ہی حقیقی خالق: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کو وہ بخوبی جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، وہ تمہیں تمہاری ماں کے پیٹ میں جس طرح کی چاہتا ہے، اچھی، بری، نیک، اور بد صورتیں عنایت فرماتا ہے، اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے، جبکہ صرف اسی ایک نے تمہیں بنایا، پیدا کیا، پھر تم دوسرے کی عبادت کیوں کرو؟ وہ لازوال عزتوں والا لاغیر فانی حکمتوں والا، اٹل احکام والا ہے اس میں اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ عزوجل ہی کے پیدا کیے ہوئے اور اسی کی چوکھٹ پر جھکنے والے تھے، جس

طرح تمام انسان اس کے پیدا کردہ ہیں انہی انسانوں میں سے ایک آپ بھی ہیں، وہ بھی ماں کے رحم میں بنائے گئے اور میرے پیدا کرنے سے پیدا ہوئے پھر وہ اللہ کیسے بن گئے؟ جیسے کہ اس لعنتی جماعت نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے، حالانکہ وہ تو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رگ وریشہ کی صورت ادھر ادھر پھرتے پھراتے رہے جیسے اور جگہ ہے ﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقاً مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمٰتٍ ثَلَاثٍ﴾ (الزمر/ ٦) وہ اللہ جو تمہیں ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے ہر ایک کی پیدائش طرح طرح کے مرحلوں سے گذرتی ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتٰبِ وَأُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشٰبَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَأْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ إِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۞ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۞ رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۞ ع

وہ اللہ جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے، ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں، اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں ○ اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے ○ اے ہمارے رب تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

متشابہ آیات: یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا بیان بہت واضح بالکل صاف اور سیدھا ہے ہر شخص اس کے مطلب کو سمجھ سکتا ہے، اور بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عام ذہنوں کی رسائی نہیں ہو سکتی، اب جو لوگ نہ سمجھ میں آنے والی آیتوں کے مفہوم کو پہلی قسم کی آیتوں کی روشنی میں سمجھ لیں یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں لے لیں، وہ تو راستی پر ہیں اور جو صاف اور صریح آیتوں کو چھوڑ کر ایسی آیتوں کو دلیل بنائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں ان میں الجھ جائیں یہ وہ ہیں جو منہ کے بل گر پڑے، ام الکتاب یعنی کتاب اللہ اصل اصولوں کی وہ صاف اور واضح آیتیں ہیں، شک وشبہ میں نہ پڑو اور کھلے احکام پر عمل کرو انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو اور جو نہ سمجھ میں آئے اسے بھی ان سے ہی سمجھو، بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے مطابق ہو اور اس کے سوا اور معانی بھی نکلتے ہیں، گو وہ حروف لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے واقعی طور پر نہ ہوں تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو۔

محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی اسلاف سے منقول ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں جن میں حلال حرام احکام حکم ممنوعات حدیں اور اعمال کا بیان ہو' اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ (الانعام/۱۵۱) الخ' اور اس کے بعد کے احکامات والی اور ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا﴾ (الاسراء/۲۳) الخ اور اس کے بعد کی تین آیتیں محکمات سے ہیں' حضرت ابو فاختہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سورتوں کے شروع میں فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال وحرام کی آیتیں ہیں' سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں انہیں اصل کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں' حضرت مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں اس لیے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں' متشابہات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں اور جو پہلے اور بعد کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئیں ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کے لیے وہ احکام نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فرمان ہے حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں' حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ (الزمر/۲۳) اور مثانی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے جنت ودوزخ کی صفت' نیکوں اور بدوں کا حال وغیرہ وغیرہ' اس آیت میں متشابہ محکم کے مقابلہ میں ہے اس لیے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور حضرت محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ کا یہی فرمان ہے' فرماتے ہیں یہ رب کی حجت ہے ان میں بندوں کا بچاؤ ہے۔ جھگڑوں کا فیصلہ ہے باطل کا خاتمہ ہے انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے' متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں ان میں تصرف وتاویل نہیں کرنی چاہیے ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے جیسے حلال وحرام سے آزماتا ہے انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیرنا نہیں چاہیے۔

پھر فرماتا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی' ٹیڑھ پن' گمراہی اور حق سے باطل کی طرف پھرنا ہی ہے وہ تو متشابہ آیتوں کو لے کر اپنے بدترین مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم مقاصد کی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیتیں ہیں ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان سے اپنے لیے کوئی دلیل حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لیے فرمان ہے کہ اس سے ان کا مقصد فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تاکہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں' اپنی بدعتوں کی مدافعت کریں جیسے کہ عیسائیوں نے قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا لڑکا ہونے کی دلیل لی ہے۔ پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ (الزخرف/۵۹) الخ' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے غلام ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ (آل عمران/۵۹) الخ' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہو جا وہ ہو گیا' چنانچہ اسی طرح

کی اور بھی بہت سی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل لے لی حالانکہ آپ اللہ کی مخلوق ہیں' اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے تاکہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر مفہوم بدل لیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو ایسے ہی لوگ اس آیت میں مراد لیے گئے ہیں' [1] یہ حدیث مختلف طرق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے' صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے ملاحظہ ہو کتاب القدر' ایک اور حدیث میں ہے یہ لوگ خوارج ہیں [2] (مسند احمد) پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے تاہم اس کا مضمون صحیح ہے اس لیے کہ پہلی بدعت خوارج نے ہی پھیلائی ہے۔ یہ فرقہ محض دنیاوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا۔ حضور علیہ السلام نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا اور ان میں سے ایک نے جسے ذوالخویصرہ کہا جاتا ہے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر صاف کہا کہ حضرت عدل کیجیے آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے امین بنایا تھا اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو برباد ہو اور نقصان اٹھائے جب وہ پلٹا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں آپ نے فرمایا چھوڑ دو اس کی جنس سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے لیکن دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے تم جہاں انہیں پاؤ گے قتل کرو گے انہیں قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا' [3] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ان کا ظہور ہوا اور آپ نے انہیں نہروان میں قتل کیا پھر ان میں پھوٹ پڑی تو ان کے مختلف الخیال فرقے پیدا ہو گئے نئی نئی بدعتیں دین میں جاری ہو گئیں اور اللہ کی راہ سے بہت دور چلے گئے۔

ان کے بعد قدریہ فرقے کا ظہور ہوا' پھر معتزلہ پھر جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ میری امت میں عنقریب تہتر فرقے ہوں گے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ جو اس چیز پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب (رضی اللہ عنہم) [4] (مستدرک حاکم) ابو یعلی کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن تو

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب منه آيات محكمات (٤٥٤٧) صحیح مسلم : کتاب العلم : باب النهى عن اتباع متشابه القرآن (٢٦٦٤) ابو داؤد : كتاب السنة : باب النهى عن الجدال (٤٥٩٨) ترمذی : كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة ال عمران (٢٩٩٣، ٢٩٩٤)]

[2] [حسن مسند احمد (٢٦٢/٥)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح صحیح مسلم : كتاب الزكاة : باب ذكر الخوارج و صفاتهم (١٠٦٤ ـ ١٠٦٦) ابن ماجه : مقدمه : باب فی ذکر الخوارج (١٧٢)]

[4] [ضعیف حاکم (١٢٩/١) اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[تخريج الطحاوية (ص : ٢٨٨)] ملا علی قاریؒ نے اسے موضوعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔[الاسرار المرفوعة (ص : ١٦٢)]

پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو اس کے غلط مطالب بیان کرے گی۔ [1] پھر فرمایا اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ ہی جانتا ہے' لفظ اللہ پر وقف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں تفسیر چار قسم کی ہے ایک وہ جس کے سمجھنے میں کسی کو مشکل نہیں ایک وہ جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذات الٰہی کے اور کوئی نہیں جانتا' [2] یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے' معجم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے۔ مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہو گا اور آپس میں لڑائی شروع ہو گی دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کا سلسلہ شروع ہو گا حالانکہ اصلی مطلب انکا اللہ ہی جانتا ہے اور اہل علم والے کہیں گے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ علم حاصل کرنے کے بعد اسے بے پرواہی سے ضائع کر دیں گے' [3] یہ حدیث بالکل غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لیے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کی مخالف ہو جس کا تمہیں علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ۔ [4] (ابن مردویہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بڑے سے بڑے عالم بھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں' ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ علم والے یہی کہتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ ہی کو ہے کہ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں' امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں' یہ تو تھی وہ جماعت جو ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملہ کو اس سے الگ کرتی تھی' کچھ لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے اور ﴿فِی الْعِلْمِ﴾ پر وقف کرتے ہیں' اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں' ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے ایسی بات کہنی ٹھیک نہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں' [5] مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں' حضرت محمد بن جعفر بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے پھر متشابہات آیتوں کی تفسیر محکمات کی روشنی میں کرتے ہیں جن میں کسی کو بات کرنے کی گنجائش نہیں رہتی' قرآن کے مضامین ٹھیک ٹھاک سمجھ میں آتے

---

[1] [ضعیف : الدر المنثور (۹/۲)] اس کی سند میں قتادہ اور حسن دونوں مدلس راوی ہیں۔ [مزید دیکھئے: اتحاف الخیرة المهرة للبوصیره (۸۰۳۰)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۷/۱)]

[3] [ضعیف : طبرانی کبیر (۳٤٤۲) امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں محمد بن اسماعیل بن عیاش کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں۔ [مجمع الزوائد (۱۲۸/۱)، (۵۳٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی کی بھی یہی رائے ہے۔]

[4] [حسن : مجمع الزوائد (۱۷۱/۱) الدر المنثور للسیوطی (۹/۲)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۰۳/٦)]

ہیں دلیل واضح ہوتی ہے عذر ظاہر ہو جاتا ہے باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفعہ ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم دے۔ [1]

بعض علماء نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن کریم میں تاویل دو معنی میں آئی ہے۔ایک معنی جن سے مفہوم کی اصلی حقیقت اور اصلیت کی نشاندہی ہوتی ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿يَـٰٓأَبَتِ هَـٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَاىَ﴾ (یوسف/ ۱۰۰) میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے۔اور جگہ ہے ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُۥ يَوْمَ يَأْتِى تَأْوِيلُهُۥ﴾ (اعراف/ ۵۳) کافروں کے انتظار کی حد حقیقت کے ظاہر ہونے تک ہے اور یہ وہ دن ہوگا جب حقیقت سچائی کی گواہ بن کر نمودار ہوگی پس ان دونوں جگہ تاویل سے مراد حقیقت ہے اگر اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو ﴿إِلَّا ٱللَّهُ﴾ پر وقف ضروری ہے اس لیے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا تو ﴿وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ﴾ مبتدا ہوگا اور ﴿يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ﴾ خبر ہوگی اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا۔

دوسرے معنی تاویل کے تفسیر اور بیان اور ایک شئے کی تعبیر دوسری شئے سے ہوتے ہیں جیسے قرآن میں ہے ﴿نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِۦٓ﴾ (یوسف/ ۳۶) ہمیں اس کی تاویل بتاؤ یعنی تفسیر اور بیان اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو ﴿فِى ٱلْعِلْمِ﴾ پر وقف کرنا چاہیے اس لیے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے گو حقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بنا پر ﴿ءَامَنَّا بِهِۦ﴾ حال ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بغیر معطوف علیہ کے معطوف ہو جیسے اور جگہ ہے ﴿لِلْفُقَرَآءِ ٱلْمُهَـٰجِرِينَ﴾ (الحشر/ ۸) الخ سے ﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا﴾ (الحشر/۱۰) الخ تک دوسری جگہ ہے ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَٱلْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر/ ۲۲) یعنی ﴿وَجَآءَ ٱلْمَلَآئِكَةُ صُفُوفًا صُفُوفًا﴾ اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ متشابہ پر ایمان لائے۔

پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق اور سچ ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَـٰفًا كَثِيرًا﴾ (النساء/ ۸۲) یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف ہوتا اسی لیے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقلمند ہی سمجھتے ہیں جو اس پر غور و تدبر کریں جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہوں حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ پختہ علم والے کون ہیں؟ آپ نے

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۱/ ۲۶۶۔ ۳۱٤) ابن حبان فی صحیحه (۷۰۵۵) طبرانی کبیر (۱۰/ ۲۹۳) المعرفة والتاریخ للفسوی (۱/ ٤۹۳)] صحیحین میں یہ روایت ان لفظوں میں ہے ﴿ اللهم فقه فی الدین ﴾ دیکھئے: بخاری: کتاب العلم : باب قول النبی اللهم علمه الکتاب (۷۵) مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب فضائل عبدالله بن عباس (۲٤۷۷)]

فرمایا جس کی قسم سچی ہو جس کی زبان راست گو ہو جس کا دل سلامت ہو جس کا پیٹ حرام سے بچا ہو اور جس کی شرمگاہ زنا کاری سے محفوظ ہو وہ مضبوط علم والے ہیں۔ [1] (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے کہ آپ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں آپ نے فرمایا سنو تم سے پہلے لوگ بھی اسی سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیتوں کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے تم ان میں اختلاف پیدا کر کے ایک کو دوسری کے متضاد نہ کہو جو جانو وہی کہو اور جو نہیں جانو اسے جاننے والوں کو سونپ دو [2] (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا قرآن میں جھگڑا کفر ہے قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے جو جانو اس پر عمل کرو جو نہ جانو اسے جاننے والے کی طرف سونپو۔ [3] جل جلالہ (ابویعلیٰ)

علم میں رسوخ والے: نافع بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں رب کی رضا کے طالب ہوں اپنے سے بڑوں سے مرعوب نہ ہوں اپنے سے چھوٹے کو حقیر سمجھنے والے نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو ہدایت پر جمانے کے بعد انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر برباد ہو جاتے ہیں بلکہ ہمیں اپنی صراط مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ ہم پر اپنی رحمت نازل فرما ہمارے دلوں کو قرار دے ہماری پراگندگی کو دور کر ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا تو بہت بڑا دینے والا ہے، رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے ﴿يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ﴾ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ پھر یہ دعا ﴿لَا تُزِغْ﴾ الخ، پڑھتے [4] اور حدیث میں ہے کہ آپ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے ﴿اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ﴾ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک دن پوچھا کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر انسان کا دل

---

[1] [ضعيف جدا: تفسير ابن جرير الطبرى (٦٦٣٥) طبرانى كبير (٧٦٥٨)] اس میں عبداللہ بن یزید راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (٣٢٤/٦) ميزان الاعتدال (٤٦٩٨)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [حسن صحيح: مسند احمد (١٨٥/٢) عبد الرزاق (٢٠٣٦٧) ابن ماجه: مقدمة: باب فى القدر (٨٥)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحيح ابن ماجه]

[3] [صحيح: مسند احمد (٣٠٠/٢) ابويعلى (٦٠١٦) عبد الرزاق (٣٦٧) تفسير ابن جرير الطبرى (١١/١) بيهقى فى شعب الايمان (٢٢٥٨)] شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔[الموسوعة الحديثية (٧٩٨٩)]

[4] [صحيح: تفسير ابن جرير الطبرى (٦٦٤٧) ترمذى: كتاب الدعوات (٣٥٢٢) مسند احمد (٣١٥/٦) ابن ابى شيبة (٢٠٩/١٠) الدر المنثور (١٣/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے [۱] ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے وہ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے کہ میں اپنے لیے مانگا کروں آپ نے فرمایا یہ دعا مانگ ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُّضِلاَّتِ الْفِتَنِ﴾ [۲] اے اللہ! اے محمد نبی ﷺ کے رب میرے گناہ معاف فرما میرے دل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا لے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ کی دعا ﴿يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ﴾ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرح سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا اور پھر قرآن کی یہ دعا پڑھ کر سنائی [۳] یہ حدیث غریب ہے لیکن قرآنی آیت کی تلاوت کے بغیر یہی بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے [۴] اور نسائی میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو جاگتے تو یہ دعا پڑھتے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [۵] اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اللہ میرے علم میں زیادتی فرما اور میرے دل کو تو نے ہدایت دے دی ہے اسے گمراہ نہ کرنا اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد مفصل کی چھوٹی سی دو سورتیں پڑھیں اور تیسری رکعت میں سورۂ الحمد شریف کے بعد یہی آیت پڑھی ابو عبداللہ صنابحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اس وقت ان کے قریب چلا گیا تھا یہاں تک کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے مل گئے تھے اور میں نے خود اپنے کان سے حضرت ابوبکر صدیق کو یہ پڑھتے ہوئے سنا۔ (عبدالرزاق) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب تک یہ حدیث نہیں سنی تھی آپ اس رکعت میں سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھا کرتے تھے

---

[۱] [صحیح : مسند احمد (۶/۳۰۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۶۶۴۸)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۲۰۹۱) صحيح ابن ماجه (۱۶۵)] حافظ عراقیؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔[تخریج الاحیاء (۶/۳۰۴)]

[۲] [ضعیف : تفسير ابن جرير الطبری (۶۶۴۹)] اس میں مثنی بن صباح راوی ضعیف ہے۔]

[۳] [ضعیف : طبرانی اوسط (۱۵۵۳)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[۴] [صحیح : صحيح مسلم : كتاب القدر : باب تصريف الله تعالىٰ القلوب كيف شاء (۲۶۵۴) مسند احمد (۱/۹۱)]

[۵] [ضعیف : ابوداؤد : كتاب الادب : باب مايقول الرجل اذا تعارمن الليل (۵۰۶۱) نسائي في السنن الكبرى (۱۰۷۰۱) مستدرك حاكم (۱/۵۵۰) ابن حبان (۵۵۳۱) ابن السنی (۷۶۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، الكلم الطيب (۴۵)]

لیکن یہ حدیث سننے کے بعد امیر المومنین نے بھی اسی کو پڑھنا شروع کیا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ پھر فرمایا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان میں فیصلے اور حکم کرنے والا ہے ان کے اختلافات کو سمیٹنے والا ہے اور ہر ایک کو بھلے برے عمل کا بدلہ دینے والا ہے اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ⑩ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذابوں سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گے، یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں ○ جیسا آل فرعون کا حال ہوا اور ان کا جو ان سے پہلے تھے، ہماری آیتوں کی جھٹلایا، پھر اللہ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا، اور اللہ سخت عذابوں والا ہے ○

کفار جہنم کا ایندھن: فرماتا ہے کہ کافر جہنم کی بھٹیاں اور اس میں جلنے والی لکڑیاں ہیں، ان ظالموں کو اس دن کوئی عذر معذرت کام نہ آئے گی، ان پر لعنت ہے، اور ان کے لیے برا گھر ہے، ان کے مال ان کی اولادیں بھی انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گی، اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے، جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ﴾ (التوبہ/ ۵۵) الخ تو ان کے مال و اولاد پر تعجب نہ کرنا اس کی وجہ سے اللہ کا ارادہ انہیں دنیا میں بھی عذاب دینا ہے، ان کی جانیں کفر میں ہی نکلیں گی، اسی طرح ارشاد ہے کافروں کا شہروں میں گھومنا گھامنا تجھے فریب میں نہ ڈال دے یہ تو مختصر سا فائدہ ہے پھر ان کی جگہ جہنم ہی ہے جو بدترین بچھونا ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کی باتوں کے جھٹلانے والے اس کے رسولوں کے منکر اس کی کتاب کے مخالف اس کی وحی کے نافرمان اپنی اولاد اور اپنے مال سے کوئی بھلائی کی توقع نہ رکھیں یہ جہنم کی لکڑیاں ہیں جن سے جہنم سلگائی اور بھڑکائی جائے گی، جیسے اور جگہ ہے ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الانبیاء/ ۹۸) الخ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ صاحبہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مکہ شریف میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور با آواز بلند فرمانے لگے لوگو! کیا میں نے اللہ کی باتیں تم تک پہنچا دیں؟ لوگو! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ لوگو! کیا میں وحدانیت و رسالت کا مطلب تمہیں سمجھا چکا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیشک آپ نے اللہ کا دین ہمیں پہنچایا پھر جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا سنو اللہ کی قسم اسلام غالب ہو گا اور خوب پھیلے گا یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چھپے گا مسلمان اسلام اپنے قول و عمل میں لیے سمندروں کو چیرتے پھاڑتے نکل جائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے یاد رکھو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ قرآن کو سیکھیں گے پڑھیں گے (پھر تکبر بڑائی اور اندھے پن کے طور پر) کہنے لگیں گے ہم قاری ہیں

عالم ہیں کون ہے جو ہم سے بڑھ چڑھ کر ہو؟ کیا ان لوگوں میں کچھ بھی بھلائی ہوگی؟ لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا وہ تم ہی مسلمانوں میں سے ہوں گے لیکن خیال رہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ (۱)

ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ہاں ہاں اللہ کی قسم آپ نے بڑی حرص اور چاہت سے تبلیغ کی آپ نے پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کی آپ نے ہماری زبردست خیر خواہی کی اور بہتری چاہی۔ (۲)

پھر فرماتا ہے جیسا حال فرعونیوں کا تھا اور جیسے کرتوت ان کے تھے' لفظ کداب' ہمزہ کے جزم سے بھی آتا ہے اور ہمزہ کے زبر سے بھی آتا ہے جیسے ((نَھْـرٌ)) اور ((نَھَـرٌ)) اس کے معنی شان عادت حال طریقے کے آتے ہیں' امراء القیس کے شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے' مطلب اس آیت شریف کا یہ ہے کہ کفار کا مال و اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئے گا جیسے فرعونیوں اور ان سے اگلے کفار کو کچھ کام نہ آیا' اللہ کی پکڑ سخت ہے اس کا عذاب دردناک ہے کوئی کسی طاقت سے بھی اس سے بچ نہیں سکتا نہ اسے روک سکتا ہے' وہ اللہ جو چاہے کرتا ہے' ہر چیز اس کے سامنے حقیر ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ رب۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬

کافروں سے کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور وہ برا بچھونا ہے یقیناً تمہارے لیے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں۔ ایک جماعت تو راہ اللہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے جو آنکھوں کی نظر تھی' اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے' یقیناً اس میں دیکھنے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے ○

حق و باطل کا پہلا معرکہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم دنیا میں بھی ذلیل اور مغلوب کیے جاؤ گے' ہارو گے' ماتحت بنو گے اور قیامت کے دن بھی ہانک کر جہنم میں جمع کیے جاؤ گے جو بدترین بچھونا ہے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب بدر کی جنگ سے حضور ﷺ مظفر و منصور واپس ہوئے تو بنو قینقاع کے

---

(۱) [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۹۰) طبرانی کبیر (۲۰۵/۱۲)] اس میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی کی بھی یہی رائے ہے۔]

(۲) [ضعیف و منقطع : طبرانی کبیر (۲۵/۲۷۔ ۲۸)]

بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا اے یہودیو! اس سے پہلے کہ قریش کی طرح تمہیں بھی ذلت و پستی دیکھنا پڑے اسلام قبول کر لو تو اس سرکش جماعت نے جواب دیا کہ چند قریشیوں کو جو فنون جنگ سے نا آشنا تھے۔ آپ نے انہیں ہرا لیا اور دماغ میں غرور سما گیا؟ اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم بتا دیں گے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں آپ کو اب تک ہم سے پالا ہی نہیں پڑا' اس پر یہ آیت اتری [1] اور فرمایا گیا کہ فتح بدر نے ظاہر کر دیا کہ اللہ اپنے سچے اچھے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین والوں کو عزت و حرمت عطا فرمانے والا ہے' وہ اپنے رسول ﷺ کا اور آپ کی اطاعت گذار امت کا خود مددگار ہے' وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے۔

دو جماعتیں لڑائی میں گتھم گتھا ہو گئی تھیں ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اور دوسری مشرکین قریش کی' یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے اس دن مشرکین پر اس قدر رعب غالب آیا اور اللہ نے اپنے بندوں کی اس طرح مدد کی گو مسلمان گنتی میں مشرکین سے کہیں کم تھے لیکن مشرکوں کو اپنے سے دگنے نظر آتے تھے' مشرکوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی جاسوسی کے لیے عمیر بن سعد کو بھیجا تھا جس نے آ کر اطلاع دی تھی کہ تین سو ہیں کچھ کم یا زائد ہوں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ صرف تین سو دس اور کچھ تھے لیکن لڑائی کے شروع ہوتے ہی اللہ عزوجل نے اپنے خاص اور چیدہ فرشتے ایک ہزار بھیجے' ایک معنی تو یہ ہیں' دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کافر ہم سے دو چند ہیں پھر بھی اللہ عزوجل نے انہی کی مدد کی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تین سو تیرہ تھے اور مشرکین چھ سو سولہ تھے لیکن تواریخ کی کتابوں میں مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تک بیان کی گئی ہے' ہو سکتا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قرآن کے الفاظ سے یہ استدلال ہو کہ بنو الحجاج قبیلہ کا جو سیاہ فام غلام پکڑا ہوا آیا تھا اس سے جب حضور ﷺ نے پوچھا کہ قریش کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے کہا بہت ہیں' آپ نے پھر پوچھا اچھا روز کے کتنے اونٹ کٹتے ہیں اس نے کہا ایک دن نو دوسرے دن دس آپ نے فرمایا بس تو ان کی گنتی نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ [2] پس مشرکین مسلمانوں سے تین گنا تھے واللہ اعلم۔

لیکن یہ یاد رہے کہ عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک ہزار تو ہیں لیکن مجھے ضرورت ایسے ہی دو گنا کی ہے اس سے ان کی مراد تین ہزار ہوتی ہے اب کوئی مشکل باقی نہ رہی' لیکن ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ (الانفال / ٤٤) یعنی جب آمنے سامنے آ گئے تو اللہ نے انہیں تمہاری نگاہوں میں کم کر کے دکھایا اور تمہیں ان کی نگاہوں میں زیادہ کر کے دکھایا تا کہ جو کام کرنے کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا وہ ہو جائے' پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تعداد سے بھی کم نظر آئے اور مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ

---

[1] [مرسل وضعیف : سیرۃ ابن ھشام (٢/٤٢٧) تفسیر ابن جریر الطبری (٦٦٦٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود (٦٤٧)]

[2] [مرسل وضعیف : سیرۃ ابن ھشام (٢/١٩٥) مسند احمد (١/١١٧)] شیخ البانیؒ نے اسے مرسل قرار دیا ھے ۔ [فقه السیرۃ (ص : ٢٣٣)]

بلکہ دگنے نظر آئے۔ تو دونوں آیتوں میں تطبیق کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول اور تھا اور اس کا وقت اور تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کچھ زیادہ نہیں لگے ہم نے غور سے دیکھا پھر بھی یہی معلوم ہوا کہ ہم سے ان کی گنتی زیادہ نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین کی تعداد ہمیں اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے اس نے کہا' نہیں نہیں سو ہوں گے جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو ہم نے اس سے مشرکین کی گنتی پوچھی اس نے کہا ایک ہزار ہیں' (1) اب جبکہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مشرکین ہم سے دوگنے ہیں یہ اس لیے کہ انہیں اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے اور یہ اللہ پر پورا بھروسہ کر لیں اور تمام تر توجہ اللہ کی جانب پھیر لیں اور اپنے رب عزوجل سے اعانت اور امداد کی دعائیں کرنے لگیں۔ ٹھیک اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دگنی معلوم ہونے لگی تا کہ ان کے دلوں میں رعب اور خوف بیٹھ جائے اور گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ جائے' پھر جب دونوں بھڑ گئے اور لڑائی ہونے لگی تو ہر فریق دوسرے کو اپنی نسبت کم نظر آنے لگا تا کہ ایک دل کھول کر حوصلہ نکالے اور اللہ تعالیٰ حق و باطل کا صاف فیصلہ کر دے' ایمان' کفر وطغیان پر غالب آ جائے' مومنوں کو عزت اور کافروں کو ذلت مل جائے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران / ۱۲۳) یعنی البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ اسی لیے یہاں بھی فرمایا اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے طاقتور بنا دے' پھر فرماتا ہے اس میں عبرت ونصیحت ہے اس شخص کے لیے جو آنکھوں والا ہو جس کا دماغ صحیح وسالم ہو' وہ اللہ کے احکام کی بجا آوری میں لگ جائے گا اور سمجھ لے گا کہ اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کی اس جہان میں بھی مدد کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا بچاؤ کرے گا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے چاندی کے اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے' اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے ○ تو کہہ کیا میں تمہیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی رضامندی ہے' سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں ○

(1) [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۳۶/۶)]

دنیوی واُخروی جمال کا موازنہ: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دنیا کی زندگی کو طرح طرح کی لذتوں سے سجایا گیا ہے ان سب چیزوں میں سے سب سے پہلے عورتوں کو بیان فرمایا اس لیے کہ ان کا فتنہ بڑا زبردست ہے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا، [1] ہاں جب کسی شخص کی نیت نکاح کر کے زنا سے بچنے اور اولاد کی کثرت سے ہو تو بیشک یہ نیک کام ہے اس کی رغبت شریعت نے دلائی ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور بہت سی حدیثیں نکاح کرنے بلکہ کثرت نکاح کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں اور اس امت میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ بیویوں والا ہو، [2] نبی ﷺ فرماتے ہیں دنیا ایک فائدہ ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک بیوی ہے کہ خاوند اگر اس کی طرف دیکھے تو یہ اسے خوش کر دے اور اگر حکم دے تو بجالائے اور اگر کہیں چلا جائے تو اپنے نفس کی اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے، [3] دوسری حدیث میں ہے مجھے عورتیں اور خوشبو بہت پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ [4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں تھیں ہاں گھوڑے ان سے بھی زیادہ پسند تھے، [5] ایک اور روایت میں ہے گھوڑوں سے زیادہ آپ کی چاہت کی چیز کوئی اور نہ تھی ہاں صرف عورتیں۔ ثابت ہوا عورتوں کی محبت بھلی بھی ہے اور بری بھی۔ اسی طرح اولاد کی اگر ان کی کثرت اس لیے چاہتا ہے کہ فخر و غرور کرے تو بری چیز ہے اور اگر اس لیے ان کی زیادتی چاہتا ہے کہ نسل بڑھے اور موحد مسلمانوں کی گنتی امت محمد ﷺ میں زیادہ ہو تو بیشک یہ بھلائی کی چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے محبت کرنے والیوں اور زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو۔

---

[1] [**صحیح** :صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب مایتقی من شؤم المرأة (٥٠٩٦) صحیح مسلم : کتاب الرقاق : باب اکثر اهل الجنة الفقرآء (٢٧٤٠) ترمذی : کتاب الادب : باب ماجآء فی تحذیر فتنة النسآء (٢٧٨٠) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب فتنة النسآء (٣٩٩٨) مسند احمد (٢٠٠/٥)]

[2] [**صحیح** :صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب کثرة النسآء (٥٠٦٩)]

[3] [**صحیح** :صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة (١٤٦٩) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب افضل النسآء (١٨٥٧) مسند احمد (١٦٨/٢)]

[4] [**صحیح** :نسائی : کتاب عشرة النسآء : باب حب النسآء (٣٣٩٢) مسند احمد (١٢٨/٣ ـ ٢٨٥) مستدرك حاكم (١٦٠/٢)] امام حاکمؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (٣١٢٤) السلسلة الصحیحة (٣٢٩١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے حسن کہا ہے۔]

[5] [**ضعیف** :نسائی : کتاب عشره النسآء : باب حب النسآء (٣٣٩٣) وفی السنن الکبری (٤٤٠٤) مسند احمد (٢٧/٥)] اس میں سعید بن ابی عروبہ کا قتادہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (١٦١/٢) ضعیف نسائی]

قیامت کے دن میں تمہاری زیادتی سے اور امتوں پر فخر کرنے والا ہوں۔ [1] ٹھیک اسی طرح مال بھی ہے کہ اگر اس کی محبت گرے پڑے لوگوں کو حقیر سمجھنے اور مسکینوں غریبوں پر فخر کرنے کے لیے ہے تو بے حد بری چیز ہے' اور اگر مال کی چاہت اپنوں اور غیروں سے سلوک کرنے نیکیاں کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے تو ہر طرح وہ شرعاً اچھی اور بہت اچھی چیز ہے۔

﴿قِنْطَار﴾ کی مقدار میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قنطار کہتے ہیں' جیسے حضرت ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے' [2] اور اقوال بھی ملاحظہ ہوں' ایک ہزار دینار' بارہ ہزار' چالیس ہزار' ساٹھ ہزار' ستر ہزار' اسّی ہزار وغیرہ وغیرہ۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔ ایک قنطار ہزار اوقیہ کا ہے اور ہر اوقیہ بہتر ہے زمین وآسمان سے [3] غالباً یہاں مقدار ثواب کی بیان ہوئی ہے جو ایک قنطار ملے گا۔ (واللہ اعلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک موقوف روایت بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے' اسی طرح ابن جریر میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ کی ایک مرفوع حدیث میں بارہ سو اوقیہ آئے ہیں [4] لیکن وہ حدیث بھی منکر ہے ممکن ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہو جیسے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فرمان ہے۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص سو آیتیں پڑھ لے غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو سے ہزار تک پڑھ لیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قنطار اجر ملے گا۔ اور قنطار بڑے پہاڑ کے برابر ہے۔ [5]

مستدرک حاکم میں ہی اس آیت کے اس لفظ کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: دو ہزار اوقیہ۔ [6] امام حاکم رحمہ اللہ اسے صحیح اور شرط شیخین پر بتلاتے ہیں بخاری و مسلم نے اسے نقل نہیں کیا۔ طبرانی وغیرہ

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۱۵۸/۳) ابن حبان (٤٠٢٨) بیهقی (۸۱/۷۔ ۲۸) ابوداؤد : كتاب النكاح : باب كراهية تزويج العقيم (۲۲۲۹) نسائی : كتاب النكاح : كراهية تزويج العقيم (٦٥/٦) مستدرك حاكم (۱٦٢/٢) بیهقی فی السنن الكبرى (۸۱/۷)] امام حاکمؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ امام ہیثمیؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (١٦١/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغليل (١٩٥/٦) السلسلة الصحيحة (١٧٨٢)]

[2] [تفسير ابن جرير الطبرى (٢٥٠/٦)]

[3] [حسن : مسند احمد (٢٦٣/٢) ابن ماجه : كتاب الادب : باب برالوالدين (٣٦٦٠) ابن حبان فی صحیحه (۲۰۷۷) دارمی (٤٦٧/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه (٢٩٥٣) السلسلة الصحيحة (٤٠٧٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف : تفسير ابن جرير الطبرى (٦٦٩٨)] اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان اور مخلد بن عبدالواحد دونوں راوی ضعیف ہیں۔]

[5] [ضعیف : طبرانی كما فی مجمع الزوائد (٢٦٨/١)] اس میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی راوی ضعیف ہے۔]

[6] [ضعیف : تفسير ابن جرير الطبرى (٦٧٢٥) مستدرك حاكم (١٧٨/٢)] اس کی سند میں عمرو بن ابی سلمہ راوی ضعیف ہے۔ [ميزان الاعتدال (١٨٢/٤) الجرح والتعديل (٢٣٥/٦) التقريب (٥٠٤٣)]

میں ہے ایک ہزار دینار۔ [1] حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے موقوفاً یا مرسلاً مروی ہے کہ بارہ سو دینار۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض عرب قنطار کو بارہ سو کا بتاتے ہیں، بعض بارہ ہزار کا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیل کی کھال کے بھر جانے کے برابر سونے کو قنطار کہتے ہیں [2] یہ مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوفاً ہے۔ گھوڑوں کی محبت تین قسم کی ہے ایک تو وہ لوگ جو گھوڑوں کو پالتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ان پر سوار ہو کر جہاد کرنے کے لیے نکلتے ہیں، ان کے لیے تو یہ بہت ہی اجر و ثواب کا سبب ہیں، دوسرے وہ جو فخر و غرور کے طور پر پالتے ہیں ان کے لیے وبال ہے، تیسرے وہ جو سوال سے بچنے اور اس کی نسل کی حفاظت کے لیے پالتے ہیں اور اللہ کا حق نہیں بھولتے۔ یہ نہ اجر نہ عذاب کے مستحق ہیں۔ اسی مضمون کی حدیث آیت ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ﴾ [3] الخ کی تفسیر میں آئے گی۔ ان شاءاللہ

﴿مُسَوَّمَة﴾ کے معنی چرنے والا [4] اور پنج کلیان (یعنی پیشانی اور چاروں قدموں پر نشان) وغیرہ کے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ کی اجازت سے دو دعائیں کرتا ہے کہتا ہے اے اللہ جس کے قبضہ میں تو نے مجھے دیا ہے تو اس کے دل میں اس کے اہل اور مال سے زیادہ میری محبت دے۔ [5] انعام سے مراد اونٹ، بکریاں، گائیں ہیں۔ حرث سے مراد وہ زمین جو کھیتی بونے یا باغ لگانے کے لیے تیار کی جائے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے انسان کا بہترین مال زیادہ نسل والا گھوڑا ہے اور زیادہ پھلدار درخت کھجور ہے۔ [6]

پھر فرمایا کہ یہ سب دنیاوی فائدہ کی چیزیں ہیں یہاں کی زینت اور یہاں ہی کی دلکشی کے سامان ہیں جو فانی اور زوال پانے والے ہیں۔ اچھی لوٹنے کی جگہ اور بہترین ثواب کا مرکز اللہ کے پاس ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ جبکہ تو نے اسے زینت دے دی تو اس کے بعد کیا؟ اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تمہیں اس سے بہترین چیزیں بتاتا ہوں یہ تو ایک نہ ایک روز زائل ہونے والی ہیں اور میں جن کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں وہ صرف دیرپا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ سنو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں، کہیں شہد کی، کہیں دودھ کی، کہیں پاک شراب کی، کہیں نفیس

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۱۱۱) ، (۱۸۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس اور حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۱۱۵) بیھقی فی السنن (۷/۲۲۳) دارمی (۲/۴۶۷)]

[3] [سورة الانفال : آیت ۶۰]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/۲۵۲)]

[5] [صحیح : مسند احمد (۵/۱۷۰) نسائی : کتاب الخیل : باب دعوة الخیل (۳۶۰۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس اور حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[6] [ضعیف : مسند احمد (۳/۴۶۸) طبرانی کبیر (۶۴۷۰)] امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد (۵/۲۵۸)] شیخ شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۱۵۸۴۵)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

پانی کی اور وہ وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان نے سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی دل میں خیال بھی گذرا ہو ان جنتوں میں یہ متقی لوگ ابدالآباد رہیں گے نہ یہ نکالے جائیں نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں گم ہوں گی نہ فنا ہوں گی پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے خباثت اور برائی سے حیض اور نفاس سے گندگی اور پلیدی سے پاک صاف ہیں ہر طرح ستھری اور پاکیزہ ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضامندی انہیں حاصل ہو جائے گی اور ایسی کہ اس کے بعد ناراضگی کا کھٹکا ہی نہیں اسی لیے سورہ برات کی آیت میں فرمایا ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ [1] اللہ کی تھوڑی سی رضامندی کا حاصل ہو جانا بھی سب سے بڑی چیز ہے یعنی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت رضائے رب اور مرضی مولا ہے۔ تمام بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون مہربانی کا مستحق ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝١٦ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝١٧

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لا چکے پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے ○ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور راہ اللہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں ○

متقی بندوں کے اوصاف: اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے پروردگار ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات اور تیری شریعت پر ہے تو ہمارے گناہوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے۔ یہ متقی لوگ اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں اور حرام چیزوں سے الگ رہتے ہیں صبر کے سہارے سے کام لیتے ہیں اور اپنے ایمان کے دعوے میں بھی سچے ہیں کل اچھے اعمال بجالاتے ہیں خواہ وہ ان کے نفس کو کتنے بھاری پڑیں اطاعت اور خشوع و خضوع والے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں جہاں جہاں حکم ہے خرچ کرتے ہیں صلہ رحمی میں رشتہ داری کا پاس رکھنے میں برائیوں کے روکنے میں آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں حاجت مندوں مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں اور سحری کے وقت پچھلی رات کو اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت استغفار افضل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے یہی فرمایا تھا کہ ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ﴾ [2] میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا۔ اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے۔ اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں جو بہت سے صحابیوں سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات آخری تہائی رات باقی رہتے ہوئے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی سائل ہے؟ جسے میں دوں؟ کوئی دعا مانگنے والا

---

[1] [سورة التوبة : آیت ۷۲]
[2] [سورة یوسف : آیت ۹۸]

ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخشوں؟ [1] حافظ ابوالحسن دار قطنی رحمہ اللہ نے تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں اس حدیث کی تمام سندوں کو اور اس کے کل الفاظ کو وارد کیا ہے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رات درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھا ہے۔ سب سے آخری وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات [2] کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام حضرت نافع رحمہ اللہ سے پوچھتے ہیں کیا سحر ہو گئی جب وہ کہتے ہاں تو آپ صبح صادق کے نکلنے تک دعا استغفار میں مشغول رہتے" [3] حضرت حاطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی گوشہ میں کہہ رہا ہے اے اللہ تو نے مجھے حکم کیا میں بجالایا یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حکم کیا جاتا تھا کہ ہم جب تہجد کی نماز پڑھیں تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں اللہ سے بخشش کی دعا کریں۔ [4]

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ ع

اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی' اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے اس غالب اور حکمت والے کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ○ بیشک اللہ کے نزدیک دین حکم برداری ہی ہے' اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے' اللہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے پس اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○ پھر بھی اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التہجد : باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل (١١٤٥) و کتاب الدعوات (٦٣٢١) و کتاب التوحید (٧٤٩٤) صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب الترغیب فی الدعاء (٧٥٨) ابوداؤد : کتاب التطوع : باب أی اللیل افضل (١٣١٥)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوتر : باب ساعات الوتر (٩٩٦) صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ (٧٤٥) ابوداؤد : کتاب الوتر : باب فی وقت الوتر (١٤٣٥) مسند احمد (٦/٤٦ - ٢٠٤)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (٢/١٤٥)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦٧٥٤)]

تابعداروں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا منہ مطیع کر دیا' اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں' اور اگر یہ روگردانی کریں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے' اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے ○

اللہ وحدہ لاشریک اپنی وحدت کا خود شاہد: اللہ تعالیٰ خود شہادت دیتا ہے بس اس کی شہادت کافی ہے وہ سب سے زیادہ سچا گواہ ہے سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے' وہ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی غلام ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور اسی کی محتاج ہے' وہ سب سے بے نیاز ہے' الوہیت میں اللہ ہونے میں وہ یکتا اور لاشریک ہے' اس کے سوا کوئی پوجے جانے کے لائق نہیں' جیسے فرمان ہے ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ﴾ (النساء / ١٦٦) الخ' یعنی لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جو وہ تیری طرف اپنے علم سے اتار رہا ہے گواہی دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے' پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی شہادت پر علماء کی گواہی کو ملا رہا ہے' یہاں سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ خصوصیت ﴿قَآئِمًا﴾ کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے وہ اللہ ہر وقت اور ہر حال میں ایسا ہی ہے' پھر تاکیداً دوبارہ ارشاد ہوتا ہے کہ معبود حقیقی صرف وہی ہے' وہ غالب ہے عظمت اور کبریائی والی اس کی بارگاہ ہے' وہ اپنے اقوال افعال شریعت قدرت اور تقدیر میں حکمتوں والا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے عرفات میں اس آیت کی تلاوت کی اور ﴿اَلْحَكِيْمُ﴾ تک پڑھ کر فرمایا ﴿وَاَنَا عَلٰى ذَالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ يَا رَبِّ﴾ [1] ابن ابی حاتم میں ہے آپ نے یوں فرمایا ((وَاَنَا اَشْهَدُ اَیْ رَبِّ)) [2] طبرانی میں ہے حضرت غالب قطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کوفے میں تجارتی غرض سے گیا اور حضرت اعمش رحمہ اللہ کے قریب ٹھہرا رات کو حضرت اعمش رحمہ اللہ تہجد کے لیے کھڑے ہوئے پڑھتے پڑھتے جب اس آیت تک پہنچے اور ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (ال عمران / ١٩) پڑھا تو فرمایا ﴿وَاَنَا اَشْهَدُ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ وَاَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِیَ لِیْ عِنْدَ اللّٰهِ وَدِيْعَةٌ﴾ یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ نے دی اور میں اس شہادت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں' یہ میری امانت اللہ کے پاس ہے' پھر کئی دفعہ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ پڑھا' میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید اس بارے میں کوئی حدیث سنی ہوگی' صبح ہی صبح میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ ابو محمد رحمہ اللہ کیا بات تھی جو آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے؟ کہا کیا اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو مہینہ بھر سے آپ کی خدمت میں ہوں لیکن آپ نے حدیث بیان ہی نہیں کی' کہنے لگے اللہ کی قسم میں تو سال بھر تک بیان نہ کروں گا' اب میں اس حدیث کے سننے کی خاطر سال بھر تک ٹھہرا رہا اور ان کے

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (١٦٦/١) طبرانی الکبیر (٢٥٠) ابن ابی حاتم (٢٤٦) عمل الیوم واللیلة لابن السنی (٤٣٥)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہے۔ [مجمع الزوائد (١٠٨٨٩)]

[2] [ضعیف : طبرانی (٢٥٠)] اس میں ابو سعید عمر بن حفص راوی مجہول ہے۔] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

دروازے پر پڑا رہا جب سال کامل گذر چکا تو میں نے کہا اے ابو محمد سال گذر چکا کہا سن مجھ سے ابو وائل نے حدیث بیان کی اس نے عبداللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے افضل واعلیٰ ہوں میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ۔ [1]

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وہ صرف اسلام ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی وحی کی تابعداری کا نام ہے' اور سب سے آخر اور سب رسولوں کو ختم کرنے والے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں' آپ کی نبوت کے بعد نبوت کے سب راستے بند ہو گئے اب جو شخص آپ کی شریعت کے سوا کسی چیز پر عمل کرے اللہ کے نزدیک وہ صاحب ایمان نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (ال عمران / ۸۵) جو شخص اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اسی طرح اس آیت میں دین کا انحصار صرف اسلام میں کر دیا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات میں ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ﴾ ہے اور ﴿اِنَّ الْاِسْلَامَ﴾ ہے' تو معنی یہ ہوں گے خود اللہ کی گواہی ہے اور اس کے فرشتوں اور ذی علم انسانوں کے نزدیک متقبول ہونے والا دین صرف اسلام ہی ہے' جمہور کی قرات میں ﴿ان﴾ زیر کے ساتھ ہے اور معنی کے لحاظ سے دونوں ہی ٹھیک ہیں' لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پہلی کتاب والوں نے اپنے اللہ پاک کے پیغمبروں کے آنے اور اللہ کی کتابیں نازل ہونے کے بعد بھی اختلاف کیا' جس کی وجہ صرف ان کا آپس کا بغض وعناد تھا کہ میں اس کے خلاف ہی چلوں چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو' پھر ارشاد ہے کہ جب اللہ کی آیتیں اتر چکیں اب جو ان کا انکار کرے انہیں نہ مانے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اس کی اس تکذیب کا بہت جلد حساب لے گا اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے اسے سخت عذاب دے گا اور اسے اس کی اس شرارت کا لطف چکھائے گا۔ پھر فرمایا اگر یہ لوگ تجھ سے توحید باری کے بارے میں جھگڑیں تو کہہ دو کہ میں تو خالص اللہ ہی کی عبادت کروں گا جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی' اور جو بھی میرے امتی ہیں میرے دین پر ہیں ان سب کا قول بھی یہی ہے' جیسے اور جگہ فرمایا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ (یوسف/۱۰۸) الخ یعنی میری راہ یہی ہے میں خوب سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کر تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں میں بھی اور میرے تابعدار بھی یہی دعوت دے رہے ہیں' پھر حکم دیتا ہے کہ اے نبی ﷺ یہود ونصاریٰ جن کے ہاتھوں میں اللہ کی کتاب ہے اور مشرکین سے جو ان پڑھ ہیں کہہ دو کہ تم سب کی

---

[1] [ضعیف جدا: طبرانی کبیر (۱۰۴۵۳) ابو نعیم فی الحلیة (۱۸۷/٦) ابن عدی فی الکامل (۳٦/۵) العقیلی فی الضعفاء (۳۲۵/۳) ابن جوزی فی العلل (۱۴٦ـ ۱۴۷)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں عمر بن مختار راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۳۲٦/٦)] امام ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ باطل روایتیں بیان کرتا ہے۔ ابن خطافؒ فرماتے ہیں کہ یہ متہم بالوضع ہے۔ امام عقیلیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

ہدایت اسلام میں ہی ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو کوئی بات نہیں آپ اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے اللہ خود ان سے سمجھ لے گا' ان سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے وہ جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے جسے چاہے گمراہ کر دے' اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے اس کی حجت تو پوری ہو کر ہی رہتی ہے' اس کی اپنے بندوں پر نظر ہے اسے خوب معلوم ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور کون ضلالت کا مستحق ہے؟ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

دوسری آیتوں میں بھی صاف صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے ہیں' اور خود آپ کے دین کے احکام بھی اس پر دلالت کرتے ہیں' اور کتاب وسنت میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں اسی مفہوم کی ہیں' قرآن پاک میں ایک جگہ ہے ﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾ (اعراف/۱۵۸) لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (سَلَامٌ عَلَیْهِ) اور آیت میں ہے ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (الفرقان/۱) بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے تنبیہ کرنے والا بن جائے۔ بخاری ومسلم وغیرہ میں کئی کئی واقعات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے عرب وعجم کے تمام بادشاہوں کو اور دوسرے اطراف کے لوگوں کو خطوط بھجوائے جن میں انہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی خواہ وہ عرب ہوں عجم ہوں اہل کتاب مذہب والے ہوں اور اس طرح آپ نے تبلیغ کے فرض کو تمام وکمال تک پہنچا دیا [۱] (ﷺ) مسند عبدالرزاق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جس کسی کے کان میں میری نسبت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی مگر مجھ پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا تو قطعاً جہنمی ہوگا' [۲] مسلم شریف میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ میں ہر ایک سرخ وسیاہ کی طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں' [۳] ایک اور حدیث میں ہے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا اور میں تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں' [۴] مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور جوتیاں لا کر رکھ دیتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آنحضرت ﷺ اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے اس وقت اس کا باپ بھی اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا اے فلاں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہہ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کر خود بھی خاموش ہو گیا حضور ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا باپ نے کہا ابو القاسم کی مان لے (ﷺ) پس اس بچے نے کہا ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے

---

۱ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب العلم : باب ما یذکر فی المناولة و کتاب اهل العلم (٦٥)]

۲ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد (١٥٣)]

۳ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب المساجد و مواضع الصلاة (٥٢١)]

۴ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التیمم (٣٣٥) صحیح مسلم (أیضا) مسند احمد (٣٠٤/٣) نسائی (٢٠٩/١)]

اسے جہنم سے بچالیا[1] یہی حدیث صحیح بخاری میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بھی لائے ہیں' ان کے سوا اور بھی بہت سی صحیح حدیثیں اور قرآن کریم کی آیتیں بھی ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ
يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

جولوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جولوگ عدل وانصاف کی بات کہیں انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں' تو اے نبی انہیں دردناک عذابوں کی خبر دے دے ○ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ○

بنی اسرائیل انبیاء علیہم السلام کی قاتل قوم: یہاں ان اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو گناہ اور حرام کام کرتے رہتے تھے اور اللہ کی پہلی اور بعد کی باتوں کو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ پہنچائیں جھٹلاتے رہتے تھے' اتنا ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کو مار ڈالتے بلکہ اس قدر سرکش تھے کہ جولوگ انہیں عدل وانصاف کی بات کہیں انہیں بے دریغ تہہ تیغ کر دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے حق کو نہ ماننا اور حق والوں کو ذلیل جاننا یہی کبر وغرور ہے۔[2] مسند ابو حاتم میں ہے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب کسے ہو گا؟ آپ نے فرمایا جو کسی نبی کو مار ڈالے یا کسی ایسے شخص کو جو بھلائی کا بتانے والا اور برائی سے بچانے والا ہو' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا اے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بنواسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے اول حصہ میں ایک ہی ساعت میں قتل کیا پھر ایک سو ستر بنواسرائیل کے وہ ایماندار جو انہیں روکنے کے لیے کھڑے ہوئے تھے انہیں بھلائی کا حکم دے رہے تھے اور برائی سے روک رہے تھے ان سب کو بھی اسی دن کے آخری حصہ میں مار ڈالا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہی کا ذکر کر رہا ہے[3] ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بنواسرائیل نے تین سو نبیوں کو دن کے شروع میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالک بیچنے بیٹھ گئے' پس ان لوگوں کی اس سرکشی تکبر اور خود پسندی نے انہیں ذلیل کر دیا اور آخرت میں بھی رسوا کن بدترین عذاب ان کے لیے تیار ہے' اسی لیے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذاب کی خبر پہنچا دو' ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہوگا۔

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المرضیٰ : باب عیادة المشرك (٥٦٥٧) و کتاب الجنائز (١٣٥٦) ابو داؤد : کتاب الجنائز : باب فی عیادة الذمی (٣٠٩٥) مسند احمد (٣/ ٢٨٠)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب تحریم الکبرو بیانه (٩١)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (٢/ ١٦٢)] اس کی سند میں ابوالحسن مولی بن اسد مجہول اور مکحول مدلس ہے۔ [دیکھئے: میزان الاعتدال (٣/ ٥٢٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد شیخ حسن عباس اور حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا؟ جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لیے کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے ○ اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند ہی دن آگ لگے گی ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ○ پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○

جھوٹے دعوے: یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ان کا توراۃ، انجیل پر ایمان ہے، کیونکہ ان کتابوں کی ہدایت کے مطابق جب انہیں اس نبی آخر الزمان ﷺ کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ منہ پھیر کر بھاگتے دکھائی دیتے ہیں، اس سے ان کی اعلیٰ درجہ کی سرکشی تکبر اور عناد و مخالفت ظاہر ہو رہی ہے، اس مخالفت حق اور بے جا سرکشی پر انہیں اس چیز نے دلیر کر دیا ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں نہ ہونے کے باوجود اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر یہ بات بنالی ہے کہ ہم تو صرف چند روز ہی آگ میں رہیں گے یعنی فقط سات روز، دنیا کے حساب کے ہر ہزار سال کے پیچھے ایک دن، اس کی پوری تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے، اسی واہی اور بے سر و پا خیال نے انہیں باطل دین پر جما دیا ہے حالانکہ یہ خود ان کا خیال ہے اللہ نے نہ ایسی بات کہی نہ اس کی کوئی کتابی دلیل ان کے پاس ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں ڈانٹتا اور دھمکاتا ہے اور فرماتا ہے ان کا قیامت والے دن بدتر حال ہوگا۔ کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا رسولوں کو جھٹلایا انبیاء علیہم السلام کو اور علماء حق کو قتل کیا، ایک ایک بات کا اللہ کو جواب دینا پڑے گا اور ایک ایک گناہ کی سزا بھگتنی پڑے گی، اس دن کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں اس دن ہر شخص پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی کسی طرح کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو کہہ اے میرے معبود اے تمام جہان کے مالک تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے تو چاہے عزت دے اور جسے تو چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ سب بھلائیاں ہیں بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے○ تو ہی رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرے، تو ہی ہے کہ جسے چاہے بے شمار روزی دے○

اللہ ہی مالک الملک: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ اپنے رب کی تعظیم کرنے اور اس کا شکریہ بجا لائے اور اسے اپنے تمام کام سونپنے اور اس کی ذات پاک پر پورے بھروسہ کا اظہار کرنے کے لیے ان الفاظ میں اس کی اعلیٰ صفات بیان کیجیے جو اوپر بیان ہوئی ہیں یعنی اے اللہ تو مالک الملک ہے، تیری ملکیت میں تمام ملک ہے، جسے تو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے اپنا دیا ہوا واپس لے لے، تو ہی دینے اور لینے والا ہے تو جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو مرحمت فرمائی گئی کہ بنی اسرائیل سے ہٹا کر نبوت نبی عربی قریشی امی مکی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دے دی گئی اور آپ کو مطلقاً نبیوں کے ختم کرنے والے اور تمام انس و جن کی طرف رسول بن کر آنے والے بنا کر بھیجا، تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام کی خوبیاں آپ میں جمع کر دیں بلکہ ایسی فضیلتیں آپ کو دی گئیں جن سے اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی محروم رہے خواہ وہ اللہ کے علم کی بابت ہوں یا اس رب کی شریعت کے معاملہ میں ہوں یا گذشتہ اور آنے والی خبروں کے متعلق ہوں، آپ پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے کل حقائق کھول دیئے، آپ کی امت کو مشرق و مغرب تک پھیلا دیا آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو تمام دینوں اور کل مذہبوں پر غالب کر دیا، اللہ تعالیٰ کا درود و سلام آپ پر نازل ہو اب سے لے کر قیامت تک جب تک رات دن کی گردش باقی رہے اللہ آپ پر اپنی رحمتیں دوام کے ساتھ نازل فرماتا رہے۔ آمین۔

پس فرمایا کہ کہو اے اللہ تو ہی اپنی خلق میں ہیر پھیر کرتا رہتا ہے جو چاہے کر گذرتا ہے، جو لوگ کہتے تھے کہ ان دو بستیوں میں سے کسی بہت بڑے شخص پر اللہ نے اپنا کلام کیوں نازل نہ کیا؟ اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ﴾ [1] الخ کیا تیرے رب کی رحمت کو بانٹنے والے یہ لوگ ہیں، جب ان کے رزق تک کے مالک ہم ہیں جسے چاہیں کم دیں جسے چاہیں زیادہ دیں تو پھر ہم پر حکومت کرنے والے یہ کون؟ کہ فلاں کو نبی کیوں نہ بنایا؟ نبوت بھی ہماری ملکیت کی چیز ہے، ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کے دیئے جانے کے قابل کون ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الانعام/ ۱۲۴) جہاں کہیں اللہ تعالیٰ اپنی رسالت نازل فرماتا ہے اسے وہی سب سے بہتر جانتا ہے، اور جگہ فرمایا ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (الاسراء/ ۲۱) دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ان میں آپس میں ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تو ہی رات کی زیادتی کو دن کے نقصان میں بڑھا کر دن رات کو برابر کر دیتا ہے، زمین و آسمان پر سورج چاند پر پورا پورا قبضہ اور تمام تر تصرف تیرا ہی ہے۔

---

[1] [سورۃ الزخرف : آیت ۳۲]

اسی طرح جاڑے کو گرمی اور گرمی کو جاڑے سے بدلنا بھی تیری قدرت میں ہے' بہار وخزاں پر قادر تو ہی ہے۔ تو ہی ہے کہ زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالے کھیتی سے دانے اگاتا ہے اور دانہ سے کھیتوں کو لہلہاتا ہے' کھجور گٹھلی سے اور گٹھلی کھجور سے تو ہی پیدا کرتا ہے مومن کو کافر کے ہاں اد کافر کو مومن کے ہاں تو ہی پیدا کرتا ہے' مرغی انڈے سے اور انڈا مرغی سے اور اسی طرح کی تمام تر چیزیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں' تو جسے چاہے اتنا مال دے دے جو نہ گنا جائے نہ احاطہ کیا جائے' اور جسے چاہے بھوک کے برابر روٹی بھی نہ دے' ہم مانتے ہیں کہ یہ کام حکمت سے پر ہیں اور تیرے ارادے اور تیری چاہت سے ہی ہوتے ہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے اللہ کا اسم اعظم اس آیت ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ﴾ الخ' میں ہے کہ جب اس نام سے اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالیتا ہے۔ [1]

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

ایمانداروں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے وہ اللہ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جانا ہو' اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے' اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ○

کفار سے دوستی کی ممانعت: یہاں اللہ تعالیٰ ترک موالات کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے مسلمانوں کو کفار سے دوستی اور محض محبت کرنا مناسب نہیں بلکہ انہیں آپس میں ایمان داروں سے میل ملاپ اور محبت رکھنی چاہیے' پھر انہیں حکم سناتا ہے کہ جو ایسا کرے گا اس سے اللہ بالکل بیزار ہو جائے گا' جیسے اور جگہ ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ (ممتحنہ / ۱) الخ' مسلمانو میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کرو اور جگہ فرمایا مومنو یہ یہود ونصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہے' دوسری جگہ پروردگار عالم نے مہاجر انصار اور دوسرے مومنوں کے بھائی چارے کا ذکر کر کے فرمایا کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست ہیں تم بھی آپس میں اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور زبردست فساد برپا ہو گا۔ البتہ ان لوگوں کو رخصت دے دی گئی جو کسی شہر میں کسی وقت ان کی بدی اور برائی سے ڈر کر دفع الوقتی کے لیے بہ ظاہر کچھ میل ملاپ کریں لیکن دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہ ہو' جیسے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے

---

[1] [ضعیف جدا : طبرانی کبیر (۱۲۷۹۲)] اس میں محمد بن زکریا راوی ضعیف ہے۔ امام دارقطنیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا، امام ابن مندہؒ فرماتے ہیں کہ یہ متکلم فیہ راوی ہے۔ دیکھئے: میزان الاعتدال (٤٧٠/٤) لسان المیزان (۱۷۳/۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند محمد بن زکریا کی وجہ سے موضوع ہے۔]

QLRF

کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت میں بھی ہرگز نہ دے، یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے اور اسی کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ (النحل/١٠٦) جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے سوائے ان مسلمانوں کے جن پر زبردستی کی جائے مگر ان کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ بخاری میں ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ [2] پھر فرمایا اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے یعنی اپنے دبدبے اور اپنے عذاب سے اس شخص کو خبردار کیے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستی رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے۔ پھر فرمایا اللہ کی طرف لوٹنا ہے ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا اے بنی اود! میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں جان لو کہ اللہ کی طرف پھر کر سب کو جانا ہے پھر یا تو جنت ٹھکانا ہوگا یا جہنم۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

کہہ دے کہ اگر تم سینوں کی باتیں چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ سب کو جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پا لے گا، آرزو کرے گا کہ کاش اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ سے ڈر ہی بہتر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ پوشیدہ کو اور چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر باتوں کو بخوبی جانتا ہے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں اس کا علم سب چیزوں کو ہر وقت اور ہر لحظہ گھیرے ہوئے ہے، زمین کے گوشوں میں، پہاڑوں میں، سمندروں میں، آسمانوں میں، ہواؤں میں، سوراخوں میں غرض جو کچھ جہاں کہیں ہے سب اس کے علم میں ہے پھر ان سب پر اس کی قدرت ہے جس طرح چاہے رکھے جو چاہے جزا سزا دے، پس اتنے بڑے وسیع علم والے اتنی بڑی زبردست قدرت والے سے ہر شخص کو ڈرتے ہوئے رہنا چاہیے۔ اس کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہیے اور اس کی نافرمانیوں سے علیحدہ رہنا چاہیے وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے۔

ممکن ہے کسی کو ڈھیل دے دے لیکن جب پکڑے گا تب دبوچ لے گا پھر نہ مہلت ملے گی نہ رخصت، ایک

---

[1] [صحیح: بخاری: کتاب الادب: باب المداراة مع الناس (قبل الحدیث / ٦١٣١)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: ذکرہ البخاری فی اول کتاب الاکراة (قبل الحدیث / ٦٩٤٠)]

دن آنے والا ہے جس دن تمام عمر کے برے بھلے سب کام سامنے رکھ دیئے جائیں گے، نیکیوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی اور برائیوں پر نظریں ڈال کر دانت پیسے گا اور حسرت و افسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں ان سے کوسوں دور رہتا اور پرے ہی پرے رہتا قرآن نے اور جگہ فرمایا ﴿يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾ (القیامہ / ۱۳) سب گزری ہوئی باتیں اس دن پیش کر دی جائیں گی، شیطان جو اس کے ساتھ دنیا میں رہتا تھا اور اسے برائیوں پر اکساتا تھا اس سے بھی اس دن بیزاری کرے گا اور کہے گا ﴿يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ﴾ (الزخرف / ۳۸) کیا اچھا ہوتا کہ اے شیطان میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا وہ تو بڑا برا ساتھی ہے، پھر فرمایا اللہ تمہیں اپنے یعنی اپنے عذاب سے ڈرا دھمکا رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے نیک بندوں کو خوش خبری دیتا ہے کہ وہ اس کے لطف و کرم سے کبھی ناامید نہ ہوں وہ نہایت ہی مہربان بہت رحم اور پیار رکھنے والا ہے، امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف و محبت ہے کہ اس نے اپنے سے ہی اپنے بندوں کو ڈرایا،[1] یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر رحیم ہے بندوں کو بھی چاہیے کہ صراط مستقیم سے قدم نہ ہٹائیں دین پاک کو نہ چھوڑیں رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہہ دے کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا○

اللہ کی محبت کے لیے نبی کی اتباع: اس آیت نے فیصلہ کر دیا جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے اعمال افعال عقائد فرمان نبوی ﷺ کے مطابق نہ ہوں، طریقہ محمد یہ پر وہ کاربند نہ ہو تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے،[2] اسی لیے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو تو میری سنتوں پر عمل کرو اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا۔ جیسے کہ بعض حکیم علماء نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے چاہنے لگ جائے غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مدنظر ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا دین صرف اللہ کے لیے محبت اور

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/۲۰۲)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الاقضیۃ: باب نقض الاحکام الباطلۃ (۱۷۱۸)]

اسی کے لیے دشمنی کا نام ہے' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی [1] لیکن یہ حدیث سنداً منکر ہے' پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر ہر عام خاص کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ ورسول کے فرماں بردار رہیں جو نافرمان ہو جائیں یعنی اللہ رسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے' ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے گو ان کا دعویٰ ہو' لیکن جب تک اللہ کے سچے نبی امی خاتم الرسل رسول جن و بشر کی تابعداری پیروی اور اتباع سنت نہ کریں وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں' حضرت رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں کہ اگر آج انبیاء علیہم السلام اور رسول بلکہ بہترین اور اولو العزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ کی مانے بغیر اور آپ کی شریعت پر کاربند ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا' اس کا بیان تفصیل کے ساتھ آیت ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ [2] کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾
ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو انتخاب فرمایا ○ کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں' اور اللہ سنتا جانتا ہے ○

پہلے نبی آدم علیہ السلام: یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کو تمام جہان پر فضیلت عنایت فرمائی' حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنی روح ان میں پھونکی ہر چیز کے نام انہیں بتلائے' جنت میں انہیں بسایا پھر اپنی حکمت کے اظہار کے لیے زمین پر اتارا' جب زمین پر بت پرستی قائم ہو گئی تو حضرت نوح علیہ السلام کو سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا پھر جب ان کی قوم نے سرکشی کی پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا' حضرت نوح علیہ السلام نے دن رات پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی طرف دعوت دی لیکن قوم نے ایک نہ سنی تو نوح علیہ السلام کے فرماں برداروں کے سوا باقی سب کو پانی کے عذاب یعنی مشہور طوفان نوح بھیج کر ڈبو دیا خاندان خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدگی عنایت فرمائی اسی خاندان میں سے سید البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں' عمران کے خاندان کو بھی اس نے منتخب کر لیا' عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں' ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحاق رحمہ اللہ یہ ہے' عمران بن یاشم بن امون بن میشا بن حزقیا بن احریق بن موثم بن عزاریا بن امصیاء بن یاوش بن اجریھو بن

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۲۰۲/۲) مستدرك حاكم (۲۹۱/۲)] اس میں عبدالاعلیٰ راوی ہے، اسے امام دارقطنیؒ نے غیر قوی وضعیف کہا ہے۔ امام عقیلیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔ امام ابن حبانؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے حجت لینا حلال نہیں۔ [التھذیب (۸۵/٦) الضعفاء للعقیلی (۱۰۲٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [سورۃ آل عمران : آیت ۸۱]

یازم بن یھفا شاط بن ایشا بن ایان بن رخیعم بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام پس عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اس کا مفصل بیان سورہ انعام کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ الرحمٰن۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ
مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ
اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ
وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب میرے پیٹ میں جو ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو تو میری طرف سے قبول فرما' یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے ○ جب بچی تو لد ہوئی تو کہنے لگیں پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی' اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی' اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں' میں نے اس کا نام مریم رکھا میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے ○

مریم علیہا السلام کا تذکرہ: حضرت عمران کی بیوی صاحبہ کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا' اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی' پھر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے' اب یہ معلوم نہ تھا لڑکا ہو گا یا لڑکی جب بچہ پیدا ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے اس کے لیے تو لڑکا ہونا چاہیے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتُ﴾ بھی پڑھا گیا یعنی یہ قول بھی حضرت حنہ کا تھا کہ اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور ''تا'' کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے' یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے' اور فرماتی ہیں کہ مرد عورت برابر نہیں' میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے' کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہاں یہ بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا' اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا ملاحظہ ہو بخاری و مسلم۔ [1] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو جبکہ

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الفضائل (۲۳۱۵) ابو داؤد: کتاب الجنائز: باب فی البکاء علی المیت (۳۱۲۶) مسند احمد (۱۹۴/۳)]

وہ تولد ہوئے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا' یہ حدیث بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے [1] ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبدالرحمٰن نام رکھو۔ [2] (بخاری)

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ آپ اپنے دست مبارک سے اس بچے کو گھٹی دیں آپ اور طرف متوجہ ہو گئے بچہ کا خیال نہ رہا حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے بچے کو واپس گھر بھیج دیا جب آپ فارغ ہوئے بچے کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا اس کا نام منذر رکھو [3] (یعنی ڈرانے والا) مسند احمد اور سنن میں ایک اور حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ میں گروی ہے ساتویں دن عقیقہ کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے' اور بچہ کا سر منڈوائے' [4] ایک روایت میں ہے اور خون بہایا جائے [5] اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ والی روایت ہے واللہ اعلم۔

لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور نام ابراہیم رضی اللہ عنہ رکھا' یہ حدیث سنداً ثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے اور یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی واللہ اعلم۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ صاحبہ پھر اپنی بچی کو اور اس کی ہونے والی اولاد کو شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ام مریم رضی اللہ عنہا کی اس دعا کو بھی قبول فرمایا' چنانچہ مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر بچے کو شیطان اس کی پیدائش کے وقت ٹہوکا دیتا ہے اسی سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ لیکن حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ ﷺ اس سے بچے رہے' اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو ﴿اِنِّىٓ اُعِيْذُهَا بِكَ﴾ الخ' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے' یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب العقیقه : باب تسمية المولود غداة يولد (٥٤٧٠) صحيح مسلم : كتاب الادب : باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته (٢١٤٤) ابوداؤد : كتاب الادب : باب فى تغيير الاسماء (٤٩٥١) مسند احمد (١٠٦/٣)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الادب : باب قول النبی ﷺ سمو باسمی (٦١٨٩)]

[3] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الادب : باب تحویل الاسم الی اسم احسن منه (٦١٩١) صحيح مسلم : كتاب الادب : باب استحباب تحنيك المولود (٢١٤٩)]

[4] [صحیح :ابوداؤد : کتاب الضحایا : باب فی العقیقة (٢٨٣٧) نسائی : کتاب العقيقة : باب متى يعق (٤٢٢٥) ترمذی : کتاب الاضاحی : باب من العقیقة (١٥٢٢) ابن ماجه : كتاب الذبائح : باب العقيقة (٣١٦٥) مسند احمد (١٧/٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ﴿ ويدمى ﴾ کے الفاظ کے علاوہ صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے محفوظ الفاظ یہ ہیں ﴿ ويسمى ﴾ ۔[صحیح ابوداود]

[5] [أيضا]

مروی ہے[1] کسی میں ہے ایک یا دو ہ جھٹکے مارتا ہے[2] ایک حدیث میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا ہی ذکر ہے کہ شیطان نے انہیں بھی دھچکا مارنا چاہا لیکن انہیں دیا ہوا ٹھوکا پردے میں لگ کر رہ گیا۔[3]

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین طریق پر بڑھایا اور اس کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بنایا' جب بھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے' پوچھا اے مریم یہ میوے تمہارے پاس کہاں سے آئے' جواب دیا یہ اللہ کے پاس سے' بیشک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے○

زکریا علیہ السلام کا بیان: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ حضرت حنہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمالیا اور اسے بہترین طور سے نشوونما بخشی' ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تا کہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں' حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنایا ابن اسحاق رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا یتیم ہوگئی تھیں' لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے ذمہ لے لیا تھا' ہوسکتا ہے کہ دونوں وجوہات اتفاقاً آپس مل گئی ہوں واللہ اعلم۔
حضرت ابن اسحاق وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے' اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے' جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں[4] ابن اسحاق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں' پس ثابت ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔[5]
اب اللہ تعالیٰ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے۔ حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت ابوالشعثاء' حضرت

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب وانی اعیذھا بك (٤٥٤٨) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضائل عیسیٰ (٢٣٦٦) مسند احمد (٢/٢٣٣)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦٨٨٧)]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: باب صفة ابلیس وجنوده (٣٢٨٦)]

[4] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار: باب المعراج (٣٨٨٧)]

[5] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الصلح: باب کیف یکتب هذا ما صالح (٢٦٩٩)]

ابراہیم نخعی حضرت ضحاک، حضرت قتادہ، حضرت ربیع بن انس، حضرت عطیہ عوفی، حضرت سدی ﷭ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں، [1] حضرت مجاہد ﷫ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آتی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

مسند حافظ ابویعلیٰ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گذر گئے بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا حضرت فاطمہ ؓ کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہ میں کھالوں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور ﷺ کچھ بھی نہیں اللہ کے نبی ﷺ وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ ؓ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ٹکڑا گوشت حضرت فاطمہ ؓ کے پاس بھیجا آپ نے اسے لے کر برتن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے میرے خاوند اور بچوں کو بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گذار دیں گے اور اللہ کی قسم آج تو یہ رسول اللہ ﷺ ہی کو دوں گی پھر حضرت حسن ؓ یا حسین ؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں حضور ﷺ راستے ہی میں ملے اور ساتھ ہولیے آپ آئے تو کہنے لگیں میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لیے چھپا کر رکھ دیا ہے آپ نے فرمایا میری پیاری بچی لے آؤ اب جو طشت کھولا تو دیکھتی ہیں کہ روٹی سالن سے ابل رہا ہے دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے اللہ کا شکر کیا نبی اللہ ﷺ پر درود پڑھا اور آپ کے پاس لا کر پیش کر دیا آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ ابا جان اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے پھر حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ کو بلایا اور آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ نے اور حضرت فاطمہ ؓ نے اور حضرت حسنین ؓ نے اور آپ کی سب ازواج مطہرات ؓ اور اہل بیت ؓ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا یہ خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ [2]

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۲۲۷)]

[2] [ضعیف جدا: الدر المنثور للسیوطی (۲/۳۶) المطالب العالیة (۴/۷۳) اتحاف الخیرة (۹۶۷۰)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۵۳۵۹)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔]

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۱۲

اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی' کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما' بیشک تو دعا کا سننے والا ہے ○ پس فرشتوں نے اسے آواز دی جبکہ وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ (علیہ السلام) کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی سچائی کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے ○ کہنے لگے اے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے' فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے ○ کہنے لگے پروردگار میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کردے فرمایا نشان یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا صرف اشارے سے سمجھائے گا' تو اپنے رب کا ذکر بہ کثرت کر اور صبح وشام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ ○

دعا کی قبولیت اور یحییٰ علیہ السلام: حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بے موسم میوہ دیتا ہے جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمی میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے بڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے آپ بھی بے موسم میوہ یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے' اور چونکہ یہ طلب بہ ظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی اس لیے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی جیسے اور جگہ ہے ﴿نِدَآءً خَفِيًّا﴾ (مریم/۳) یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ علیہ السلام رکھنا' ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یحییٰ نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیاۃ ایمان کے ساتھ ہوگی [1] وہ اللہ کے کلمہ کے یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے' حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روش اور آپ کے طریق پر تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتے ہوئے پاتی ہوں' یہ تھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تصدیق دنیا میں آنے سے بھی پیشتر سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچائی کو انہوں نے

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۲۳۵)]

ہی پہچانا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے' سید کے معنی حلیم' بردبار' علم وعبادت میں بڑھا ہوا' متقی' پرہیز گار' فقیہ' عالم' خلق ودین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کر سکے' شریف اور کریم کے ہیں' حصور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آ سکے جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو' اس معنی کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن ابی حاتم میں ہے' کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ تلاوت کر کے زمین سے کچھ اٹھا کر فرمایا اس کا عضو اس جیسا تھا' [1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی اللہ سے بے گناہ ملیں گے پھر آپ نے یہ الفاظ پڑھے اور زمین سے کچھ اٹھایا اور فرمایا حصور اسے کہتے ہیں جس کا عضو اس جیسا ہو' اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا' یہ روایت جو مرفوع بیان ہوئی ہے اس کے حوالے سے اس موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے' اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے کے پھندنے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ایسا تھا' اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین سے ایک مرجھایا ہوا تنکا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر کے یہی فرمایا۔ [2]

اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کو دوسری بشارت دی جاتی ہے کہ تمہارا لڑکا نبی ہو گا یہ بشارت پہلی خوشخبری سے بھی بڑھ گئی' جب بشارت آ چکی تب حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا کہ بظاہر اسباب سے تو اس کا ہونا محال ہے تو کہنے لگے میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں بوڑھا ہوں میری بیوی بالکل بانجھ' فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ کا امر سب سے بڑا ہے اس کے پاس کوئی چیز انہونی نہیں' نہ اسے کوئی کام کرنا مشکل' نہ وہ کسی کام سے عاجز' اس کا ارادہ ہو چکا وہ اسی طرح کرے گا' اب حضرت زکریا علیہ السلام اللہ سے اس کی علامت طلب کرنے لگے' تو ذات باری سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ نشان یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا' رہے گا تندرست صحیح سالم لیکن زبان سے لوگوں سے بات چیت نہ کی جائے گی صرف اشاروں سے کام لینا پڑے گا' جیسے اور جگہ ہے ﴿ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ (مریم/ ۱۰) یعنی تین راتیں تندرستی کی حالت میں پھر حکم دیا کہ اس حال میں تمہیں چاہیے کہ ذکر اور تکبیر اور تسبیح میں زیادہ مشغول رہو' صبح شام اسی میں لگے رہو' اس کا دوسرا حصہ اور پورا بیان تفصیل کے ساتھ سورہ مریم میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۲۴۶/۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے ضعیف کہتے ہیں اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ اس میں سعید بن سلیمان راوی ضعیف ہے۔ [ملاحظہ فرمائیے: میزان الاعتدال (۳۲۰۲)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۶۹۷۷) ابن عدی فی الکامل (۲۳۴/۲) مجمع الزوائد (۲۰۸/۸) الدر المنثور للسیوطی (۳۹/۲)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کرلیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تجھے منتخب کرلیا ○ اے مریم تو اپنے رب کی اطاعت کیا کر اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ○ یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں تو ان کے پاس نہ تھا جبکہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا ○

تین افضل خواتین: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریم رضی اللہ عنہا کو فرشتوں نے خبر پہنچائی کہ اللہ نے انہیں ان کی کثرت عبادت، ان کی دنیا کی بے رغبتی، ان کی شرافت اور شیطانی وسواس سے دوری کی وجہ سے اپنا قرب خاص عنایت فرمایا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں خاص فضیلت دے رکھی ہے، صحیح مسلم شریف وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والیاں ہیں ان میں سے بہتر عورتیں قریش کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت ہی شفقت اور پیار کرنے والی اور اپنے خاوند کی چیزوں کی پوری حفاظت کرنے والی ہیں، حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئیں، [۱] بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت مریم بن عمران رضی اللہ عنہا ہیں اور عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں رضی اللہ عنہا۔ [۲] ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے ساری دنیا کی عورتوں میں سے بہتر مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، آسیہ فرعون کی بیوی ہیں رضی اللہ عنہن [۳] اور حدیث میں ہے یہ چاروں عورتیں تمام عالم کی عورتوں سے افضل اور بہتر ہیں [۴] اور حدیث میں ہے مردوں میں سے کامل مرد بہت سے ہیں لیکن عورتوں میں کمال والی عورتیں صرف تین ہیں، مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید یعنی گوشت کے شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر، [۵] یہ حدیث ابوداود کے علاوہ اور سب کتابوں میں ہے، صحیح بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں، میں نے اس حدیث کی تمام سندیں اور ہر سند کے الفاظ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں جمع کر دیئے ہیں۔ (وللہ الحمد والمنة)

---

[۱] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل نساء قریش (۲۵۲۷) مسند احمد (۲/۲۷۵) صحیح ابن حبان (۶۲۶۸)]

[۲] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللّٰہ تعالیٰ اذقالت الملئکة یا مریم (۳۴۳۲) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل خدیجه (۲۴۳۰) مسند احمد (۱/۸۴ ـ ۱۳۲)]

[۳] [صحیح :ترمذی : کتاب المناقب : باب فضل خدیجة (۳۸۷۸) عبدالرزاق (۲۰۹۱۹) حاکم (۳/۱۵۷) ابن حبان (۷۰۰۳) مسند احمد (۳/۱۳۵)] امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

[۴] [صحیح بالشواھد :تفسیر ابن جریر الطبری (۷۰۲۵)]

[۵] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللّٰہ تعالی "وضرب اللّٰہ مثلا للذین امنوا" (۳۴۱۱) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب فضائل خدیجه (۲۴۳۱) ابن ماجه : کتاب الاطعمة : باب فضل الثرید علی الطعام (۳۲۸۱) ترمذی : کتاب المناقب : باب فضل عائشه (۳۸۸۷) مسند احمد (۴/۳۹۴ ـ ۴۰۹)]

پھر فرشتے فرماتے ہیں کہ اے مریم رضی اللہ عنہا تو خشوع وخضوع رکوع وسجود میں رہا کر اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اس لیے تجھے رب کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہیے' قنوت کے معنی اطاعت کے ہیں جو عاجزی اور دل کی حاضری کے ساتھ ہو' جیسے ارشاد ہے: ﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ﴾ (الروم/ ٢٦) یعنی اس کی ماتحتی اور ملکیت میں زمین وآسمان کی ہر چیز ہے سب کے سب اس کے محکوم اور تابع فرمان ہیں' ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد اطاعت گذاری ہے' [1] یہی حدیث ابن جریر میں بھی ہے لیکن سند میں نکارت ہے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم آ جاتا تھا' قنوت سے مراد نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے' حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہ اور رکوع سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا' حضرت اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا۔ [2] (رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَأَرْضَاهَا)

یہ اہم خبریں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کا علم تمہیں صرف میری وحی سے ہوا ورنہ تمہیں کیا خبر؟ تم کچھ اس وقت ان کے پاس تھوڑے ہی موجود تھے جو ان واقعات کی خبر لوگوں کو پہنچاتے؟ لیکن اپنی وحی سے ہم نے ان واقعات کو اس طرح آپ پر کھول دیا گویا آپ اس وقت خود موجود تھے جبکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی پرورش کے بارے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا سب کی چاہت تھی کہ اس دولت سے مالا مال ہو جاؤں اور یہ اجر مجھے مل جائے' جب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو لے کر بیت المقدس کی مسجد سلیمانی میں تشریف لائیں اور وہاں کے خادموں سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں سے تھے کہا میں انہیں اپنی نذر کے مطابق نام اللہ پر آزاد کر چکی ہوں تم اسے سنبھالو یہ ظاہر ہے کہ لڑکی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حیض کی حالت میں عورتیں مسجد میں نہیں آ سکتیں اب تم جانو تمہارا کام' میں تو اسے گھر واپس نہیں لے جا سکتی کیونکہ نام اللہ اسے نذر کر چکی ہوں' حضرت عمران علیہ السلام یہاں کے امام نماز تھے اور قربانیوں کے مہتمم تھے اور یہ ان کی صاحبزادی تھیں تو ہر ایک نے بڑی چاہت سے ان کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے ادھر سے حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا ایک حق اور جتایا کہ میں رشتہ میں بھی ان کا خالو ہوتا ہوں تو یہ لڑکی مجھ ہی کو ملنی چاہیے اور لوگ راضی نہ ہوئے تو آخر قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ میں ان سب نے اپنی وہ قلمیں ڈالیں جن سے توراۃ لکھتے تھے' تو قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا [3] اور یہی اس

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (٢٦١/٢) ابو نعیم فی الحلیة (٣٢٥/٨) تفسیر ابن جریر الطبری (٤٠٣/٦) مسند ابو یعلی (٧٥/٣)] اس کی سند ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف: اس میں محمد بن یونس کدیمی راوی ضعیف ہے۔ [دیکھئے: میزان الاعتدال (٧٤/٤)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٥١/٦)]

سعادت سے مشرف ہوئے دوسری مفصل روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نہر اردن پر جا کر یہ قلمیں ڈالی گئیں کہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو قلم نکل جائے وہ نہیں اور جس کا قلم ٹھہرے جائے وہ حضرت مریم علیہا السلام کا کفیل بنے، چنانچہ سب کی قلمیں تو پانی بہا کر لے گیا صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم ٹھہر گیا بلکہ الٹا اوپر کو چڑھنے لگا ایک تو قرعے میں ان کا نام نکلا دوسرے قریب کے رشتہ دار تھے پھر یہ خود ان تمام کے سردار امام بلکہ نبی تھے (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) پس انہی کو حضرت مریم علیہا السلام سونپ دی گئیں۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ
النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ
وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۖ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ایک بات کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور ہے بھی وہ میری نزدیکی والوں میں سے ○ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں سے باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا ○ کہنے لگیں الٰہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ○

عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ: یہ خوش خبری حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ ان سے ایک لڑکا ہوگا جو بڑی شان والا اور صرف اللہ کے کلمہ ''کن'' کے کہنے سے ہوگا یہی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (ال عمران / ۳۹) کی بھی ہے، جیسے کہ جمہور نے ذکر کیا اور جس کا بیان اس سے پہلے گذر چکا اس کا نام مسیح ہوگا، عیسیٰ بیٹا مریم علیہا السلام کا، ہر مومن اسے اسی نام سے پہچانے گا، مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے، ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں، ان پر اللہ عزوجل کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں ان پر دنیا میں نازل ہوں گی اور آخرت میں بھی اور اولوالعزم پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لیے اللہ چاہے گا وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائے گی۔ وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچپنے ہی میں دعوت دیں گے جو ان کا معجزہ ہوگا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ ان کی طرف وحی کرے گا، وہ اپنے قول و فعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے، ایک حدیث میں ہے کہ بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جریج کے ساتھی نے کیا [1] اور ان کے علاوہ

حدیث میں ایک اور بچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے[2] حضرت مریم علیہا السلام اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں حاشاء اللہ' اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ اللہ کا امر بہت بڑا ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی وہ جو چاہے پیدا کر دے' اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہیے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ ((یفعل)) تھا یہاں لفظ ((یخلق)) ہے یعنی پیدا کرتا ہے اس لیے کہ کسی باطل پرست کو کسی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ جل شانہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے۔ پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا وہ جس کسی کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا' بس وہ وہیں ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ﴾ (القمر/ ٥٠) یعنی ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے' ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ
اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ
فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ
التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اللہ اسے لکھنا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا○ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں' میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے میں پیٹ کے اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا اور مردے کو جلا دیتا ہوں' اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں' اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو○ اور میں توراۃ کا سچانے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (۲/۲۷۲)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۳۶) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة: باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاة (۲۵۵۰)]

چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں۔ تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو○ یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے○

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات: فرشتے حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے کہتے ہیں کہ تیرے اس لڑکے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پروردگار عالم لکھنا سکھائے گا حکمت سکھائے گا لفظ حکمت کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے' اور اسے توراۃ سکھائے گا جو حضرت موسیٰ بن عمران صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تھی اور انجیل سکھائے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی پر اتری' چنانچہ آپ کو یہ دونوں کتابیں حفظ تھیں' انہیں بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجے گا' اور اس بات کو کہنے کے لیے کہ میرا یہ معجزہ دیکھو کہ مٹی لی اس کا پرندہ بنایا پھر پھونک مارتے ہی وہ سچ مچ کا جیتا جاگتا پرندہ بن کر سب کے سامنے اڑنے لگا' یہ اللہ کے حکم اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے سبب تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قدرت سے نہیں یہ ایک معجزہ تھا جو آپ کی نبوت کا نشان تھا' ﴿اَکۡمَہ﴾ اس اندھے کو کہتے ہیں جسے دن کے وقت دکھائی نہ دے اور رات کو دکھائی دے' بعض نے کہا ﴿اَکۡمَہ﴾ اس نابینا کو کہتے ہیں جسے دن کو دکھائی دے اور رات کو دکھائی نہ دے' بعض کہتے ہیں بھینگا اور ترچھا اور کانا مراد ہے' بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جو ماں کے پیٹ سے بالکل اندھا پیدا ہوا ہو' یہاں یہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں معجزے کا کمال یہی ہے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لیے اس کی یہ صورت اور صورتوں سے اعلیٰ ہے' ﴿اَبۡرَص﴾ سفید دانے والے کوڑھی کو کہتے ہیں ایسے بیمار بھی اللہ جل شانہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اچھے کردیتے تھے اور مردوں کو بھی اللہ عزوجل کے حکم سے آپ زندہ کردیا کرتے تھے' اکثر علماء کا قول ہے کہ ہر زمانے کے نبی کو اس زمانے والوں کی مناسبت سے خاص خاص معجزات جناب باری تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادوگروں کی بڑی قدر و تعظیم تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ معجزہ دیا جس سے تمام جادوگروں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان پر حیرت طاری ہوگئی اور انہیں کامل یقین ہوگیا کہ یہ تو اللہ واحد و قہار کی طرف سے عطیہ ہے جادو ہرگز نہیں چنانچہ ان کی گردنیں جھک گئیں اور یک لخت وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور بالآخر اللہ کے مقرب بندے بن گئے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا دور دورہ تھا کامل اطباء اور ماہر حکیم علم طب کے پورے عالم اور لاجواب کامل الفن استاد موجود تھے پس آپ کو وہ معجزے دیئے گئے جس سے وہ سب عاجز تھے بھلا مادرزاد اندھوں کو بالکل بینا کردینا اور کوڑھیوں کو اس مہلک بیماری سے اچھا کردینا اتنا ہی نہیں بلکہ جمادات جو محض بے جان چیز ہے اس میں روح ڈال دینا اور قبروں میں سے مردوں کو زندہ کردینا یہ کسی کے بس کی بات نہیں؟ صرف اللہ سبحانہ کے حکم سے بطور معجزہ یہ باتیں آپ سے ظاہر ہوئیں' ٹھیک اسی طرح جب ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت فصاحت و بلاغت نکتہ رسی اور بلند خیالی بول چال میں نزاکت و لطافت کا زمانہ تھا اس فن میں بلند پایہ شاعروں نے وہ کمال حاصل کرلیا تھا کہ دنیا ان کے قدموں پر جھکتی تھی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ ایسی عطا فرمائی گئی کہ ان سب کی کوندتی ہوئی بجلیاں ماند پڑ گئیں اور کلام اللہ کے نور نے انہیں نیچا دکھایا اور یقین کامل ہوگیا کہ یہ انسانی کلام نہیں' تمام دنیا سے کہہ دیا گیا اور جتا جتا کر' بتا بتا کر' سنا سنا کر منادی کر کے بار بار اعلان کیا گیا کہ ہے کوئی؟ جو اس جیسا

کلام کہہ سکے؟ اکیلے اکیلے نہیں سب مل جاؤ اور انسان ہی نہیں جنات کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو پھر سارے قرآن کے برابر بھی نہیں صرف دس سورتوں کے برابر سہی' اور اچھا یہ بھی نہ سہی ایک ہی سورت اس کی مانند تو بنا کر لاؤ لیکن سب کمریں ٹوٹ گئیں' ہمتیں پست ہوگئیں' گلے خشک ہوگئے۔ زبان گنگ ہوگئی اور آج تک ساری دنیا سے نہ بن پڑا اور نہ کبھی ہو سکے گا بھلا کہاں اللہ جل شانہ کا کلام اور کہاں مخلوق؟

پس اس زمانہ کے اعتبار سے اس معجزے نے اپنا اثر کیا اور مخالفین کو ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی اور جوق در جوق اسلامی حلقے بڑھتے گئے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کا اور معجزہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ نے فرمایا بھی اور کر کے بھی دکھایا' کہ جو کوئی تم میں سے آج اپنے گھر سے جو کچھ کھا کر آیا ہو میں اسے بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اطلاع سے بتا دوں گا یہی نہیں بلکہ کل کے لیے بھی اس نے جو تیاری کی ہوگی مجھے اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے پر معلوم ہو جاتا ہے' یہ سب میری سچائی کی دلیل ہے کہ میں جو تعلیم تمہیں دے رہا ہوں وہ برحق ہے ہاں اگر تم میں ایمان ہی نہیں تو پھر کیا؟ میں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کو بھی ماننے والا اس کی سچائی کا دنیا میں اعلان کرنے والا ہوں' میں تم پر بعض وہ چیزیں حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام کی گئی ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کے بعض احکام منسوخ نہیں کئے البتہ بعض چیزوں میں جو اختلاف تھا اور بڑھتے بڑھتے گویا ان کی حرمت پر اجماع ہو چکا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حقیقت بیان فرما دی اور ان کے حلال ہونے پر مہر کر دی' جیسے قرآن حکیم نے اور جگہ فرمایا: ﴿وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ﴾ (الزخرف / ٦٣) میں تمہارے بعض آپس کے اختلاف میں صاف فیصلہ کر دوں گا واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ میرے پاس اپنی سچائی کی اللہ جل شانہ کی دلیلیں موجود ہیں تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو' جس کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ اسے پوجو جو میرا اور تمہارا پالنہار ہے سیدھی اور سچی راہ تو صرف یہی ہے۔

> فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

پس جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر معلوم کر لیا تو کہنے لگے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں' ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں ○ اے ہمارے پالنے والے اللہ ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی مان لی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے ○ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی' اور اللہ تعالیٰ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر ہے ○

صولی پر کون چڑھا؟ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ لیا کہ اپنی گمراہی کج روی اور کفر وانکار سے یہ لوگ ہٹتے ہی نہیں تو فرمانے لگے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لیے میری

تابعداری کرے؟ (1) اس کا یہ مطلب بھی لیا گیا ہے کہ کوئی ہے جو اللہ جل شانہ کے ساتھ میرا مددگار بنے؟ لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے، بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ جل شانہ کی طرف پکارنے میں میرا ہاتھ بٹانے والا کون ہے؟ جیسے کہ نبی اللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کرنے سے پہلے موسم حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے اللہ جل شانہ کا کلام پہنچانے کے لیے جگہ دے؟ قریش تو کلام الٰہی کی تبلیغ سے مجھے روک رہے ہیں (2) یہاں تک کہ مدینہ شریف کے باشندے انصار کرام رضی اللہ عنہم اس خدمت کے لیے کمربستہ ہوئے آپ کو جگہ بھی دی آپ کی مدد بھی کی اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو پوری خیرخواہی اور بے مثال ہمدردی کا مظاہرہ کیا، ساری دنیا کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر کر دیا اور حضور ﷺ کی حفاظت خیرخواہی اور آپ کے مقاصد کی کامیابی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ۔

اسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس آواز پر بھی چند بنی اسرائیلیوں نے لبیک کہی آپ پر ایمان لائے آپ کی تائید کی تصدیق کی اور پوری مدد پہنچائی اور اس نور کی اطاعت میں لگ گئے جو اللہ ذوالجلال نے ان پر اتارا تھا یعنی انجیل یہ لوگ دھوبی تھے اور حواری انہیں ان کے کپڑوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا گیا ہے، بعض کہتے ہیں یہ شکاری تھے، صحیح یہ ہے کہ حواری کہتے ہیں مددگار کو، جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے آپ نے دوبارہ یہی فرمایا پھر بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہی قدم اٹھایا پس حضور ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ۔ (3) پھر یہ لوگ اپنی دعا میں کہتے ہیں ہمیں شاہدوں میں لکھ لے، اس سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک امت محمد ﷺ میں لکھ لینا ہے' (4) اس تفسیر کی روایت سنداً بہت عمدہ ہے۔

پھر بنی اسرائیل کے اس ناپاک گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی دشمن تھے انہیں مروا دینے اور سولی دیئے جانے کا قصد رکھتے تھے جنہوں نے اس زمانہ کے بادشاہ کے کان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھرے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے ملک میں بغاوت پھیلا رہا ہے اور رعایا کو بگاڑ رہا ہے، باپ بیٹوں میں فساد برپا کر رہا ہے، بلکہ اپنی خباثت خیانت کذب وجھوٹ (دروغ) میں یہاں تک بڑھ گئے کہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہا

---

(1) [تفسیر ابن ابی حاتم (۳/۲۹۰)]

(2) [حسن :مسند احمد (۳/۳۳۹) بیهقی فی دلائل النبوة (۲/۴۴۳) بزار (۱۷۵۶) مستدرك حاكم (۲/۶۶۴)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔[فتح الباری (۷/۱۷۷)] امام ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر جید کہا ہے۔[البداية والنهاية (۳/۱۹۵)] امام حاکمؒ اور امام ابن حبانؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(3) [صحیح :صحيح بخارى : كتاب الجهاد : باب فضل الطليعة (۲۸۴۶) صحيح مسلم : كتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل طلحة والزبير (۲۴۱۵) ترمذى : كتاب المناقب : باب ان لكل نبى حواريا (۳۷۴۴) ابن ماجه : مقدمه : باب فى فضائل اصحاب رسول الله فضل الزبير (۱۲۲)]

(4) [تفسير ابن ابى حاتم (۲/۲۹۴) طبرانى كبير (۱۱/۳۷۹)]

اور آپ پر بڑے بڑے بہتان باندھے' یہاں تک کہ بادشاہ بھی آپ کا دشمن جان بن گیا اور اپنی فوج کو بھیجا تا کہ اسے گرفتار کر کے سخت سزا کے ساتھ پھانسی دے دو' چنانچہ یہاں سے فوج جاتی ہے اور جس گھر میں آپ تھے اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے تا کہ بندی کر کے گھر میں گھستی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے صاف بچالیتا ہے اس گھر کے روزن (روشن دان) سے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیتا ہے اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی جاتی ہے جو اسی گھر میں تھا' یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ لیتے ہیں گرفتار کر کے لے جاتے ہیں سخت توہین کرتے ہیں اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر اسے صلیب پر چڑھا دیتے ہیں' یہی ان کے ساتھ اللہ کا مکر تھا کہ وہ تو اپنے نزدیک یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے اللہ کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو نجات دے دی تھی' اس بدبختی اور بدنیتی کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ ان کے دل ہمیشہ کے لیے سخت ہو گئے باطل پر اڑ گئے اور دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے اور آخر دنیا تک اس ذلت میں ڈوبے رہے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اگر انہیں خفیہ تدبیریں کرنی آتی ہیں تو کیا ہم خفیہ تدبیر کرنا نہیں جانتے بلکہ ہم تو ان سے بہتر خفیہ تدبیریں کرنے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر رکھنے والا ہوں قیامت کے دن تک' پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے' میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا ○ پس کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ○ لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا' اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ○ یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے ○

عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی جانب: قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ بعض مفسرین تو فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا پھر اس کے بعد تجھے فوت کروں گا' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں' وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھاتے وقت دن کے شروع میں تین ساعت تک فوت کر دیا تھا' ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں نصاریٰ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات ساعت تک فوت رکھا پھر زندہ کر دیا' وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین دن تک موت کے بعد پھر زندہ کر کے اٹھا لیا' مطر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی میں

تجھے دنیا میں پورا پورا دینے والا ہوں یہاں وفات موت مراد نہیں' اسی طرح ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿تَوَفّٰی﴾ سے یہاں مراد ان کا رفع ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وفات سے مراد یہاں نیند ہے' جیسے اور جگہ قرآن حکیم میں ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ﴾ (انعام/ ٦٠) الخ وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے یعنی سلا دیتا ہے اور جگہ ہے ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا﴾ (الزمر/ ٤٢) یعنی اللہ تعالیٰ ان کی موت کے وقت جانوں کو فوت کرتا ہے اور جو نہیں مرتیں انہیں ان کی نیند کے وقت' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا﴾ یعنی اللہ عزوجل کا شکر ہے جس نے ہمیں مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دیا' [1] اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ﴿وَبِكُفْرِهِمْ﴾ سے ﴿شَهِیْدًا﴾ تک پڑھو جہاں فرمایا گیا ہے ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر بہتان عظیم باندھ لینے کی بنا پر اور اس باعث کہ وہ کہتے ہیں ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ قتل کیا ہے اور نہ صلیب دی لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا ﴿مَوْتِهٖ﴾ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے جبکہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ' پس اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ نہ وہ جزیہ لیں گے نہ سوائے اسلام کے اور کوئی بات قبول کریں گے' ابن ابی حاتم میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ﴾ کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا [2] حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں۔ [3]

پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں کی گرفت سے آزاد کرنے والا ہوں' اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک' چنانچہ ایسا ہی ہوا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا لیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فریق ہو گئے ایک فرقہ تو آپ کی بعثت پر ایمان رکھنے والا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی کے لڑکے ہیں بعض وہ تھے جنہوں نے غلو سے کام لیا اور بڑھ گئے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے لگے' اوروں نے آپ کو اللہ کہا' دوسروں نے تین میں کا ایک آپ کو بتلایا' اللہ تعالیٰ ان کے ان عقائد کا ذکر قرآن مجید میں فرماتا ہے پھر ان کی تردید بھی کر دی ہے تین سو سال تک تو یہ اسی طرح رہے' پھر یونان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ جو بڑا فلیسوف تھا جس کا نام قسطنطین تھا کہا جاتا ہے کہ صرف اس دین کو بگاڑنے کے لیے منافقانہ انداز سے اس دین میں داخل ہوا یا جہالت سے داخل ہوا ہو' بہر صورت

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدعوات: باب ما یقول اذا نام (٦٣١٢)، (٦٣١٤)، (٦٣٢٤) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعآء: باب ما یقول عنه النوم (٢٧١١) ترمذی: کتاب الدعوات (٣٤١٧) ابن ماجه: کتاب الدعآء: باب ما یدعو به (٣٨٨٠) ابوداؤد: کتاب الادب: باب ما یقول عند النوم (٥٠٤٩) مسند احمد (٥/٣٩٧)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (٢/٢٩٦)]

[3] [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (٧١٢٩)]

اس نے دین مسیح کو بالکل بدل ڈالا اور بڑی تحریف اور تفسیر کی اس دین میں کمی اور زیادتی بھی کر ڈالی‘ بہت سے قانون ایجاد کیے‘ اور امانت کبریٰ بھی اسی کی ایجاد ہے جو دراصل کمینہ پن کی خیانت ہے‘ اسی نے اپنے زمانہ میں سود کو حلال کیا اسی کے حکم سے عیسائی مشرق کی طرف نمازیں پڑھنے لگے اسی نے گرجاؤں اور کلیساؤں میں عبادت خانوں اور خانقاہوں میں تصویریں بنوائیں اور اپنے ایک گناہ کے باعث دس روزے روزوں میں بڑھوا دیئے‘ غرض اس کے زمانہ سے دین مسیح مسیحی دین نہ رہا بلکہ دین قسطنطین ہو گیا‘ اس نے ظاہری رونق تو خوب دی بارہ ہزار سے زائد تو عبادت گاہیں بنوائیں اور ایک شہر اپنے نام سے بسایا‘ ملکیہ گروہ نے اس کی تمام باتیں مان لیں لیکن باوجود ان سب سیاہ کاریوں کے یہودی اس بات پر تلے رہے اور دراصل نسبتاً حق سے زیادہ قریب یہی تھے گو فی الواقع سارے کے سارے کفار تھے اللہ خالق کل کی ان پر پھٹکار ہو۔

اب جبکہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی تھا اس کے فرشتوں پر بھی تھا اس کی کتابوں پر بھی تھا اور اس کے تمام رسولوں پر بھی تھا پس حقیقت میں نبیوں کے سچے تابع فرمان یہی لوگ تھے یعنی امت محمد ﷺ اس لیے کہ یہ نبی امی عربی خاتم الرسل سید اولاد آدم ﷺ کے ماننے والے تھے اور حضور ﷺ کی تعلیم برحق تعلیم کو سچا ماننے والے تھے لہٰذا دراصل ہر نبی کے سچے تابعدار اور صحیح معنی میں امتی کہلانے کے مستحق یہی لوگ تھے کیونکہ ان لوگوں نے جو اپنے تئیں عیسیٰ کی امت کہتے تھے تو دین عیسوی کو بالکل مسخ اور فسخ کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں پیغمبر آخر الزمان کا دین بھی اور تمام اگلی شریعتوں کا ناسخ تھا پھر محفوظ رہنے والا تھا جس کا ایک شوشہ بھی قیامت تک بدلنے والا نہیں اس لیے اس آیت کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اس امت کو غالب کیا اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک چھا گئے ملکوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور بڑے بڑے جابر اور کٹر کافروں کی گردنیں مروڑ دیں دولتیں ان کے پیروں میں آ گئیں فتح و غنیمت ان کی رکابیں چومنے لگی مدتوں کی پرانی سلطنتوں کے تخت انہوں نے الٹ دئیے‘ کسریٰ کی عظیم الشان پرشان سلطنت اور ان کے بھڑکتے ہوئے آتش کدے ان کے ہاتھوں ویران اور سرد ہو گئے‘ قیصر کا تاج و تخت ان اللہ والوں نے تاخت و تاراج کیا اور انہیں مسیح پرستی کا خوب مزا چکھایا اور ان کے خزانوں کو اللہ واحد کی رضامندی میں اور اس کے سچے نبی کے دین کی اشاعت میں دل کھول کر خرچ کیے اور اللہ کے لکھے اور نبی کے وعدے چڑھے ہوئے سورج اور چودھویں کے روشن چاند کی طرح سچے ہوئے لوگوں نے دیکھ لیے‘ مسیح علیہ السلام کے نام کو بدنام کرنے والے مسیح کے نام شیطانوں کو پوجنے والے ان پاکباز اللہ پرستوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر شام کے لہلہاتے ہوئے باغات اور آباد شہروں کو ان کے حوالے کر کے بدحواس بھاگتے ہوئے روم میں جا بسے پھر وہاں سے بھی یہ بے عزت کر کے نکالے گئے اور اپنے بادشاہ کے خاص شہر قسطنطنیہ میں پہنچے لیکن پھر وہاں سے بھی ذلیل خوار کر کے نکال دیئے گئے اور ان شاء اللہ العزیز اسلام اور اہل اسلام قیامت تک ان پر غالب ہی رہیں گے‘ سب سچوں کے سردار جن کی سچائی پر مہر الٰہی لگ چکی ہے یعنی آنحضرت ﷺ خبر دے چکے ہیں جو اٹل ہے نہ کاٹے کٹے نہ توڑے ٹوٹے‘ نہ ٹالے ٹلے‘ فرماتے ہیں کہ آپ کی

امت کا آخری گروہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور وہاں کے تمام خزانے اپنے قبضے میں لے گا اور رومیوں سے ان کی وہ گھمسان کی لڑائی ہوگی کہ اس کی نظیر سے دنیا خالی ہو (ہماری دعا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ قادر کل اس امت کا حامی وناصر رہے اور روئے زمین کے کفار پر انہیں غالب رکھے اور انہیں سمجھ دے تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ محمد ﷺ کے سوا کسی اور کی اطاعت کریں' یہی اسلام کی اصل ہے اور یہی عروج دنیوی کا گر ہے) میں نے ان سب کو علیحدہ کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کے قول پر نظر ڈالیے کہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے والے یہود اور آپ کی شان میں بڑھ چڑھ کر باتیں بنا کر بہکنے والے نصرانیوں کو قتل وقید کی مار اور سلطنت کے تباہ ہو جانے کی یہاں بھی سزا دی اور آخرت کا عذاب وہاں دیکھ لیں گے جہاں نہ کوئی بچا سکے نہ مدد کر سکے گا لیکن برخلاف ان کے ایمانداروں کو پورا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا دنیا میں بھی فتح اور نصرت عزت وحرمت عطا ہوگی اور آخرت میں بھی خاص رحمتیں اور نعمتیں ملیں گی' اللہ تعالیٰ ظالموں کو ناپسند رکھتا ہے۔

پھر فرمایا اے نبی ﷺ یہ تھی حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتداء پیدائش کی اور ان کے امر کی جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آپ کی طرف بذریعہ اپنی خاص وحی کے اتار دی جس میں کوئی شک وشبہ نہیں جیسے سورۂ مریم میں فرمایا' عیسیٰ بن مریم ﷺ یہی ہیں یہی سچی حقیقت ہے جس میں تم شک وشبہ میں پڑے ہو' اللہ تعالیٰ کو تو لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو وہ اس سے بالکل پاک ہے وہ جو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا' بس وہ ہو جاتا ہے' اب یہاں بھی اس کے بعد بیان ہو رہا ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

ع ۹ ۱۴

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے' جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا ○ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا ○ پس جو شخص تیرے پاس اس علم کے آ جانے کے بعد بھی تجھ سے اس میں جھگڑے تو تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں پھر ہم بہ زاری التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں ○ بالیقین صرف یہی سچا بیان ہے' اور کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے اور بے شک وشبہ غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ○ پھر بھی اگر یہ قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح: حضرت باری جل اسمہ وعلا قدرہ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انہیں پیدا کر دیا تو کون سی حیرانی کی بات ہے؟ میں نے حضرت آدم کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی' مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا اسی وقت ہو گیا' پھر میرے لیے صرف ماں سے پیدا کرنا کون سا مشکل ہو سکتا جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا' پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام بطریق اولیٰ اس کا استحقاق رکھتے ہیں اور انہیں خود تم بھی نہیں مانتے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو سب سے پہلے اس مرتبہ سے ہٹا دینا چاہیے' کیونکہ ان کے دعوے کا جھوٹا ہونا اور خرابی اس سے بھی زیادہ یہاں ظاہر ہے یہاں ماں تو ہے وہاں تو نہ ماں تھی نہ باپ' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے کہ آدم علیہ السلام کو بغیر مرد و عورت کے پیدا کیا اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا' اور عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا اور باقی مخلوق کو مرد و عورت سے پیدا کیا اسی لیے سورۂ مریم میں فرمایا ﴿وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ﴾ [1] ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کا نشان بنایا اور یہاں فرمایا ہے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ کا سچا فیصلہ یہی ہے اس کے سوا اور کچھ کسی کمی یا زیادتی کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ حق کے بعد گمراہی ہی ہوتی ہے پس تجھے اے نبی ﷺ ہرگز ان شکی لوگوں میں نہ ہونا چاہیے۔

اللہ رب العالمین اس کے بعد اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اگر اس قدر واضح اور کامل بیان کے بعد بھی کوئی شخص تجھ سے امر عیسیٰ کے بارے میں جھگڑے تو تو انہیں مباہلہ کی دعوت دے کہ ہم فریقین مع اپنے بیٹوں اور بیویوں کے مباہلہ کے لیے نکلیں اور اللہ جل شانہ سے عاجزی کے ساتھ کہیں کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو بھی جھوٹا ہو اس پر تو اپنی لعنت نازل فرما' اس مباہلہ کے نازل ہونے اور سورت کی ابتداء سے یہاں تک کہ ان تمام آیتوں کے نازل ہونے کا سبب نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا یہ لوگ یہاں آ کر حضور ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکمرانی کے حصہ دار اور خدا جل شانہ کے بیٹے ہیں پس ان کی تردید اور ان کے جواب میں یہ سب آیتیں نازل ہوئیں' ابن اسحاق رحمہ اللہ اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے ساٹھ آدمی بھیجے تھے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام یہ ہیں' عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا' سید جس کا نام ایہم تھا' ابو حارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا' اور اویس بن حارث' زید' قیس' یزید اور اس کے دونوں لڑکے' اور خویلد اور عمرو' خالد' عبداللہ اور یحنس یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص تھے عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر یہ لوگ مطمئن ہو جاتے تھے اور سید جو ان کا لاٹ پادری تھا اور مدرس اعلیٰ تھا یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی اس کے لیے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی

---

[1] [سورۃ مریم : آیت ۲۱]

بہت کچھ خاطر مدارات اور خدمت وعزت کرتے رہتے تھے [1] یہ شخص حضور ﷺ کی صفت وشان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ کی صفتیں پڑھ چکا تھا دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ ومنصب اسے حاصل تھا اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

غرض یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا آپ اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے اور خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا' ان کی نماز کا وقت آ گیا تو آپ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبوی میں ہی اپنے طریق پر نماز ادا کر لی۔ بعد نماز کے حضور ﷺ سے ان کی گفتگو ہوئی ادھر سے بولنے والے یہ تین شخص تھے حارثہ بن علقمہ عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی ایہم یہ گو شاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے حضرت مسیح کی نسبت ان کے تینوں خیال تھے یعنی وہ خود خدا جل شانہ ہے اور خدا کا لڑکا ہے اور تین میں کا تیسرا ہے اللہ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا ہے اور بہت ہی بلند و بالا' تقریباً تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے' مسیح کے اللہ ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور اندھوں اور کوڑھیوں اور بیماروں کو شفا دیتا تھا' غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتا تھا اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ساری باتیں اس سے اللہ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں اس لیے کہ اللہ کی نشانیاں اللہ کی باتوں کے سچ ثابت ہونے پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر مثبت دلیل ہو جائیں' اللہ کا لڑکا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بہ ظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں ہی بولنے لگے تھے' یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آئی تھی (اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تاکہ لوگ اللہ کو اسباب کا محکوم اور عادت کا محتاج نہ سمجھیں وغیرہ۔ مترجم) اور تین میں تیسرا اس لیے کہتے تھے کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے ہم نے کیا ہمارا امر ہماری مخلوق ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ پس اگر اللہ اکیلا ایک ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا میں نے کیا میرا امر میری مخلوق میں نے فیصلہ کیا وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں خود اللہ رب کعبہ اور عیسیٰ اور مریم (جس کا جواب یہ ہے کہ ہم کا لفظ صرف بڑائی کے لیے اور عظمت کے لیے ہے۔ مترجم) اللہ تعالیٰ ان ظالموں منکروں کے قول سے پاک و بلند ہے' ان کے تمام عقائد کی تردید قرآن کریم میں نازل ہوئی۔

جب یہ تینوں پادری حضور ﷺ سے بات چیت کر چکے تو آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم تو ماننے والے ہیں' آپ نے فرمایا نہیں نہیں تمہیں چاہیے کہ اسلام قبول کر لو وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں فرمایا نہیں تمہارا یہ اسلام قبول نہیں اس لیے کہ تم اللہ کی اولاد مانتے ہو صلیب کی پوجا کرتے ہو خنزیر کھاتے ہو۔ انہوں نے کہا اچھا پھر یہ تو فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون تھا؟ حضور ﷺ تو اس پر خاموش رہے اور سورۂ آل عمران کی شروع سے لے کر اوپر اوپر تک کی آیتیں ان کے جواب میں نازل ہوئیں' ابن اسحاق

---

[1] [مرسل وضعیف : بیهقی فی دلائل النبوة (٥/٣٨٢) سیرة ابن هشام (٢/٢٢٢)]

ان سب کی مختصر سی تفسیر بیان کر کے پھر لکھتے ہیں آپ نے یہ سب تلاوت کر کے انہیں سمجھا دیں۔ اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کو نکلو یہ سن کر وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم ﷺ ہمیں مہلت دیجیے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں پھر تمہیں اس کا جواب دیں گے اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاریٰ تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت وہی ہے جو محمد (ﷺ) کی زبانی تم سن چکے ہو اور تمہیں بخوبی علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لیے قدم بڑھایا تو تمہارا ستیاناس ہو جائے گا' پس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح نہیں ماننا چاہتے ہو اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔

چنانچہ یہ لوگ صلاح مشورہ کر کے پھر دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم (ﷺ) ہم آپ سے ملاعنہ کرنے کے لیے تیار نہیں آپ اپنے دین پر رہیے اور ہم اپنے خیالات پر ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجیے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑے کا ہم میں فیصلہ کر دیں آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا تم دوپہر کو پھر آنا میں تمہارے ساتھ کسی مضبوط امانت دار کو کر دوں گا' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کسی دن بھی سردار بننے کی خواہش نہیں کی لیکن اس دن صرف اس خیال سے کہ حضور ﷺ نے جو تعریف کی ہے اس کا تصدیق کرنے والا اللہ کے نزدیک میں بن جاؤں' اسی لیے میں اس روز سویرے سویرے ظہر کی نماز کے لیے چل پڑا' حضور ﷺ تشریف لائے نماز ظہر پڑھائی پھر دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے میں بار بار اپنی جگہ اونچا ہوتا تھا تا کہ آپ کی نگاہیں مجھ پر پڑیں' آپ برابر بغور دیکھتے ہی رہے یہاں تک کہ نگاہیں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ پر پڑیں انہیں طلب فرمایا اور کہا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تشریف لے گئے [1] ابن مردویہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے لیکن وہاں سرداروں کی گنتی بارہ کی ہے اور اس واقعہ میں بھی قدرے طوالت ہے اور کچھ زائد باتیں بھی ہیں' صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مروی ہے نجرانی سردار عاقب اور سید مباہلہ کے ارادے سے حضور ﷺ کے پاس آئے لیکن ایک نے دوسرے سے کہا یہ نہ کر اللہ کی قسم اگر یہ نبی ہیں اور ہم نے ان سے مباہلہ کیا تو ہم اپنی اولادوں سمیت تباہ ہو جائیں گے چنانچہ پھر دونوں نے متفق ہو کر کہا حضرت آپ ہم سے جو طلب فرماتے ہیں ہم وہ سب ادا کر دیں گے (یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا) آپ کسی امین شخص کو ہمارے ساتھ کر دیجیے اور امین کو ہی بھیجنا' آپ نے فرمایا بہتر میں

---

[1] [مرسل وضعیف :بیهقی فی دلائل النبوة (٥/٣٨٥)] شیخ البانیؒ اسے مرسل یا معضل کہا ہے۔[فقه السیرة (ص : ٤٣٩)]

تمہارے ساتھ کامل امین کو ہی کروں گا اصحاب رسول ﷺ ایک دوسرے کو تکنے لگے یہ دیکھیں حضور ﷺ کس کا انتخاب کرتے ہیں آپ نے فرمایا اے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تم کھڑے ہو جاؤ جب یہ کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا یہ ہیں اس امت کے امین۔ [1]

صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے (رضی اللہ عنہ) [2] مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے کہا۔ اگر میں محمد (ﷺ کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں تو اس کی گردن کچل دوں گا فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتے تو سب کے سب دیکھتے کہ فرشتے اسے دبوچ لیتے' اور یہودیوں سے جب قرآن نے کہا تھا کہ آؤ جھوٹوں کے لیے موت مانگو اگر یہ مانگتے تو یقیناً سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہیں جہنم کی آگ میں دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر وہ حضور ﷺ کے مقابلہ میں مباہلے کے لیے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں کو اور اپنے بال بچوں کو نہ پاتے' صحیح بخاری ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے' [3] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں' امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی وفد نجران کے قصے کو طویل تر بیان کیا ہے' ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں گو اس میں غرابت بھی ہے اور اس مقام سے وہ نہایت مناسبت رکھتا ہے' سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طس قرآن میں نازل ہونے سے پیشتر اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا جس کی عبارت یہ تھی۔ ﴿بِسْمِ اِلٰهِ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُّحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اُسْقُفِ نَجْرَانَ وَاَهْلِ نَجْرَانَ اَسْلِمْ اَنْتُمْ فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمْ اِلٰهَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ اَدْعُوْكُمْ اِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَاَدْعُوْكُمْ اِلٰى وَلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وَّلَايَةِ الْعِبَادِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَقَدْ اٰذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَالسَّلَامُ﴾ یعنی اس خط کو میں شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کے اللہ تعالیٰ کے نام سے' یہ خط ہے محمد (ﷺ) کی طرف سے جو اللہ رب العزت کے نبی اور رسول ہیں۔ نجران کے سردار کی طرف میں اللہ تعالیٰ کی تمہارے سامنے حمد وثنا بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا معبود ہے' پھر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آؤ اور بندوں کی ولایت کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آ جاؤ' اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیار کرو اگر اس سے بھی انکار ہو تو تمہیں لڑائی کا اعلان ہے والسلام۔

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب قصة اهل نجران (۴۳۸۰)، (۳۷۴۵) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابه : باب من فضائل ابی عبیدة بن الجراح (۲۴۲۰) ترمذی (۳۷۹۶) ابن ماجه (۱۳۵) مسند احمد (۳۸۵/۵)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری (۴۳۸۲) صحیح مسلم (۲۴۱۹) مسند احمد (۱۳۳/۳)]

[3] [صحیح: بخاری (۴۹۵۸) ترمذی (۳۳۴۵) مسند احمد (۳۶۸/۱)]

جب یہ خط اسقف کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا یا تو بڑا سٹپٹایا گھبرا گیا اور تھرانے لگا' جھٹ سے شرحبیل بن وداعہ کو بلوایا جو ہمدان قبیلہ کا تھا سب سے بڑا مشیر سلطنت یہی تھا جب کبھی کوئی اہم کام آ پڑتا تو سب سے پہلے یعنی ایہم اور سید اور عاقب سے بھی پیشتر اس سے مشورہ ہوتا جب یہ آ گیا تو اسقف نے حضور ﷺ کا خط اسے دیا جب اس نے پڑھ لیا تو اسقف نے پوچھا بتاؤ کیا خیال ہے؟ شرحبیل نے کہا بادشاہ کو خوب علم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ کے ایک نبی کے آنے کا وعدہ اللہ کی کتاب میں ہے کیا عجب کہ وہ نبی یہی ہو امر نبوت میں کیا رائے دے سکتا ہوں ہاں اگر امور سلطنت کی کوئی بات ہوتی تو بیشک میں اپنے دماغ پر زور ڈال کر کوئی بات نکال لیتا' اسقف نے انہیں تو الگ بٹھا دیا اور عبداللہ بن شرحبیل کو بلایا یہ بھی مشیر سلطنت تھا اور حمیر کے قبیلے میں سے تھا اسے خط دیا پڑھایا رائے پوچھی تو اس نے بھی ٹھیک وہی بات کہی جو پہلا مشیر کہہ چکا تھا اسے بھی بادشاہ نے دور بٹھا دیا پھر جبار بن فیض کو بلایا جو بنو حارث میں سے تھا اس نے بھی یہی کہا جو ان دونوں نے کہا تھا' بادشاہ نے جب دیکھا کہ ان تینوں کی رائے متفق ہے تو حکم دیا گیا کہ ناقوس بجائے جائیں آگ جلا دی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کر دیئے جائیں وہاں کا یہ دستور تھا کہ جب سلطنت کا کوئی اہم کام ہوتا اور رات کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو یہی کرتے اور اگر دن کا وقت ہوتا تو گرجوں میں آگ جلا دی جاتی اور ناقوس زور زور سے بجائے جاتے' اس حکم کے ہوتے ہی چاروں طرف آگ جلائی گئی اور ناقوس کی آواز نے ہر ایک کو ہوشیار کر دیا اور جھنڈے اونچے دیکھ دیکھ کر آس پاس کی وادی کے تمام لوگ جمع ہو گئے اس وادی کا طول اتنا تھا کہ تیز سوار صبح سے شام تک دوسرے کنارے پہنچتا تھا اس میں تہتر گاؤں آباد تھے اور ایک لاکھ بیس ہزار تلوار چلانے والے یہاں آباد تھے جب یہ سب لوگ آ گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو تمام عقلمندوں نے کہا کہ شرحبیل بن وداعہ ہمدانی عبداللہ بن شرحبیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو بطور وفد کے بھیجا جائے' یہ وہاں سے پختہ خبر لائیں۔

اب یہاں سے یہ وفد ان تینوں کی سرداری کے ماتحت روانہ ہوا مدینہ پہنچ کر انہوں نے سفری لباس اتار ڈالا اور نقش بنے ہوئے ریشمی لمبے لمبے حلے پہن لیے اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں ڈال لیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا بہت دیر تک انتظار کیا حضور ﷺ کچھ بات کریں لیکن ان ریشمی حلوں اور سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے آپ نے ان سے کلام بھی نہ کیا اب یہ لوگ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے اور ان دونوں بزرگوں سے ان کی پہلی ملاقات تھی مہاجرین اور انصار کے ایک مجمع میں ان دونوں حضرات کو پالیا ان سے واقعہ بیان کیا تمہارے نبی (ﷺ) نے ہمیں خط لکھا ہم اس کا جواب دینے کے لیے خود حاضر ہوئے آپ کے پاس گئے سلام کیا لیکن جواب نہ دیا پھر بہت دیر تک انتظار میں بیٹھے رہے کہ آپ سے کچھ باتیں ہو جاتیں لیکن آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی آخر ہم لوگ تھک کر چلے آئے اب آپ حضرات فرمائیے کہ کیا ہم یونہی واپس چلے جائیں' ان دونوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہی انہیں جواب دیجیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اپنے حلے اور اپنی انگوٹھیاں اتار دیں اور وہی سفری معمولی لباس پہن کر حضور ﷺ کی خدمت

میں دوبارہ جائیں چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اسی معمولی لباس میں گئے سلام کیا آپ نے جواب دیا پھر فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ جب میرے پاس پہلی مرتبہ آئے تھے تو ان کے ساتھ ابلیس تھا۔

اب سوال جواب بات چیت شروع ہوئی حضور ﷺ بھی پوچھتے تھے اور وہ جواب دیتے تھے اسی طرح وہ بھی سوال کرتے اور جواب پاتے‘ آخر میں انہوں نے پوچھا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر وہ کہیں ہمیں اس کی خوشی ہے کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی زبانی سنیں کہ آپ کا ان کی بابت کیا خیال ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرے پاس اس کا جواب آج نہیں تم ٹھہرو تو میرا رب مجھ سے اس کی بابت جو فرمائے گا وہ میں تمہیں سنا دوں گا‘ دوسرے دن وہ پھر آئے تو آپ نے اسی وقت کی اتری ہوئی اس آیت ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ﴾ کی ﴿كَاذِبِينَ﴾ تک تلاوت کر سنائی انہوں نے اس بات کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا‘ دوسرے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ ملاعنہ کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر میں لیے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آ رہی تھیں اس وقت آپ کی کئی ایک بیویاں تھیں‘ شرحبیل یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات کو مانتی ہے اور میری رائے پر کاربند ہوتی ہے‘ سنو اللہ کی قسم یہ معاملہ بڑا بھاری ہے اگر یہ شخص (ﷺ) مبعوث کیا گیا ہے تو سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ٹھہریں گے یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں نہیں جائے گی اور ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت و آفت آئے گی عرب بھر میں سب سے زیادہ قریب ان سے میں ہی ہوں اور سنو اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو مباہلہ کرتے ہی روئے زمین پر ایک بال یا ایک ناخن بھی ہمارا نہ رہے گا‘ اس کے دونوں ساتھیوں نے کہا پھر اے ابومریم آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اسی کو ہم حاکم بنا دیں جو کچھ یہ حکم دے ہم اسے منظور کر لیں یہ کبھی بھی خلاف عدل حکم نہ دے گا‘ ان دونوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا‘ اب شرحبیل نے حضور ﷺ سے کہا کہ میں اس ملاعنہ سے بہتر چیز جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں آپ نے دریافت فرمایا وہ کیا؟ کہا آج کا دن آنے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں ہمیں منظور ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید اور لوگ تمہارے اس فیصلے کو نہ مانیں‘ شرحبیل نے کہا اس کی بابت میرے ان دونوں ساتھیوں سے دریافت فرما لیجیے آپ نے ان دونوں سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ سارے وادی کے لوگ انہی کی رائے پر چلتے ہیں وہاں ایک بھی ایسا نہیں جو ان کے فیصلے کو ٹال سکے‘ پس حضور ﷺ نے یہ درخواست قبول فرمائی۔ مباہلہ نہ کیا اور واپس لوٹ گئے دوسرے دن صبح ہی وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ایک تحریر انہیں لکھ دی کہ جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا کہ تحریر اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نجرانیوں کے لیے ہے ان پر اللہ کے رسول ﷺ کا حکم جاری تھا ہر پھل‘ ہر سیاہ و سفید اور ہر غلام پر لیکن اللہ کے رسول ﷺ یہ سب انہی کو دیتے ہیں یہ ہر سال صرف دو ہزار حلے دے دیا کریں ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں وغیرہ وغیرہ۔ [1]

---

[1] [ضعیف :بیھقی فی دلائل النبوۃ (۵/۳۸۴)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں محمد بن ابی محمد راوی مجہول ہے۔ [مزید دیکھئے: زادالمعاد (۳/۶۴۲)]

QLRF

پورا عہد نامہ انہیں عطا فرمایا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ وفد سن ۹ ہجری میں آیا تھا اس لیے کہ حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی اہل نجران نے حضور ﷺ کو ادا کیا' اور جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد اتری ہے جو یہ ہے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ﴾ (التوبة/ ۲۹) الخ۔

اس آیت میں اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہوا ہے' ابن مردویہ میں ہے کہ عاقب اور طیب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے آپ نے انہیں ملاعنہ کے لیے کہا اور صبح کو حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو لیے ہوئے آپ تشریف لائے اور انہیں کہلا بھیجا انہوں نے قبول نہ کیا اور خراج دینا منظور کر لیا' آپ نے فرمایا اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر یہ دونوں ''نہیں'' کہتے تو ان پر یہی وادی آگ برساتی' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿نَدْعُ اَبْنَآئَنَا﴾ والی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿اَنْفُسَنَا﴾ سے مراد خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ﴿اَبْنَآئَنَا﴾ سے مراد حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ﴿نِسَآئَنَا﴾ سے مراد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا [1] مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی اس معنی کی حدیث مروی ہے۔ پھر جناب باری کا ارشاد ہے یہ جو ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان فرمائی ہے حق اور سچ ہے اس میں بال برابر کمی بیشی نہیں' اللہ قابل عبادت ہے کوئی اور نہیں اور وہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے' اب بھی اگر یہ منہ پھیر لیں اور دوسری باتوں میں پڑیں تو اللہ بھی ایسے باطل پسندوں کو اور مفسدوں کو بخوبی جانتا ہے انہیں بدترین سزا دے گا اس میں پوری قدرت ہے کوئی اس سے نہ بھاگ سکے نہ اس کا مقابلہ کر سکے' وہ پاک ہے اور تعریفوں والا ہے' ہم اس کے عذاب سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

کہہ دو کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں' پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں ○

یہود و نصاریٰ سے خطاب: یہودیوں نصرانیوں اور انہی جیسے لوگوں سے یہاں خطاب ہو رہا ہے' کلمہ کا اطلاق مفید جملے پر ہوتا ہے' جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر ﴿سَوَآءٍ﴾ الخ کے ساتھ اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ ﴿سَوَآءٍ﴾ کے معنی عدل و انصاف جیسے ہم کہیں ہم تم برابر ہیں' پھر اس کی تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی بت کو نہ پوجیں صلیب' تصویر' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہ آگ کو نہ اور کسی چیز کو

---

[1] **[ضعیف** :ابو نعیم فی الدلائل (۲٤٤) مستدرك حاكم (۲/ ۵۹۳)] اس کی سند میں بشر بن مہران اور محمد بن دینار راوی ضعیف ہیں۔[دیکھئے : میزان الاعتدال (۱/ ۳۲۵) ، (۱۲۲٤)]

بلکہ تنہا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، یہی عبادت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تھی، جیسے فرمان ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (الانبیاء/۲۵) یعنی تجھ سے پہلے جس جس رسول کو ہم نے بھیجا سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کیا کرو اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل/۳۶) یعنی ہر امت میں رسول بھیج کر ہم نے یہ اعلان کروایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا سب سے بچو۔ پھر فرماتا ہے کہ آپس میں ہم اللہ جل جلالہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے سجدہ نہ کریں، پھر اگر یہ لوگ اس حق اور عدل دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو انہیں تم اپنے مسلمان ہونے کا گواہ بنالو، ہم نے بخاری کی شرح میں اس واقعہ کا مفصل ذکر کر دیا ہے جس میں ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جبکہ دربار قیصر میں بلوائے گئے اور شاہ قیصر روم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا حال پوچھا تو انہیں کافر اور دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے باوجود آپ کے خاندانی شرافت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی طرح ہر سوال کا صاف اور سچا جواب دینا پڑا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے اسی باعث قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدعہدی کرتے ہیں؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں کرتے لیکن اب ایک معاہدہ ہمارا ان سے ہوا ہے نہیں معلوم اس میں وہ کیا کریں؟ یہاں صرف یہ مقصد ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پیش کیا جاتا ہے جس میں بِسْمِ اللّٰهِ کے بعد یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرقل کی طرف جو روم کا بادشاہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اسے جو ہدایت کا تابعدار ہو اس کے بعد اسلام قبول کر سلامت رہے گا، اسلام قبول کر اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر دے گا اور اگر تو نے منہ موڑا تو تمام رئیسوں کے گناہوں کا بوجھ تجھ پر پڑے گا پھر یہی آیت لکھی تھی۔

امام محمد بن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سورت یعنی سورۂ آل عمران کو شروع سے لے کر ﴿اِنِّیْ﴾ سے کچھ اوپر تک آیتیں وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی لوگوں نے ادا کیا ہے اور اس بات میں بھی مطلقاً اختلاف نہیں ہے کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد اتری ہے پس یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے تو پھر فتح سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خط میں ہرقل کو یہ آیت کیسے لکھی؟ اس کے جواب کئی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ ممکن ہے یہ آیت دو مرتبہ اتری ہو حدیبیہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے شروع سورت سے لے کر اس آیت تک وفد نجران کے بارے میں اتری ہو یا یہ آیت اس سے پہلے اتر چکی ہو اس صورت میں ابن اسحاق رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اسی (۸۰) کے اوپر اوپر کچھ آیتیں اسی وفد کے بارے میں اتری ہیں یہ محفوظ نہ ہو کیونکہ ابوسفیان والا واقعہ سراسر اس کے خلاف ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وفد نجران حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور انہوں نے جو کچھ دینا منظور کیا ہو یہ صرف مباہلہ سے بچنے کیلئے

بطور مصالحت کے ہو نہ کہ جزیہ دیا ہو اور یہ اتفاق کی بات ہو کہ آیت جزیہ اس واقعہ کے بعد اتری جس سے اس کا اتفاقاً الحاق ہو گیا۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بدر سے پہلے غزوے کے مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور پانچواں حصہ باقی رکھ کر دوسرے حصے لشکر میں تقسیم کر دیئے' پھر اس کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کی آیتیں بھی اسی کے مطابق اتریں اور یہی حکم ہوا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں جو ہرقل کو بھیجا اس میں یہ بات اسی طرح بطور خود لکھی ہو پھر آنحضرت ﷺ کے الفاظ ہی میں وحی نازل ہوئی ہو جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پردے کے حکم کے بارے میں اسی طرح آیت اتری' اور بدری قیدیوں کے بارے میں انہی کے ہم خیال فرمان باری نازل ہوا' اسی طرح منافقوں کا جنازہ پڑھنے کی بابت بھی انہی کی بات قائم رکھی گئی' چنانچہ مقام ابراہیم کو مصلےٰ بنانے سے متعلق بھی اسی طرح وحی نازل ہوئی اور ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ (التحریم / ٥) بھی انہی کے خیال سے متعلق آیت اتری' پس یہ آیت بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہی اتری ہو' یہ بہت ممکن ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے اہل کتاب تم ابراہیم (علیہ السلام) کی بابت کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ توراۃ وانجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئیں کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ؟○ سنو تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمہیں علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے○ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یکطرفہ خالص مسلمان تھے' وہ مشرک بھی نہ تھے○ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم (علیہ السلام) سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے' مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ تعالیٰ ہی ہے○

ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے دعوے: یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے اور نصرانی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے کہتے تھے اور آپس میں اس پر بحث مباحثے کرتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں کے دعوے کی تردید کرتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نجران کے نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور حضور ﷺ کے سامنے ان کا جھگڑا شروع ہو گیا' ہر فریق اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہم میں سے تھے اس پر یہ آیت اتری کہ اے یہودیو تم خلیل اللہ کو اپنے میں سے کیسے بتاتے

ہو؟ حالانکہ ان کے زمانے میں نہ موسیٰ تھے نہ توراۃ‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب توراۃ شریف تو خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد آئے‘ اسی طرح اے نصرانیو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی کیسے کہہ سکتے ہو؟ حالانکہ نصرانیت تو ان کے صدیوں بعد ظہور میں آئی کیا تم اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل بھی نہیں رکھتے؟ پھر ان دونوں فرقوں کی اس بے علمی کے جھگڑے پر رب دو عالم انہیں ملامت کرتا ہے اگر تم بحث ومباحثہ دینی امور میں جو تمہارے پاس ہیں کرتے تو بھی خیر ایک بات تھی تم تو اس بارے میں گفتگو کرتے ہو جس کا دونوں کو مطلق علم ہی نہیں۔

تمہیں چاہیے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اسے اس علیم اللہ کے حوالے کرو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے‘ اسی لیے فرمایا اللہ جانتا ہے اور تم محض بے خبر ہو۔ دراصل اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے وہ شرک سے بیزار مشرکوں سے الگ صحیح اور کامل ایمان کے مالک تھے اور ہر گز مشرک نہ تھے‘ یہ آیت اس آیت کی مثل ہے جو سورۂ بقرہ میں گذر چکی ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ (البقرہ/ ۱۳۵) یعنی یہ لوگ کہتے ہیں یہودی یا نصرانی بننے میں ہدایت ہے۔

پھر فرمایا کہ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تابعداری کے حقدار ان کے دین پر ان کے زمانے میں چلنے والے تھے اور اب یہ نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے ساتھ کے ایمانداروں کی جماعت جو مہاجرین وانصار ہیں اور پھر جو بھی ان کی پیروی کرتے رہیں قیامت تک‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر نبی کے ولی دوست نبیوں میں سے ہوتے ہیں میرے ولی دوست انبیاء علیہم السلام میں سے میرے باپ اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں‘ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (ترمذی وغیرہ) [1] پھر فرمایا جو بھی اللہ کے رسول پر ایمان رکھے وہی ان کا ولی اللہ ہے۔

وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ ع ۱۵ وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّھُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ ڌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں‘ دراصل وہ خود اپنے تئیں گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں ○

---

[1] [صحیح :ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة آل عمران (۲۹۹۵) تفسیر ابن جریر الطبری (۷۲۱۲) مستدرك حاكم (۲/۲۹۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المشکاۃ (۵۷۶۹)]

اے اہل کتاب تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ کفر کر رہے ہو؟ ○ اے اہل کتاب باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ ○ اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تا کہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں ○ اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو، تو کہہ کہ بیشک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو کہ کوئی اس جیسا دیا جائے تو تم دیئے گئے ہو یا تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے تو کہہ دے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے، وہ جسے چاہے اسے دے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے ○ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے، اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ○

یہود کا حسد: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ان یہودیوں کے حسد کو دیکھو کہ مسلمانوں سے کیسے جل بھن رہے ہیں۔ انہیں بہکانے کی کیا کیا پوشیدہ ترکیبیں کر رہے ہیں کیسے کیسے مکروفریب کے جال بچھاتے ہیں، حالانکہ دراصل ان تمام چیزوں کا وبال خود ان کی جانوں پر ہے لیکن انہیں اس کا بھی شعور نہیں۔ پھر انہیں ان کی یہ ذلیل حرکت یاد دلائی جا رہی ہے کہ تم سچائی جانتے ہوئے بھی حق کو پہچانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیات سے منکر ہو رہے ہو۔ علم کے باوجود یہ بدخصلت بھی ان میں ہے۔ کہ حق و باطل کو ملا دیتے ہیں، اور ان کی کتابوں میں جو صفتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں ان کو چھپا لیتے ہیں۔

بہکانے کی جو صورتیں بناتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپس میں مشورے کرتے ہیں کہ صبح جا کر ایمان لے آؤ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھو اور شام کو پھر مرتد بن جاؤ تا کہ جاہل لوگوں کے دل میں بھی خیال گذرے کہ آخر یہ لوگ جو پلٹ گئے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس دین میں کوئی خرابی یا برائی ہی دیکھی ہوگی تو کیا عجب کہ ان میں سے کوئی ہماری طرف لوٹ آئے، غرض یہ ایک حیلہ جوئی تھی کہ شاید اس سے کوئی کمزور ایمان والا لوٹ جائے اور سمجھ لے کہ یہ جاننے بوجھنے والے لوگ جب اس دین میں آئے نمازیں پڑھیں اس کے بعد اسے چھوڑ دیا تو ضرور یہاں کوئی خرابی اور نقصان دیکھا ہوگا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بھروسہ اپنے والوں پر کرو مسلمانوں پر نہ کرو نہ اپنے بھید ان پر ظاہر ہونے دو نہ اپنی کتابیں انہیں بتاؤ جس سے یہ ان پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کے لئے ہم پر حجت بن جائیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اے نبی کہہ دے کہ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ مومنوں کے دلوں کو ہر اس چیز پر ایمان لانے کے لیے آمادہ کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہو۔ انہیں ان دلائل پر کامل ایمان نصیب ہوتا ہے چاہے تم نبی امی ﷺ کی صفتیں چھپاتے پھرو لیکن پھر بھی خوش قسمت لوگ تو آپ کی نبوت کے ظاہری نشان کو بہ یک نگاہ پہچان لیں گے۔

اسی طرح کہتے تھے کہ تمہارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو کہ وہ اسے سیکھ کر تم جیسے ہو جائیں بلکہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ سے تم سے بھی بڑھ جائیں، یا اللہ کے سامنے ان کی حجت و دلیل قائم ہو جائے یعنی خود تمہاری کتابوں سے وہ تمہیں الزام دیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کہہ دو فضل تو اللہ عزوجل کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے، سب کام اسی کے قبضے میں ہیں وہی دینے والا ہے جسے چاہے ایمان عمل اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال

کر دے اور جسے چاہے راہ حق سے اندھا اور کلمہ اسلام سے بہرا اور صحیح سمجھ سے محروم کر دے اس کے سب کام حکمت سے ہی ہوتے ہیں وہ وسیع علم والا ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے وہ بڑے فضل والا ہے' اے مسلمانو! اس نے تم پر بے پایاں احسانات کیے ہیں تمہارے نبی کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی اور بہت ہی کامل اور ہر حیثیت سے پوری شریعت اس نے تمہیں دی۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے' اس لیے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں' یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں ○ ہاں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا کرے اور پرہیز گاری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے ○

بد دیانت یہود: اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہودیوں کی خیانت پر تنبیہہ کرتا ہے کہ ان کے دھوکے میں نہ آ جائیں ان میں بعض تو امانتدار ہیں اور بعض بڑے خائن ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ خزانے کا خزانہ ان کی امانت میں ہو تو جوں کا توں حوالے کر دیں گے پھر چھوٹی موٹی چیز میں وہ بد دیانتی کیسے کریں گے؟ اور بعض ایسے بد دیانت ہیں کہ ایک دینار بھی واپس نہ دیں ہاں اگر ان کے سر ہو جاؤ تقاضا برابر جاری رکھو اور حق طلب کرتے رہو تو شاید امانت نکل بھی آئے ورنہ ہضم بھی کر جائیں جب ایک دینار پر بد دیانتی ہے تو بڑی رقم کو کیوں چھوڑنے لگے' لفظ قنطار کی پوری تفسیر سورت کے اول میں ہی بیان ہو چکی ہے اور دینار تو مشہور ہی ہے' ابن ابی حاتم میں حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لیے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی ہے' مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین ناحق لو تو نار یعنی آتش دوزخ۔

اس موقعہ پر اس حدیث کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور کتاب الکفالہ میں بہت پوری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ کہا اللہ کی گواہی کافی ہے اس نے کہا ضامن لاؤ اس نے کہا ضمانت بھی اللہ ہی کی دیتا ہوں وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت ادائیگی مقرر کر کے رقم دے دی وہ اپنے دریائی سفر میں نکل گیا جب کام کاج سے نپٹ گیا تو دریا کے کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا تا کہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا اور کہا اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے

ایک ہزار دینار قرض لیے تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اس نے بھی اس پر خوش ہو کر مجھے دے دیئے اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دے دوں لیکن نہ ملی پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچا دے یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چلا آیا لکڑی پانی میں ڈوب گئی' یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے ادھر قرض خواہ شخص دریا کے کنارے آیا کہ شاید مقروض کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو جب دیکھا کہ کوئی کشتی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کو جو کنارے پر پڑی ہوئی تھی یہ سمجھ کر اٹھا لیا کہ جلانے کے کام آئے گی گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکلا کچھ دنوں بعد قرض دینے والا شخص آیا اور کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نے ہر چند کوشش کہ کوئی سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گذرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لیے دیر لگ گئی اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ اللہ نے مجھے پہنچا دی ہے تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا۔ (۱)

یہ حدیث بخاری شریف میں تعلیق کے ساتھ بھی ہے لیکن جزم کے صیغے کے ساتھ اور بعض جگہ اسناد کے حوالوں کے ساتھ بھی ہے علاوہ ازیں اور کتابوں میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ امانت میں خیانت کرنے حقدار کے حق کو نہ ادا کرنے پر آمادہ کرنے والا سبب ان کا یہ غلط خیال ہے کہ ان بددینوں ان پڑھوں کا مال کھا جانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں ہم پر یہ مال حلال ہے' جس پر اللہ فرماتا ہے کہ یہ اللہ پر الزام ہے اور اس کا علم خود انہیں بھی ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی ناحق مال کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے لیکن یہ بیوقوف خود اپنی من مانی اور دل پسند باتیں گھڑ کر شریعت کے رنگ میں انہیں رنگ لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ذمی یا کفار کی مرغی بکری وغیرہ کبھی غزوے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اسے لینے میں کوئی حرج نہیں تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ امتیوں کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں' سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں ہاں وہ اپنی خوشی سے دے دیں تو اور بات ہے۔ (عبدالرزاق) سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اہل کتاب سے حضور علیہ السلام نے یہ بات سنی تو فرمایا دشمنان الٰہ جھوٹے ہیں جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں تلے مٹ گئیں اور امانت تو ہر فاسق وفاجر کی بھی ادا کرنی پڑے گی۔ (۲)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لیکن جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اہل کتاب ہو کر ڈرتا رہے پھر اپنی کتاب کی ہدایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اس عہد کے مطابق جو تمام انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو چکا ہے اور جس عہد کی پابندی ان کی امتوں پر بھی لازم ہے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے اس کی شریعت کی اطاعت کرے رسولوں کے خاتم اور انبیاء کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تابعداری کرے وہ متقی ہیں اور متقی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

---

(۱) [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الکفالة : باب الکفالة فی القرض (۲۲۹۱)]

(۲) [**مرسل وضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (۷۲٦٦ ۔ ۷۲٦۷)]

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہیں○

جھوٹی قسمیں کھانے والوں کا انجام: یعنی جو اہل کتاب اللہ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ کی صفتوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں نہ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بدکاریوں سے وہ اس ذلیل اور فانی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان سے اللہ تعالیٰ کوئی پیار محبت کی بات کرے گا نہ ان پر رحمت کی نظر ڈالے گا نہ انہیں ان کے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا اور وہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں جن میں سے کچھ یہاں بھی ہم بیان کرتے ہیں۔

① مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن سے تو نہ اللہ جل شانہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا' اور نہ انہیں پاک کرے گا' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ ﷺ یہ تو بڑے گھاٹے اور نقصان میں پڑے حضور ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا پھر جواب دیا کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا' جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا' دے کر احسان جتانے والا' مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔[1]

② مسند احمد میں ہے ابو احمس فرماتے ہیں میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں تو فرمایا سنو میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ تو بول نہیں سکتا جبکہ میں نے حضور ﷺ سے سن لیا ہو تم کہو وہ حدیث کیا ہے؟ جواب دیا یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ ذوالکرم دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو دشمن تو فرمانے لگے ہاں یہ حدیث میں نے بیان کی ہے اور میں نے حضور ﷺ سے سنی بھی ہے میں نے پوچھا کس کس کو دوست رکھتا ہے فرمایا ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنان اللہ سبحانہ کے مقابلے میں میدان جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا سینہ چھلنی کروا لے یا فتح کر کے لوٹے' دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ سفر میں ہے بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (۱۰۶) ابوداؤد : کتاب اللباس : باب ماجآء فی اسبال الازار (۴۰۸۷) نسائی : کتاب الزکاۃ : باب المنان بما اعطی (۲۵۶٤) ترمذی : کتاب البیوع : باب ماجآء فیمن حلف علی سلعۃ کاذباً (۱۲۱۱) مسند احمد (۵/۱٤۸)]

تھک کر چور ہو گئے پڑاؤ ڈالا تو سب سو گئے اور یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کا پڑوسی اسے ایذاء پہنچاتا ہو اور وہ اس پر صبر وضبط کرے یہاں تک کہ موت یا سفران دونوں میں جدائی کرے، میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے فرمایا بہت قسمیں کھانے والا تاجر، تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخیل جس سے کبھی احسان ہو گیا ہو تو جتانے بیٹھے [1] یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

③ مسند احمد میں ہے کندہ قبیلے کے ایک شخص امرؤ القیس بن عامر کا جھگڑا ایک حضرمی شخص سے زمین کے بارے میں تھا جو حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حضرمی اپنا ثبوت پیش کرے اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا تو آپ نے فرمایا اب کندی قسم کھالے تو حضرمی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ جب اس کی قسم پر ہی فیصلہ ٹھہرا تو رب کعبہ کی قسم یہ میری زمین لے جائے گا آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم سے کسی کا مال اپنا کرلے گا تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اللہ اس سے ناخوش ہو گا پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو امرؤ القیس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر تو کوئی چھوڑ دے تو اسے اجر کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت تو کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ گواہ رہیے کہ میں نے وہ ساری زمین اس کے نام چھوڑی، یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔ [2]

④ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس سے کسی مسلمان کا مال چھین لے تو اللہ جل جلالہ سے جب ملے گا تو اللہ عزوجل اس پر سخت غضبناک ہو گا، حضرت اشعث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم میرے ہی بارے میں یہ ہے ایک یہودی اور میری شرکت میں ایک زمین تھی اس نے میرے حصہ کی زمین کا انکار کر دیا میں اسے خدمت نبوی میں لایا حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا تیرے پاس کچھ ثبوت ہے میں نے کہا نہیں آپ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھالے میں نے کہا حضور ﷺ یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی، یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ [3]

⑤ مسند احمد میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی مرد مسلم کا مال بغیر حق کے لے لے وہ اللہ ذوالجلال سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گا، وہیں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آگے آئے اور فرمانے لگے ابو عبدالرحمٰن تم سے کیا حدیث بیان کرتے ہیں؟

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۵/۱۵۱)]

[2] [صحیح : نسائی فی السنن الکبری (۵۹۹۶) مسند احمد (۴/۱۹۲)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الشرب والمساقاۃ : باب الخصومۃ فی البئر والقضا فیھا (۲۳۵۶) وکتاب الرھن (۲۵۱۵) وکتاب الشھادات (۲۶۶۶) وکتاب الخصومات (۲۴۱۶) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب وعید من اقتطع حق مسلم (۱۳۷) ابن ماجہ : کتاب الاحکام : باب البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ (۲۳۲۲) مسند احمد (۱/۴۴)، (۵/۲۱۱)]

ہم نے دہرادی تو فرمایا یہ حدیث میرے ہی بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے میرا اپنے چچا کے لڑکے سے ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا تھا جو اس کے قبضے میں تھا حضور ﷺ کے پاس جب ہم اپنا مقدمہ لے گئے تو آپ نے فرمایا تو اپنی دلیل اور ثبوت لا کہ یہ کنواں تیرا ہے ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا میں نے کہا یا حضرت میرے پاس تو کوئی دلیل نہیں اور اگر اس قسم پر معاملہ رہا تو یہ تو میرا کنواں لے جائے گا میرا مقابل تو فاجر شخص ہے اس وقت حضور ﷺ نے یہ حدیث بھی بیان فرمائی اور اس آیت کی بھی تلاوت کی۔ [1]

(۶) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا' پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ فرمایا اپنے ماں باپ سے بیزار ہونے والے اور ان سے بے رغبتی کرنے والی لڑکی اور اپنی اولاد سے بیزار اور الگ ہونے والا باپ اور وہ شخص کہ جس پر کسی قوم کا احسان ہے وہ اس سے انکار کر جائے اور آنکھیں پھیر لے اور ان سے یکسوئی کر لے۔ [2]

(۷) ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا سودا بازار میں رکھا اور قسم کھائی کہ وہ اتنا بھاؤ دیا جاتا تھا تا کہ کوئی مسلمان اس میں پھنس جائے' پس یہ آیت نازل ہوئی' صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مروی ہے۔ [3]

(۸) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین شخصوں سے جناب باری تقدس وتعالیٰ قیامت والے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ درد کے عذاب ہیں ایک وہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہے پھر وہ کسی مسافر کو نہیں دیتا دوسرا وہ جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے تیسرا وہ جو مسلمان بادشاہ سے بیعت کرتا ہے اس کے بعد اگر وہ اسے مال دے تو پوری کرتا ہے اگر نہیں دیتا تو نہیں کرتا۔ [4] یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

---

(۱) [حسن :مسند احمد (۵/۲۱۲)]

(۲) [ضعیف :مسند احمد (۱/۴۴۰)] اس میں رشدین اس کا شیخ زبان بن فائد دونوں ضعیف ہیں۔]

(۳) [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ان الذین یشترون بعهد الله (۴۵۵۱)]

(۴) صحیح :ابو داؤد : کتاب البیوع : باب فی منع الماء (۳۴۷۴) ترمذی : کتاب السیر : باب ماجاء فی نکث البیعة (۱۵۹۵) صحیح ابن حبان (۴۹۰۸) مسند احمد (۲/۴۸۰)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرنے لگو اور دراصل وہ کتاب میں نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں' وہ تو دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ○

ملعون یہودیوں کا ایک اور بدترین فعل: یہاں بھی انہی ملعون یہودیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا ایک گروہ یہ بھی کرتا ہے کہ عبارت کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیتا ہے' یعنی اللہ کی کتاب بدل دیتا ہے' اصل مطلب اور صحیح معنی خبط کر دیتا ہے اور جاہلوں کو اس چکر میں ڈال دیتا ہے کہ کتاب اللہ یہی ہے پھر یہ خود اپنی زبان سے بھی اسے کتاب اللہ کہہ کر جاہلوں کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے اور جھوٹ بکتا ہے' زبان موڑنے سے مطلب یہاں تحریف کرنا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف اور ازالہ کر دیتے تھے مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں جو کسی اللہ کی کتاب کا لفظ بدل دے مگر یہ لوگ تحریف اور بے جا تاویل کرتے تھے۔ [1]

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توراۃ و انجیل اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتاریں ایک حرف بھی ان میں سے اللہ نے نہیں بدلا لیکن یہ لوگ تحریف اور تاویل سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو کتابیں انہوں نے اپنی طرف سے لکھ لی ہیں اور جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور کر رہے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں اللہ کی اصلی کتابیں تو محفوظ ہیں جو بدلتی نہیں۔ (ابن ابی حاتم) حضرت وہب رحمہ اللہ کے اس فرمان کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان کے پاس اب جو کتاب ہے تو ہم بالیقین کہتے ہیں کہ وہ بدلی ہوئی ہے اور محرف ہے اور زیادتی اور نقصان سے ہرگز پاک نہیں اور پھر جو عربی زبان میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں تو بڑی غلطیاں ہیں کہیں مضمون کو کم کر دیا گیا ہے کہیں بڑھا دیا گیا ہے اور صاف صاف غلطیاں موجود ہیں بلکہ دراصل اسے ترجمہ کہنا زیبا ہی نہیں وہ تو تفسیر اور وہ بھی بے اعتبار تفسیر ہے اور پھر ان سمجھداروں کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جن میں اکثر بلکہ کل کے کل دراصل محض الٹی سمجھ والے ہیں' اور اگر حضرت وہب رحمہ اللہ کے فرمان کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو درحقیقت اللہ کی کتاب ہے پس وہ بیشک محفوظ و سالم ہے اس میں کمی زیادتی ناممکن ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب و حکمت اور نبوت دے یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ' بلکہ (وہ تو کہے گا کہ) تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب ○ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے' کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد

---

[1] [بخاری : کتاب التوحید : باب قول اللّٰہ تعالی : بل هو قرآن مجید]

تمہیں کفر کا حکم دے گا○

نبوت کا مقصد: رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہودیوں اور نجرانی نصرانیوں کے علماء جمع ہوئے اور آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی تو ابورافع قرظی کہنے لگا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی ہم بھی آپ کی عبادت کریں؟ تو نجران کے ایک نصرانی نے بھی جسے ''رئیس'' کہا جاتا تھا یہی کہا کہ کیا آپ کی یہی خواہش ہے؟ اور یہی دعوت ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ نہ ہم خود اللہ وحدہ لا شریک کے سوا دوسرے کی پوجا کریں نہ کسی اور کو اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی تعلیم دیں نہ میری پیغمبری کا یہ مقصد نہ مجھے اللہ حاکم اعلیٰ کا یہ حکم' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں' [1] کہ کسی انسان کو کتاب وحکمت اور نبوت ورسالت پالینے کے بعد یہ لائق ہی نہیں کہ اپنی پرستش کی طرف لوگوں کو بلائے' جب انبیائے کرام علیہم السلام کا جو اتنی بڑی بزرگی فضیلت اور مرتبے والے ہیں یہ منصب نہیں تو کسی اور کو کب لائق ہے کہ اپنی پوجا پاٹ کرائے' اور اپنی بندگی کی تلقین لوگوں کو کرے' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ادنیٰ مومن سے بھی یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت دے' یہاں یہ اس لیے فرمایا کہ یہ یہود ونصاریٰ آپس میں ہی ایک دوسرے کو پوجتے تھے قرآن شاہد ہے جو فرماتا ہے ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ / ۳۱) الخ یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا ہے۔ مسند ترمذی کی وہ حدیث بھی آرہی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردیتے تھے اور یہ ان کی مانتے چلے جاتے تھے یہی ان کی عبادت تھی۔ [2]

پس جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور مشائخ اس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں داخل ہیں رسول ﷺ اور ان کی اتباع کرنے والے علماء کرام اس سے یکسو ہیں اس لیے کہ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان اور کلام رسول ﷺ کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان کاموں سے روکتے ہیں جن سے انبیاء کرام علیہم السلام روک گئے ہیں' اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام تو خالق ومخلوق کے درمیان سفیر ہیں حق رسالت ادا کرتے ہیں اور اللہ کی امانت احتیاط کے ساتھ بندگان رب عالم کو پہنچا دیتے ہیں' نہایت بیداری' مکمل ہوشیاری' کمال نگرانی اور پوری حفاظت کے ساتھ' وہ ساری مخلوق کے خیر خواہ ہوتے ہیں وہ احکام رب رحمٰن کے پہچاننے والے ہوتے ہیں۔ رسولوں کی ہدایت تو لوگوں کو ربانی بننے کی ہوتی ہے کہ وہ حکمتوں والے علم والے اور حلم والے بن جائیں سمجھدار' عابد وزاہد' متقی اور پارسا رہیں۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنے والوں پر حق ہے کہ وہ باسمجھ ہوں ﴿تَعْلَمُوْنَ﴾ اور

---

[1] [**ضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (۷۲۹۴) بیهقی فی دلائل النبوة (۵/۳۸٤) سیرة ابن هشام (۳۹۵/۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۳٦۹/۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [**حسن**: ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة التوبة (۳۰۹۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ترمذی] جبکہ حافظ زبیر علی زئی غطیف راوی کی وجہ سے اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

﴿تُعَلِّمُوْنَ﴾ دونوں قرات ہیں پہلے کے معنی ہیں معنی سمجھنے کے دوسرے کے معنی ہیں تعلیم حاصل کرنے کے ﴿تَدْرُسُوْنَ﴾ کے معنی ہیں الفاظ یاد کرنے کے۔ پھر ارشاد ہے کہ وہ یہ حکم نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی ہو بھیجا ہوا خواہ فرشتہ ہو قرب الٰہ والا' یہ تو وہی کرسکتا ہے جو اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی دعوت دے اور جو ایسا کرے وہ کافر ہوا اور کفر نبیوں کا کام نہیں ان کا کام تو ایمان لانا ہے اور ایمان نام ہے اللہ واحد کی عبادت اور پرستش کا' اور یہی نبیوں کی دعوت ہے' جیسے خود قرآن فرماتا ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (الانبیاء/ ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں تم سب میری عبادت کرتے رہو اور فرمایا ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل/ ۳۶) یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کے سوا ہر کسی کی عبادت سے بچو' ارشاد ہے تجھ سے پہلے تمام رسولوں سے پوچھ لو کیا ہم نے اپنی ذات رحمان کے سوا ان کی عبادت کے لیے کسی اور کو مقرر کیا تھا؟ فرشتوں کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ﴾ (الابنیاء/ ۲۹) الخ ان میں سے اگر کوئی کہہ دے کہ میں معبود ہوں بجز اللہ تو اسے بھی جہنم کی سزا دیں اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہیں اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے فرمایا کیا تم اس کے اقراری ہو؟ اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہاں ہمیں اقرار ہے' فرمایا تو آپ گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں ○ پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں ○

انبیاء علیہم السلام سے عہد و میثاق: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے کسی کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب وحکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس کے بعد اسی کے زمانے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم آ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت وامداد کرنا اس کا فرض ہوگا۔ یہ نہ ہو کہ اپنے علم ونبوت کی وجہ سے اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے' پھر ان سے پوچھا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور اسی عہد و میثاق پر مجھے ضامن ٹھہراتے ہو۔ سب نے کہا ہاں ہمارا اقرار ہے تو فرمایا گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد و میثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق' بے حکم اور بدکار ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کرے کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری میں لگ جائے' طاؤس' حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں نبیوں سے اللہ نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں' کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تفسیر اوپر کی تفسیر کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کی تائید ہے اسی لیے حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے ان کے لڑکے کی روایت مثل روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بھی مروی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک دوست قریظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورات کی جامع باتیں مجھے لکھ دے اگر آپ فرمائیں تو میں انہیں پیش کروں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا حضرت عبداللہ ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نہیں دیکھتے کہ آپ کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمر کہنے لگے میں اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد کے رسول ہونے پر خوش ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دور ہوا اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تم میں آ جائیں اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ' تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔ [۱]

مسند ابو یعلیٰ میں لکھا ہے اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں تو تمہیں راہ راست کیسے دکھائیں گے بلکہ ممکن ہے تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا حق کی تکذیب کر بیٹھو اللہ کی قسم اگر موسیٰ علیہ السلام بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے اور کچھ حلال نہ تھا۔ [۲] بعض احادیث میں ہے اگر موسیٰ اور عیسیٰ بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ [۳] پس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور امام اعظم ہیں جس زمانے میں بھی آپ کی نبوت ہوتی آپ واجب الاطاعت تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تابعداری پر جو اس وقت ہوں آپ کی فرمانبرداری مقدم رہتی' یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کے امام آپ ہی بنائے گئے' اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو انجام تک پہنچانے میں آپ ہی شفیع ہوں گے یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں تمام انبیاء علیہم السلام اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے بالآخر آپ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے درود و سلام آپ پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے قیامت کے دن تک آمین۔

---

[۱] [ضعیف : مسند احمد (۲۶۶/٤) مجمع الزوائد (۱۷۳/۱) بزار (۱۲٤)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ جابر جعفی راوی کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔[الموسوعة الحديثية (۱۸۳۳٥)]

[۲] [ضعیف : مسند احمد (۳۳۸/۳) مجمع الزوائد (/۱۷۳) ابویعلی (۲۱۳٥) بزار فی کشف الاستار (۷۸/۱)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ مجالد بن سعید راوی کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔[الموسوعة الحديثية (۱٤٦۳۱)]

[۳] [کسی بھی صحیح حدیث میں عیسیٰ کا ذکر نہیں، صرف موسیٰ کا ہی ذکر ہے جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے۔]

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کیا پس اللہ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں تو اور جبراً ہوں تو بھی سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ تو کہہ دے کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر اتارا گیا سب پر ایمان لائے' اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبی اللہ کی طرف سے دیئے گئے اس پر بھی' ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا' اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا ○

اسلامی اصول اور بدلے کا دن: اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے سوا جو اس نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کی معرفت نازل فرمایا ہے یعنی صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرنا کوئی شخص کسی اور دین کی تلاش کرے اور اسے مانے اس کی تردید یہاں بیان ہو رہی ہے پھر فرمایا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہیں خواہ خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ (الرعد/ ۱۵) الخ یعنی زمین و آسمان کی تمام تر مخلوق اللہ کے سامنے سجدے کرتی ہے اپنی خوشی سے یا جبراً' اور جگہ ہے ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ (النحل/ ۴۸) الخ' کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام مخلوق کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتی ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمینوں کے کل جاندار اور سب فرشتے کوئی بھی تکبر نہیں کرتا سب کے سب اپنے اوپر والے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم دیئے جائیں بجا لاتے ہیں' پس مومنوں کا تو ظاہر باطن قلب و جسم دونوں اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اور کافر بھی اللہ کے قبضے میں ہے اور جبراً اللہ کی جانب جھکا ہوا ہے اس کے تمام فرمان اس پر جاری ہیں اور وہ ہر طرح قدرت و مشیت اللہ کے ماتحت ہے کوئی چیز بھی اس کے غلبے اور قدرت سے باہر نہیں' اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب حدیث یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمانوں والے تو فرشتے ہیں جو بخوشی اللہ کے فرمان گذار ہیں اور زمین والے وہ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے ہیں یہ بھی بہ شوق تمام اللہ کے زیر فرمان ہیں' اور ناخوشی سے فرماں بردار وہ ہیں جو لوگ مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں میدان جنگ میں قید ہوتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے لائے جاتے ہیں یہ لوگ جنت کی طرف گھسیٹے

جاتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے۔ (۱) ایک صحیح حدیث میں ہے تیرے رب کو ان لوگوں سے تعجب ہوتا ہے جو زنجیروں اور رسیوں سے باندھ کر جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ (۲) اس حدیث کی اور سند بھی ہے، لیکن اس آیت کے معنی تو وہی زیادہ قوی ہیں جو پہلے بیان ہوئے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت اس آیت جیسی ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ (لقمان / ۲۵) اگر تو ان سے پوچھ کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد وہ وقت ہے جب روز ازل سے ان سب سے میثاق اور عہد لیا تھا اور آخر کار سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے یعنی قیامت والے دن اور ہر ایک کو وہ اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

پھر فرماتا ہے تو کہہ ہم اللہ اور قرآن پر ایمان لائے اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام پر جو صحیفے اور وحی اتری ہم اس پر بھی ایمان لائے اور ان کی اولاد پر جو اترا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے، اسباط سے مراد بنو اسرائیل کے قبائل ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں سے تھے یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور بھی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے ہمارا ان سب پر ایمان ہے ہم ان میں کوئی تفریق اور جدائی نہیں کرتے یعنی کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں پس اس امت کے مومن تمام انبیاء علیہم السلام اور کل اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو مانتے ہیں کسی کے ساتھ کفر نہیں کرتے، ہر کتاب اور ہر نبی کو سچا ماننے والے ہیں۔ پھر فرمایا کہ دین اللہ کے سوا جو شخص کسی اور راہ چلے وہ قبول نہیں ہوگا اور آخرت میں وہ نقصان میں رہے گا جیسے صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے، (۳) مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے نماز آکر کہے گی کہ اے اللہ میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے صدقہ آئے گا اور کہے گا پروردگار میں صدقہ ہوں جواب ملے گا تو بھی خیر پر ہے، روزہ آکر کہے گا میں روزہ ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو بھی بہتری پر ہے پھر اسی طرح اور اعمال بھی آتے جائیں گے اور سب کو یہی جواب ملتا رہے گا پھر اسلام حاضر ہوگا اور کہے گا اے اللہ تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں اللہ فرمائے گا تو خیر پر ہے آج تیرے ہی اصولوں پر سب کو جانچوں گا۔ پھر سزا یا انعام دوں گا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ﴾ الخ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے (۴) اور اس کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہ سے سننا ثابت نہیں۔

---

(۱) [موضوع و باطل : طبرانی کبیر (۱۱۴۷۳) مجمع الزوائد (۶/۳۲۶)] اس کی سند میں محمد بن محصن راوی متروک ہے۔ [میزان (۲۵/۴)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

(۲) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب الاساری فی السلاسل (۳۰۱۰)]

(۳) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الاقضیة : باب نقض الاحکام الباطلة (۱۷۱۸)]

(۴) [ضعیف : مسند احمد (۲/۳۶۲) ابو یعلی (۶۲۳۱) مجمع الزوائد (۱۰/۳۴۴) طبرانی اوسط (۷۶۰۷)] اس کی سند میں عباد بن راشد راوی ہے جسے جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے، اسی طرح حسن بصری کا ابو ہریرہ سے سماع بھی ثابت نہیں۔]

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد کافر ہو جائیں' اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا ○ ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں' نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انہیں مہلت دی جائے ○ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

توبہ اور قبولیت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک انصار مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا پھر پچھتانے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیتیں اتریں اس کی قوم نے اسے کہلوا بھیجا وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا۔ (ابن جریر) نسائی حاکم اور ابن حبان میں بھی یہ روایت موجود ہے [1] امام حاکم رحمہ اللہ اسے صحیح الاسناد کہتے ہیں' مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حارث بن سوید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا پھر قوم میں مل گیا اور اسلام سے پھر گیا اس کے بارے میں یہ آیتیں اتریں اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیتیں اسے پڑھ سنائیں تو اس نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے اللہ کی قسم تو سچا ہے اور اللہ کے نبی تو تجھ سے بہت ہی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے پھر وہ حضور ﷺ کی طرف لوٹ آئے اسلام لائے اور بہت اچھی طرح اسلام کو نبھایا۔

﴿بَيِّنَات﴾ سے مراد رسول ﷺ کی تصدیق پر حجتوں اور دلیلوں کا بالکل واضح ہو جانا ہے پس جو لوگ ایمان لائے رسول کی حقانیت مان چکے' دلیلیں دیکھ چکے پھر شرک کے اندھیروں میں جا چھپے یہ لوگ مستحق ہدایت نہیں کیونکہ آنکھوں کے ہوتے اندھے پن کو انہوں نے پسند کیا اللہ تعالیٰ نا انصاف لوگوں کی رہبری نہیں کرتا' انہیں اللہ لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی ہمیشہ لعنت کرتی ہے نہ تو کسی وقت ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی نہ موقوفی۔

پھر اپنا لطف واحسان رافت ورحمت کا بیان فرماتا ہے کہ اس بدترین جرم کے بعد بھی جو میری طرف جھکے اور اپنے بداعمال کی اصلاح کر لے میں بھی اس سے درگزر کر لیتا ہوں۔

---

[1] [**صحیح**: نسائی فی التفسیر (۸۵) مسند احمد (۱/۲۴۷) ابن حبان (۴۴۶۰) حاکم (۲/۱۴۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۷۳۵۸) تفسیر ابن ابی حاتم (۹۲۴)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

بیشک جولوگ اپنے ایمان کے بعد کفر کریں' پھر کفر میں بڑھ جائیں ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی یہی گمراہ لوگ ہیں۔ہاں ہاں جولوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں' ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو فدیئے میں ہی ہوتو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا' یہی لوگ ہیں جن کے لیے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔

جب توبہ قبول نہیں ہوگی: ایمان کے بعد پھر اسی کفر پر مرنے والوں کو پروردگار عالم ڈرا رہا ہے کہ موت کے وقت تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ﴾ (النساء/١٨) الخ آخری دم تک یعنی موت کے وقت تک گناہوں میں مبتلا رہنے والے موت کو دیکھ کر جو توبہ کریں وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں اور یہی یہاں ہے کہ ان کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی اور یہی لوگ وہ ہیں جو راہ حق سے بھٹک کر باطل کی راہ پر لگ گئے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر مرتد ہو گئے پھر اسلام لائے پھر مرتد ہو گئے پھر اپنی قوم کے پاس آدمی بھیج کر بھجوایا کہ کیا اب ہماری توبہ ہے؟ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس پر یہ آیت اتری۔ (بزار) اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کفر پر مرنے والوں کی کوئی نیکی قبول نہیں گو اس نے زمین بھر کر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جدعان جو بڑا مہمان نواز غلام آزاد کرنے والا اور کھانا پینا دینے والا شخص تھا کیا اسے اس کی یہ نیکی کام آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا نہیں اس نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ نہیں کہا[1] یعنی اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت والے دن بخش جس طرح اس کی خیرات نامقبول ہے اسی طرح فدیہ اور معاوضہ بھی' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرہ/١٢٣) ان سے نہ بدلہ مقبول نہ انہیں سفارش کا نفع اور فرمایا ﴿لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ (ابراھیم/٣١) اس دن نہ خرید و فروخت نہ مودت و محبت اور جگہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ﴾ (المائدۃ/٣٦) الخ یعنی اگر کافروں کے پاس زمین میں جو کچھ ہے ہو اور اتنا ہی اور بھی ہو پھر وہ اس سب کو قیامت کے عذابوں کے بدلے فدیہ دیں تو بھی نامقبول ہے ان تکلیف والے الم ناک عذابوں کو سہنا پڑے گا' یہی مضمون یہاں بھی بیان فرمایا گیا ہے بعض نے ﴿وَلَوِ افْتَدٰى﴾ کی واؤ کو زائد کہا ہے لیکن واؤ کو عطف ماننا اور وہ تفسیر کرنا جو ہم نے کی بہت بہتر ہے واللہ اعلم۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے عذاب سے کفار کو کوئی چیز

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لا ینفعه عمل (٢١٤) مسند احمد (٦/٩٣)]

نہیں چھڑا سکتی چاہے وہ بڑے نیک اور نہایت سخی ہوں گو زمین بھر بھر کر سونا راہ اللہ لٹائیں یا پہاڑوں اور ٹیلوں کی مٹی اور ریت نرم زمین اور سخت زمین کی خشکی اور تری کے ہم وزن سونا عذاب کے بدلے دینا چاہیں یا دیں' مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیئے میں دے ڈالے گا۔ وہ کہے گا ہاں تو جناب باری کا ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھ سے بہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا' میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو شرک کیے بغیر نہ رہا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے۔[1]

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک ایسے جنتی کو لایا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کہو تم نے کیسی جگہ پائی؟ وہ جواب دے گا اللہ بہت ہی بہتر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اور کچھ مانگنا ہو تو مانگو دل میں جو تمنا ہو کہو تو یہ کہے گا باری تعالیٰ میری صرف یہی تمنا ہے اور میرا یہی ایک سوال ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے میں تیری راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر شہید کیا جاؤں دس مرتبہ ایسا ہی ہو کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت اور شہید کے مرتبے دیکھ چکا ہوگا اسی طرح ایک جہنمی کو بلایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تو نے اپنی جگہ کیسی پائی؟ وہ کہے گا اللہ بہت ہی بری۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا ساری زمین بھر کر سونا دے کر ان عذابوں سے چھوٹنا تجھے پسند ہے؟ وہ کہے گا ہاں اے باری تعالیٰ اس وقت جناب باری عز اسمہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے میں نے تو اس سے بہت ہی کم اور بالکل آسان چیز تجھ سے طلب کی تھی لیکن تو نے اسے بھی نہ کیا چنانچہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا[2] پس یہاں فرمایا ان کے لیے تکلیف دہ عذاب ہیں اور ایسا نہیں جو ان عذابوں سے اپنے آپ کو چھڑا سکے یا کوئی ان کی کسی طرح کی مدد کر سکے (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے نجات دے۔ آمین)

الحمد للہ تیسرے پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔



---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق آدم وذریته (۳۳۳٤) وکتاب الرقاق: باب صفة الجنة والنار (٦٥٥٧) صحیح مسلم: کتاب صفات المنافقین: باب طلب الکافر الفداء (۲۸۰۵) مسند احمد (۲۱۸/۳)]

[2] [صحیح: مسند احمد (۲۰۷/۳) مسلم: کتاب صفات المنافقین واحکامهم (٥٥-۲۸۰۷) نسائی: کتاب الجهاد: باب ما یتمنیٰ اهل الجنة (۳۱٦۲) صحیح ابن احبان (۷۵۳۰) مستدرك حاکم (۷٥/۲)]

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ۬ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے' تم جو کچھ خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔

محبوب ترین چیز کا صدقہ : حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ((بـــر)) سے مراد جنت ہے' یعنی اگر تم اپنی پسند کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو گے تو تمہیں جنت ملے گی۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مالدار صحابی تھے مسجد کے سامنے ہی بیرحاء نامی آپ کا ایک باغ تھا جس میں کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہاں کا خوش ذائقہ پانی پیا کرتے تھے جب یہ آیت اتری تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا تو سب سے زیادہ پیارا مال یہی باغ ہے آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے راہ للہ صدقہ کیا اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی عطا فرمائے اور اپنے پاس اسے میرے لیے ذخیرہ کرے آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں اسے تقسیم کر دیں آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا تم اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو چنانچہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں بانٹ دیا۔ [1]

بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے تمام مال میں سب سے زیادہ مرغوب مال خیبر کی زمین کا حصہ ہے میں اسے راہ للہ دینا چاہتا ہوں فرمایئے کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اسے وقف کر دو۔ اصل روک لو اور پھل وغیرہ راہ للہ کر دو۔ [2]

مسند بزار میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے اس آیت کی تلاوت کر کے سوچا تو مجھے کوئی چیز ایک کنیز سے زیادہ پیاری نہ تھی۔ میں نے اس لونڈی کو راہ للہ آزاد کر دیا' اب تک بھی میرے دل میں اس کی ایسی محبت ہے کہ اگر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے نام پر دے کر پھر لوٹا لینا جائز ہوتا تو میں کم از کم اس سے نکاح کر لیتا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ؔ قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۹۵﴾

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الزکاۃ : باب الزکاۃ علی الاقارب (١٤٦١) صحیح مسلم : کتاب الزکاۃ : باب فضل النفقة والصدقة علی الاقارب (٩٩٨) مسند احمد (١٤١/٣)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الشروط : باب الشروط فی الوقف (٢٧٣٧) و کتاب الوصایا : باب الوقف کیف یکتب (٢٧٧٢) صحیح مسلم : کتاب الوصیة : باب الوقف (١٦٣٢) ابن ماجه : کتاب الصدقات : باب من وقف (٢٣٩٧) مسند احمد (١١٤/٢)]

تورات کے نزول سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے' کہو کہ اگر تم سچے ہو تو توراۃ لے آؤ اور پڑھ سناؤ ○ اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں کہہ دو کہ اللہ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کی پیروی کرو' جو مشرک نہ تھے ○

بارگاہ رسالت میں یہودی وفد: مسند احمد میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم آپ سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں جن کے جواب نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا آپ نے فرمایا پوچھو لیکن پہلے تم لوگ وعدہ کرو اگر میں صحیح صحیح جواب دے دوں تو تمہیں میری نبوت کے تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہو گا انہوں نے اس شرط کو منظور کر لیا کہ اگر آپ نے سچے جواب دیئے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے ساتھ ہی انہوں نے بڑی بڑی قسمیں بھی کھائیں پھر پوچھا کہ بتایئے۔ حضرت اسرائیل علیہ السلام نے کیا چیز اپنے اوپر حرام کی تھی؟ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ اور نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ اور فرشتوں میں سے کون سا فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب حضرت اسرائیل علیہ السلام سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے گا تو میں سب سے زیادہ پیاری چیز کھانے پینے کی چھوڑ دوں گا جب شفایاب ہو گئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا' مرد کا پانی سفید رنگ اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل اور پتلا ہوتا ہے دونوں سے جو اوپر آ جائے اس پر اولاد نر مادہ ہوتی ہے' اور شکل و شباہت میں بھی اسی پر جاتی ہے۔ اس نبی' امی ﷺ کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ میرے پاس وحی لے کر وہی فرشتہ آتا ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی آتا رہا یعنی جبرائیل علیہ السلام بس اس پر وہ چیخ اٹھے اور کہنے لگے کوئی اور فرشتہ آپ کا ولی ہوتا تو ہمیں آپ کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ رہتا۔ ہر سوال کے جواب کے وقت آپ انہیں قسم دیتے اور ان سے دریافت فرماتے اور وہ اقرار کرتے کہ ہاں جواب صحیح ہے انہیں کے بارے میں آیت ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ﴾ (البقرة/٩٧) الخ' نازل ہوئی۔ [1]

اور روایت میں ہے کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی اور اس میں ان کا ایک پانچواں سوال یہ بھی ہے کہ یہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے جس سے بادلوں کو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو لے جاتا ہے اور یہ گرج کی آواز اسی کی آواز ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کا نام سن کر یہ کہنے لگے وہ تو عذاب اور جنگ و جدال کا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے' اگر پیداوار اور بارش کے فرشتے اور حضرت میکائیل علیہ السلام آپ کے رفیق ہوتے تو ہم مان لیتے۔ [2] حضرت

[1] [**حسن بالشواهد**: مسند احمد (١/٢٧٨) طبرانی (١٢٠١٣) تفسیر ابن جریر الطبری (١٥١٧) تفسیر ابن ابی حاتم (٣٩٥/٢)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے مگر یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٥١٤)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

[2] [**صحيح**: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الرعد (٣١١٧) نسائی فی السنن الکبری (٩٠٧٢) مسند احمد (١/٢٧٤)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (١٨٧٢)]

یعقوب علیہ السلام کی روش پر ان کی اولاد بھی رہی اور وہ بھی اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی، اس آیت کی اگلی آیت سے مناسبت ایک تو یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنی چہیتی چیز اللہ کی نذر کر دی اسی طرح تم بھی کیا کرو۔ لیکن یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کا نام اللہ پر ترک کر دیتے تھے اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ نہیں بلکہ ہمیں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام پر خرچ کر دیا کریں، جیسے فرمایا ﴿وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ﴾ (البقرہ/ ١٧٧) اور فرمایا: ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ﴾ (الدھر/ ٨) باوجود محبت اور چاہت کے وہ ہماری راہ میں مال خرچ کرتے اور مسکینوں کو کھانا دیتے ہیں، دوسری مناسبت یہ بھی ہے کہ پہلی آیتوں میں نصرانیوں کی تردید تھی تو یہاں یہودیوں کا رد ہو رہا ہے ان کے رد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا صحیح واقعہ بتا کر ان کے عقیدے کا رد کیا تھا، یہاں نسک کا صاف بیان کر کے ان کے باطل عقیدے کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے ان کی کتاب میں صاف موجود تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سے خشکی پر اترے تو ان پر تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا تو ان کی اولاد بھی اسے حرام جانتی رہی چنانچہ توراۃ میں بھی اس کی حرمت نازل ہوئی، اسی طرح اور بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کا آپس میں بہن بھائی کا نکاح ابتداء ہیں جائز ہوتا تھا لیکن بعد میں حرام کر دیا، عورتوں پر لونڈیوں سے نکاح کرنا شریعت ابراہیمی میں مباح تھا خود ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لائے، لیکن پھر توراۃ میں اس سے روکا گیا، دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں جائز تھا بلکہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر میں بیک وقت دو سگی بہنیں تھیں لیکن پھر توراۃ میں یہ حرام ہو گیا اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ اسے وہ دیکھ رہے ہیں اپنی کتاب میں پڑھ رہے ہیں لیکن پھر نسخ کا انکار کر کے انجیل کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے اور ان کے بعد خاتم المرسلین ﷺ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں، تو یہاں فرمایا کہ توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے تمام کھانے حلال تھے سوائے اس کے جسے اسرائیل علیہ السلام نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا تم توراۃ لاؤ اور پڑھو اس میں موجود ہے، پھر اس کے باوجود تمہاری یہ بہتان بازی اور افتراء پردازی کہ اللہ نے ہمارے لیے ہفتہ ہی کے دن کو ہمیشہ کے لیے عید کا دن مقرر کیا ہے اور ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم ہمیشہ توراۃ ہی کے عامل رہیں اور کسی اور نبی کو نہ مانیں یہ کس قدر ظلم و ستم ہے، تمہاری یہ باتیں اور تمہاری یہ روش یقیناً تمہیں ظالم و جابر ٹھہراتی ہے۔

اللہ نے سچی خبر دے دی ابراہیمی دین وہی ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے تم اس کتاب اور اس نبی کی پیروی کرو ان سے اعلیٰ کوئی نبی ہے، نہ اس سے بہتر اور زیادہ واضح کوئی اور شریعت ہے، جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الانعام/ ١٦١) اے نبی! تم کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے موحد ابراہیم حنیف کے مضبوط دین کی سیدھی راہ دکھا دی ہے۔ اور جگہ ہے ہم نے تیری طرف وحی کی کہ موحد ابراہیم حنیف کے دین کی تابعداری کر۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ جو مکہ (شریف) میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے○ جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اس میں جو آ جائے امن والا ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہیں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے○

بیت اللہ اور حج کے احکام: یعنی لوگوں کی عبادت' قربانی' طواف' نماز' اعتکاف وغیرہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا گھر ہے. جس کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں' جن کی تابعداری کا دعویٰ یہود و نصاریٰ' مشرکین اور مسلمان سب کو ہے وہ اللہ کا گھر جو سب سے پہلے مکہ میں بنایا گیا ہے' اور بلا شبہ خلیل اللہ ہی حج کے پہلے منادی کرنے والے ہیں تو پھر ان پر تعجب اور افسوس ہے جو ملت حنیف کا دعویٰ کریں اور اس گھر کا احترام نہ کریں حج کو یہاں نہ آئیں بلکہ اپنے قبلہ اور کعبہ الگ الگ بناتے پھریں۔ اس بیت اللہ کی بنیادوں میں ہی برکت و ہدایت ہے اور وہ تمام جہان والوں کے لیے ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام' پوچھا پھر کون سی؟ فرمایا مسجد بیت المقدس۔ پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا وقت ہے؟ فرمایا چالیس سال پوچھا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے نماز پڑھ لیا کرو ساری زمین مسجد ہے۔ (مسند احمد و بخاری و مسلم) [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گھر تو پہلے بہت سے تھے لیکن خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر سب سے پہلے یہی ہے' کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ زمین پر پہلا گھر یہی بنا ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں ہاں برکتوں اور مقام ابراہیم اور امن والا گھر پہلا یہی ہے' بیت اللہ شریف کے بنانے کی پوری کیفیت سورۂ بقرہ کی آیت ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ﴾ (البقرہ/١٢٥) الخ' کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے وہیں ملاحظہ فرما لیجیے۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں سب سے پہلے روئے زمین پر یہی گھر بنا' لیکن صحیح قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی ہے اور وہ حدیث جو بیہقی میں ہے' جس میں ہے کہ آدم و حوا نے بحکم الٰہ بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں' ممکن ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہو۔ ''مکہ'' مکہ شریف کا مشہور نام ہے چونکہ

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء (٣٣٦٦) صحیح مسلم : کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ : باب المساجد و مواضع الصلاۃ (٥٢٠) نسائی : کتاب المساجد (٦٩١) ابن ماجہ : کتاب المساجد : باب أی مسجد وضع اول (٧٥٣) مسند احمد (١٥٠/٥)]

بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا' اس لیے اسے مکہ کہا گیا اور اس لیے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مردان کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اور ایسا معاملہ کہیں اور نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ((فج)) سے ((تنعیم)) تک مکہ ہے بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے بیت اللہ اور مسجد کو ((بکہ)) کہا گیا ہے' بیت اللہ اور اس کے آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے' اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق' بیت الحرام' بلد الامین' بلد المامون' ام رحم' ام القری' صلاح' عرش' قادس' مقدس' ناسبہ' باسسہ' حاطمہ' رأس' کوثاء البلدہ' البنیہ والکعبہ۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت وشرافت کی دلیل ہیں اور جن سے ظاہر ہے کہ خلیل اللہ کی بناء یہی ہے اس میں مقام ابراہیم بھی ہے۔ جس پر کھڑے ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اونچی کر رہے تھے' یہ پہلے تو بیت اللہ شریف کی دیوار سے لگا ہوا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے ذرا ہٹا کر مشرق رخ کر دیا تھا کہ پوری طرح طواف ہو سکے اور جو لوگ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کے لیے پریشانی اور بھیڑ بھاڑ نہ ہو' اسی کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور اس کے متعلق بھی پوری تفسیر ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ (البقرہ/ ١٢٥) کی آیت میں پہلے گزر چکی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آیاتِ بینات میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے باقی اور ہیں' [1] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کے قدموں کے نشان جو مقام ابراہیم پر تھے یہ بھی آیاتِ بینات میں سے ہیں' [2] کل حرم کو اور حطیم کو اور سارے ارکانِ حج کو بھی مقام ابراہیم کی تفسیر میں مفسرین نے داخل کیا ہے۔

اس میں آنے والا امن میں آ جاتا ہے جاہلیت کے زمانے میں بھی مکہ امن والا رہا باپ کے قاتل کو بھی یہاں پاتے تو نہ چھیڑتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا﴾ (العنکبوت/ ٦٧) الخ' کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا۔ اور جگہ ہے ﴿وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (قریش/ ٤) الخ' ہم نے انہیں خوف سے امن دیا نہ صرف انسان کے لیے امن ہے بلکہ شکار کرنا' بلکہ شکار کو بھگانا' اسے خوف زدہ کرنا اسے اس کے ٹھکانے یا گھونسلے سے ہٹانا اور اڑانا بھی منع ہے' اس کے درخت کاٹنا' یہاں کی گھاس اکھیڑنا بھی ناجائز ہے اس مضمون کی بہت سی حدیثیں پورے بسط کے ساتھ آیت ﴿وَعَهِدْنَا﴾ (البقرہ/ ١٢٥) الخ' کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

مسند احمد ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے بازار حزورہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کو ساری زمین سے بہتر اور پیارا ہے اگر میں زبردستی تجھ سے نہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/ ٢٦)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/ ٢٧)]

نکالا جاتا تو ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ ①

اور اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جو اس گھر میں داخل ہوا وہ جہنم سے بچ گیا' بیہقی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جو بیت اللہ میں داخل ہوا وہ نیکی میں آیا اور برائیوں سے دور ہوا' اور گناہ بخش دیا گیا ② لیکن اس کے ایک راوی عبداللہ بن مؤمل قوی نہیں ہیں۔

آیت کا یہ آخری حصہ حج کی فرضیت کی دلیل ہے' بعض کہتے ہیں ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرہ/١٩٦) الخ' والی آیت دلیلِ فرضیت ہے' لیکن پہلی بات زیادہ واضح ہے' کئی ایک احادیث میں وارد ہے کہ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے' اس کی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے' اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ استطاعت والے مسلمان پر حج فرض ہے' نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے تم حج کرو ایک شخص نے پوچھا حضور کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا پھر بجا نہ لا سکتے میں جب خاموش رہوں تو تم کرید کر پوچھا نہ کرو تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء سے سوالوں کی بھرمار اور نبیوں پر اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے میرے حکموں کو طاقت بھر بجا لاؤ۔ اور جس چیز سے میں منع کروں اس سے رک جاؤ۔ ③ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف ④ کی اس حدیث شریف میں اتنی زیادتی ہے کہ یہ پوچھنے والے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے اور حضور ﷺ نے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور پھر نفل۔ ⑤ ایک روایت میں ہے کہ اسی سوال کے بارے میں آیت ﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ﴾ (المائدہ/١٠١) الخ' یعنی زیادتی سوال سے بچو نازل ہوئی۔ ⑥ (مسند احمد) ایک اور

---

① [صحیح : ترمذی : کتاب المناقب : باب فی فضل مکة (٣٩٢٥) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب فضل مکة (٣١٠٨) نسائی فی السنن الکبری (٤٢٥٢) مستدرك حاکم (٤٣١/٣) مسند احمد (٣٠٥/٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

② [ضعیف : بیهقی فی السنن (١٥٨/٥) وفی شعب الایمان (٤٠٥٤) طبرانی کبیر (٢٠١/١١) کشف الاستار (١١٦١)] اس میں عبداللہ بن مؤمل راوی ضعیف ہے۔[دیکھئے: میزان الاعتدال (٤٦٣٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس روایت کو اسی راوی کی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں۔]

③ [صحیح : مسند احمد (٥٠٨/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے صحیح کہتے ہیں۔]

④ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب فرض الحج مرة فی العمر (١٣٣٧)]

⑤ [صحیح : ابوداؤد : کتاب المناسك : باب فرض الحج (١٧٢١) نسائی : کتاب المناسك : باب وجوب الحج (٢٦٢١) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب فرض الحج (٢٨٨٦) مسند احمد (٢٩١/١) مستدرك حاکم (٣٧٠/١) دارمی (٢٩/٢) دارقطنی (٢٧٩/٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

⑥ [صحیح : مسند احمد (١١٣/١) ترمذی : کتاب الحج : باب ماجاء کم فرض الحج (٨١٤) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب فرض الحج (٢٨٨٤) مستدرك حاکم (٢٩٣/٢) دارقطنی (٢٨٠/٢)] شیخ البانی ؒ نے آیت کے ذکر کے علاوہ باقی روایت کو صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٥٠/٤)]

روایت میں ہے اگر میں ہاں کہتا ہر سال حج واجب ہوتا تم بجا نہ لا سکتے تو عذاب نازل ہوتا۔ [1] (ابن ماجہ)
ہاں حج میں تمتع کرنے کا جواز حضور ﷺ نے ایک سائل کے سوال پر ہمیشہ کے لیے جائز فرمایا تھا' [2] ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن یعنی اپنی بیویوں سے فرمایا تھا حج ہو چکا اب گھر سے نہ نکلنا' [3] رہی استطاعت اور طاقت سووہ کبھی تو خود انسان کو بغیر کسی ذریعہ کے ہوتی ہے کبھی کسی اور کے واسطے سے۔ جیسے کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے' ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ حاجی کون ہے؟ آپ نے فرمایا پراگندہ بالوں اور میلے کچیلے کپڑوں والا۔ ایک اور نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کون سا حج افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس میں قربانیاں کثرت سے کی جائیں اور لبیک زیادہ پکارا جائے ایک اور شخص نے سوال کیا حضور ﷺ سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا توشہ بھتہ کھانے پینے کے لائق سامان خرچ اور سواری' [4] اس حدیث کا ایک راوی گو ضعیف ہے مگر حدیث کی متابعت بہت سے صحابیوں سے مختلف سندوں سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ کی تفسیر میں زاد وراحلہ یعنی توشہ اور سواری بتائی ہے۔ [5] مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کل کیا پیش آئے؟ [6] ابوداؤد وغیرہ میں ہے حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا

---

[1] [صحیح : ابن ماجه : کتاب المناسك : باب فرض الحج (٢٨٨٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٥١/٤)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الشرکة : باب الاشتراك فی الهدی والبدن (٢٥٠٥) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب بیان وجوه الاحرام (١٢١٦) نسائی : کتاب الحج : باب الحج بغیر نیة بقصده المحرم (٢٧٤٣) مسند احمد (٢١٧/٣)]

[3] [صحیح : ابو داؤد : کتاب المناسك : باب فرض الحج (١٧٢٢) مسند احمد (٢١٩/٥) ابویعلی (١٤٤٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن کہا ہے۔]

[4] [ضعیف جدا : ترمذی : کتاب الحج : باب ماجاء فی ایجاب الحج (٨١٣)، (٢٩٩٨) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب مایوجب الحج (٢٨٩٦) مسند شافعی (٢٨٣/١) دارقطنی (٢١٧/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (٤٧٨٢) بیهقی (٣٣٠/٤) ابن ابی شیبة (٥٣٥/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٩٨٨)، (١٦٠/٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے سخت ضعیف کہتے ہیں۔]

[5] [ضعیف : ابن ماجه : کتاب المناسك : باب مایوجب الحج (٢٨٩٧) دارقطنی (٢١٦/٢) مستدرك حاکم (٤٤٢/١) تفسیر ابن جریر الطبری (٧٤٨٤)] شیخ البانیؒ نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[6] [حسن : مسند احمد (٢١٤/١) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب الخروج الی الحج (٢٨٨٣) بیهقی (٣٤٠/٤) طبرانی کبیر (٢٨٧/١٨)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (٢٨٦٧)]

ارادہ پورا کر لینا چاہیے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس کے پاس تین سو درہم ہوں وہ طاقت والا ہے' عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مراد صحت جسمانی ہے۔

پھر فرمایا جو کفر کرے یعنی فرضیت حج کا انکار کرے' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین پسند کرے اس سے قبول نہ کیا جائے گا تو یہودی کہنے لگے ہم بھی مسلمان ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے تم بھی حج کرو تو وہ صاف انکار کر بیٹھے جس پر یہ آیت اتری کہ اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھانے پینے اور سواری پر قدرت رکھتا ہو اور اتنا مال بھی اس کے پاس ہو پھر حج نہ کرے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کے لیے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے جو اس کے راستہ کی طاقت رکھیں اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے' [2] اس کے راوی پر بھی کلام ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طاقت رکھ کر حج نہ کرنے والا یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر' اس کی سند بالکل صحیح ہے۔ (حافظ ابوبکر اسماعیلی) [3] مسند سعید بن منصور میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا مقصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگا دیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

---

[1] [حسن: مسند احمد (٢٢٥/١) ابوداؤد: كتاب المناسك (١٧٣٢) بيهقى فى السنن الكبرى (٣٣٩/٤)] امام حاکم اور امام ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح ابوداود] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (١٨٣٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

[2] [ضعيف: ترمذى: كتاب الحج: باب ماجاء فى التغليظ فى ترك الحج (٨١٢)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [المشكاة (٢٥٢١)] اس کی سند میں ہلال بن عبداللہ راوی مجہول ہے اور حارث اعور ضعیف ہے۔]

[3] [الحلية لأبى نعيم (٢٥٢/٩) الدر المنثور للسيوطى (١٠٠/٢)]

کفار کا انجام: اہلِ کتاب کے کافروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے جو حق سے دشمنی کرتے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے، دوسرے لوگوں کو بھی پورے زور سے اسلام سے روکتے تھے باوجود یہ کہ رسول ﷺ کی حقانیت کا انہیں یقینی علم تھا اگلے انبیاء اور رسولوں کی پیش گوئیاں اور ان کی بشارتیں ان کے پاس موجود تھیں نبی امی ہاشمی عربی مکی مدنی سید ولد آدم، خاتم الانبیاء رسول رب ارض وسما ﷺ کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود تھا پھر بھی اپنی بے ایمانی پر بضد تھے اس لیے ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خوب دیکھ رہا ہوں تم کس طرح میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم الانبیاء کو ستاتے ہو اور کس طرح میرے مخلص بندوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہو میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں تمام برائیوں کا بدلہ دوں گا اس دن پکڑوں گا جس دن تمہیں کوئی سفارشی اور مددگار نہ ملے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

اے ایماندارو اگر تم ان اہل کتاب کی اس جماعت کی باتیں مانو گے تو تم کو تمہاری ایمان داری کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے ○ (گو یہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجود یہ کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تھام لے وہی راہ راست دکھایا جائے گا○

کفار کی اطاعت کا نقصان: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اہلِ کتاب کے اس بدباطن فرقہ کی اتباع کرنے سے روک رہا ہے کیونکہ یہ حاسد ایمان کے دشمن ہیں اور عرب کی رسالت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی، جیسے اور جگہ ہے ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ﴾ (البقرة/١٠٩) الخ، یہ لوگ جل بھن رہے ہیں اور تمہیں ایمان سے ہٹانا چاہتے ہیں تم ان کے کھوکھلے دباؤ میں نہ آ جانا، گو کفر تم سے بہت دور ہے لیکن پھر بھی میں تمہیں آگاہ کیے دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کی آیتیں دن رات تم میں پڑھی جا رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ﷺ تم میں موجود ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (الحديد/٨) تم ایمان کیسے نہ لاؤ رسول ﷺ تمہیں تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں اور تم سے عہد بھی لیا جا چکا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے پوچھا تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے۔ آپ نے فرمایا بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی وحی سے براہِ راست تعلق ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر ہم، فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے؟ تم میں تو میں خود موجود ہوں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر حضور ﷺ خود ہی ارشاد فرمائیں فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے [1] (امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سندوں کا اور اس کے معنی کا پورا بیان شرح صحیح بخاری میں کر دیا ہے فالحمد للہ)

---

[1] [ضعيف: طبرانی (٣٥٣٧) مستدرك حاكم (٢/٨٥) بزار (٣٨٣٩)] یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن ابی حمید ضعیف راوی ہے۔ تاہم امام ہیثمیؒ نے اسے شواہد کی بنا پر حسن کہا ہے۔[مجمع الزوائد (١٦٦٩٣)]

پھر فرمایا کہ باوجود اس کے تمہارا مضبوطی سے اللہ کے دین کو تھام رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر پورا توکل رکھنا ہی موجب ہدایت ہے اسی سے گمراہی دور ہوتی ہے یہی شیوہ رضا کا باعث ہے اسی سے صحیح راستہ حاصل ہوتا ہے اور کامیابی اور مراد ملتی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

ایمان والو اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے، دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا ○ اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کی اس وقت کی نعمت کو یاد رکھو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال کر اپنی مہربانی سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے اس نے تمہیں بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ ○

اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن حکیم: اللہ تعالیٰ سے پورا پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی یاد نہ بھلائی جائے، اس کا شکر کیا جائے کفر نہ کیا جائے، [1] بعض روایتوں میں یہ تفسیر مرفوع بھی مروی ہے [2] لیکن ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ انسان اللہ عزوجل سے ڈرنے کا حق نہیں بجا لا سکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے [3] اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن/١٦) کی آیت سے منسوخ ہے اس دوسری آیت میں فرما دیا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو، عدل پر جم جاؤ، یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی عدل وانصاف برتا کرو۔ پھر فرمایا کہ اسلام پر ہی مرنا یعنی تمام زندگی اس پر قائم رہنا تاکہ موت اسی پر آئے، اس رب کریم کا اصول یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی جیسی رکھے ویسی ہی اسے موت آتی ہے اور جس موت مرے اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جاتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ناپسند موت سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے)۔ آمین

مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی وہاں تھے ان

---

[1] [صحیح: مستدرك حاكم (٢/٢٩٤) طبراني كبير (٨٥٠١) تفسير ابن ابي حاتم (٤٤٦/٢) تفسير ابن جرير الطبري (٧٥٣٩)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [موقوف: تفسير ابن ابي حاتم (٤٤٦/٢) مستدرك حاكم (٢٩٤/٢)]

[3] [تفسير ابن ابي حاتم (٤٤٧/٢)]

کے ہاتھ میں لکڑی تھی بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی ہر کھانے والی چیز خراب ہو جائے وہ کوئی چیز کھا پی نہ سکیں پھر خیال کرو کہ ان جہنمیوں کا کیا حال ہوگا؟ جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہوگا[1] اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جسے وہ خود اپنے لیے چاہتا ہو۔[2] (مسند احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کی زبانی آپ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا۔[3] (مسلم) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں اس کے گمان کے پاس ہی ہوں اگر اس کا میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں اس کے ساتھ اچھائی کروں گا اور اگر وہ میرے ساتھ بدگمانی کرے گا تو میں اس سے اسی طرح پیش آؤں گا۔[4] (مسند احمد) اس حدیث کا اگلا حصہ بخاری و مسلم میں بھی ہے[5] مسند بزار میں ہے کہ ایک بیمار انصاری رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لیے آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور سلام کر کے فرمانے لگے کہ کیسے مزاج ہیں؟ اس نے کہا الحمدللہ! اچھا ہوں رب کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اس کے عذابوں سے ڈر رہا ہوں' آپ نے فرمایا سنو! ایسے وقت جس دل میں خوف و طمع دونوں ہوں اللہ اس کی امید کی چیز اسے دیتا ہے اور ڈر' خوف کی چیز سے بچاتا ہے۔[6] مسند

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (١/٣٠٠) ترمذی : کتاب صفة جهنم : باب ماجآء فی صفة شراب اهل النار (٢٥٨٥) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب صفة النار (٤٣٢٥) طبرانی کبیر (١١/٦٨) نسائی فی السنن الکبری (١١٠٧) صحیح ابن حبان (٧٤٧٠) مستدرك حاکم (٢/٢٩٤) بغوی فی شرح السنة (١٥/٢٤٦) طیالسی (٣٤٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعلیق الترغیب (٤/٢٣٦)] تاہم شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح : مسند احمد (٢/١٩٢)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (٦٨٠٦)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الجنة : باب الامر بحسن الظن بالله تعالی عند الموت (٢٨٧٧) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب التوکل والیقین (٤١٦٧) ابوداؤد : کتاب الجنائز : باب مایستحب من حسن الظن بالله عند الموت (٣١١٣) مسند احمد (٣/٣١٥)]

[4] [صحیح : مسند احمد (٢/٣٩١)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ سند ابن لهیعه کی وجہ سے ضعیف ہے مگر یہ روایت صحیح ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٩٠٧٦)]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب قول الله تعالیٰ یریدون ان یبدلوا کلام الله (٧٥٠٥) صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء : باب الحث علی ذکر الله (٢٦٧٥) ترمذی : کتاب الزهد : باب ماجآء فی حسن الظن بالله (٢٣٨٨) مسند احمد (٢/٤٤٥)]

[6] [حسن : ترمذی : کتاب الجنائز : باب الرجآء بالله والخوف بالذنب عند الموت (٩٨٣) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب ذکر الموت (٤٢٦١)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[المشکاة (١٦١٢) السلسلة الصحیحة (١٠٥١)]

احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور کہا کہ میں کھڑے کھڑے ہی گروں‘ [1] اس کا مطلب امام نسائی نے تو سنن نسائی میں باب باندھ کر یہ بیان کیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہیے‘ اور یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ میں مسلمان ہوئے بغیر نہ مروں۔ اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھاتا ہوا نہ مارا جاؤں۔

پھر فرمایا باہم اتفاق رکھو اختلاف سے بچو۔ حبل اللہ سے مراد عہد اللہ ہے‘ جیسے ﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (ال عمران/١١٢) الخ‘ میں ((حبل)) سے مراد قرآن ہے‘ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن اللہ کریم کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے‘ [2] اور روایت میں ہے کہ کتاب اللہ‘ اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے‘ [3] اور حدیث میں ہے کہ یہ قرآن اللہ سبحانہ کی مضبوط رسی ہے یہ ظاہر نور ہے‘ یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے اس پر عمل کرنے والے کے لیے یہ بچاؤ ہے‘ اس کی تابعداری کرنے والے کے لئے یہ نجات ہے۔ [4] حضرت عبداللہ فرماتے ہیں ان راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں تم اللہ کے راستے پر آجاؤ تم اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو وہ رسی قرآن کریم ہے۔ اختلاف نہ کرو پھوٹ نہ ڈالو‘ جدائی نہ کرو‘ علیحدگی سے بچو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین باتوں سے اللہ رحیم خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو‘ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ دوسرے اللہ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو‘ تفرقہ نہ ڈالو‘

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٤٠٢/٣) نسائی: کتاب التطبیق: باب کیف یحنی للسجود (١٠٨٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [ضعیف: ترمذی: کتاب فضائل القرآن: باب ماجآء فی فضل القرآن (٢٩٠٦) تفسیر ابن ابی حاتم (٤٥٢٢) دارمی (٤٣٥/٢) مسند احمد (٩١/١) ابن ابی شیبة (٤٨٢/١٠)] امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند مجہول ہے۔ شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی، المشکاۃ (٢١٣٨)] اس کی سند میں حارث اعور راوی ضعیف ہے۔ اسی کی وجہ سے شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس روایت کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[3] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (٧٥٧٠) مسند احمد (٣/٤ـ ١٧) ابویعلی (١٠٢١) طبرانی کبیر (٢٦٧٨) طبرانی اوسط (٣٧٤/٣) ترمذی: کتاب المناقب: باب مناقب اهل بیت النبی (٣٧٩٠) ابن ابی عاصم فی السنة (٦٤٣/٢)] اس میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف: دارمی: کتاب فضائل القرآن: باب فضل من قرأ القرآن (٤٣١/٢)، (٣١٩٧) مستدرک حاکم (٥٥٥/١) ابن ابی شیبة (٤٨٢/١٠) مصنف عبد الرزاق (٦٠١٧)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں مسلم بن ابراہیم ہجری راوی متروک ہے۔ [مجمع الزوائد (١٦٧/٧)] امام ذہبیؒ نے بھی اس راوی کو ضعیف کہا ہے۔ [میزان (٦٦/١)] امام ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ [العلل المتناهیة (١٠٩/١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیر خواہی کرو' فضول بکواس' زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تینوں چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں' [1] بہت سی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں ہے کہ اتفاق کے وقت وہ خطا سے بچ جائیں گے اور بہت سی احادیث میں نااتفاقی سے ڈرایا بھی ہے' ان ہدایات کے باوجود امت میں اختلافات ہوئے اور تہتر فرقے ہوگئے جن میں سے ایک نجات پا کر جنتی ہوگا اور جہنم کے عذابوں سے بچ رہے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر قائم ہوں جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تھے۔

پھر اپنی نعمت یاد دلائی' جاہلیت کے زمانے میں اوس وخزرج کے درمیان بڑی لڑائیاں اور سخت عداوت تھی آپس میں برابر جنگ جاری رہتی تھی جب دونوں قبیلے اسلام لائے تو اللہ کریم کے فضل سے بالکل ایک ہوگئے سب حسد بغض جاتا رہا اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہوگئے' جیسے اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِىٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ (الانفال / ٦٣-٦٢) الخ' وہ اللہ جس نے تیری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اپنا دوسرا احسان ذکر کرتا ہے کہ تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے اور تمہارا کفر تمہیں اس میں دھکیل دیتا لیکن ہم نے تمہیں اسلام کی توفیق عطا فرما کر اس سے بھی الگ کر لیا' حنین کی فتح کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحتِ دینی کے مطابق حضور علیہ السلام نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ ایسے ہی نامناسب الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضور ﷺ نے جماعتِ انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے جماعتِ انصار رضی اللہ عنہم! کیا تم گمراہ نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی؟ تم متفرق نہ تھے؟ پھر رب دو عالم نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی' کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا؟ ہر ہر سوال کے جواب میں یہ پاکباز جماعت یہ اللہ والا گروہ کہتا جاتا تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احسان اور بھی بہت سے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں۔ [2]

حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اوس وخزرج جیسے صدیوں کے آپس کے دشمنوں کو یوں بھائی بھائی بنا ہوا دیکھا تو یہودیوں کی آنکھوں میں کانٹا کھٹکنے لگا انہوں نے آدمی مقرر کیے کہ وہ ان کی محفلوں اور مجلسوں میں جایا کریں اور اگلی لڑائیاں اور پرانی عداوتیں انہیں یاد دلائیں ان کے مقتولوں کی یاد تازہ کرائیں اور اس طرح انہیں بھڑکائیں۔

چنانچہ ان کا یہ داؤ ایک مرتبہ چل بھی گیا اور دونوں قبیلوں میں پرانی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ تلواریں کھچ گئیں ٹھیک دو جماعتیں ہوگئیں اور وہی جاہلیت کے نعرے لگنے لگے' ہتھیار سجنے لگے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے اور یہ ٹھہر گیا کہ حرہ کے میدان میں جا کر ان سے دل کھول کر لڑیں اور مردانگی کے جوہر دکھائیں

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الاقضیة: باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة (١٧١٥) مسند احمد (٢/٣٢٧)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوة الطائف (٤٣٣٠) صحیح مسلم: کتاب الزکاة: باب اعطاء المؤلفة قلوبهم علی الاسلام (١٠٦١)]

پیاسی زمین کو اپنے خون سے سیراب کریں لیکن حضور ﷺ کو پتہ چل گیا آپ فوراً موقعہ پر تشریف لائے اور دونوں گروہوں کو ٹھنڈا کیا اور فرمانے لگے پھر جاہلیت کے نعرے تم لگانے لگے میری موجودگی میں ہی تم نے پھر جنگ وجدال شروع کر دیا؟ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی سب نادم ہوئے اور اپنی دو گھڑی پہلے کی حرکت پر افسوس کرنے لگے اور آپس میں نئے سرے سے معانقہ مصافحہ کیا اور پھر بھائیوں کی طرح گلے مل گئے' ہتھیار ڈال دیئے اور صلح صفائی ہو گئی' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی اور آپ کی برأت نازل ہوئی تھی تب ایک دوسرے کے مقابلہ میں تن گئے تھے۔ [1] واللہ اعلم۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٠٤ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٥ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝١٠٦ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝١٠٧ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٨ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝١٠٩

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا' انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ○ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ' سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں کیا اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ اور سفید چہرے والے اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے' اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اے نبی (ﷺ) ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت تجھ پر کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں ○ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے والی جماعت : حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس جماعت سے مراد خاص صحابہ رضی اللہ عنہم اور خاص راویانِ حدیث ہیں یعنی مجاہدین اور علماء۔ [2] امام ابو جعفر باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

[1] [ضعیف ومنقطع : سیرۃ ابن ھشام (٢/٥٨٨) تفسیر ابن جریر الطبری (٥٥/٧) تفسیر ابن ابی حاتم (٤٣٢/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو منقطع کہا ہے۔ حافظ زبیر علی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٩٢/٧)]

رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا صبر سے مراد قرآن وحدیث کی اتباع ہے' یاد رہے کہ ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہیے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے دفع کر دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے نفرت کرے یہ ضعیف ایمان ہے۔ [1] ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ [2] (صحیح مسلم) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرما دے گا پھر تم دعائیں کرو گے لیکن قبول نہ ہوں گی' [3] اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو کسی اور مقام پر ذکر کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے کہ تم سابقہ لوگوں کی طرح افتراق واختلاف نہ کرنا تم نیک باتوں کا حکم اور خلافِ شرع باتوں سے روکنا نہ چھوڑنا' مسند احمد میں ہے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما حج کے لیے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر (٧٢) گروہ بن گئے اور اس میری امت کے تہتر (٧٣) فرقے ہو جائیں گے خواہشات نفسانی اور خوش فہمی میں ہوں گے۔ بلکہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی رگ رگ میں نفسانی خواہشیں اس طرح گھس جائیں گی جس طرح کتے کے کاٹے ہوئے انسان کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے اے عرب کے لوگو! اگر تم ہی اپنے نبی ﷺ کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔ [4] اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں۔ پھر فرمایا اس دن سفید چہرے اور سیاہ منہ بھی ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اہل سنت والجماعت کے منہ سفید اور نورانی ہوں گے مگر اہل بدعت ومنافقت کے منہ کالے ہوں گے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کالے منہ والے منافق ہوں گے جن سے کہا جائے گا کہ تم نے

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب کون النهی عن المنکر (٤٩) ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجآء فی تغیر المنکر (٢١٧٢) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلاة: باب ماجآء فی صلاة العیدین (١٢٧٥) نسائی: کتاب الایمان: باب تفاضل اهل الایمان (٥٠١٢) مسند احمد (٢٠/٣)]

[2] [أیضا]

[3] [صحیح: ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجآء فی الامر بالمعروف (٢١٦٩) مسند احمد (٣٩١/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (٢٨٦٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[4] [صحیح: ابوداؤد: کتاب السنة: باب شرح السنة (٤٥٩٧) مسند احمد (١٠٢/٤) مستدرك حاکم (٢١٨/١) شرح السنة (٤٥٩٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (٢٠٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

ایمان کے بعد کفر کیوں کیا؟ اب اس کا مزہ چکھو۔ [1] اور سفید منہ والے اللہ رحیم وکریم کی رحمت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جب خارجیوں کے سر دمشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے۔ یہ جہنم کے کتے ہیں ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں پھر آیت ﴿یَوْمَ تَبْیَضُّ﴾ تلاوت فرمائی' ابوغالب نے کہا کیا جناب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ فرمایا ایک دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالتا ہی نہ۔ [2] ابن مردویہ نے یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے لیکن سنداً غریب ہے۔ دنیا اور آخرت کی یہ باتیں اے نبی ﷺ! تم پر کھول رہے ہیں اللہ عادل حاکم ہے وہ ظالم نہیں اور ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے پھر ناممکن ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے (جن کے کالے منہ ہوئے وہ اسی لائق تھے) زمین اور آسمان کی کل چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں ہیں اور ہر کام کا آخری حکم اسی کی طرف ہے متصرف اور بااختیار حاکم دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ہی پیدا کی گئی ہو تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو' اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا' ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں ○ یہ لوگ تمہیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے' اگر لڑائی کا موقعہ آ جائے تو پیٹھ موڑ لیں گے پھر مدد نہ کیے جائیں گے ○ ہر جگہ ہی ذلیل ہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں۔ یہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی' یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا ○

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٤٦٥/٢)]

[2] [صحیح: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة ال عمران (٣٠٠٠) ابن ماجه: مقدمة: باب فی ذکر الخوارج (١٧٦)] شیخ البانی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ترمذی، المشکاة (٣٥٥٤)]

بہترین امت: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمد یہ تمام امتوں پر بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو(1) اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور آپ اس وقت ممبر پر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سا شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو۔(2) (مسند احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ساری امت کو مشتمل ہے، بیشک یہ حدیث میں بھی ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد اس سے ملا ہوا زمانہ، پھر اس کے بعد والا(3) ایک اور روایت میں ہے ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾(4) ہم نے تمہیں بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم نے اگلی امتوں کی تعداد ستر تک پہنچا دی ہے، اللہ کے نزدیک تم ان سب سے بہتر اور زیادہ بزرگ ہو(5) یہ مشہور حدیث ہے امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، اس امت کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت ہے، آپ تمام مخلوق کے سردار تمام رسولوں سے زیادہ اکرام وعزت والے ہیں، آپ کی شرع اتنی کامل اور اس شریعت کا تھوڑا سا عمل بھی اور امتوں کے زیادہ عمل سے بہتر و افضل ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ نعمتیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا لوگوں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا میری مدد رعب سے کی گئی ہے، میں زمین کی کنجیاں دیا گیا ہوں، میرا نام احمد رکھا گیا ہے، میرے لیے مٹی پاک کی گئی ہے، میری امت سب امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے۔(6) (مسند

---

(1) [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب کنتم خیر امة اخرجت للناس (٤٥٥٧)]

(2) [ضعیف: مسند احمد (٦/٤٣١) طبرانی کبیر (٢٤/٢٥٧) مجمع الزوائد (٧/٢٦٣)] شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٢٧٤٣٤)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الترغیب (١٣٨٩) السلسلة الضعیفة (٢٠٩٣)]

(3) [صحیح: صحیح بخاری : کتاب فضائل اصحاب النبی : باب فضائل اصحاب النبی (٣٦٠٥)]

(4) [سورة البقرة : آیت ١٤٣]

(5) [صحیح: ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة ال عمران (٣٠٠١) ابن ماجه : کتاب الزھد : باب صفة امة محمد (٤٢٨٧) مسند احمد (٤/٤٤٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، المشکاة (٦٢٨٥)]

(6) [حسن: مسند احمد (١/٩٨)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔[مجمع الزوائد (١/٢٦٥)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[فتح الباری (٨/٢٢٥)] شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[عمدہ التفسیر (٣/٢١)] شیخ شعیب ارناؤط اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (٧٦٣)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٣٩٣٩)]

احمد) اس حدیث کی سند حسن ہے' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کرنے والا ہوں جو راحت پر حمد وشکر کریں گے اور مصیبت پر طلبِ ثواب اور صبر کریں گے حالانکہ انہیں حلم وعلم نہ ہوگا آپ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر بردباری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے؟ رب العالمین نے فرمایا میں انہیں اپنا حلم وعلم عطا فرماؤں گا' ① میں چاہتا ہوں یہاں پر بعض وہ حدیثیں بھی بیان کردوں جن کا ذکر یہاں مناسب ہے سنیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے' سب یک رنگ ہوں گے' میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ اے اللہ! اس تعداد میں اور اضافہ فرما اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آجائیں گے۔ ② (مسند احمد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے میرے رب نے ستر ہزار آدمیوں کو میری امت میں سے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اور زیادتی طلب کرتے۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے خوشخبری ملی کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برکت کی دعا کرتے آپ نے فرمایا میں نے پھر کی تو ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار کا وعدہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر گزارش کی کہ اللہ کے نبی اور کچھ بھی مانگتے آپ نے فرمایا مانگا تو مجھے اتنی زیادتی اور ملی اور پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا کہ اسی طرح' راوی حدیث کہتے ہیں اس طرح جب اللہ تعالیٰ سمیٹے تو اللہ عزوجل ہی جانتا ہے کہ کس قدر مخلوق اس میں آئے گی۔ (فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)۔ ③ (مسند احمد)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حمص میں بیمار ہو گئے عبداللہ بن قرط وہاں کے امیر تھے وہ عیادت کو نہ آسکے ایک کلاعی شخص جب آپ کی بیمار پرسی کے لیے گیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ لکھنا جانتے ہو اس نے کہا ہاں فرمایا لکھو یہ خط ثوبان کی طرف سے امیر عبداللہ بن قرط کی طرف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں بعد حمد وصلوٰۃ کے! واضح ہو کہ اگر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام کا کوئی خادم یہاں ہوتا اور بیمار پڑتا تو تم عیادت کے لیے جاتے پھر کہا یہ خط لے جاؤ اور امیر کو پہنچا دو جب یہ خط امیر حمص کے پاس پہنچا تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور

---

① [ضعیف : مسند احمد (٤٥٠/٦)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں یزید بن میسرہ راوی مجہول ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٢٧٥٤٥)]

② [ضعیف : مسند احمد (٦/١) مسند ابویعلی (١١٢)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں مسعودی راوی مختلط ہے۔[مجمع الزوائد (٤٠٩/١٠)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٢٢)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

③ [ضعیف : مسند احمد (١٩٧/١) بزار (٣٥٤٦)] اس میں قاسم بن مہران راوی مجہول ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (١٧٠٦)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ تاہم شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے حسن کہا ہے۔]

سیدھے یہاں تشریف لائے کچھ دیر بیٹھ کر عیادت کر کے جب جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے ان کی چادر پکڑ کر روکا اور فرمایا ایک حدیث سنتے جائیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وعذاب کے جنت میں جائیں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ [1] (مسند احمد) یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک رات ہم خدمتِ نبوی میں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر صبح جب حاضر خدمت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سنو آج رات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت سمیت مجھے دکھائے گئے بعض انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صرف تین شخص تھے، بعض کے ساتھ مختصر سا گروہ، بعض کے ساتھ ایک جماعت، کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے مجھے یہ جماعت پسند آئی میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے؟ جواب ملا اپنی داہنی طرف دیکھو اب جو دیکھتا ہوں تو بیشمار مجمع ہے۔ جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں، اب مجھ سے پوچھا گیا کہو خوش ہو میں نے کہا میرے رب میں راضی ہو گیا، فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے ہی ہونا اگر یہ نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو پہاڑیوں کو چھپائے ہوئے تھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے، حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان ستر ہزار میں سے کرے آپ نے دعا کی تو ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی اٹھ کر یہی گزارش کی تو آپ نے فرمایا تم پر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سبقت کر گئے۔

ہم اب آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو اسلام پر ہی پیدا ہوئے ہوں اور پوری عمر میں کبھی اللہ کے ساتھ شرک کیا ہی نہ ہو۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو دم جھاڑ انہیں کراتے' آگ کے داغ نہیں لگواتے' شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ [2] (مسند احمد) ایک اور سند سے اتنی زیادتی اس میں اور بھی ہے کہ جب میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو مجھ سے کہا گیا اب اپنی بائیں جانب دیکھو میں نے دیکھا تو بیشمار مجمع ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھی ڈھک لیا ہے' [3] ایک اور روایت میں ہے کہ موسمِ حج کا یہ واقعہ ہے آپ فرماتے ہیں مجھے اپنی امت کی یہ کثرت بہت پسند آئی تمام پہاڑیاں اور میدان ان

---

[1] [صحيح لغيره : مسند احمد (٥/ ٢٨٠)] شیخ شعیب ارناؤط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (٢٢٤١٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [صحيح : مسند احمد (١/ ٤٠١) مستدرك حاكم (٤/ ٥٧٧) عبد الرزاق (١٩٥١٩) ابو يعلى (٥٣٣٩) مجمع (٩/ ٣٠٤) صحيح ابن حبان (١٤/ ٣٤١) طبرانی کبیر (١٠/ ٤٠٨)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [فتح الباری (١١/ ٤٠٧)]

[3] [أيضا]

سے پُر تھے۔ ① (مسند احمد) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بعد کھڑے ہونے والے ایک انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ ② (طبرانی) ایک اور روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا ساٹھ لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے سب ایک ساتھ جنت میں جائیں گے چمکتے ہوئے چودھویں رات کے چاند جیسے ان کے چہرے ہوں گے۔ ③ (بخاری و مسلم' طبرانی)

حصین بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے پاس تھا تو آپ نے دریافت کیا رات کو جو ستارہ ٹوٹا تھا تم میں سے کسی نے دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہاں حضرت میں نے دیکھا تھا یہ نہ سمجھئے گا میں نماز میں تھا بلکہ مجھے بچھو نے کاٹ کھایا تھا حضرت سعید رحمہ اللہ نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا دم کر دیا تھا کہا کیوں؟ میں نے کہا حضرت شعبی رحمہ اللہ نے بریدہ بن حصیب کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ نظر بد اور زہریلے جانوروں کا دم جھاڑ کرانا ہے کہنے لگے خیر جسے جو پہنچے اس پر عمل کرے۔ ہمیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سنایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت تھی' کسی کے ساتھ ایک شخص اور دو شخص اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا اب جو دیکھا کہ ایک بڑی جماعت پر نظر پڑی میں سمجھا یہ تو میری امت ہوگی پھر معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے مجھ سے کہا گیا آسمان کے کناروں کی طرف دیکھو میں نے دیکھا تو وہاں بیشمار لوگ تھے مجھ سے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے۔ حدیث بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مکان پر چلے گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے شاید یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہوں گے کسی نے کہا نہیں اسلام میں پیدا ہونے والے اور اسلام پر ہی مرنے والے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ آپ تشریف لائے اور پوچھا کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑا کریں' نہ کرائیں' نہ داغ لگوائیں' نہ شگون لیں' بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی درخواست کی آپ نے دعا کی کہ یا اللہ! تو اسے ان میں سے ہی بنا۔ پھر دوسرے شخص نے بھی یہی کہا آپ نے فرمایا عکاشہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے' ④ یہ حدیث بخاری میں ہے لیکن اس میں دم جھاڑا کرنے کا لفظ نہیں۔ صحیح مسلم میں بھی یہ لفظ ہے۔

ایک اور مطول حدیث میں ہے کہ پہلی جماعت تو نجات پائے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے ان سے حساب بھی نہ لیا جائے گا۔ پھر ان کے بعد والے سب سے زیادہ روشن ستارے جیسے چمکدار

---

① [صحیح: مسند احمد (١/٤٤٥)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (٣٨٠٦)]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب البرود والحبر والشملة (٥٨١١) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة (٢١٦) مسند احمد (٢/٤٠٠)]

③ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب یدخل الجنة بسبعون الفابغیر حساب (٦٥٤٣) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الدلیل علی دخول (٢١٩)]

④ [صحیح: صحیح بخاری (٦٥٤١) صحیح مسلم (٢٢٠) مسند احمد (١/٢٧١)]

چہرے والے ہوں گے۔ ① (مسلم) آپ فرماتے ہیں مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وعذاب کے داخل بہشت ہوں گے' ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور تین لپیں میرے رب عزوجل کی لپوں سے۔ ② (کتاب السنن لحافظ ابی بکر بن عاصم) اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ستر ہزار کی تعداد سن کر یزید بن اخنس رضی اللہ عنہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو آپ کی امت کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑے ہیں تو آپ نے فرمایا ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہیں اور پھر اللہ نے تین لپیں (ہتھیلیوں کا کشکول) بھر کر اور بھی عطا فرمائے ہیں' اس کی اسناد بھی حسن ہیں۔ ③ (کتاب السنن) ایک اور حدیث میں ہے کہ میرے رب نے جو عزت اور جلال والا ہے' مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں لے جائے گا پھر ایک ایک ہزار کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمی اور جائیں گے پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپیں (دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملا کر کٹورا بنانا) بھر کر اور ڈالے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ ان کی شفاعت ان کے باپ دادوں اور بیٹوں اور بیٹیوں اور خاندان وقبیلہ میں ہوگی۔ اللہ کرے میں تو ان میں سے ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی لپوں میں بھر کر آخر میں جنت میں لے جائے گا۔ ④ (طبرانی) اس حدیث کی سند میں بھی کوئی علت نہیں۔ واللہ اعلم۔ کدید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا یہ ستر ہزار جو بلا حساب جنت میں داخل کیے جائیں گے میرا خیال ہے کہ ان کے آتے آتے تو تم اپنے لیے اور اپنے بال بچوں اور بیویوں کے لیے جنت میں جگہ مقرر کر چکے ہو گے۔ ⑤ (مسند احمد) اس کی سند بھی شرط مسلم پر ہے' ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اور زیادہ کیجیے اسے سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو بکر بس کرو صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں صاحب اگر ہم سب کے سب جنت میں چلے جائیں گے تو آپ کو کیا نقصان ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ چاہے تو ایک ہی ہاتھ میں ساری مخلوق کو جنت میں ڈال دے حضور علیہ السلام نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں۔ ⑥ (مسند عبدالرزاق) اسی

---

① [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ادنی اهل الجنة منزلة (١٩١) مسند احمد (٣٨٣/٣)]

② [صحیح :ترمذی : کتاب صفة القیامة (٢٤٣٧) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب صفة امة محمد (٤٢٨٦) مسند احمد (٢٦٨/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٢١٧٩)]

③ [حسن :مسند احمد (٢٥٠/٥) السنة لابن ابی عاصم (٥٨٨)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

④ [صحیح : طبرانی کبیر (٧٧١/٢٢) ابن حبان (٧٢٤٧) السنة لابن أبی عاصم (٢٦٠/١) مسند احمد (٢٥٠/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ظلال الجنة (٥٨٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

⑤ [صحیح : مسند احمد (١٦/٤) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب صفة امة محمد (٤٢٨٥) صحیح ابن حبان (٢١٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٢٤٠٥)]

⑥ [صحیح : عبد الرزاق (٢٠٥٥٦) مسند احمد (١٦٥/٣) السنة لابن ابی عاصم (٢٦٢/١)] امام ہیثمیؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔[مجمع الزوائد (٤٠٧/١٠)] شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[ظلال الجنة (٥٩٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

حدیث کی اور سند سے بھی بیان ہے کہ اس میں تعداد ایک لاکھ آئی ہے۔ (1) (اصبہانی) ایک اور روایت میں ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ستر ہزار اور پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار پھر اللہ کا لپ بھر کر جنتی بنانا سنا تو کہنے لگے پھر تو اس کی بدنصیبی میں کیا شک رہ گیا جو باوجود اس کے بھی جہنم میں جائے۔ (2) (ابویعلیٰ) اوپر والی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان ہوئی ہے اس میں تعداد تین لاکھ کی ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا بیان ہے۔ (3) (طبرانی) ایک اور حدیث میں جنت میں جانے والوں کا ذکر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے سارے مہاجر تو اس میں آ ہی جائیں گے پھر باقی تعداد اعرابیوں سے پوری ہوگی (4) (محمد بن سہل) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حساب کیا گیا تو جملہ تعداد چار کروڑ نوے ہزار ہوئی' ایک اور حسن حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم ایک اندھیری رات کی طرح بیشمار ایک ساتھ جنت کی طرف بڑھو گے' زمین تم سے پُر ہو جائے گی تمام فرشتے پکار اٹھیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جو جماعت آئی وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے' (5) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا صرف میری تابعدار امت اہلِ جنت کی چوتھائی ہو گی صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا پھر فرمایا کہ مجھے تو امید ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو جاؤ ہم نے پھر تکبیر کہی پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم آدھوں آدھ ہو جاؤ۔ (6) (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو؟ ہم نے خوش ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کی پھر فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو ہم نے پھر تکبیر کہی آپ نے فرمایا مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو گے۔ (7) (بخاری و مسلم) طبرانی میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کہتے ہو تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ بننا چاہتے ہو کہ چوتھائی جنت تمہارے پاس ہو اور تین چوتھائیوں میں تمام اور امتیں ہوں؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے آپ نے فرمایا اچھا تہائی حصہ ہو

---

(1) [صحیح : مسند احمد (۱۹۳/۳) ابو نعیم فی الحلیة (۳۳٤/۲)] شیخ شعیب ارناؤط نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (۱۳۰۰۷)]

(2) [صحیح : ابویعلی (۳۷۸۳) مجمع الزوائد (٤۰۷/۱۰) المطالب العالیة (٤٦۹۹)]

(3) [ضعیف : طبرانی کبیر (٦٤/۱۷)] اس میں ابوبکر بن عمیر راوی مجہول ہے۔[مجمع الزوائد (٤۰۵/۱۰)]

(4) [مسند احمد (۳۵۹/۲) طبرانی الاوسط (٤۰٦) طبرانی کبیر (۳۰٤/۲۲)]

(5) [ضعیف : طبرانی (۳٤۵۵) مجمع الزوائد (٤۰٤/۱۰)] اس میں محمد بن اسماعیل بن عیاش راوی ضعیف ہے۔]

(6) [صحیح : مسند احمد (۳۸۳/۳) بزار (۳۵۳۳) مجمع الزوائد (٤۰۲/۱۰)] شیخ شعیب ارناؤط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (۱٤۷٦٦)]

(7) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب الحشر (٦۵۲۸) و کتاب الایمان والنذور (٦٦٤۲) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب کون ھذہ الامة نصف اھل الجنة (۲۲۱) ابن ماجه : کتاب الزھد : باب صفة امة محمد (٤۲۸۳) ترمذی : کتاب صفة الجنة : باب ماجآء فی کم صف اھل الجنة (۲۵٤۷) مسند احمد (۳۸٦/۱)]

تو' ہم نے کہا یہ بہت ہے فرمایا اگر آدھوں آدھ ہو تو' انہوں نے کہا حضور ﷺ پھر تو بہت ہی زیادہ ہے آپ نے فرمایا سنو! کل اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی (٨٠) صفیں صرف میری امت کی ہیں[1] مسند احمد میں بھی ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں ان میں اسّی (٨٠) صفیں صرف میری امت کی ہیں' یہ حدیث طبرانی' ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔[2]

طبرانی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ (الواقعہ/ ٣٩'٤٠) اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اہل جنت کی چوتھائی ہو' پھر فرمایا بلکہ ثلث ہو' پھر فرمایا بلکہ نصف ہو پھر فرمایا دو تہائی ہو۔[3] (اے وسیع رحمتوں والے اور بے روک نعمتوں والے اللہ ہم تیرا بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ایسے معزز و محترم رسول ﷺ کی امت میں پیدا کیا' تیرے سچے رسول ﷺ کی سچی زبان سے تیرے اس بڑھے چڑھے فضل و کرم کا حال سن کر ہم گنہگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا' اے ماں باپ سے زیادہ مہربان اللہ! ہماری آس نہ توڑ اور ہمیں بھی ان نیک ہستیوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما' اللہ اس پاک ذکر کے موقعہ پر ہم ہاتھ اٹھا کر' دامن پھیلا کر' آنسو بہا کر' امیدوں بھرے دل سے تیری رحمت کا سہارا لے کر' تیرے کرم کا دامن تھام کر تجھ سے بھیک مانگتے ہیں تو قبول فرما اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنی رضا مندی کا گھر جنت الفردوس عطا فرما۔ آمین الہ الحق آمین)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں سب سے آخر میں آئے اور جنت میں سب سے پہلے جائیں گے اوران کو کتاب اللہ پہلے ملی ہمیں بعد میں ملی جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا ان میں اللہ نے ہمیں صحیح طریق کی توفیق دی' جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے کہ یہود ہمارے پیچھے ہیں ہفتہ کے دن اور نصرانی ان کے پیچھے اتوار کے دن۔[4] دار قطنی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں' انبیاء پر دخولِ جنت حرام ہے اور جب تک میری امت نہ داخل ہو' دوسری امت پر دخولِ جنت حرام ہے۔[5] یہ

---

[1] [صحیح بالشواھد : مسند احمد (٤٥٣/١) مجمع (٤٠٣/١٠) ابو یعلی (٥٣٥٨)]

[2] [صحیح : ترمذی : کتاب صفة الجنة : باب ماجآء فی کم صف اھل الجنة (٢٥٤٦) ابن ماجه : کتاب الزھد : باب صفة امة محمد (٤٢٨٩) مسند احمد (٣٥٥/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، المشکاة (٥٦٤٤)]

[3] [صحیح : مسند احمد (٣٩١/٢)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجمعة : باب فرض الجمعة (٨٧٦) صحیح مسلم : کتاب الجمعة : باب ھدایة ھذه الامة لیوم الجمعة (٨٥٥) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاة : باب فی فرض الجمعة (١٠٨٣) نسائی : کتاب الجمعة : باب ایجاب الجمعة (١٣٦٧) مسند احمد (٢٧٤/٢)]

[5] [ضعیف : ابن عدی (١٢٩/٤) ابن ابی حاتم فی العلل (٢٢٧/٢)] اس میں عبداللہ بن محمد بن عقیل اور زہیر بن محمد راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے منکر کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

وہ حدیثیں تھیں جنہیں ہم اس آیت کے تحت وارد کرنا چاہتے تھے فالحمد للہ۔ امت کو بھی چاہیے کہ یہاں اس آیت میں جتنی صفتیں ہیں ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے حج میں اس آیت کی تلاوت فرما کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم اس آیت کی تعریف میں داخل ہونا چاہتے ہو تو یہ اوصاف بھی اپنے میں پیدا کرو' امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل کتاب ان کاموں کو چھوڑ بیٹھے تھے جن کی مذمت کلام اللہ نے کی' فرمایا ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ﴾ (المائدہ/۷۹) وہ لوگ برائی کی باتوں سے لوگوں کو نہیں روکتے تھے۔ چونکہ مندرجہ بالا آیت میں ایمان داروں کی تعریف وتوصیف بیان ہوئی تو اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی میرے آخر الزمان پر ایمان لاتے تو انہیں بھی یہ فضیلتیں ملتیں لیکن ان میں سے اکثر کفر و فسق اور گناہوں پر جمے ہوئے ہیں ہاں کچھ لوگ باایمان بھی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا اللہ تمہیں تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا۔ چنانچہ خیبر والے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا اور ان سے پہلے بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ کو بھی اللہ نے ذلیل ورسوا کیا' اسی طرح شام کے نصرانی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں مغلوب ہوئے اور ملکِ شام ان کے ہاتھوں سے کلیۃً نکل گیا اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک حق پر قائم رہے گی' حضرت عیسیٰ آ کر ملتِ اسلام اور شریعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حکم کریں گے صلیب توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہ کریں گے صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اوپر ذلت اور پستی ڈال دی گئی ہاں اللہ کی پناہ کے علاوہ کہیں بھی امن وامان اور عزت نہیں یعنی جزیہ دینا اور مسلم بادشاہ کی اطاعت کرنا قبول کر لیں اور لوگوں کی پناہ یعنی عقدِ ذمہ مقرر ہو جائے یا کوئی مسلمان امن دے دے اگرچہ کوئی عورت ہو یا کوئی غلام ہو' علماء کا ایک قول یہ بھی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ﴿حبل﴾ سے مراد عہد ہے۔[1] جو غضب کے مستحق ہوئے اور مسکینی چپکا دی گئی' ان کے کفر اور انبیاء سے تکبر' حسد' سرکشی وغیرہ کا بدلہ ہے۔ اسی باعث ان پر ذلت پستی اور مسکینی ہمیشہ کے لیے ڈال دی گئی ان کی نافرمانیوں اور تجاوزِ حق کا یہ بدلہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿١١٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۲/۷)]

اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾

یہ سارے کے سارے یکساں نہیں' بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں' یہ نیک بخت لوگ ہیں ○ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ○ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○ یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں اسکی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

خود اپنے نفسوں پر ظلم: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل کتاب اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم برابر نہیں' مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں ایک مرتبہ دیر لگا دی پھر جب آئے تو جو اصحاب منتظر تھے ان سے فرمایا کسی دین والا اس وقت تک اللہ کا ذکر نہیں کر رہا مگر صرف تم ہی اللہ کے ذکر میں ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1] لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اہلِ کتاب کے علماء مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت اسد بن عبید' حضرت ثعلبہ بن سعیہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے بارے میں یہ آیت آئی کہ یہ لوگ ان اہلِ کتاب میں شامل نہیں جن کی مذمت پہلے گزری' بلکہ یہ با ایمان امر اللہ پر قائم ہیں' شریعت محمدیہ کے تابع ہیں' استقامت و یقین ان میں ہے' یہ پاکباز لوگ راتوں کے وقت تہجد کی نماز میں بھی اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اللہ پر' قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو بھی انہی باتوں کا حکم کرتے ہیں' ان کے خلاف سے روکتے ہیں نیک کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں اب اللہ تعالیٰ انہیں خطاب عطا فرماتا ہے کہ یہ صالح لوگ ہیں' اس سورت کے آخر میں بھی فرمایا ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ (ال عمران/١٩٩) الخ' بعض اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ پر' اس قرآن پر' اور توراۃ وانجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں یہاں بھی فرمایا کہ ان کے یہ نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے بلکہ پورا بدلہ ملے گا۔

تمام پرہیز گار لوگ اللہ کی نظروں میں ہیں وہ کسی کے اچھے عمل کو برباد نہیں کرتا۔ ان بے دین لوگوں کو اللہ کے ہاں نہ مال نفع دے' نہ اولاد۔ یہ تو جہنمی ہیں ﴿صر﴾ کے معنی سخت سردی کے ہیں جو کھیتوں کو جلا دیتی ہے' غرض جس طرح کسی کی تیار کھیتی پر برف پڑے اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے نفع چھوڑ کر اصل بھی غارت ہو جائے اور

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٢/٧) تفسیر ابن ابی حاتم (٤٨٤/٢) نسائی فی التفسیر (٩٣) مسند احمد (٣٩٦/١) ابویعلی (٥٣٠٦) ابن حبان (١٥٣٠)]

امیدوں پر پانی پھر جائے اسی طرح یہ کفار ہیں جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں اس کا نیک بدلہ تو کہاں بلکہ عذاب ہوگا' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اے ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے' ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو ○ (تو غور کرلو) ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے رہتے ہیں' کہہ دو کہ اپنے غصہ میں ہی مر جاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو بخوبی جانتا ہے۔ تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں' تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں نقصان نہ دے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمالوں کا احاطہ کر رکھا ہے ○

کفار کو ہم راز نہ بناؤ: اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہم راز ہونے سے روکتا ہے کہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں میں خوش نہ ہو جانا اور ان کے مکر کے پھندے میں پھنس نہ جانا ورنہ موقعہ پا کر یہ تمہیں سخت ضرر پہنچائیں گے اور اپنی باطنی عداوت نکالیں گے تم انہیں اپنا راز دار ہرگز نہ سمجھنا' راز کی باتیں ان کے کانوں تک ہرگز نہ پہنچانا ﴿بِطَانَة﴾ کہتے ہیں انسان کے راز دار دوست کو اور ﴿مِنْ دُوْنِكُمْ﴾ سے مراد اہلِ اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں' بخاری وغیرہ میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جس نبی کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا اس کے لیے دو ﴿بِطَانَه﴾ مقرر کیے ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دینے والا اور دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا بس اللہ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے' [1] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب القدر: باب المعصوم من عصم اللہ (٦٦١١) نسائی: کتاب البیعة: باب بطانة الامام (٤٢٠٧) مسند احمد (٣٩/٣)]

حافظہ والا ہے آپ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کرلیں آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مومن کو بطانہ بنالوں گا جو اللہ نے منع کیا ہے' (١) اس واقعہ کو اور اس آیت کو سامنے رکھ کر ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ذمی کفار کو بھی ایسے کاموں میں نہ لگانا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین کو مسلمانوں کے پوشیدہ ارادوں سے واقف کر دے اور ان کے دشمنوں کو ان سے ہوشیار کر دے کیونکہ ان کی تو چاہت ہی مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے۔

ازہر بن راشد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سنتے تھے اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے جا کر مطلب حل کر لیتے تھے ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ انہوں نے آ کر حسن بصری رحمہ اللہ سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو' دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دارو! اپنے سوا دوسروں کو ہم راز نہ بناؤ (٢) (ابو یعلی) لیکن حسن بصری رحمہ اللہ کی یہ تشریح قابل غور ہے حدیث کا ٹھیک مطلب غالباً یہ ہے کہ محمد رسول اللہ عربی خط میں اپنی انگوٹھیوں پر نقش نہ کراؤ' چنانچہ اور حدیث میں صاف ممانعت موجود ہے (٣) یہ اس لیے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے ساتھ مشابہت نہ ہو' اور اول جملے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کے درمیان کی لڑائی کی آگ کو کیا تم نہیں دیکھتے؟ (٤) اور حدیث میں ہے جو مشرکوں سے میل جول کرے یا ان کے ساتھ رہے بسے وہ بھی انہی جیسا ہے۔ (٥)

پھر فرمایا ان کی باتوں سے بھی ان کی عداوت ٹپک رہی ہے' ان کے چہروں سے بھی۔ قیافہ شناس ان کی باطنی خباثتوں کو معلوم کر سکتا ہے پھر جو ان کے دلوں میں تباہ کن شرارتیں ہیں وہ تو تم سے مخفی ہیں لیکن ہم نے تو صاف

---

(١) [تفسیر ابن ابی حاتم (٢/٥٠٠)]

(٢) [ضعیف مسند احمد (٣/٩٩) نسائی فی السنن الکبری (٩٥٣٥)] اس میں ازہر بن راشد راوی مجہول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے مجہول کہا ہے۔ امام ابن معینؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [دیکھئے : تہذیب التہذیب (١/١٧٦) میزان الاعتدال (٦٩٣) الجرح والتعدیل (١/٣١٣)] شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [السلسلۃ الضعیفۃ (٤٧٨١) ضعیف الجامع الصغیر (٩٢٢٧)]

(٣) [صحیح صحیح مسلم : کتاب اللباس : باب لبس النبی خاتما من ورق (٢٠٩٢) صحیح بخاری : کتاب اللباس : باب قول النبی لا ینقش علی نفش فاتحه (٥٨٧٧)]

(٤) [صحیح ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب النهی عن قتل من اعتصم بالسجود (٢٦٤٥) ترمذی : کتاب السیر : باب ماجاء فی کراهیة المقام (١٦٠٤) نسائی : کتاب القسامة : باب القود بغیر حدیدة (٤٧٨٤) شرح السنة (١٠/٣٧٣)] عقل کے جملہ کے علاوہ باقی حدیث کو شیخ البانیؒ نے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (٢٦٤٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(٥) [صحیح ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی الاقامة بارض الشرك (٢٧٨٧) شرح السنة للبغوی (١٠/٣٧٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود (٢٤٢٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

صاف بیان کر دیا ہے عاقل لوگ ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔ پھر فرمایا دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تمہیں نہ چاہیں' تمہارا ایمان کل کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہوں ان کی کتاب کو تم تو مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں تو چاہیے تو یہ تھا کہ تم خود انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ سامنا ہو جائے تو اپنی ایمانداری کی داستان بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ وغضب سے' جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہر داری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ یہ چاہے جلتے بھنتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی دیتا رہے گا' مسلمان دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مر جائیں۔ اللہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے' ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی' یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دونی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت حاصل کرتے دیکھیں گے برخلاف ان کے یہ خود یہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے' ان کی شدت عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تمہیں کوئی نفع پہنچتا ہے یہ کلیجہ مسوسنے لگیں اور اگر (اللہ نہ کرے) تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد ہوئی یہ کفار پر غالب آئے انہیں غنیمت کا مال ملا یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آ گئی یا دشمنوں میں گر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔

اب اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بدبختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر و تقویٰ اور توکل کرو اللہ عزوجل خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا کسی بھلائی کے حاصل کرنے' کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا جو اس پر توکل کرے اسے وہ کافی ہے۔ اسی مناسبت سے اب جنگ احد کا ذکر شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے صبر و تحمل کا بیان ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا پورا نقشہ ہے اور جس میں مومن و منافق کی ظاہری تمیز ہے سنیے! ارشاد ہوتا ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾

اے نبی (ﷺ) تو اس وقت کو بھی یاد کر جب صبح ہی صبح تو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے موقع پر باقاعدہ بٹھا رہا تھا اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○ جب تمہاری دو جماعتیں سستی کا ارادہ کر چکی تھیں اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے ○ جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے رہا کرو (نہ کسی اور سے) تاکہ تمہیں شکر

گزاری کی توفیق ہو اور یہ شکر گزاری باعث نصرت و امداد ہو۔

غزوہ احد: یہ احد کے واقعہ کا ذکر ہے [1] بعض مفسرین نے اسے جنگِ خندق کا قصہ بھی کہا ہے لیکن ٹھیک یہ ہے کہ واقعہ جنگِ احد کا ہے جو سن ۳ ہجری ۱۱ شوال بروز ہفتہ پیش آیا تھا' جنگِ بدر میں مشرکین کو کامل شکست ہوئی تھی ان کے سردار موت کے گھاٹ اترے تھے' اب اس کا بدلہ لینے کے لیے مشرکین نے بڑی بھاری تیاری کی تھی وہ تجارتی مال جو بدر والی لڑائی کے موقعہ پر دوسرے راستے سے بچ کر آ گیا تھا وہ سب اس لڑائی کے لیے روک رکھا تھا اور چاروں طرف سے لوگوں کو جمع کر کے تین ہزار کا ایک لشکرِ جرار تیار کیا اور پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی' ادھر رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کے بعد مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز پڑھائی جو قبیلہ بنی النجار میں سے تھے پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کی مدافعت کی کوئی صورت تمہارے نزدیک بہتر ہے؟ تو عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ نکلنا چاہیے اگر وہ آئے اور ٹھہرے تو گویا ہمارے جیل خانہ میں آ گئے۔ رکے اور کھڑے رہیں' اور اگر مدینہ میں گھسے تو ایک طرف سے ہمارے بہادروں کی تلواریں ہوں گی دوسری جانب سے تیر اندازوں کے بے پناہ تیر ہوں گے پھر اوپر سے عورتوں اور بچوں کی سنگ باری ہو گی اور اگر یونہی لوٹ گئے تو بربادی اور خسارے کے ساتھ لوٹیں گے' لیکن اس کے برخلاف بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے ان کی رائے تھی کہ مدینہ کے باہر میدان میں جا کر خوب دل کھول کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر باہر آئے' ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو اب خیال ہوا کہ کہیں ہم نے اللہ کے نبی کی خلافِ منشاء تو میدان کی لڑائی پر زور نہیں دیا اس لیے یہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ اگر یہیں ٹھہر کر لڑنے کا ارادہ ہو تو یونہی کیجیے ہماری جانب سے کوئی اصرار نہیں' آپ نے فرمایا اللہ کے نبی کو لائق نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتارے اب تو میں نہ لوٹوں گا جب تک کہ وہ نہ ہو جائے جو اللہ عزوجل کو منظور ہو' [2] چنانچہ ایک ہزار کا لشکر لے کر آپ مدینہ شریف سے نکل کھڑے ہوئے' شوط پر پہنچ کر اس منافق عبداللہ بن ابی نے دغا بازی کی اور اپنی تین سو کی جماعت کو لے کر واپس مڑ گیا یہ لوگ کہنے لگے ہم جانتے ہیں کہ لڑائی تو ہونے کی نہیں خواہ مخواہ زحمت کیوں اٹھائیں؟ آنحضرت ﷺ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور صرف سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر میدان میں اترے اور حکم دیا کہ جب تک میں نہ کہوں لڑائی شروع نہ کرنا۔ پچاس تیر انداز صحابیوں کو الگ کر کے ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بنایا اور اس سے فرمادیا کہ پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو' دیکھو ہم غالب آ جائیں یا (اللہ نہ کرے) مغلوب ہو جائیں تم ہرگز ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا' یہ انتظامات کر کے خود آپ بھی تیار ہو گئے دوہری زرہ پہنی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا آج چند لڑکے بھی لشکرِ محمدی میں نظر آتے تھے یہ چھوٹے سپاہی بھی جانبازی کے لیے بہ ہمہ تن مستعد تھے' بعض اور بچوں کو حضور ﷺ نے ساتھ نہیں لیا تھا انہیں جنگِ خندق کے لشکر میں بھرتی کیا گیا جنگِ خندق اس کے دو سال بعد ہوئی

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٢/ ٥١٠)] [2] [مستدرك حاكم (٢/ ١٢٨-١٢٩)]

تھی۔ قریش کا لشکر بڑے ٹھاٹھ سے مقابلہ پر آ ڈٹا یہ تین ہزار سپاہیوں کا گروہ تھا ان کے ساتھ دو سو کوتل گھوڑے تھے جنہیں موقعہ پر کام آنے کے لیے ساتھ رکھا تھا ان کے داہنے حصہ پر خالد بن ولید تھا اور بائیں حصہ پر عکرمہ بن ابو جہل تھا (یہ دونوں سردار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ عنہما) ان کا جھنڈے بردار قبیلہ بنو عبدالدار تھا' [1] پھر لڑائی شروع ہوئی جس کے تفصیلی الغرض اس آیت میں اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ مدینہ شریف سے نکلے اور لوگوں کو لڑائی کے مواقعہ کی جگہ پر مقرر کرنے لگے میمنہ میسرہ لشکر کا مقرر کیا اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا اور سب کے دلوں کے بھید جاننے والا ہے' روایتوں میں یہ آ چکا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن مدینہ شریف سے لڑائی کے لیے نکلے اور قرآن فرماتا ہے صبح ہی صبح تم لشکریوں کی جگہ مقرر کرتے تھے تو مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تو جا کر پڑاؤ ڈال دیا باقی کاروائی ہفتہ کی صبح شروع ہوئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہمارے بارے میں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ تمہارے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا تھا گو اس میں ہماری ایک کمزوری کا بیان ہے لیکن ہم اپنے حق میں اس آیت کو بہت بہتر جانتے ہیں کیونکہ اس میں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اللہ ان دونوں کا ولی ہے۔ [2]

پھر فرمایا کہ دیکھو میں نے بدر والے دن بھی تمہیں غالب کیا حالانکہ تم سب ہی کم اور بے سر و سامان تھے' بدر کی لڑائی سن ۲ ہجری ۱۷ رمضان بروز جمعہ ہوئی تھی۔ اسی کا نام یوم الفرقان رکھا گیا اس دن اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی' شرک برباد ہوا' محل شرک ویران ہوا حالانکہ اس دن مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے فقط ستر اونٹ تھے باقی سب پیدل تھے' ہتھیار بھی اتنے کم تھے کہ گویا نہ تھے اور دشمن کی تعداد اس دن تین گنا تھی ایک ہزار سے کچھ ہی کم تھے ہر ایک زرہ بکتر لگائے ہوئے' ضرورت سے زیادہ وافر ہتھیار عمدہ عمدہ' کافی سے زیادہ مالداری' گھوڑے نشان زدہ' جن کو سونے کے زیور پہنائے گئے تھے اس موقعہ پر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو عزت اور غلبہ دیا حالات کے بارے میں ظاہر و باطن وحی کی' اپنے نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو سرخرو کیا اور شیطان اور اس کے لشکریوں کو ذلیل و خوار کیا' اب اپنے مومن بندوں اور جنتی لشکریوں کو اس آیت میں یہ احسان یاد دلاتا ہے کہ تمہاری تعداد کی کمی اور ظاہری اسباب کی غیر موجودگی کے باوجود تمہیں کو غالب رکھا تا کہ تم معلوم کر لو کہ غلبہ ظاہری اسباب پر موقوف نہیں' اسی لیے دوسری آیت میں صاف فرما دیا کہ جنگِ حنین میں تم نے ظاہری اسباب پر نظر ڈالی اور اپنی زیادتی دیکھ کر خوش ہوئے لیکن اس میں زیادتی تعداد اور اسباب کی موجودگی نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

حضرت عیاض اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ یرموک میں ہمارے پانچ سردار تھے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ حضرت ابن حسنہ رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت عیاض اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ لڑائی کے وقت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سردار ہوں گے اس لڑائی میں ہمیں چاروں طرف

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧٧١٦) دلائل النبوۃ للبیهقی (٣/٢٠٦)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب اذ همت طائفتان منکم (٤٠٥١) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل سلمان وبلال (٢٥٠٥)]

سے شکست کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے خلیفہ وقت کو خط لکھا کہ ہمیں موت نے گھیر رکھا ہے امداد کیجیے فاروق رضی اللہ عنہ کا مکتوب گرامی ہماری گزارش کے جواب میں آیا جس میں تحریر تھا کہ تمہارا طلبِ امداد کا خط پہنچا' میں تمہیں ایک ایسی ذات بتاتا ہوں جو سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ مضبوط لشکر والی ہے وہ ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے جس نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی مدد بدر والے دن کی تھی بدری لشکر تو تم سے بہت ہی کم تھا میرا یہ خط پڑھتے ہی جہاد شروع کر دو اور اب مجھے کچھ نہ لکھنا' نہ پوچھنا۔ اس خط سے ہماری جراٗتیں بڑھ گئیں ہمتیں بلند ہو گئیں پھر ہم نے جم کر لڑنا شروع کیا الحمد للہ دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے۔ ہم نے بارہ میل تک ان کا تعاقب کیا بہت سا مالِ غنیمت ہمیں ملا جو ہم نے آپس میں بانٹ لیا پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میرے ساتھ دوڑ کون لگائے گا؟ ایک نوجوان نے کہا اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں حاضر ہوں چنانچہ دوڑنے میں وہ آگے نکل گئے میں نے دیکھا ان کی دونوں زلفیں ہوا میں اڑ رہی تھیں اور وہ اس نوجوان کے پیچھے گھوڑا دوڑائے چلے جا رہے تھے' [1] بدر بن نارین ایک شخص تھا اس کے نام سے ایک کنواں مشہور تھا اور اس میدان کا جس میں یہ کنواں تھا یہی نام ہو گیا تھا بدر کی جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ شکر کی توفیق ملے اور اطاعت گزاری کر سکو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ
وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ
طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ
شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾

الربع ع ١٣

جب تو مومنوں کو تسلی دے رہا تھا کہ کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی نہ ہوگا؟ ○ گو یہ لوگ اپنے اس جوش سے آئیں لیکن اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو گے تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشاندار ہوں گے ○ اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہے یاد رکھو مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے ○ اس امداد الٰہی سے کفار کی ایک جماعت کٹ جائے گی اور ذلیل ہو گی اور سارے کے

[1] [حسن مسند احمد (١/٤٩) صحيح ابن حبان (١١/٨٣)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (٦/٢١٦)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٣٤٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

سارے نامراد ہو کر واپس چلے جائیں گے' اے پیغمبر تمہارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے ان کی توبہ قبول کرے چاہے عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں ○ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے' اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

غزوہ بدر: آنحضرت ﷺ کا یہ تسلیاں دینا بعض تو کہتے ہیں بدر والے دن تھا حسن بصری' عامر شعبی' ربیع بن انس رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے [1] ابن جریر رحمہ اللہ کا بھی اسی سے اتفاق ہے عامر شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مسلمانوں کو یہ خبر ملی تھی کہ کرز بن جابر مشرکوں کی امداد میں آئے گا اس پر اس امداد کا وعدہ ہوا تھا لیکن نہ وہ آیا اور نہ ہی یہ گئے' ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے پہلے تو ایک ہزار فرشتے بھیجے پھر تین ہزار ہو گئے پھر پانچ ہزار' [2] یہاں اس آیت میں تین ہزار اور پانچ ہزار سے مدد کرنے کا وعدہ ہے اور بدر کے واقعہ کے بیان کے وقت ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ ہے۔ فرمایا ﴿أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ (الانفال/ ٩) اور تطبیق دونوں آیتوں میں یہی ہے کیونکہ ﴿مُرْدِفِينَ﴾ کا لفظ موجود ہے پس پہلے ایک ہزار اترے پھر ان کے بعد تین ہزار پورے ہوئے' آخر پانچ ہزار ہو گئے' بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ جنگِ بدر کے لیے تھا نہ کہ جنگِ احد کے لیے' بعض کہتے ہیں جنگِ احد کے موقعہ پر وعدہ ہوا تھا مجاہد' عکرمہ' ضحاک' زہری' موسیٰ بن عقبہ رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان میدان چھوڑ کر ہٹ گئے اس لیے یہ فرشتے نازل نہ ہوئے' کیونکہ ﴿إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا﴾ ساتھ ہی فرمایا تھا یعنی اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو ﴿فَوْرٍ﴾ کے معنی وجہ اور غضب کے ہیں ﴿مُسَوِّمِينَ﴾ کے معنی علامت والے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرشتوں کی نشانی بدر والے دن سفید رنگ کے لباس کی تھی [3] اور ان کے گھوڑوں کی نشانی ماتھے کی سفیدی تھی' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کی نشانی سرخ تھی' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گردن کے بالوں اور دم کا نشان تھا' اور یہی نشان آپ کے لشکریوں کا تھا یعنی صوف کا۔ مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں فرشتوں کی نشانی ان کی پگڑیاں تھیں جو سیاہ رنگ کے عمامے تھے اور حنین والے دن سرخ رنگ کے عمامے تھے' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے علاوہ فرشتے کبھی جنگ میں شامل نہیں ہوئے' [4] اور سفید رنگ عماموں کی علامت تھی یہ صرف مدد کے لیے اور تعداد بڑھانے کے لیے تھے نہ کہ لڑائی کے لیے' یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید رنگ کا صافہ تھا اور فرشتوں پر زرد رنگ کا۔ [5]

پھر فرمایا کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تمہیں اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی' دلجوئی اور اطمینان کے لیے ہے' ورنہ اللہ کو قدرت ہے کہ ان کو اتارے بغیر بلکہ بغیر تمہارے لڑے بھی تمہیں غالب کر دے مدد اسی کی طرف سے ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ (محمد/ ٤) الخ' اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥١٩/٢)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٧٨/٧)]
[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥٢٥/٢)]
[4] [ابن ابی شیبة (٣٥٤/١٤)]
[5] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥٢٧/٢)]

لے لیتا لیکن وہ ہر ایک کو آزما رہا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قتل کیے جائیں ان کے اعمال اکارت نہیں ہوتے اللہ انہیں راہ دکھائے گا' ان کے اعمال سنوار دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا جس کی تعریف وہ کر چکا ہے' وہ عزت والا ہے اور اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے۔ یہ جہاد کا حکم بھی طرح طرح کی حکمتوں پر مبنی ہے اس سے کفار ہلاک ہوں گے یا ذلیل ہوں گے یا نامراد واپس ہو جائیں گے۔ اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے کل امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں' اے نبی ﷺ تمہیں کسی امر کا اختیار نہیں۔ جیسے فرمایا ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد/ ٤٠) تمہارا ذمہ صرف تبلیغ ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔ اور جگہ ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ﴾ (البقرہ/ ٢٧٢) الخ' ان کی ہدایت تمہارے ذمہ نہیں اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ (القصص/ ٥٦) الخ' تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے' پس میرے بندوں میں تجھے کوئی اختیار نہیں جو حکم پہنچے اسے اوروں کو پہنچا دے تیرے ذمہ یہی ہے۔ ممکن ہے اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے اور برائی کے بعد وہ بھلائی کرنے لگیں اور اللہ رحیم ان کی توبہ قبول فرما لے یا ممکن ہے کہ انہیں ان کے کفر و گناہ کی بنا پر عذاب کرے تو یہ ظالم اس کے بھی مستحق ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں جب دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور ﴿سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ﴾ کہہ لیتے تو کفار پر بددعا کرتے کہ اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت کر۔ اس کے بارے میں یہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ نازل ہوئی [1] مسند احمد میں ان کافروں کے نام بھی آئے ہیں مثلاً حارث بن ہشام' سہیل بن عمرو' صفوان بن امیہ اور اسی میں ہے کہ بالآخر ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور یہ مسلمان ہو گئے' [2] ایک روایت میں ہے کہ چار آدمیوں پر یہ بددعا تھی جس سے روک دیئے گئے [3] صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی پر بددعا کرنا یا کسی کے حق میں نیک دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد ﴿سَمِعَ اللّٰهُ﴾ اور ﴿رَبَّنَا﴾ پڑھ کر دعا مانگتے کبھی کہتے اے اللہ! ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابو ربیعہ' اور کمزور مومنوں کو کفار سے نجات دے اے اللہ! قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ اور اپنا عذاب نازل فرما اور ان پر ایسی قحط سالی بھیج جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھی یہ دعا با آواز بلند ہوا کرتی تھی اور بعض مرتبہ صبح کی نماز کے قنوت میں یوں بھی کہتے کہ اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت بھیج اور عرب کے بعض قبیلوں کے نام لیتے تھے۔ [4]

اور روایت میں ہے کہ جنگ احد میں جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے' چہرہ زخمی ہوا' خون بہنے لگا تو

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب لیس لك من الامر شیئی (٤٠٦٩) نسائی : کتاب التطبیق : باب لعن المنافقین فی القنوت (١٠٧٩) مسند احمد (١٤٧/٢)]

[2] [صحیح : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ ال عمران (٣٠٠٤) مسند احمد (٩٣/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

[3] [حسن صحیح :ترمذی (٣٠٠٥) مسند احمد (١٠٤/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

[4] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب لیس لك من الامر شیئی (٤٥٦٠) مسند احمد (٢٥٥/٢)]

زبان سے نکل گیا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ یہ کیا؟ حالانکہ نبی اللہ خالق کل کی طرف سے انہیں بلاتا تھا اس وقت یہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ﴾ الخ' نازل ہوئی' [1] آپ اس غزوے میں ایک گڑھ میں گر پڑے تھے اور خون بہت نکل گیا تھا کچھ تو اس ضعف کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے اٹھ نہ سکے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ حضرت سالم رضی اللہ عنہ پہنچے اور چہرے پر سے خون پونچھا جب افاقہ ہوا تو آپ نے یہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ [2] پھر فرماتا ہے کہ زمین آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے سب اس کے غلام ہیں جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے متصرف وہی ہے جو چاہے حکم کرے کوئی اس پر پرسش نہیں کر سکتا وہ غفور اور رحیم ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾

اے ایمان والو بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تمہیں نجات ملے ○ اس آگ سے ڈرتے رہا کرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے ○ جو لوگ آسانی اور سختی کے موقعہ پر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنے لگتے ہیں' فی الواقع اللہ کے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش بھی نہیں سکتا یہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے ○ انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب لیس لك من الامر شیئی تعلیقا (قبل الحدیث ٤٠٦٩) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب غزوہ احد (١٧٩١) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة ال عمران (٣٠٠٢) مسند احمد (٣/٩٩)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧٨١١)]

ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے ○

سودخوری کی ممانعت اور غصہ سے بچنے کی تلقین: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی لین دین سے اور سودخوری سے روک رہا ہے' اہل جاہلیت سودی قرضہ دیتے تھے مدت مقرر ہوتی تھی اگر اس مدت پر روپیہ وصول نہ ہوتا تو مدت بڑھا کر سود پر سود ملا کر اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی' اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو اس طرح ناحق لوگوں کے مال غصب کرنے سے روک رہا ہے اور تقوے کا حکم دے کر اس پر نجات کا وعدہ کر رہا ہے' پھر آگ سے ڈراتا ہے اور اپنے عذابوں سے دھمکاتا ہے' پھر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس پر رحم وکرم کا وعدہ دیتا ہے' پھر سعادت دارین کے حصول کے لیے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کو فرماتا ہے' اور جنت کی تعریف کرتا ہے' چوڑائی کو بیان کر کے لمبائی کا اندازہ سننے والوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے' جس طرح جنتی فرش کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ﴿بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ (الرحمن / ٥٤) یعنی اس کا استر نرم ریشم کا ہے' تو مطلب یہ ہے کہ جب استر ایسا ہے تو ابرے کا کیا ٹھکانا ہے؟ اسی طرح یہاں بھی بیان ہو رہا ہے کہ جب عرض ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے تو طول کتنا بڑا ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ عرض وطول یعنی لمبائی چوڑائی دونوں برابر ہے کیونکہ جنت مثل قبہ کے عرش کے نیچے ہے اور جو چیز قبہ نما ہو یا مستدیر ہو اس کا عرض وطول یکساں ہوتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ سے جنت مانگو تو فردوس کا سوال کرو وہ سب سے اونچی اور سب سے اچھی جنت ہے اسی جنت سے سب نہریں جاری ہوتی ہیں اور اسی کی چھت اللہ تعالیٰ رحمٰن رحیم کا عرش ہے۔[1]

مسند امام احمد میں ہے کہ ہرقل نے حضور ﷺ کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے تو یہ فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ! جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟[2] جو قاصد ہرقل کا یہ خط لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا اس سے حضرت یعلی بن مرہ رحمہ اللہ کی ملاقات حمص میں ہوئی تھی کہتے ہیں اس وقت یہ بہت ہی بوڑھا ہو گیا تھا کہنے لگا جب میں نے یہ خط حضور ﷺ کو دیا تو آپ نے اپنی بائیں طرف کے ایک صحابی کو دیا میں نے لوگوں سے پوچھا ان کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی سوال ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ دن کے وقت رات اور رات کے وقت دن کہاں جاتا ہے؟ یہودی یہ جواب سن کر کھسیانے ہو کر کہنے لگے کہ یہ توراۃ سے ماخوذ کیا ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ جواب مروی ہے' ایک مرفوع حدیث میں ہے کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا جب ہر چیز پر رات آ جاتی ہے تو

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب درجات المجاهدین فی سبیل الله (٢٧٩٠) مسند احمد (٢/٣٣٥)]

[2] [ضعیف : مسند احمد (٣/٤٤١) بیهقی فی دلائل النبوة (١/٢٦٦) مجمع الزوائد (٨/٢٣٧) عبد الله بن احمد فی زوائده علی المسند (٤/٧٤) البداية والنهاية (٥/١٩)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں سعید بن ابی راشد مجہول ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٥٦٥٥)]

دن کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا جہاں اللہ چاہے' آپ نے فرمایا اس طرح جہنم بھی جہاں اللہ چاہے۔ (بزار) [1] اس جملہ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ رات کے وقت ہم گو دن کو نہیں دیکھ سکتے لیکن تاہم دن کا کسی جگہ ہونا ناممکن نہیں' اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا جہاں اللہ چاہے وہ بھی ہے' دوسرے معنی یہ کہ جب دن ایک طرف چڑھنے لگا رات دوسری جانب ہوتی ہے اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں۔ تو کوئی نفی کا امکان ہی نہ رہا۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کا وصف بیان فرماتا ہے کہ وہ سختی میں اور آسانی میں' خوشی میں اور غمی میں' تندرستی میں اور بیماری میں غرض ہر حال میں راہ للہ اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً﴾ (البقرہ/ ٢٧٤) یعنی وہ لوگ دن رات' چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں کوئی امر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز نہیں رکھ سکتا اس کی مخلوق پر اس کے حکم سے احسان کرتے رہتے ہیں یہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی برائیوں سے درگزر کرنے والے ہیں ﴿كَظْم﴾ کے معنی چھپانے کے بھی ہیں یعنی اپنے غصہ کا اظہار بھی نہیں کرتے۔

بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم! اگر غصہ کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصے کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا۔ (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ روک لے اللہ تعالیٰ اس پر سے اپنے عذاب کو ہٹا لیتا ہے اور جو بھی اپنی زبان (خلافِ شرع باتوں سے) روک لے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتا ہے۔ [2] (مسند ابو یعلی) یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں بھی اختلاف ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے آپ فرماتے ہیں پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ [3] (احمد)

صحیح بخاری' صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا حضور ﷺ کوئی نہیں آپ نے فرمایا میں تو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے مال سے

---

[1] [حسن: بزار فی کشف الاستار (٢١٩٦) مستدرك حاکم (١/٣٦) صحیح ابن حبان (١٠٣)] امام حاکم ؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (٦/٣٢٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف: مسند ابو یعلی (٤٣٣٨) الترغیب والترہیب (٣/٥٢٥) المطالب العالیة ٣٠/١٥٢) مجمع الزوائد (١٠/٢٩٧)] اس کی سند میں ربیع بن سلیم ازدی راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب الحذر من الغضب (٦١١٤) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة: باب فضل من یملك نفسه عند الغضب (٢٦٠٩) مسند احمد (٢/٢٣٦)]

زیادہ اپنے وارث کا مال چاہتے ہو اس لیے کہ تمہارا مال درحقیقت وہ ہے جو تم راہ للہ اپنی زندگی میں خرچ کر دو اور جو چھوڑ کر جاؤ وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارثوں کا مال ہے تو تمہارا راہ اللہ کم خرچ کرنا اور جمع زیادہ کرنا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ تم اپنے مال سے اپنے وارثوں کے مال کو زیادہ عزیز رکھتے ہو' پھر فرمایا تم پہلوان کسے جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا حضور ﷺ اسے جسے کوئی گرا نہ سکے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ حقیقتاً زوردار پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے جذبات پر پورا قابو رکھے' پھر فرمایا: بے اولاد کسے کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا جس کی اولاد نہ ہو' فرمایا نہیں بلکہ فی الواقع بے اولاد وہ ہے جس کے سامنے اس کی کوئی اولاد مری نہ ہو۔ [1] (مسلم)

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کنگال کون ہے؟ لوگوں نے کہا جس کے پاس مال نہ ہو آپ نے فرمایا بلکہ وہ جس نے اپنا مال اپنی زندگی میں راہ للہ نہ دیا ہو۔ [2] (مسند احمد)

حضرت جاریہ بن قدامہ سعدی رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ مجھے کوئی نفع کی بات کہیے جو مختصر ہوتا کہ میں یاد رکھ سکوں آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر یہی جواب دیا کئی کئی مرتبہ یہی کہا [3] (مسند احمد) کسی شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجیے آپ نے فرمایا غصہ نہ کر وہ کہتے ہیں میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے۔ [4] (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا تو آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے ان سے پوچھا گیا یہ کیا؟ تو فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جسے غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے۔ [5] (مسند احمد) مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ عروہ بن محمد رحمہ اللہ کو غصہ چڑھا آپ وضو کرنے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے اپنے استادوں سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری: کتاب الرقاق : باب ماقدم من ماله فهوله (٦٤٤٢) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب فضل من یملك نفسه عند الغضب (٢٦٠٨) مسند احمد (١/٣٨٢)]

[2] [ضعیف : مسند احمد (٥/٣٦٧) مجمع الزوائد (٣/١١)] اس کی سند میں ابوحصبہ یا ابن حصبہ راوی مجہول ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے۔[تعجیل المنفعة (ص : ٤٧٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [صحیح : مسند احمد (٥/٣٤) طبرانی کبیر (٢٠٩٦) مستدرك حاکم (٣/٦١٥) صحیح ابن حبان (٥٦٨٩)] شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (١٥٩٦٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[4] [صحیح : مسند احمد (٥/٣٧٣) مجمع الزوائد (٨/٦٨-٦٩)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ شیخ شعیب ارناؤط نے فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (٢٣١٧١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[5] [صحیح : مسند احمد (٥/١٥٢) ابوداؤد : کتاب الادب : باب مایقال عند الغضب (٤٧٨٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، المشکاة (٥١١٤)]

اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ بجھانے والی چیز پانی ہے پس تم غصہ کے وقت وضو کرنے بیٹھ جاؤ۔ [1] حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اپنا قرض اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے لوگو سنو! جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے کسی گھونٹ کا پینا اللہ کو ایسا پسند نہیں جتنا غصہ کے گھونٹ کا پی جانا۔ ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے۔ (مسند احمد) [2]

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر بھی ضبط کر لے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وامان سے پُر کر دیتا ہے جو شخص شہرت کے کپڑے کے موجود ہونے کے باوجود اس کو تواضع کی وجہ سے چھوڑ دے اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا حلہ قیامت کے دن پہنائے گا اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا۔ [3] (ابوداؤد)

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص باوجود قدرت کے اپنا غصہ ضبط کر لے اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے۔ (مسند احمد) [4] اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں، پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے غصہ میں آپے سے باہر نہیں ہوتے لوگوں کو ان کی طرف سے برائی نہیں پہنچتی بلکہ اپنے جذبات کو دبائے رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈر کر ثواب کی امید پر معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں، لوگوں سے درگزر کرتے ہیں ظالموں کے ظلم کا بدلہ بھی نہیں لیتے اسی کو احسان کہتے ہیں اور ان محسن بندوں سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں ایک تو یہ کہ صدقہ سے مال نہیں گھٹتا دوسرے یہ کہ عفو و درگزر کرنے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے تیسرے یہ کہ تواضع فروتنی اور عاجزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔ [5] مستدرک کی حدیث میں ہے جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بنیاد بلند ہو اور اس کے درجے بڑھیں تو اسے ظالموں سے درگزر کرنا چاہیے اور نہ دینے والوں کو دینا چاہیے اور توڑنے والوں سے

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (٤/٢٢٦) ابوداؤد : کتاب الادب : باب مایقال عند الغضب (٤٧٨٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (١٥١٠)]

[2] [ضعیف جدا : مسند احمد (١/٣٢٧)] شیخ البانی ؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (٦٧٤١) الموسوعة الحدیثیة (٣٠١٥)]

[3] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الادب : باب من کظم غیضا (٤٧٧٨)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود (١٠٢٣) المشکاة (٥٠٨٩)]

[4] [حسن : ابوداؤد : کتاب الادب : باب من کظم غیظا (٤٧٧٧) ترمذی : کتاب البر والصلة : باب فی کظم الغیظ (٢٠٢١)، (٢٤٩٣) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب الحلم (٤١٨٦)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابوداود (٣٩٩٧) المشکاة (٥٠٨٨)]

[5] [صحیح : ترمذی : کتاب الزهد : باب ماجاء مثل الدنیا مثل اربعة نفر (٢٣٢٥) مسند احمد (٤/٤٣١)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

جوڑنا چاہیے[1] اور حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے لوگو درگزر کرنے والو اپنے رب کے پاس آؤ اور اپنا اجر لو۔ مسلمانوں کی خطاؤں کے معاف کرنے والے لوگ جنتی ہیں۔[2] پھر فرمایا یہ لوگ گناہ کے بعد فوراً اللہ کا ذکر اور استغفار کرتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے پھر اللہ رحمٰن ورحیم کے سامنے حاضر ہو کر کہتا ہے کہ پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا تو معاف فرما اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے سے گو گناہ ہو گیا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اس کا رب گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے اور اگر چاہے تو معاف بھی فرما دیتا ہے میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا' اس سے پھر گناہ ہو تو فرما دیتا ہے میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا' اس سے پھر گناہ ہو جاتا ہے یہ پھر توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر بخشتا ہے چوتھی مرتبہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر کہتا ہے اب میرا بندہ جو چاہے کرے۔ (مسند احمد) یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رقت طاری ہو جاتی ہے اور ہم اللہ والے بن جاتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی عورتوں بچوں میں پھنس جاتے ہیں' گھر بار کے دھندوں میں لگ جاتے ہیں آپ نے فرمایا: اگر تمہاری حالت یہی ہر وقت رہتی تو پھر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری ملاقات کو تمہارے گھر پر آتے' سنو اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں یہاں سے ہٹا دے اور دوسری قوم کو لے آئے جو گناہ کرے پھر بخشش مانگے' اور اللہ انہیں بخشے۔ ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو فرمایئے کہ جنت کی بنیادیں کس طرح استوار ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک اینٹ سونے کی تو ایک چاندی کی ہے اس کا گارہ مشک خالص ہے اس کے کنکر لؤلؤ اور یاقوت ہیں' اس کی مٹی زعفران ہے' جنتیوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی ان کی زندگی ہمیشہ کی ہو گی' ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے' جوانی کبھی نہیں ڈھلے گی اور تین اشخاص کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ ① عادل بادشاہ کی دعا۔ ② افطاری کے وقت روزے دار کی دعا۔ ③ مظلوم کی دعا بادلوں سے اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جناب باری ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا

---

[1] [ضعیف : مستدرك حاكم (٢/٢٩٥) طبرانی كبير (١/١٩٩)] اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابوامیہ بن یعلی راوی ضعیف ہے، جیسا کہ امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے۔[مجمع الزوائد (٨/١٩٢)] اس راوی کو امام دار قطنیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حبانؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے روایت لینا جائز نہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابوامیہ راوی ضعیف ہے۔]

[2] [ضعیف و منقطع : ضحاک کی ابن عباس سے ملاقات ثابت نہیں۔ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب قول الله تعالیٰ یریدون ان یبدلوا کلام الله (٧٥٠٧) صحیح مسلم : کتاب التوبة : باب قبول التوبة من الذنوب (٢٧٥٨) مسند احمد (٢/٢٩٦)]

اگر چہ کچھ وقت کے بعد ہو۔ [1] (مسند احمد)

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عزوجل اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ [2] (مسند احمد) صحیح مسلم میں بروایت امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ﴾ پڑھے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر چلا جائے' [3] امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ [4] (بخاری و مسلم) پس یہ حدیث تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے' اس سے اگلی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور اس سے اگلی روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اور اس سے تیسری روایت کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ تو الحمد للہ اللہ تعالیٰ کی وسیع مغفرت اور اس کی بے انتہا مہربانی کی خبر سید الاوّلین والآخرین کی زبانی آپ کے چاروں برحق خلفاء کی معرفت ہمیں پہنچی (آؤ اس موقعہ پر ہم گنہگار بھی ہاتھ اٹھائیں اور اپنے مہربان رحیم و کریم اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ اے ماں باپ سے زیادہ مہربان اے عفو و درگزر کرنے والے! اور کسی بھکاری کو اپنے در سے خالی نہ پھیرنے والے! تو ہم خطا کاروں کی سیاہ کاریوں سے بھی درگزر فرما اور ہمارے کل گناہ معاف فرما دے۔ آمین۔ مترجم) یہی وہ مبارک آیت ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو ابلیس رونے

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٢/ ٣٠٥) ترمذی: کتاب صفة الجنة: باب ماجآء فی صفة الجنة نعیمها (٢٥٢٦) ابن ماجه: کتاب الصیام: باب فی الصائم لا ترد دعوته (١٧٥٢)] امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ترمذی]

[2] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الصلاة: باب فی الاستغفار (١٥٢١) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلاة: باب ماجآء فی ان الصلاة کفارة (١٣٩٥) ترمذی: کتاب الصلاة: باب ماجآء فی الصلاة عند التوبة (٤٠٦) مسند احمد (١/ ٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [المشکاة (١٣٢٤)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الطهارة: باب الذکر المستحب عقب الوضوء (٢٣٤) ابوداؤد: کتاب الطهارة: باب مایقول الرجل اذا توضا (١٦٩) نسائی: کتاب الطهارة: باب القول بعد الفراغ من الوضوء (١٤١٨) ترمذی: کتاب الطهارة: باب فیما یقال بعد الوضوء (٥٥) مسند احمد (٤/ ١٤٥)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (١٥٩) صحیح مسلم: کتاب الطهارة: باب صفة الوضوء و کماله (٢٢٦) نسائی: کتاب الطهارة: باب المضمضة والاستنشاق (٨٤) ابوداؤد: کتاب الطهارة: باب صفة الوضوء النبی (١٠٦) مسند احمد (١/ ٥٩)]

لگا۔(مسند عبدالرزاق)①

استغفار اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ: مسند ابویعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار سے مداومت کرو' ابلیس گناہوں سے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کی اپنی ہلاکت ﴿لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ اور استغفار سے ہے' یہ حدیث دیکھ کر ابلیس نے لوگوں کی خواہش پرستی پر پردہ ڈال دیا پس وہ اپنے آپ کو راہ راست پر جانتے ہیں حالانکہ ہلاکت میں ہوتے ہیں'② لیکن اس حدیث کے دو راوی ضعیف ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو ان کے آخری دم تک بہکاتا رہوں گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے میرے جلال اور میری عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا'③ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھ سے گناہ ہو گیا آپ نے فرمایا توبہ کر لے اس نے کہا میں نے توبہ کی پھر گناہ ہو گیا فرمایا پھر توبہ کر لے اس نے کہا مجھ سے پھر گناہ ہو گیا آپ نے فرمایا پھر استغفار کر اس نے کہا مجھ سے اور گناہ ہوا فرمایا استغفار کیے جا' یہاں تک کہ شیطان تھک جائے۔④ پھر فرمایا گناہ کا بخشنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا' اور کہنے لگا اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں محمد (ﷺ) کی طرف توبہ نہیں کرتا (یعنی اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں) آپ نے فرمایا اس نے حق حقدار کو پہنچایا۔⑤ اصرار کرنے سے مراد یہ ہے کہ معصیت پر بغیر توبہ کیے اڑ نہیں جاتے اگر کئی مرتبہ گناہ ہو جائے تو کئی مرتبہ استغفار بھی کرتے ہیں' مسند ابویعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ اصرار کرنے والا اور اڑنے والا

---

① [عبدالرزاق (۱/۱۳۳)]

② [**ضعیف جدا:** مسند ابویعلی (۱۳٦) مجمع الزوائد (۱۰/۲۰۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عثمان بن مطر راوی ضعیف ہے اور اس کا شیخ عبدالغفور بن عبدالعزیز الواسطی ہے جس کے متعلق امام ابن معین نے فرمایا ہے کہ اس کی حدیث کچھ حیثیت نہیں رکھتی، امام ابن حبان نے فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا، امام بخاری فرماتے ہیں کہ محدثین نے اسے متروک کہا ہے اور امام ابن عدی اسے ضعیف و منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اسی طرح اس میں ابورجاء راوی ہے جسے حافظ ابن حجر نے مجہول کہا ہے۔]

③ [**ضعیف:** مسند احمد (۳/۲۹) مسند ابویعلی (۱۲۷۳) بغوی فی شرح السنة (۵/۷٦)] شیخ البانی نے اسے منقطع کہا ھے۔ [کما فی الصحیحة (۱/۱٦٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

④ [**صحیح بالشواهد:** بزار فی کشف الاستار (۳۲٤۹) مجمع الزوائد (۱۰/۱۹۹)، (۱۷۵۳۲)]

⑤ [**ضعیف:** مسند احمد (۳/٤۳۵) طبرانی کبیر (۱/۲۸٦) مجمع الزوائد (۱۰/۱۹۹)] اس کی سند میں محمد بن مصعب راوی ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الجامع (۳۷۰۷)] شیخ عبد الرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

نہیں جو استغفار کرتا رہتا ہے اگر چہ (بالفرض) اس سے ایک دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ ہو جائے۔ [1]

پھر فرمایا کہ وہ جانتے ہوں یعنی اس بات کو کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ﴾ (التوبہ/١٠٤) کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ﴾ (النساء/١١٠) الخ، جو شخص کوئی برا کام کرے یا گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ عزوجل بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا لوگو! تم اوروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا لوگو! تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا۔ باتیں بنانے والوں کی ہلاکت ہے، [2] گناہ پر جم جانے والوں کی ہلاکت ہے۔ پھر فرمایا ان کاموں کے بدلے ان کی جزا مغفرت ہے اور طرح طرح کی بہتی نہروں والی جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑے اچھے اعمال ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾

ع ٥

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ○ عام لوگوں کے لیے تو یہ قرآن اظہار (حق) ہے اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے ○ تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو ○ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی ایسے ہی زخمی ہو چکے

---

[1] [ضعیف: ابوداؤد: کتاب الصلاۃ: باب فی الاستغفار (١٥١٤) ترمذی: کتاب الدعوات (٣٥٥٩) مسند ابویعلی (١٣٨-١٣٩)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود، المشکاۃ (٢٣٤٠)]

[2] [صحیح: مسند احمد (١٦٥/٢) عبد بن حمید فی المنتخب (ص: ١٣١) مجمع الزوائد (١٩١/١٠) الادب المفرد للبخاری (٣٨٠) الدر المنثور للسیوطی (١٣٩/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلۃ الصحیحۃ (٤٨٢) صحیح الادب المفرد (٢٩٣)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (٦٥٤١)]

ہیں' ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (شکستِ احد) اس لیے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا○ (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے○ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟○ جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے اب اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا○

عزیمت کا راستہ جنت کا راستہ: چونکہ احد والے دن ستر (٧٠) مسلمان صحابی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ڈھارس دیتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دیندار لوگ مال و جان کا نقصان اٹھاتے رہے لیکن بالآخر غلبہ انہی کا ہوا' تم اگلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا۔ اس قرآن میں لوگوں کے لیے اگلی امتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت و وعظ بھی ہے یعنی تمہارے دلوں کی ہدایت اور تمہیں برائی بھلائی سے آگاہ کرنے والا یہی قرآن ہے' مسلمانوں کو یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بددل نہ ہو جانا' نہ مغموم بن کر بیٹھ رہنا فتح و نصرت غلبہ اور بلند و بالا مقام بالآخر مومنو تمہارے لیے ہی ہے۔ اگر تمہیں زخم لگے ہیں تمہارے آدمی شہید ہوئے تو اس سے پہلے تمہارے دشمن بھی تو قتل ہو چکے ہیں اور وہ بھی تو زخم خوردہ ہیں یہ تو چڑھتی ڈھلتی چھاؤں ہے ہاں بھلا وہ ہے جو انجام کار غالب رہے' اور یہ ہم نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ یہ بعض مرتبہ شکست بالخصوص اس جنگ احد کی' اس لیے تھی کہ ہم صابروں کا اور غیر صابروں کا امتحان کر لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو رکھتے تھے انہیں کامیاب بنائیں کہ وہ اپنا مال و جان ہماری راہ میں خرچ کریں۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جملہ معترضہ بیان کر کے فرمایا یہ اس لیے بھی کہ ایمان والوں کے گناہ اگر ہوں تو دور ہو جائیں اور ان کے درجات بڑھیں اور اس میں کافروں کا مٹانا بھی ہے کیونکہ وہ غالب ہو کر اترائیں گے سرکشی اور تکبر میں اور بڑھیں گے اور یہی ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنے گا اور پھر مر کھپ جائیں گے ان سختیوں اور زلزلوں اور ان آزمائشوں کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا جیسے سورۂ بقرہ میں ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کی جیسی آزمائش ہوئی ایسی تمہاری نہ ہو اور تم جنت میں چلے جاؤ یہ نہیں ہوگا۔ اور جگہ ہے ﴿الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ (العنکبوت / ١-٢) کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم صرف ان کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟ یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ جب تک صبر کرنے والے معلوم نہ ہو جائیں یعنی دنیا میں ہی ان کا ظہور نہ ہو جائے تب تک جنت نہیں مل سکتی۔ پھر فرمایا کہ تم اس سے پہلے تو ایسے موقعہ کی آرزو میں تھے کہ تم اپنا صبر' اپنی بہادری اور مضبوطی اور استقامت اللہ تعالیٰ کو دکھاؤ' اللہ کی راہ میں شہادت پاؤ' لو اب ہم نے تمہیں یہ موقعہ دیا تم بھی اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ' حدیث شریف میں ہے دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب میدان پڑ جائے پھر لوہے کی لاٹ کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں

کے سائے تلے ہے' [1] پھر فرمایا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ لیا کہ نیزے تنے ہوئے ہیں' تلواریں کھچ رہی ہیں' بھالے اچھل رہے ہیں' تیر برس رہے ہیں' گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے اور ادھر ادھر لاشیں گر رہی ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵

حضرت محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں' کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا' عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو نیک بدلہ دے گا○ بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے' دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں' اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم وہ بھی دے دیتے ہیں' احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے○ بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں' انہیں بھی راہ اللہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری' نہ سست ہوئے' نہ دبے' اللہ صبر کرنے والوں کو ہی چاہتا ہے○ وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے○ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی' اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے○

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی افواہ: میدانِ احد میں مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی اور ان کے بعض قتل بھی کیے گئے۔ اس دن شیطان نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) بھی شہید ہو گئے' اور ابن قمیہ کافر نے مشرکوں میں جا کر یہ خبر اڑا دی کہ میں حضور ﷺ کو قتل کر کے آیا ہوں اور دراصل وہ افواہ بے اصل تھی اور اس شخص

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب كان النبی اذا لم یقاتل فی اول النهار (٢٩٦٦) صحیح مسلم : کتاب الجهاد : باب كراهة تمنی لقآء العدو (١٧٤٢) ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی كراهية تمنی لقاء العدو (٢٦٣١)]

کا یہ قول بھی غلط تھا۔ اس نے حضور ﷺ پر حملہ تو کیا تھا لیکن اس سے صرف آپ ﷺ کا چہرہ قدرے زخمی ہو گیا تھا اور کوئی بات نہ تھی' اس غلط بات کی شہرت نے مسلمانوں کے دل چھوٹے کر دیئے' ان کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی سے بددل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے' اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاء علیہم السلام کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن اللہ کا دین نہیں جاتا رہے گا' ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگ احد میں زخموں سے چور زمین پر گرا پڑا ہے اور خاک وخون میں لوٹ رہا ہے' اس سے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضور ﷺ قتل کیے گئے اس نے کہا اگر یہ صحیح ہے تو آپ ﷺ تو اپنا کام کر گئے' اب آپ ﷺ کے دین پر تم سب بھی قربان ہو جاؤ' اسی کے بارے میں یہ آیت اتری۔ [1] پھر فرمایا کہ حضور ﷺ کا قتل یا انتقال ایسی چیز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے دین سے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ اور ایسا کرنے والے اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے' اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو جزائے خیر دے گا جو اس کی اطاعت پر جم جائیں اور اس کے دین کی مدد میں لگ جائیں اور اس کے رسول کی تابعداری میں مضبوط ہو جائیں خواہ رسول ﷺ زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے' مسجد میں تشریف لائے' لوگوں کی حالت دیکھی بھالی اور بغیر کچھ کہے سنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آئے' یہاں حضور ﷺ پر حبرہ کی چادر اوڑھا دی گئی تھی آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک پر سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو مرتبہ موت نہ لائے گا جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آ چکی۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ سنا رہے ہیں ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ انہیں چپ کرا کر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ مر گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے' اس پر موت نہیں آتی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے۔ پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ (ﷺ) فوت ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تو گویا قدموں تلے سے زمین نکل گئی' انہیں بھی یقین ہو گیا کہ حضور ﷺ اس جہان فانی کو چھوڑ کر چل بسے [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضور ﷺ کی موت پر مرتد ہوں' نہ آپ کی شہادت پر۔ اللہ کی قسم اگر حضور ﷺ قتل کیے جائیں تو ہم بھی اسی دین پر مرمٹیں جس پر آپ شہید ہوئے اللہ کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں' آپ کا ولی ہوں آپ کا چچازاد بھائی ہوں اور آپ کا وارث ہوں مجھ سے زیادہ حقدار آپ کا اور کون ہو گا؟ [3]

---

[1] [دلائل النبوة (٣/٢٤٨)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب مرض النبی ووفاته (٤٤٥٣ـ ٤٤٥٤)]

[3] [ضعیف : مستدرك حاكم (٣/١٢٦) طبرانی كبير (١/١٠٧)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اپنی مدت پوری کر کے ہی مرتا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ﴾ (فاطر/١١) نہ کوئی عمر دیا جاتا ہے نہ عمر گھٹائی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ﴾ (الانعام/٢) الخ ''جس اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر وقت پورا کیا اور اجل مقرر کی'' اس آیت میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی رغبت دلائی گئی ہے اور اللہ کی راہ کے جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جوانمردی کی وجہ سے کچھ عمر گھٹ نہیں جاتی اور پیچھے ہٹنے کی وجہ سے عمر بڑھ نہیں جاتی۔ موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی خواہ شجاعت اور بہادری برتو خواہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جب دشمنانِ دین کے مقابلے میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آ جاتا ہے اور لشکرِ اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو' یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں' آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے گھوڑوں کو پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے بھاگو بھاگو چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس کا عمل صرف دنیا کے لیے ہو تو اس میں سے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے مل جاتا ہے لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور جس کا مقصد آخرت طلب ہو اسے آخرت ملتی ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اپنے مقدر کا پالیتا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ﴾ (الشوریٰ/ ٢٠) الخ' آخرت کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم زیادتی کے ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم گو دنیا دے دیں۔ لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور جگہ ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ (الاسراء/١٨) جو شخص صرف دنیا طلب ہی ہو ہم ان میں سے جسے چاہیں جس قدر چاہیں دنیا دے دیتے ہیں پھر وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ذلت ورسوائی کے ساتھ اس میں جاتا ہے اور جو آخرت کا خواہاں ہو اور کوشاں بھی ہو اور باایمان بھی ہو ان کی کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں مشکور ہے' اسی لیے یہاں بھی فرمایا کہ ہم شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ احد کے مجاہدین کو خطاب کرتا ہوا فرماتا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنی جماعتوں کو ساتھ لے کر دشمنانِ دین سے لڑے بھڑے اور وہ تمہاری طرح اللہ کی راہ میں تکلیفیں بھی پہنچائے گئے لیکن پھر بھی مضبوط دل اور صابر وشاکر رہے' نہ سست ہوئے' نہ ہمت ہاری اور اس صبر کے بدلے انہوں نے اللہ کریم کی محبت مول لے لی' ایک یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اے مجاہدین احد؟ تم یہ سن کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے کیوں ہمت ہار بیٹھے؟ اور کفر کے مقابلے میں کیوں دب گئے؟ حالانکہ تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو دیکھ کر بھی نہ دبے' نہ پیچھے ہٹے بلکہ اور تیزی کے ساتھ لڑے' یہ اتنی بڑی مصیبت بھی ان کے قدم نہ ڈگمگا سکی اور ان کے دل چھوٹے نہ کر سکی' پھر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر اتنے بودے کیوں ہو گئے؟ ﴿رِبِّيُّوْنَ﴾ کے بہت

سے معنی آتے ہیں مثلاً علماء' ابرار' متقی' عابد' زاہد' تابع فرمان وغیرہ وغیرہ۔ [1] پس قرآن کریم ان کی اس مصیبت کے وقت کی دعا کو نقل کرتا ہے کہ انہیں دنیا کا ثواب نصرت و مدد' ظفر و اقبال ملا اور آخرت کی بھلائی اور اچھائی بھی اسی کے ساتھ جمع ہوئی' یہ محسن لوگ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾

اے ایمان والو اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے' بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہ ہی بہترین مددگار ہے ○ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری' ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے ○ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تم اس کے حکم سے انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ تم بزدل ہو گئے اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھا دی' تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا' پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہیں آزمالے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمالیا' ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ○ جبکہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول (ﷺ) تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے' پس تمہیں غم پر غم پہنچا تا کہ تم نہ تو فوت شدہ چیز پر غمگین ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اداس ہو' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے ○

کفار کے ارادے اور کچھ غزوہ احد کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو کافروں اور منافقوں کی باتوں کے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٢٦٦) تفسیر ابن ابی حاتم (٢/٥٨٧)]

ماننے سے روک رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اگر ان کی مانی تو دنیا اور آخرت کی ذلت تم پر آئے گی ان کی چاہت تو یہی ہے کہ تمہیں دین اسلام سے ہٹا دیں' پھر فرماتا ہے مجھ ہی کو اپنا والی اور مددگار جانو مجھ ہی سے دوستی کرو' مجھ ہی پر بھروسہ کرو' مجھ ہی سے مدد چاہو۔ پھر فرمایا کہ میں ان شریروں کے دلوں میں ان کے کفر کے سبب ڈر' خوف ڈال دوں گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ باتیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں میری مدد مہینہ بھر کی راہ تک رعب سے کی گئی ہے' میرے لیے زمین مسجد اور اس کی مٹی وضو کی پاک چیز بنائی گئی' میرے لیے غنیمت کے مال حلال کیے گئے اور مجھے شفاعت دی گئی اور ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مخصوص بھیجا جاتا تھا اور میری بعثت' میری نبوت تمام دنیا کے لیے عام ہوئی۔ [1] مسند احمد میں ہے آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں پر اور بعض روایتوں میں ہے تمام امتوں پر مجھے چار فضیلتیں عطا فرمائی ہیں' مجھے تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا' میرے اور میری امت کے لیے تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی' میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں اس کی مسجد اور اس کا وضو ہے' میرا دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہو وہیں سے اللہ تعالیٰ اس کا دل رعب سے پر کر دیتا ہے اور وہ کانپنے لگتا ہے اور میرے لیے غنیمت کے مال حلال کیے گئے۔ [2] اور روایت میں ہے کہ میں مدد کیا گیا ہوں رعب سے ہر دشمن پر' [3] مسند کی ایک اور حدیث میں ہے مجھے پانچ چیزیں دی گئیں' میں ہر سرخ و سفید کی طرف بھیجا گیا' میرے لیے تمام زمین وضو اور مسجد بنائی گئی' میرے لیے غنیمت کے مال حلال کیے گئے' جو میرے سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے اور میری مدد مہینہ بھر کی راہ تک رعب سے کی گئی اور مجھے شفاعت دی گئی تمام انبیاء علیہم السلام نے شفاعت مانگ لی لیکن میں نے اپنی امت کے لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو بچا رکھی ہے' [4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔ [5]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور تمہاری مدد کی' اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا تین ہزار دشمن کا لشکر تھا تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی' لیکن پھر تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے اور بعض حضرات کی پست ہمتی کی بنا پر وہ وعدہ جو مشروط تھا

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التیمم (٣٣٥) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب المساجد (٥٢١) نسائی : کتاب الغسل والتیمم : باب التیمم بالصعید (٤٣٢) مسند احمد (٣٠٤/٣)]

[2] [صحیح : مسند احمد (٢٤٨/٥) ترمذی : کتاب السیر : باب ماجاء فی الغنیمة (١٥٥٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٥٢ ـ ٢٨٥)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب المساجد و مواضع الصلاة (٥٢٣)]

[4] [صحیح لغیرہ : مسند احمد (٤١٦/٤) مجمع (٢٥٨/٨)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (١٩٧٣٥)]

[5] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (٥٩٨/٢)] اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

رک گیا' پس فرماتا ہے کہ تم انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹتے تھے' شروع دن میں ہی اللہ نے تمہیں ان پر غالب کر دیا لیکن تم نے پھر بزدلی دکھائی اور نبی کی نافرمانی کی' ان کی بتائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے اور آپس میں اختلافات کرنے لگے حالانکہ اللہ عزوجل نے تمہیں تمہاری پسند کی ''چیز فتح'' دکھادی تھی' یعنی مسلمان صاف طور پر غالب آ گئے تھے مالِ غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے' تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی ہزیمت کو دیکھ کر نبی ﷺ کے فرمان کا خیال نہ کر کے مالِ غنیمت کی طرف لپکے' گو بعض نیک نیت اور آخرت طلب بھی تھے لیکن اس نافرمانی وغیرہ کی بنا پر کفار کی پھر بن آئی اور ایک مرتبہ تمہاری پوری آزمائش ہوگئی غالب ہو کر مغلوب ہو گئے' فتح کے بعد شکست ہوگئی' لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس جرم کو معاف فرما دیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بظاہر تم ان سے تعداد میں اور اسباب میں کم تھے خطا کا معاف ہونا بھی ﴿عَفَا عَنْكُمْ﴾ میں داخل ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ کچھ یونہی سی گوشمالی کر کے کچھ بزرگوں کی شہادت کے بعد اس نے اپنی آزمائش کو اٹھا لیا اور باقی والوں کو معاف فرما دیا' اللہ تعالیٰ باایمان لوگوں پر فضل و کرم' لطف و رحم ہی کرتا ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی مدد جیسی احد میں ہوئی ہے کہیں نہیں ہوئی۔ اسی کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا لیکن پھر تمہارے کرتوتوں سے معاملہ برعکس ہو گیا' بعض لوگوں نے دنیا طلبی کر کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی یعنی بعض تیراندازوں نے جنہیں حضور ﷺ نے پہاڑ کے درے پر کھڑا کیا تھا اور فرما دیا تھا کہ تم یہاں سے دشمنوں کی نگہبانی کرو وہ تمہاری پیٹھ کی طرف سے نہ آ جائیں' اگر تم ہار دیکھو تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور اگر تم ہر طرح غالب آ گئے تو بھی تم غنیمت جمع کرنے کے لیے بھی اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا' جب حضور ﷺ غالب آ گئے تو تیراندازوں نے حکم عدولی کی اور وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آ ملے اور مالِ غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا صفوں کا کوئی خیال نہ رہا درے کو خالی پا کر مشرکوں نے بھاگنا بند کیا اور غور و فکر کر کے اس جگہ حملہ کر دیا' چند مسلمانوں کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کی بے خبری میں اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم نہ جم سکے اور شروع دن کی فتح اب شکست سے بدل گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے اور لڑائی کے رنگ نے مسلمانوں کو اس بات کا یقین بھی دلا دیا' تھوڑی دیر بعد جبکہ مسلمانوں کی نظریں چہرے مبارک پر پڑیں تو وہ اپنی سب کوفت اور ساری مصیبت بھول گئے اور خوشی کے مارے حضور ﷺ کی طرف لپکے آپ ادھر آ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے کو خون آلودہ کر دیا' انہیں کوئی حق نہ تھا کہ اس طرح ہم پر غالب رہ جائیں' تھوڑی دیر میں ہم نے سنا کہ ابوسفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا ((اُعْلُ هُبَلُ اُعْلُ هُبَلُ)) ہبل بت کا بول بالا ہو' ہبل بت کا بول بالا ہو۔ ابوبکر کہاں ہیں؟ عمر کہاں ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور ﷺ اسے جواب دوں؟ آپ ﷺ نے اجازت دے دی تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ اللّٰهُ وَاَعْلٰى وَاَجَلُّ﴾ اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے' اللہ بہت بلند اور جلال و عزت والا ہے' وہ پوچھنے لگا محمد ﷺ کہاں ہیں؟ ابوبکر

کہاں ہیں؟ عمر کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ہیں رسول اللہ ﷺ اور یہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور یہ ہوں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابوسفیان کہنے لگا یہ بدر کا بدلہ ہے یونہی دھوپ چھاؤں الٹتی پلٹتی رہتی ہے' لڑائی کی مثال کنویں کے ڈول کی سی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا برابری کا معاملہ ہرگز نہیں تمہارے مقتول تو جہنم میں گئے اور ہمارے شہید جنت میں پہنچے۔ ابوسفیان کہنے لگا اگر یونہی ہو تو یقیناً ہم نقصان اور گھاٹے میں رہے' سنو تمہارے مقتولین میں بعض ناک کان کٹے لوگ بھی تم پاؤ گے گو یہ ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں ہوا لیکن ہمیں کچھ برا بھی نہیں معلوم ہوا۔ [1] یہ حدیث غریب ہے اور یہ قصہ بھی عجیب ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرسلات سے ہے اور وہ یا ان کے والد جنگ احد میں موجود نہ تھے۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے ابن ابی حاتم اور بیہقی فی دلائل النبوۃ میں بھی یہ مروی ہے اور صحیح احادیث میں اس کے بعض حصوں کے شواہد بھی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں جو زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں مجھے تو پوری طرح یقین تھا کہ آج کے دن ہم میں کوئی ایک بھی طالب دنیا نہیں بلکہ اس وقت اگر مجھے اس بات پر قسم کھلوائی جاتی تو کھا لیتا لیکن قرآن میں یہ آیت اتری ﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ [2] یعنی تم میں سے بعض طالب دنیا بھی ہیں' جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضور ﷺ کے حکم کے خلاف آپ کی نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے قدم اکھڑ گئے حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر باقی رہ گئے جب مشرکین نے حضور ﷺ کو گھیر لیا تو آپ فرمانے لگے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو انہیں ہٹائے تو ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور اس جم غفیر کے مقابل تن تنہا داد شجاعت دینے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے پھر کفار نے حملہ کیا آپ نے یہی فرمایا ایک انصاری تیار ہو گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ انہیں آگے نہ بڑھنے دیا لیکن بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے یہاں تک کہ ساتوں صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے ہاں پہنچ گئے۔ اللہ ان سے خوش ہو' حضور ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا افسوس ہم نے اپنے ساتھیوں سے منصفانہ معاملہ نہ کیا' اب ابوسفیان نے ہانک لگائی کہ ((اعل هبل)) آپ نے فرمایا کہو ﴿اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ﴾ ابوسفیان نے کہا ((لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ)) ہمارا عزیٰ بت ہے تمہارا کوئی عزیٰ نہیں' آپ نے فرمایا کہو ﴿اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَالْكَافِرُوْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں' ابوسفیان کہنے لگا آج کے دن بدر کے دن کا بدلہ ہے کوئی دن ہمارا اور کوئی دن تمہارا۔ یہ تو ہاتھوں ہاتھ کا سودا ہے' ایک کے بدلے ایک ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہرگز برابر نہیں ہمارے شہداء زندہ ہیں وہاں رزق دیئے جاتے ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں عذاب کیے جا رہے ہیں' پھر ابوسفیان بولا تمہارے مقتولوں میں تم دیکھو گے کہ بعض کے کان ناک وغیرہ کاٹ لیے گئے ہیں لیکن میں نے نہ یہ کہا نہ اسے روکا' نہ اسے میں نے پسند کیا' نہ ناپسند کیا' نہ مجھے یہ بھلا معلوم ہوا' نہ برا۔

---

[1] [صحیح بالشواهد : مسنداحمد (١/٢٧٨) مستدرك حاكم (٢/٢٩٦) تفسير ابن ابی حاتم (٢/٦٠٢) دلائل النبوة للبيهقی (٣/٢٦٩)] مزید دیکھئے: صحیح بخاری (٣٠٣٩)]

[2] [سورة آل عمران : آیت ١٥٢]

اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا اور ہندہ نے ان کا کلیجہ لے کر چبایا تھا لیکن نگل نہ سکی تو اگل دیا' حضور علیہ السلام نے فرمایا ناممکن تھا کہ اس کے پیٹ میں حمزہ کا ذرا سا گوشت بھی چلا جائے اللہ تعالیٰ حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی عضوِ بدن کو جہنم میں لے جانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازے کو اپنے سامنے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی پھر ایک انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ لایا گیا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ نے پھر نماز جنازہ پڑھی انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھا لیا گیا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ وہیں رہا اسی طرح ستر شخص لائے گئے اور حضرت حمزہ کی ستر دفعہ جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ [1] (مسند)

صحیح بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد والے دن مشرکوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کی ایک جماعت کو الگ جما دیا اور ان کا سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بنایا اور فرما دیا کہ اگر تم ہمیں ان پر غالب آیا ہوا دیکھو تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور وہ ہم پر غالب آ جائیں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا' لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ کے فضل سے مشرکوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ عورتیں بھی تہبند اونچا کر کر کے پہاڑوں میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں' اب تیرانداز گروہ غنیمت غنیمت کہتا ہوا نیچے اتر آیا' ان کے امیر نے انہیں ہر چند سمجھایا لیکن کسی نے ان کی نہ سنی' بس اب مشرکین مسلمانوں کی پیٹھ کی طرف سے آن پڑے اور ستر بزرگ شہید ہو گئے' ابوسفیان ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہنے لگا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں؟ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ کیا عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں؟ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش رہے تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہنے لگا یہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ اتر گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تاب ضبط نہ رہی فرمانے لگے' اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے بحمد للہ ہم سب موجود ہیں اور تیری تباہی اور بربادی کرنے والے زندہ ہیں' پھر وہ باتیں ہوئیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں' [2] صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جنگ احد میں مشرکوں کو ہزیمت ہوئی اور ابلیس نے آواز لگائی اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے کی خبر لو اگلی جماعتیں پچھلی جماعتوں پر ٹوٹ پڑیں' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ پر برس رہی ہیں ہر چند کہتے رہے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ یمان ہیں مگر کون سنتا تھا وہ یونہی شہید ہو گئے لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ بھلائی ان کے آخر دم تک ان میں رہی۔ [3]

---

[1] [حسن لغیرہ: مسند احمد (١/٤٦٣)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں عطاء بن سائب راوی مختلط ہے۔ [مجمع الزوائد (٦/١١٠)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند اگرچہ انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے مگر یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (٤٤١٤)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوة احد (٤٠٤٣) ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی الکمناء (٢٦٦٢) مسند احمد (٤/٢٩٣)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب اذ همت طائفتان (٤٠٦٥)]

سیرت ابن اسحاق میں ہے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ مشرک مسلمانوں کے اول حملہ میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ہندہ وغیرہ تہبند اٹھائے تیز تیز دوڑ رہی تھیں لیکن اس کے بعد جب تیر اندازوں نے مرکز چھوڑا اور کفار نے سمٹ کر پیچھے کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیا ادھر کسی نے آواز لگائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے پھر معاملہ برعکس ہو گیا' ورنہ ہم مشرکین کے علم برداروں تک پہنچ چکے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ حارثیہ عورت نے اسے تھام لیا اور قریش کا مجمع پھر جمع ہو گیا' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ یہ رنگ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں تم نے کیوں ہمتیں چھوڑ دیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تم جی کر کیا کرو گے؟ یہ کہا اور مشرکین میں گھسے پھر لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت سے جا ملے' [1] یہ بدر والے دن جہاد میں نہیں پہنچ سکے تھے تو عہد کیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی موقعہ آیا تو میں دکھا دوں گا' چنانچہ اس جنگ میں وہ موجود تھے جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو انہوں نے کہا اللہ میں مسلمانوں کے اس کام سے معذور ہوں اور مشرکوں کے اس کام سے بری ہوں پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے' راہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہنے لگے کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو جنت کی خوشبو کی لپٹیں احد پہاڑ سے چلی آ رہی ہیں چنانچہ مشرکوں میں گھس گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شہادت حاصل کی۔ اسی (۸۰) سے زیادہ تیر و تلوار کے زخم بدن پر آئے تھے پہچانے نہ جاتے تھے انگلی کو دیکھ کر پہچانے گئے۔ [2]

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک حاجی نے بیت اللہ شریف میں ایک مجلس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا قریشی ہیں۔ پوچھا ان کے شیخ کون ہیں؟ جواب ملا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں' اب وہ آیا اور کہنے لگا میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پوچھو اس نے کہا آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم کیا آپ کو علم ہے کہ (حضرت) عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) احد والے دن بھاگ گئے تھے؟ آپ نے جواب دیا ہاں۔ کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بدر والے دن بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا ہاں' کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت الرضوان میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا یہ بھی ٹھیک ہے' اب اس نے (خوش ہو کر) تکبیر کہی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادھر آ' اب میں تجھے پورے واقعات سناؤں' احد کے دن کا بھاگنا تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا' بدر کے دن کی غیر حاضری کا باعث یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور وہ اس وقت سخت بیمار تھیں تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ تم نہ آؤ مدینہ میں ہی رہو

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (٤٩٤٥)] اس کی سند میں قاسم راوی مجہول ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوۃ احد (٤٠٤٨) صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب ثبوت الجنة للشهيد (١٩٠٣)]

تمہیں اللہ تعالیٰ اس جنگ میں حاضر ہونے کا اجر دے گا اور غنیمت میں بھی تمہارا حصہ ہے' بیعت الرضوان کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کے پاس اپنا پیغام دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اس لیے کہ مکہ میں جو عزت انہیں حاصل تھی کسی اور کو اتنی نہ تھی ان کے تشریف لے جانے کے بعد یہ بیعت لی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ کھڑا کر کے کہا یہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ ہے پھر اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا (گویا بیعت کی) پھر اس شخص سے کہا اب جاؤ اور اسے ساتھ لے جاؤ۔ [1]

پھر فرمایا: ﴿إِذْ تُصْعِدُونَ﴾ الخ' یعنی تم اپنے دشمن سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور مارے خوف ودہشت کے دوسری جانب توجہ بھی نہیں کرتے تھے رسول ﷺ کو بھی تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا وہ تمہیں آوازیں دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ بھاگو نہیں' لوٹ آؤ' حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشرکین کے اس خفیہ اور پر زور اور اچانک حملہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے کچھ تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے' کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اللہ کے نبی آوازیں دیتے رہے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اس واقعہ کا بیان اس آیت میں ہے' [2] عبداللہ بن زبعری شاعر نے اس واقعہ کو نظم میں بھی ادا کیا ہے' آنحضرت ﷺ اس وقت صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گئے تھے' [3] مسند احمد کی ایک طویل حدیث میں بھی ان تمام واقعات کا ذکر ہے' دلائل النبوۃ میں ہے کہ جب ہزیمت ہوئی تب حضور ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ شخص رہ گئے اور ایک حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما تھے' آپ پہاڑ پر چڑھنے لگے لیکن مشرکین نے آ گھیرا آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس آواز پر فوراً لبیک کہا اور تیار ہو گئے لیکن آپ نے فرمایا تم ابھی ٹھہر جاؤ اب ایک انصاری تیار ہوئے اور وہ ان سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہوئے' اسی طرح سب کے سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے اور اب صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ رہ گئے گو یہ بزرگ ہر مرتبہ تیار ہو جاتے تھے لیکن حضور ﷺ انہیں روک لیا کرتے تھے آخر یہ مقابلہ پر آئے اور اس طرح جم کر لڑے کہ ان سب کی لڑائی ایک طرف اور یہ ایک طرف' اس لڑائی میں ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو زبان سے حس نکل گیا آپ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ کہہ دیتے یا اللہ کا نام لیتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور آسمان کی بلندی کی طرف لے چڑھتے اور لوگ دیکھتے رہتے' اب نبی ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں پہنچ چکے تھے۔ [4] صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ جسے انہوں نے ڈھال بنایا تھا شل ہو گیا تھا۔ [5]

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب فضائل اصحاب النبی : باب مناقب عثمان بن عفان (٣٦٩٩)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٠١/٧)]

[3] [صحیح : مسند احمد (٢٩٣/٤) صحیح بخاری (٣٠٣٩)]

[4] [حسن : نسائی : کتاب الجهاد : باب ما يقول من يطعنه العدو (٣١٥١) بيهقي في دلائل النبوة (٢٣٦/٣)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب اذا همت طائفتان (٤٠٦٣)]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے احد والے دن تمام تیر پھیلا دیئے اور فرمایا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' لے مشرکین کو مار' (١) آپ اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور میں تاک تاک کر مشرکین کو مارتا جاتا تھا اس دن میں نے دو شخصوں کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں تھے اور سخت تر جنگ کر رہے تھے میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا' نہ اس کے بعد' یہ دونوں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تھے' (٢) ایک اور روایت میں ہے کہ جو بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھگدڑ کے بعد تھے اور ایک ایک ہو کر شہید ہوئے تھے انہیں آپ فرماتے جاتے تھے کہ کوئی ہے جو انہیں روکے اور جنت میں جائے میرا رفیق بنے۔ (٣)

ابی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ تو نہیں بلکہ میں ان شاء اللہ اسے قتل کروں گا احد والے دن یہ خبیث سرتا پا لوہے میں غرق زرہ بکتر لگائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا اور یہ کہتا آتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ گئے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا ادھر سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس ناہنجار کی طرف بڑھے لیکن آپ شہید ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی آپ نے اپنا نیزہ تاک کر وہیں لگایا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور یہ تیورا کر گھوڑے پر سے گرا گو اس زخم سے خون بھی نہ نکلا تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ بلبلا رہا تھا لوگوں نے اسے اٹھا لیا لشکر میں لے گئے اور تشفی دینے لگے کہ ایسا کوئی کاری زخم نہیں لگا' کیوں اس قدر نامردی کرتا ہے آخر ان کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں ابی کو قتل کروں گا سچ مانو اب میں کبھی نہیں بچ سکتا تم اس پر نہ جاؤ کہ مجھے ذرا سی خراش ہی آئی ہے اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کل اہل ذی الحجاز کو اتنا زخم اس ہاتھ سے لگ جاتا تو سب ہلاک ہو جاتے پس یونہی تڑپتے تڑپتے اور بلکتے بلکتے اس جہنمی کی ہلاکت ہوئی اور مر کر جہنم رسید ہوا۔ (٤)

مغازی محمد بن اسحاق میں ہے کہ جب یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے مقابلہ کی خواہش کی لیکن آپ نے انہیں روک دیا اور فرمایا اسے آنے دو جب وہ قریب آ گیا تو آپ نے حضرت حارث بن

---

(١) [صحیح صحیح بخاری : کتاب المناقب : باب مناقب سعد بن ابی وقاص (٣٧٢٥) و کتاب المغازی (٤٠٥٥) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب فضل سعد بن ابی وقاص (٢٤١٢) ترمذی : کتاب الادب : باب ماجاء فی فداك ابی وامی (٢٨٢٩) ابن ماجه : مقدمه : باب فضل سعد بن ابی وقاص (١٣٠) مسند احمد (١٧٤/١)]

(٢) [صحیح صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب اذ همت طائفتان منکم (٤٠٥٤) صحیح مسلم : کتاب الفضائل : باب اکرامه بقتال الملائکة معه (٢٣٠٦) مسند احمد (١٧١/١)]

(٣) [صحیح صحیح مسلم : کتاب الجهاد : باب غزوة احد (١٧٨٩)]

(٤) [مرسل وضعیف بیهقی فی دلائل النبوة (٢٥٨/٣) سیرة ابن هشام (٦٠١/٣)]

صمہ رضی اللہ عنہ سے نیزہ لے کر اس پر حملہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں نیزہ دیکھتے ہی وہ کانپ اٹھا ہم نے اسی وقت سمجھ لیا کہ اس کی خیر نہیں آپ نے اس کی گردن پر وار کیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے پر سے گرا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بطن رابغ میں اس کافر کو موت آئی' ایک مرتبہ میں پچھلی رات یہاں سے گزرا تو میں نے ایک جگہ سے آگ کے دہشت ناک شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ پیاس پیاس کر رہا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے اسے پانی نہ دینا یہ پیغمبر کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یہ ابی بن خلف ہے۔ [1] بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے آپ اپنے سامنے کے چار دانتوں کی طرف جنہیں مشرکین نے احد والے دن شہید کیا تھا اشارہ کر کے فرما رہے تھے اللہ کا سخت تر غضب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ کیا اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جسے اللہ کا رسول اللہ کی راہ میں قتل کرے۔ [2] اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کا چہرہ زخمی کیا' [3] عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ زخم لگا تھا سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے تھے' رخسار پر زخم آیا تھا اور ہونٹ پر بھی' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے مجھے جس قدر اس شخص کے قتل کی حرص تھی کسی اور کے قتل کی نہ تھی۔ یہ شخص بڑا بد خلق تھا اور ساری قوم سے اس کی دشمنی تھی۔ اس کی برائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کرنے والے پر اللہ سخت غضبناک ہے' [4] عبدالرزاق میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بد دعا کی کہ اے اللہ سال بھر میں یہ ہلاک ہو جائے اور کفر پر اس کی موت ہو چنانچہ یہی ہوا اور یہ بد بخت کافر مرا اور جہنم واصل ہوا۔ [5]

ایک مہاجر کا بیان ہے کہ چاروں طرف سے احد والے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت سے وہ سب پھیر دیئے جاتے تھے' عبداللہ بن شہاب زہری نے اس دن قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دو وہ آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا اگر وہ نجات پا گیا تو میری نجات نہیں اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکا اور بالکل آپ کے پاس آ گیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر ہی نہ آئے جب وہ نامراد پلٹا تو صفوان نے اسے طعنہ زنی کی اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہیں ہمارے ہاتھ نہیں لگنے کے سنو! ہم چار شخصوں نے

---

[1] [ضعیف : بیهقی فی دلائل النبوة (٢٥٩/٣)] اس میں واقدی راوی ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب ما اصاب النبی من الجراح یوم احد (٤٠٧٣) صحیح مسلم : کتاب الجهاد : باب اشتداد غضب الله علی من قتله رسول الله (١٧٩٣)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری (٤٠٧٤) مسند احمد (٢٨٧/١) ابویعلی (٢٣٦٦)]

[4] [ضعیف : بیهقی فی دلائل النبوة (٢٦٥/٣)] اس میں ایک راوی مجہول ہے۔]

[5] [ضعیف ومرسل : بیهقی فی دلائل النبوة (٢٦٥/٣) عبدالرزاق (٩٦٤٩)]

ان کے قتل کا پختہ مشورہ کیا تھا اور آپس میں عہد و پیمان کیے تھے ہم نے ہر چند چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ (1) واقدی کہتے ہیں لیکن ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پیشانی کو زخمی کرنے والا ابن قمیئہ اور ہونٹ اور دانتوں پر صدمہ پہچانے والا عتبہ بن ابی وقاص تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب احد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے سر ہے میں جب لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کی حمایت میں جان ٹکائے لڑ رہا ہے میں نے کہا اللہ کرے یہ طلحہ ہو اب جو قریب آ کر دیکھا تو طلحہ رضی اللہ عنہ ہی تھے میں نے کہا الحمد للہ! میری ہی قوم کا ایک شخص ہے' میرے اور مشرکوں کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے بے پناہ حملے مشرکوں کی ہمت توڑ رہے تھے غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے' اب جو میں نے بغور حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے ہیں چہرہ زخمی ہو رہا ہے اور پیشانی میں زرہ کی دو کڑیاں کھب گئی ہیں میں آپ کی طرف لپکا لیکن آپ نے فرمایا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی خبر لو میں نے چاہا کہ حضور ﷺ کے چہرے میں سے دونوں کڑیاں نکالوں لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کر کے دانتوں سے پکڑ کر ایک کو نکال لیا لیکن اس میں انکا دانت بھی ٹوٹ گیا میں نے اب بھی چاہا کہ دوسری میں نکال لوں لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر قسم دی تو میں رک رہا' انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹے اس سے فارغ ہو کر ہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے ہم نے دیکھا کہ ستر سے زیادہ زخم انہیں لگ چکے ہیں' انگلیاں کٹ گئی ہیں ہم نے پھر ان کی بھی خبر لی (2) حضور کے زخم کا خون حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے چوسا تا کہ خون تھم جائے پھر ان سے کہا گیا کہ کلی کر ڈالو لیکن انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں کلی نہیں کروں گا پھر میدان جنگ میں چلے گئے حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھ لے۔ (3) چنانچہ یہ اسی میدان میں شہید ہوئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ زخمی ہوا' سامنے کے دانت ٹوٹے' سر کا خود ٹوٹا' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خون دھوتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لا لا کر ڈالتے جاتے تھے جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون

---

(1) [ضعیف : مغازی الواقدی (١/٢٣٨) اس میں اسحاق بن ابی فروہ راوی متروک الحدیث ہے۔]

(2) [ضعیف : طیالسی (٦) الضیاء المقدسی فی المختارۃ (١/١٣٦) بزار (١٧٩١)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے اس میں اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ راوی متروک ہے۔[مجمع الزوائد (٦/١١٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اسحاق بن طلحہ کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔]

(3) [ضعیف و مرسل: بیہقی فی دلائل النبوۃ (٥/٢٦٦)]

بندہوا۔[1] پھر فرماتا ہے، تمہیں غم پہ غم پہنچا' ﴿بِغَمٍّ﴾ کا ﴿با﴾ معنی میں ﴿علی﴾ کے ہے۔جیسے ﴿فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ (طه/٧١) میں ﴿فِيْ﴾ معنی میں ﴿علی﴾ کے ہے' ایک غم تو شکست کا تھا جبکہ یہ مشہور ہو گیا کہ (اللہ نہ کرے) حضور ﷺ کی جان پر بن آئی' دوسرا غم مشرکوں کو پہاڑ کے اوپر غالب آ کر چڑھ جانے کا جبکہ حضور ﷺ فرماتے تھے یہ بلندی کے لائق نہ تھے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک غم شکست کا دوسرا غم حضور ﷺ کے قتل کی خبر کا اور یہ غم پہلے غم سے زیادہ تھا' اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک غم تو غنیمت کا ہاتھ میں آ کر نکل جانے کا تھا دوسرا شکست ہونے کا' اسی طرح ایک اپنے بھائیوں کے قتل کا غم دوسرا حضور ﷺ کی نسبت ایسی منحوس خبر کا غم۔ پھر فرماتا ہے جو غنیمت اور فتح مندی تمہارے ہاتھوں سے گئی اور جو زخم وشہادت ملی اس پر غم نہ کھاؤ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو بلندی اور جلال والا ہے وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔



[1] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب الجهاد والسير : باب لبس البيضة (٢٩١١) و كتاب المغازی (٤٠٧٥) و كتاب الطب (٥٧٢٢) صحيح مسلم : كتاب الجهاد : باب غزوة احد (١٧٩٠) ابن ماجه : كتاب الطب : باب دواء الجراحة (٣٤٦٤)]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

امام ابوالفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱-۷۷۴ھ

